تصوف

مجموعہ

رسائل امام غزالی اردو

از حجۃ الاسلام امام محمد غزالیؒ

جلد اوّل

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا دل

ایہا الولد — تربیت اولاد کے زریں اصول
شرح اسماء الحسنیٰ — مشکوٰۃ الانوار
حقیقت السماع — آداب الاخلاق
القسطاس المستقیم

دارالاشاعت اردو بازار ۔ کراچی
فون ۲۱۳۷۶۸

مجموعہ رسائل امام غزالیؒ

فہرست مضامین جلد اول

اس میں آٹھ رسائل شامل ہیں

بادشاہ بننا چاہتے ہو یا ولی

ایپالوگ

تربیت اولاد کے زریں اصول

فہرست مضامین حضرت امام غزالیؒ

فہرست مضامین

شرح اسماء الحسنیٰ

مشکوٰۃ الانوار

آداب الاخلاق

فہرست مضامین

قسطاس المستقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں پانچویں صدی ہجری سے ان کا نام نامی آسمانِ علم پر سورج کی طرح چمک رہا ہے ان کی کتابیں ہر خواص و عام کے زیرِ مطالعہ ہیں اور ان لوگوں کی تعداد کا اندازہ کرنا ممکن نہیں جنہوں نے امام غزالی کی کتابوں سے استفادہ کیا اور کر رہے ہیں۔

امام غزالیؒ کی یوں تو بہت سی تصانیف ہیں مگر ان میں بہت کم ہی کتابیں ہیں جن کا اردو میں ترجمہ ہوا اور جن سے برصغیر کے لوگ متعارف ہیں۔ دارالاشاعت کو بحمد اللہ یہ سعادت حاصل ہوئی کہ وہ زیرِ نظر مجموعہ سے پہلے امام غزالیؒ کی مشہور تصنیف احیاء العلوم کا ترجمہ عنوانات کی ترتیب کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کر چکا ہے جو تمام حلقوں میں پسند کیا گیا۔ کافی عرصہ سے ہماری دلی خواہش اور علمی حلقوں کا بھی تقاضہ تھا کہ امام غزالیؒ کی ان نادر کتابوں کی دوبارہ اشاعت کی جائے جن کا اردو ترجمہ ہو چکا ہے مگر وہ دنیا سے اب دوکانوں میں ناپید ہوتی جا رہی ہیں۔ بحمد اللہ کہ زیرِ نظر مجموعہ سے ہماری خواہش پوری ہوئی ہے۔ ہم نے کوشش کی ہے کہ امام غزالیؒ کے ان جواہر پاروں کو یکجا کر دیا جائے جن کی تلاش میں علماء، طلباء، سالکین اور دانشور رہتے ہیں۔ مگر گوہرِ مقصود ان کے ہاتھ نہیں آتا ہم نے اس سلسلے میں جناب خالد اسحاق ایڈووکیٹ کی لائبریری اور انجمن ترقی اردو کراچی کے کتب خانہ خاص کے بھی بے حد ممنون ہیں جن کے تعاون کی بدولت بعض نایاب رسائل تک ہماری رسائی ہوئی اور اس طرح اس مجموعہ کی اشاعت مکمل ہوئی ہمیں امید ہے کہ اہلِ علم اور دین سے محبت و تعلق رکھنے والے حضرات اس مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور تمام دینی حلقوں میں اس مجموعہ کی خوب پذیرائی کی جائے گی۔

احقر کے والدین اور احقر کو حتی الامکان دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

خلیل اشرف عثمانی

بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ولی

(یعنی ترجمہ اُردو کتاب)

سر العالمین و کشف ما فی الدارین

(الملقب بہ)

سر المکنون

فہرست مضامین

مغرب پر محیط ہوگا۔ پھر ذوالقرنین کی ماں ان کو شہر بابل میں لائی اور کسی انکا حال یہاں ذکر کی تھی
پھر ذوالقرنین نے تین خواب ایسے دیکھے جو خاص ان کے کام کی دلیل اور ان کی سعادت کے
گواہ تھے۔ پہلا خواب یہ دیکھا کہ زمین مثل روٹی کے ہے اور انہوں نے اس کو کھا لیا ہے۔ اور
دوسرا خواب یہ دیکھا کہ سمندر کو انہوں نے پی لیا ہے اور اس کی کیچڑ تک کھا لی ہے۔ اور تیسرا خواب
یہ دیکھا کہ آسمان میں چڑھے اور ستاروں کو توڑ کر زمین پر پھینک دیا ہے اور سورج پر سوار ہو
کر چاند کی پیشانی پکڑ لی ہے۔ پھر جب ذوالقرنین کی حضرت خضر سے ملاقات ہوئی اور یہ خواب
بیان کیا تو انہوں نے ان کو بڑی مبارک باد اور عظیم الشان سلطنت کے حاصل ہونے کی خوشخبری
دی اور کہا کہ ایک نبی اور ایک حکیم ہمیشہ تمہارے ساتھ رہیں گے اسی طرح اگر تم جہاں سے
دیکھو تو بہت سی اسی قسم کی مثالیں گزر چکی ہیں اس واسطے تم کو لازم ہے کہ چند شخصوں کے پیرو
ہو کر آداب سلطنت حاصل کرو تاکہ اس کی کیمیا تمہارے پاس موجود ہو جائے اور ایسے چند
اور صاحب علم و فضل دوست تمہارے پاس مجتمع ہوں جو تمہارا راز کسی کے سامنے فاش نہ کریں اور
اس کتاب سر العالمین کے اسرار سے بخوبی واقف ہوں اور نیز کسی علم کیمیا کے واقف کو بھی اپنا
دوست بناؤ جو سرخ و سفید رنگ بنا کر دیوے کی امداد تم کو پہنچائے اور اگر ایسے دوست پیدا نہ
ہوں اور ہر طرح سے تمہارا اندوختہ برباد ہو اور مال بھی پاس نہ رکھتے ہو تب تم کو چاہیے کہ خوب علم و
فضل حاصل کرو اور ایک گوشۂ خلوت اختیار کر کے زہد و تقویٰ کے راستہ پر چلو اور شاگردوں
کو سبق دینا اور مریدوں کو ارشاد و تلقین کرنا شروع کر دو اور جہاں تک ہو سکے ان کی تعداد
کے بڑھانے میں کوشش کرو۔ اور وقتاً فوقتاً کرامتیں بھی ان کے سامنے ظاہر کرو تاکہ سچے
دل سے وہ تمہارے معتقد اور غلام بے زر خرید ہو جائیں اور اصلاح و تقویٰ کا راستہ ان کو
تعلیم کرو اور اپنی عظمت بطریق حکمت ان کے دل میں خوب بٹھا دو۔ پھر جب وہ لوگ اس سبق
کو خوب یاد کر لیں تب لوگوں کی بداعتقادی اور فسق و فجور اور اپنے دشمن بادشاہ کے احکام ظلم و
ستم یعنی ان کی تکلیف و پریشانی شروع کر دو اور متفکر ہو کے ایسا وقتاً فوقتاً سمجھاؤ کہ وہ کل منکرات سے
متنفر ہو کر ان کے قلع و قمع پر آمادہ ہو جائیں۔ اور پھر ان شاگردوں کو یہ سبق پڑھاؤ کہ وہ ہر
جگہ تم کو شہرت دیں اور بڑے بڑے لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت بٹھا کر ان کو تمہاری

قلیل جماعت ہر طرح مطیع فرمان ہو جائے اور کچھ قوت پکڑ لے تب تم خاص لوگوں سے نرمی اور
رفاقت اور نصیحت کا برتاؤ کرو اور جو لوگ تمہارے اعتقاد یا مقصد کے برخلاف ہوں ان سے
مباحثہ اور مجادلہ کرتے رہو اور جو کثیف طبیعت اور حاسد ہوں ان سے سختی کے ساتھ پیش آؤ۔
دیکھو اسلام کی ابتدا کس طرح ہوئی ہے حضور سرور عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلے یہ
حکم ہوا قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ وَلَا أَنَا
عَابِدٌ مَا عَبَدْتُّمْ وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُونَ مَا أَعْبُدُ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ یعنی
کہدو اے کافرو میں ان کی عبادت نہ کروں گا جن کی تم عبادت کرتے ہو۔ اور نہ تم اس کی عبادت
کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اور نہ میں عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم عبادت کرتے
ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں تمہارے واسطے تمہارا دین ہے
اور میرے واسطے میرا دین ہے پھر جب اسلام کی ترقی ہوئی تب زبان شمشیر سے یہ آواز ظاہر ہوا
فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ یعنی جب تم کافروں کے مقابل ہو تو ان کی گردنیں
مارو اور کمزوری کے وقت صلح کرکے جزیہ لینے کا حکم ہوا وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا یعنے اگر وہ صلح کیطرف
مائل ہوں تب تم بھی صلح کو اختیار کرو۔ پھر جب اقبال اسلامی کی ہوا چلی اور قرآن کا خیمہ سلطانی
ہر سایہ افگن ہوا تو حکم ہوا مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ یعنی نبی کو یہ لائق نہیں
ہے کہ اُن کے پاس قیدی رہیں اور وہ ان کو فدیہ لے کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ زمین میں خوب
خون بہا دیں۔ سلطنت کے طالب کو بھی یہی وتیرہ اختیار کرنا چاہیے۔ ہر شخص سے اس کی عقل
کے موافق گفتگو کرے اور عدل و انصاف میں کسی اپنے بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔
لشکر کو وقت پر تنخواہ بانٹے اور ہر مشکل کام کے وقت انعام و اکرام کا امیدوار کرے اور وعدہ
کا کسی ادنیٰ شخص سے بھی خلاف نہ کرے اہل فضل کی تعظیم و تکریم بجا لائے۔ مظلوم کے نقصان کی
مکافات کرے اور انصاف میں اپنی ذات اور دوسرے کو برابر جانے اور اپنے ملازموں حاکموں
یا عاملوں کی تنخواہیں اس قدر مقرر کرے کہ وہ غریب کے محتاج نہ رہیں ورنہ رشوت کا سلسلہ ان
کے اندر جاری ہو جائیگا۔ اور تمہارا ظلم رعایا میں ظاہر ہوگا اور لوگ تم سے بددل ہو جائیں
گے۔ اور ظاہر و باطن میں تمہارے خلاف کاروائیاں کرینگے معلوم ہو کہ تمہارے اخلاق

کے برخلاف مظلوم کی ہمت اور اس کے دل کی بددعا بہت کارآمد واقع ہوتی ہے۔ جیسے کہ بارش
طلبی کے وقت اہل یمن کی دعا اور ان کی دلی خواہش کا اثر آسمان پر پہنچا ہوتا ہے۔ اور مینہ
برسنے لگتا ہے۔ سلطان محمود سبکتگین نے اپنا ایک ایلچی ہندوستان کے راجہ کے پاس
یہ بات دریافت کرنے بھیجا کہ باوجود اس بات کے کہ تم لوگ مشرک صالح اور رسولوں کی تکذیب
کرنے والے ہو پھر تمہاری عمریں اس قدر دراز کیوں ہوتی ہیں۔ اور ہم لوگ باوجودیکہ خدا
پر ایمان رکھنے والے اور رسولوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ ہماری عمریں چھوٹی ہوتی
ہیں اس کا کیا سبب ہے۔ راجہ نے سلطان کے ایلچی سے کہا کہ میں تم کو اس بات کا جواب بہت
دونگا جب یہ پھلدار درخت جو تمہارے سامنے ہے خود بخود گر پڑے گا۔ پھر ایلچی کو ایک مکان میں فروکش
کر کے بہت اچھی طرح سے اس کی دعوت اور مہمانی کا حکم دیا۔ ایلچی صاحب انتظار میں ہی کہ دیکھنا
چاہیے کب یہ درخت گرتا ہے کہ میں جواب لے کر واپس جاؤں اور خدا کرے کہ جلدی یہ درخت
گرے پھر تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ ایک روز اس درخت کے گرنے کی خبر آئی اور لوگ
دوڑتے ہوئے اس درخت کے پاس گئے۔ راجہ صاحب بھی آئے اور ایلچی صاحب بھی تشریف
لائے جس وقت راجہ نے ایلچی کو دیکھا کہا بس اب تشریف لے جائیے آپ کا یہی جواب ہے
کہ یہ درخت گر پڑا اپنے سلطان سے کہنا کہ جب ایک شخص کی ہمت نے پھلدار درخت کو گرا دیا
تو پھر مظلوموں کی ایک جماعت کی ہمت ظالموں کے قلع و قمع میں کیوں نہ اثر کریگی۔ اور نیز
مظلوموں کی دعا ایک ایسا تیر بہدف ہے۔

بعض قدیم کتابوں میں وارد ہے کہ خدا فرماتا ہے اگر میں ظالم سے بدلہ نہ لوں تو میں خود ظالم ہوں
اور بعض آثار میں وارد ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص کی بددعا سے ڈرو جس کا میرے سوا کوئی
مددگار نہیں ہے۔

اور اے طالب سلطنت تم کو معلوم ہو کہ عدل کرنا اور بوقت ضرورت لوگوں کے دلوں میں
اپنی ہیبت قائم کرنے کے واسطے دشمنوں کو قتل کرنا اور سولی دینا یا زخمی کرنا یا اور اقسام کی تکلیف
سے ان کو ستانا ملک اور رعایا میں امن اور دلوں میں اطمینان پیدا کرتا ہے۔ کیونکہ بادشاہ زمین
میں خدا کا سایہ ہے ہر مظلوم اپنی دادرسی کے واسطے اس کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور ہر جابر کو

اس نے موقع پر کرنا نہایت ضروری اور مناسب بلکہ اکثر اوقات واجب ہوتا ہے اور مفسدوں کے
قتل و غارت کرنے سے غریبوں کی جانیں بچتی ہیں خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ
یّٰاُولِی الْاَلْبَابِ یعنی اے اہل عقل تمہارے واسطے قصاص میں زندگی ہے کیونکہ اپنے قتل کے
سبب سے کوئی شخص دوسرے کو قتل نہ کریگا۔ اور یہی باعث زندگی ہے طرفین حاصل ہو جہد
صحابی تھے معاویہ کو انہوں نے اقوال تفسیر اپنے معتقد لائے ہیں اور تو تیرہ میں بہت زور شور
سے زیادہ کیا ہے چنانچہ ایک جگہ کہا ہے سہ مُنَادِیۡ فِی الْخَلْقِ کُلِّہِمْ یعنی اے معاویہ خلقت میں
عدالت کا م نہ لو اور دوسری جگہ کہا ہے سہ مُنَادِیۡ فِی کُلِّ اٰیٰتٍ قَتَلَتْہُ تمام دنیا میں دل
کھول کر جس کام کو کرنا چاہتا ہے کرے چاہے ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو۔

اور حصول سلطنت کا ایک اور طریق مال کا بکثرت خرچ کرنا ہے اور ایک طریق یہ ہے کہ
خوب شمشیر زنی کرے مگر اس کے واسطے اپنے لشکر کا دل ہاتھ میں رکھنا اور مظلوم کی دادرسی
کرنی بہت ضروری ہے۔ اور جو چیزیں اوقاف کی قسم سے ہیں خواہ وہ کسی مذہب و ملت
کی ہوں ان سے معترض نہ ہونا چاہیے اور یہ بات بھی تم کو لازم ہے کہ ایک وقت رعایا کی نگرانی
کا اور ایک وقت لشکر کے معائنہ کا مقرر کرو۔ کیونکہ تمہاری غفلت سے رعایا کے اندر ظلم پھیل
جائے گا اور سب حکام و عمال حرام خور ہو جائیں گے۔ اور بچشم خود دفتروں کو دیکھا کرو اگر تم
کو فرصت نہ ہو تو عشا کے وقت منشیوں نے جو کچھ دن کو لکھا ہے اس کو دیکھ لیا کرو تاکہ وہ تمہارے
خوف سے کچھ تغیر و تبدل نہ کر سکیں کیونکہ بہت سے مظلوم بادشاہ کی غفلت کے باعث اپنے حق
سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور اگر تم یہ چاہو کہ کوئی حال تم سے پوشیدہ نہ رہے تب تم اپنی زندگانی
اس طریقہ سے گذارا کرو جو دوسرے مقالہ میں مذکور ہے

دوسرا مقالہ طرز زندگانی کے بیان میں

اے بادشاہ تم کو لازم ہے کہ صبح کی نماز پڑھ کر ذکر الٰہی میں مشغول ہو۔ اور پھر اشراق کی نماز
کے بعد اپنے گھر کے نوکروں کو یا ملازموں کو یا جس جس کام کے واسطے کہنا سننا ہو کہہ کر گھوڑے
پر ہتھیار لگا کر سوار ہو۔ اور خبر اخبار معلوم کرنے کے واسطے شہر میں گشت کرو تاکہ کوئی مظلوم
یا پریشان حالت شخص تم کو ملے تو تم اس کی دادرسی کرو اور ہتھیار لگانے کی ضرورت یہ ہے کہ

کوئی دشمن تم پر حملہ نہ کر سکے۔ اور پھر اس گشت سے فارغ ہو کر اپنے دیوان عام میں بیٹھ کر مقدمات
فیصل کرو۔ اور خطوط کے جواب لکھو اور ایلچیوں سے گفتگو کرو اور دیوان عام میں اپنے
سامنے لوگوں کی دو صفیں بائیں اور دائیں بٹھاؤ اور بیچ کا میدان کھلا رکھو تا کہ کوئی مظلوم
یا دشمن وغیرہ تمہاری نظر سے پوشیدہ نہ رہے اور جس شخص پر تم کو شبہ ہو اس کے حال کو
خوب دریافت کرو اور ایسے شخص کو اپنی خدمت میں نہ رکھو جس کے حال سے تم واقف نہ ہو۔
بلکہ ایسے شخص سے خدمت لو جس کی نیک بختی تم کو معلوم ہو یا کوئی معتبر شخص اس کا ضامن
ہو۔ یا وہ شخص تمہارا معتقد ہو۔ اور ایک گروہ اہل علم و فضل اور تجربہ کاروں اور متقی و زیرک
اور اہل رائے کا تمہارے پاس رہنا چاہیے۔ نالائق اور خائن لوگوں سے بالکل پرہیز کرنا چاہیے۔
کیونکہ جو شخص اپنی جان پر امین نہ ہوگا۔ وہ دوسرے کے حق میں کیا امانتداری کرے گا۔
پھر ظہر کے وقت سے پہلے دیوان عام سے اٹھ کر محل میں جاؤ اور لشکر کے واسطے کھانا
تقسیم کرنے کا حکم کرو اور امرا اور عزیزوں کو بلوا کر ان کے ساتھ دسترخوان پر کھانا کھاؤ
اور بادشاہوں کے واسطے باورچی بھی بہت امین ہونا چاہیے اور سب سے پہلے اسی کو اس کے
میں سے لقمہ کھانا چاہیے پھر جو لوگ کھانا لائے ہوں ان کو لقمے کھانے چاہئیں۔ پھر جو شخص
دسترخوان پر کھانا چنے وہ بھی لقمہ کھائے جب سب طرح سے اطمینان ہو جائے اس وقت بادشاہ
کو ہاتھ ڈالنا چاہیے اور یہ احتیاط اس واسطے ہے کہ شہریار بن ماذاد آدھا سیب کھانے سے مر گیا تھا
اور ساسان نے شراب کا آدھا پیالہ پی کر جان دی۔ اور حضور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بکری
کی دست میں زہر ملا کر کھلا دی گئی۔ اور ابو لؤلؤ نے چھری کو زہر آلود کر کے حضرت عمرؓ کو اس کے
ساتھ شہید کیا۔ اور عبدالرحمن بن ملجم نے تلوار کو زہر آلود کر کے حضرت امیر المومنین علی علیہ
السلام کے چہرہ مبارک کو زخمی کیا۔ اور اسی سے آپ کی شہادت ہوئی اور جعفار بنت یحیو
بن کعب خسانی نے اپنے خاوند حضرت امام حسن علیہ السلام کو زہر دے کر شہید کیا۔ اور یہ کہ زہر
قوردانی کا شاہیوں کی طرف سے تھا جو دانہ کہ انگور میں داخل ہوتے نہ تھے آمیز کر کے
دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور ہزاروں اس قسم کی مثالیں زمانہ میں موجود ہیں لہذا بادشاہ
کو لازم ہے کہ اپنے کھانے اور پینے اور پہننے اور سونے میں تدبیر کا ہو = بخیال اور احتیاط

یہاں تک کہ اپنی جھولی کا رومال بھی بہت احتیاط سے رکھے اور اپنی سلطنت میں اور دنیا کے غیر ممالک میں بھی مخبروں کو مختلف لباسوں اور طرز و روش کے ساتھ روانہ کرے تاکہ ہر قسم کی خبریں ہر ملک سے ان کو پہونچتی رہیں مثلاً کوئی بزرگ صوفی بنا ہوا ہے کوئی فقیر ہے کوئی دکاندار ہے کوئی سوداگر ہے۔

مامون رشید عباسی کے پاس بہت سے مخبر تھے۔ جو تمام ممالک دنیا سے اس کو خبریں پہونچایا کرتے تھے اور کل بادشاہ ہونے کا یہی طریقہ ہے۔

تیسرا مقالہ: بادشاہ کو چاہیے کہ پہلے نصف شب میں قصوں سے مہمات اور پوشیدہ واقعات سننے کے واسطے بیدار رہے اور قدرے دن کو دوپہر کے وقت سو رہے کیونکہ اس سے رات کے جاگنے پر بہت بڑی مدد ملتی ہے۔ اور تمام رات میں سو رہنے کو پہلی رات میں جاگنے کی تھکان جاتی رہتی ہے۔ اور کام سے جلد فارغ ہو جانا بہت بہتر ہے۔ اور موافق مزاج کے کسی شربت کا استعمال رکھنا بھی ضروری ہے۔ بادشاہ کو یہ بات نہایت ضروری ہے کہ اپنے متعلق خطوط کے جواب یا فرمانات جو منشی سے لکھوائے ایک نظر خود بھی انکا ملاحظہ کر لیا کرے۔ کیونکہ کاتب کی بعض غلطیوں سے سخت فساد پیدا ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا۔ اسی قسم کی غلطی سے تھا یہ واقعہ بہت مشہور اور کتب سیر میں موجود ہے۔

بادشاہ کو لازم ہے کہ کسی لونڈی یا حرم کو اپنی بیوی پر فضیلت نہ دے کیونکہ اس سے حسد کی آگ بھڑکتی ہے۔ اور نتیجہ برا ظاہر ہوتا ہے۔ اور بغیر قیام امن میں کسی اپنے یا بیگانے کا پاس و لحاظ نہ کرے۔ بلکہ اپنی ذات کو بالکل تنہا سمجھے کہ کوئی اس کا نہیں ہے۔ جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے۔ [illegible]

اور جو اس کے باپ کے دوست آشنا ہیں ان کے واسطے تواضع اور خوش اخلاقی سے پیش آئے اگرچہ وہ غریب فقیر ہوں اور اپنے ان دوستوں سے بھی جو سلطنت حاصل ہونے سے پہلے کے ہیں۔ تعظیم اور محبت کا برتاؤ رکھے۔ حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں ایک بڑھیا حاضر ہوتی تھی جب وہ آتی آپ اس کے واسطے کھڑے ہو جاتے۔ حضرت

عائشہ صدیقہؓ نے ایک روز عرض کیا کہ آپ ایک بوڑھی عورت کے واسطے کیوں کھڑے ہوتے ہیں فرمایا یہ عورت خدیجہؓ کے وقت سے ہمارے پاس آتی ہے یعنی ظہور اسلام سے پہلے سے یہ بات حضور کے لطافت اخلاق سے ہے بادشاہ کو بھی اچھے اخلاق ایسے ہی رکھنے چاہئیں ۔ لَکُمْ فِیْ [illegible] اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ [illegible]

چوتھا مقالہ (ترتیب خلافت کے بیان میں)

خلافت نص کے ساتھ ثابت ہے اور دلیل اس کی یہ آیت ہے۔ قُلْ لِّلْمُخَلَّفِیْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ سَتُدْعَوْنَ اِلٰی قَوْمٍ اُولِیْ بَاْسٍ شَدِیْدٍ تُقَاتِلُوْنَھُمْ اَوْ یُسْلِمُوْنَ فَاِنْ تُطِیْعُوْا یُؤْتِکُمُ اللّٰہُ اَجْرًا حَسَنًا وَاِنْ تَتَوَلَّوْا کَمَا تَوَلَّیْتُمْ مِّنْ قَبْلُ یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا عرب کے ان لوگوں سے جو پیچھے رہنے والے ہیں کہہ دو کہ عنقریب تم ایک خوفناک قوم کے مقابلہ کی طرف بلائے جاؤ گے جن سے تم لڑو یا وہ صلح کر لیں۔ پس اگر تم نے اس حکم کے بجا لانے میں اطاعت کی تو خدا تم کو اچھا ثواب دے گا۔ اور اگر تم نے اسی طرح پیٹھ پھیری جیسے کہ پہلے پھیر چکے ہو تب وہ تم کو سخت عذاب کرے گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے اطاعت کی طرف بلایا اور لوگوں نے ان کی اطاعت قبول کی اور بعض مفسرین اس آیت کی تفسیر میں کہتے ہیں وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا یعنی جب نبی نے اپنی ایک بیوی سے پوشیدہ بات کہی۔

حدیث میں ہے کہ حضور نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا تھا کہ اے حمیرا تمہارا باپ میرے بعد خلیفہ ہوگا۔ اور ایک عورت نے آپ سے عرض کیا کہ جب ہم آپ کو نہ پاویں تو کس کے پاس جاویں آپ نے ابوبکر صدیقؓ کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور نیز ابوبکرؓ نے حضور کی حیات میں مسلمانوں کی امامت کی۔ اور امامت دین کا ستون ہے یہ قرآن و حدیث کا بیان ہے جو نص سے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ پھر یہ لوگ تاویل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر حضرت علیؓ پہلے خلیفہ ہوتے تو باقی تینوں خلفاء کو خلافت نصیب نہ ہوتی۔ اور نہ ان کو فتوحات اور مناقب نصیب ہوتے اور حضرت علیؓ کے چوتھا خلیفہ ہونے سے ان کی شان میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسا کہ حضور

۱ جس کو کسی کا تو نے پال پایا ہے اس میں [illegible] کہا جائے گا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر الانبیاء ہونے سے آپ کی شان میں فرق نہیں آیا۔ اُن کے بعد بنی امیہ نے حکمت سے حکومت لے لی۔ اُن سے بزورِ بازو عباسیوں نے چھین لی۔

پس اے سلطنت کے طالب اپنا سامان درست کر اور اپنی حالت کو آراستہ بنا اور خوب مال خرچ کر اور صبر کے ساتھ کام لے اور لوگوں کو اپنی طرف منجذب کر اور جہاں تک ہو سکے مصالحت سے کام لے۔

پانچواں مقالہ (امورِ سلطنت کی ترتیب میں)

جب تم سلطنت پر قابض ہو جاؤ اور مال و خزانہ کثرت کے ساتھ تمہارے تصرف میں آ جائے تب تم لوگوں سے اپنی اطاعت پر بیعت اور عہد واثق لو۔ اور خوش بیان لوگوں کو مقرر کرو کہ لوگوں کے سامنے تمہاری اطاعت کے وعظ کہیں اور ان کے دلوں کو تمہاری طرف راغب بنائیں

شعر: اذا هبت رياحك فاغتنمها ۔ فان لكل خافقة سكون[1]

ولا تغفل عن الاحسان فيها ۔ فما تدري السكون متى يكون

اور بیت المال اپنی سلطنت میں رکھے اور اسے تیار کرو تاکہ ضرورت کے وقت تم کو اس پر سے گذرنا آسان ہو اور اگر تم کسی زور دار شخص کو دیکھو تو طرح طرح کے معالجوں کے ساتھ اس کا علاج کرو اور سب سے آخر وہ داغ دینا ہے۔ اور تم کو یہ بھی ضروری ہے کہ لشکر کی تعداد اور رعایا کی مردم شماری خوب معلوم رکھو اور آمد اور خرچ کا حساب سب تم کو معلوم رہنا چاہیے اور سال میں تین بار لشکر سے تو اسلحہ کی مشق کرایا کرو اور چار سو سپاہی شہر سے جانباز اور خیر خواہ اپنی اردل میں رکھو۔ اور اگر جنگ کا ارادہ ہو تو اپنے لشکر کو خوب شکم سیر ہو کر کھانے کو دو اور جب میدان جنگ میں دشمن کے مقابل جاؤ تو اپنے لشکر کی صفیں ایسی ترتیب سے باندھو کہ ایک صف کے پیچھے دوسری ہو اور اپنے خاص خاص سپاہیوں کو حکم کرو کہ تمہارے لشکر کی جو صف شکست کھا کر بھاگے اس کو تلواروں سے قتل کریں اور تم خود کسی بلند جگہ کھڑے ہو کر جنگ کا معائنہ کرو اور تم خاص اپنے واسطے نہایت عمدہ گھوڑے اور بہادر سپاہی تیار کرو۔ اور بیدار

[1] جب تیرے اقبال کی ہوا چلے تو اس کو غنیمت سمجھ کیونکہ ہر ایک چلنے والے کی آخر کو سکون ہوتا ہے اور کسی . . . .

رکھو کیونکہ جو شخص ابتدا میں تمہارے ساتھ دھوکا کریگا ۔ وہ آخر میں بھی دھوکا کریگا اور تمہارا بخیل
بھی ہوگی تمہارے ساتھ رہنا چاہیئے۔ اور اگر مناسب سمجھو تو ایک ہراول لشکر بھی رکھو اور
ایک لشکر بہادر سپاہیوں کا کسی پوشیدہ جگہ کمین گاہ میں چھپا دو تاکہ جس وقت تمہارے
لشکر میں کمزوری پیدا ہو تو دشمن کو اپنے پیچھے لگا کر اس موقع پر لاؤ جہاں تمہارا لشکر پوشیدہ ہو
اور اپنے لشکر کی ایک خاص علامت مقرر کر دو تاکہ آپس میں ہر ایک دوسرے کو پہچان لے اور کسی قلعہ
کے محاصرہ کرنے سے بددل نہ ہو۔ اور یہ خیال کرو کہ لشکر کو تکلیف ہوگی اگر بغیر فتح کئے منہ موڑ دو
اور اپنے مقتولوں کا قصاص لینے میں کمی نہ کرو۔ جیسا کہ ذوالقرنین نے دارا کے جنگ میں کیا تھا۔
کہ ان کو اس قدر تنگ کیا کہ وہ بزدل ہو کر ہمت ہار بیٹھے۔ پھر ان کو خوب قتل کیا۔ اور تم مال کے
خرچ کرنے میں ہرگز کمی نہ کرو اور سامنے کے دفتروں کو دیکھ کر جس میں مناسب سمجھو کمی یا زیادتی
کرو اور تم کو جنگ کرنے والوں کا تجربہ ہونا بھی ضروری ہے جو سپاہی بہادری ظاہر کرے۔ اور
بہت سے دشمنوں کو معرض قتل میں لائے۔ اس کو اس قدر انعام دینا چاہیئے کہ وہ خوش ہو
جائے۔ اور جو نامرد و بزدل ہو اس کو سزا دینی چاہیئے اور ۔ فوجیوں کی حالت سے بھی تم کو واقف
ہونا چاہیئے کہ کس قدر رقم خرچ کرنے میں بڑھی ہو کس قدر کم ہوئی۔ اور اگر تم کو شادی کی ضرورت
ہو تو ایسی عورت تلاش کرو جو مال و جمال اور دین و نسب سب باتیں رکھتی ہو۔ اور شارع
علیہ السلام نے امر تزویج میں دین کی بہت تاکید فرمائی ہے۔

جس بادشاہ کے تجربہ نہیں ہیں وہ مثل جسم بلا روح کے ہے۔ اس بات کو یاد رکھو اور قلعہ بندی
کے جس قدر سامان کی ضرورت ہو اس کے مہیا کرنے میں بہت جلدی کوشش کرو
کیونکہ تم کو کچھ خبر نہیں کہ تمہارے دشمن کا ارادہ کے بعد کیا صورت ظاہر ہو اور وہ یا خصوصاً لشکر
میں ایسا انتظام کرو کہ سپاہ میں باہم جنگ لڑائی نہ ہونے پائے۔ جو مولوی غفلت اور فساد کے
اور مسلمانوں میں تفرقہ اندازیوں کے وعظ کہتے ہیں ان کے منصوبوں پر تمہاری نگاہیں بچھا
دو تاکہ ایک طرف نزول نہ کریں۔ اور اپنے حاکموں سے کہدو کہ تمہارے ملک میں جو غلہ
ہے اس کا انتظام کریں اور کسی سوداگر کو اس کی بیرون سے نہ دیں کیونکہ جو چیز تمہاری رعایا
کے پاس ہے وہ بوقت ضرورت تمہارے ہی واسطے ہے اور ان لوگوں کی حالت پر غور کرو

قلعوں، برجوں و فصیلوں پر بادشاہ کو گشت کرنا ضروری ہے۔ دورہ رات کے وقت اپنے لشکر سے بھی
پر خطر اور ہوشیار رہنا چاہیے تاکہ کوئی تدبیر نہ ... اور دشمنوں کے حالات ہر روز معلوم کرے
اور چھوٹے سے چھوٹے دشمن کو بھی حقیر نہ جانے کیونکہ مکھی اونٹ کو مار ڈالتی ہے اور بہت
سے چھوٹے ایسے ہیں جن کے کاٹنے سے انسان مر جاتا ہے۔ چنانچہ کسی کا قول ہے :

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِیْرًا قَرِیْبًا تَمُوْتُ الْاَفَاعِیْ مِنْ سُمُوْمِ الْعَقَارِبِ

یعنی کسی چھوٹی سی بات کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اکثر مرتبہ افعی وسانپ بچھوؤں
کے زہر سے مر جاتے ہیں۔ اور دشمنوں کے مکر سے بھی ہر وقت ہوشیار رہنا چاہیے۔ اور حاکم
یا والی کو شراب نہ پینی چاہیے۔ کیونکہ شراب میں بہت سی آفتیں ہیں اور خصوصاً صاحب ملک
سے بہت لوگ حسد کرتے ہیں۔

نجاشی حبش کے بادشاہ نے حضرت جعفر بن ابی طالب سے سوال کیا کہ تمہارے نبی کا
کھانے میں کیا طریقہ ہے جعفر نے فرمایا وہ زمین پر کھانا کھاتے ہیں نجاشی نے کہا یہ بات ان
کی تواضع کے سبب سے ہے جس سے ان کے اصحاب کے دل ان کی طرف مائل اور منجذب ہوتے
ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے نبی بادشاہ ہوتے ہیں۔ پھر نجاشی نے کہا کہ اگر تمہارے
نبی بادشاہ ہوتے تو تو ان پر اپنے بھائیوں اور خاص خاص لوگوں کے ساتھ کھانا کھاتے
تنخواہ میں اگر کسی کو جاگیر دی ہو تو خراج اور اگر ماہوار از نقد مقرر ہو تو ہر مہینہ میں دینی چاہیے
اور بادشاہ کو السلام علیکم کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے اور جو سفیر غیر ممالک سے اس کے پاس
آوے تو اس کی خاطر و مدارات میں کمی نہ کرے کیونکہ اس کے سبب سے بہت بڑی بدنامی ہوتی
ہے اور شعرا اور عوام الناس ہجو کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہفتے کے دنوں کو تقسیم کر رکھا تھا۔ بعض دن لشکر
کی نگہداشت کے واسطے اور بعض دن فیصلوں کے واسطے اور بعض دن سفیروں کی ملاقات
کے واسطے اور بعض دن عبادت اور ذکر کے واسطے اور فرماتے تھے اے ارکان سلطنت اہل
علم و اصلاح کی صحبت اختیار کرو کیونکہ جب تم گمراہ ہوگے تو وہ تم کو ہدایت کریں گے۔
اور جس بات سے تم نا اہل ہوگے وہ تم کو بتلا دیں گے اور جب تم غضب میں ہوگے تو وہ تم

کو مہربان کریں گے اور جب تم محروم ہو گئے تو وہ تم کو نفع دیں گے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

لَا تَصْحَبْ أَخَا الْجَهْلِ وَإِيَّاكَ وَإِيَّاهُ فَكَمْ مِنْ جَاهِلٍ أَرْدَى حَلِيْمًا حِيْنَ آخَاهُ

یعنے جاہل کی صحبت میں نہ رہو اور اپنے آپ کو اس سے بچاؤ کیونکہ بہت سے جاہلوں نے عقلمندوں سے بھائی چارہ کر کے ان کو دھکا دیدیا ہے۔

بادشاہ کو چاہیے کہ زیادہ لوگوں کو اپنا ہمنشین نہ بنائے۔ اور ہنسی مذاق بالکل چھوڑ دے ہیبت اور وقار کی عادت ڈالنے اور وزیر بھی نہایت قابل اور عالم تجربہ کار ہر شخص کے مرتبہ اور عزت سے واقف ہونا چاہیے۔ جو ہر شخص کے ساتھ اس کی عزت اور قابلیت کے موافق سلوک کرے۔ اور جاہل شخص کی خوش لباسی کچھ عزت نہیں رکھتی نقل ہے کہ بہلول دانا ایک روز ہارون رشید کے دربار میں آئے اور جہاں لوگ جوتیاں اتارتے تھے وہاں بیٹھ گئے ہارون رشید نے ان سے کہا کہ یہاں صدر مجلس میں تشریف رکھیئے بہلول نے کہا جو مجلس کرتا ہونے والا ہے اس کا صدر کہاں ہے اور پھر یہ شعر پڑھے۔

كُنْ رَجُلًا رِجْلُهُ فِي صَفِّ النِّعَالِ وَلَا تَكُنِ الصَّدْرَ بِغَيْرِ الْكَمَالِ
فَإِنْ تَصَدَّرْتَ بِلَا آلَةٍ جَعَلْتَ ذَاكَ الصَّدْرَ صَفَّ النِّعَالِ

یعنے تجھ کو چاہیے کہ ایک معمولی شخص بنے اور جوتیوں کی صف میں بیٹھنے کے ساتھ راضی ہو جائے اور بغیر کمال حاصل کئے صدر جگہ نہ تلاش کرے پھر اگر بغیر کمال کے صدر جگہ میں تو بیٹھا تو اس صدر جگہ کو تو نے جوتیوں کی صف بنادیا بادشاہی کے لوازمات میں سے یہ بھی ایک بات ہے کہ بادشاہ ایک خاص کھانا اپنے واسطے پسند کرے جیسا کہ مامون عباسی نے اپنے واسطے ایک کھانا تجویز کیا تھا جس کا نام ماموبیہ تھا۔ ایسے ہی طبیب عراق کے کھانے کا نام مطلبیہ تھا اور نبی امیہ ہریسا اور زرد بیہہ بکثرت کھاتے تھے اور گوشت کو دلواتے نہ تھے بلکہ صرف کھال اتار کر پکوا لیتے تھے۔ ابو طالب مکی نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے جبرئیل سے قوت جماعی کے ضعف کی شکایت کی انہوں نے ہریسہ کھانے کو کہا جس کے سبب سے میں پانچ پشت تک قوت پاتا ہوں اور حضرت عثمان ذوالنورین جو زبانیہ مرغ کا شوربا پسند کرتے تھے۔ کیونکہ یہ شاہ معزولی کو تسکین دیتا ہے ایک

دفعہ بسبب غلبہ صفرا کے ذوالقرنین کی پیشانی میں درد ہوا تب انہوں نے سرکہ سکنجبین پی پھر کہا اس سے میری پیشانی کو تسکین ہو گئی۔

بادشاہ کے واسطے دریافت کرنا چاہیے کہ گیہوں کی روٹی پکنی چاہیے کیونکہ میدہ کی روٹی دیر ہضم ہوتی ہے اور کمزور معدہ کو نقصان پہنچاتی ہے۔ اور موٹے آٹے کی روٹی تصنیف معدہ اور بلغمی مزاج کو مفید ہے۔

ساتواں مقالہ (حاشیہ دولت کی ترتیب میں)

فراش کے واسطے ضروری ہے کہ پاکیزہ اور صاف طبیعت ہر چیز کو ستھرا رکھنے والا اور قوی شخص ہو اور کھانے اور میوہ جات اور ترکاریوں کی ترتیب اور دسترخوان پر لگانے سے خوب واقف ہو اور یہی باتیں باورچی اور آب دار کے واسطے ضروری ہیں اور آب دار خانہ میں سرد پانی اور ہر قسم کے شربت وغیرہ موجود رہنے چاہئیں۔ اور سکنجبین کا نہار منہ پینا بہت نافع ہے کھانا اس سے ہضم ہوتا اور معدہ کو قوت ہوتی ہے۔ مگر معدہ میں نفخ پیدا کرتا اگر بادشاہوں کو کھانے پینے میں اہل تصوف کے آداب اختیار کرنے چاہئیں حضرت ابراہیم بن ادہم نے بادشاہوں کے تکلف طریقہ کو چھوڑ کر اہل تصوف کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اور کسی چیز کے ساتھ کھانا شروع کرتے تھے کھانے کے وقت جو خدمت گار اور آب دار ہوں وہ نہایت چست اور چالاک اور جوان ہونے چاہئیں۔ اور لشکر کے سپاہی بھی ایسے ہی ہونے ضروری ہیں اور بوڑھے لوگ بھی ہیبت اور وقار اور مشورہ کے واسطے ساتھ ہونے ضروری ہیں اور لشکر کو دشمن کے مقابلہ پر اونچی جگہ اتارنا چاہیے۔ اور قلعہ کا محاصرہ کرنے کے واسطے جاڑے کا موسم بہتر ہے اور سامان سفر تیار کرنے اور جنگ پر جانے کے واسطے گرمی کا موسم ہونا چاہیے۔

بادشاہ کو سفر میں اس وقت جانا چاہیے جب شمس برج سرطان میں ہو۔ اور جب شمس برج قوس میں ہو اس وقت سفر کو نہ جائے کیونکہ سال کی چار فصلیں ہیں نصف فروردین سے نصف اردیبہشت تک گرمی ہے اور نصف کانون اول تک موسم خریف ہے پھر نصف اذار تک جاڑا ہے۔ اور نصف تموز تک ربیع ہے حدیث میں وارد ہے کہ جب بیٹھ

آ گئے ہوتے ہیں زمانہ کا حال بدلتا ہے پھر اگر سوار ہو تو عصر کی نماز کے بعد سوار ہو
ورنہ مقدمات طے کرنے یا کتابوں کے مطالعہ کرنے یا مخبروں اور فیصلوں کے
صحیفے میں وقت صرف کرے اور یہ سب باتیں بادشاہ کو خلوت میں کرنی چاہئیں۔ کیونکہ
پہلے زمانہ کے بادشاہ جب سلام لینے کے لئے بیٹھتے تھے تو خلوت میں بیٹھتے تھے اور چوبدار
ایک ایک شخص کو سلام کے واسطے لاتا تھا تاکہ زیادہ لوگ اکٹھے ہو کر بادشاہ کو کسی طرح
کا صدمہ نہ پہنچائیں۔

اور مخبروں سے ہر قسم کی اور نئی اور تازہ باتیں دریافت کرنی چاہئیں۔ اور کتب طب اور تواریخ
خصوصاً شاہنامہ عجم اور سکندر نامہ اور مجموعہ واقعات وغیرہ کا ضرور مطالعہ جاری رکھے اور بادشاہوں
کے واقعات جیسا کہ شہریار و علی اور رستم زال میں ہوئے اور حضرت سلیمان علیہ السلام اس زمانہ
میں ہی تھے۔ پھر جو قصے ان میں واقع ہوئے اور ایک نے دوسرے کو ہلاک کیا ان سب باتوں
کو یاد رکھے تاکہ وقت پر کام آئیں۔

بادشاہ کے مصاحبوں کو چاہیے کہ اس کی حفاظت میں بہت کوشش کریں خصوصاً حمام
میں کیونکہ اکثر بادشاہ حمام میں ہلاک ہوئے ہیں۔ اور بادشاہ کے ہر ایک راز کو نہایت
پوشیدہ رکھیں اور اگر بادشاہ مر جائے تو اس کی موت کو بھی اس وقت تک پوشیدہ رکھیں
کہ کوئی دوسرا قائم مقام ہو جائے پھر اس کی بیعت کے استحکام کے بعد اس کی موت کی خبر شائع
اے بادشاہ جہاں تک تم سے ہو سکے نیک کام کرو جن سے ہمیشہ تمہارا ذکر خیر کے ساتھ
جاری رہے۔ اور ابن ابی الدنیا کی کتابوں اور تاریخ طبری کا ملاحظہ کرنا ضروری ہے اور حنفی یا شافعی
جو مذہب رکھتا ہو اس کی کتابیں بھی ضرور دیکھنی چاہییں۔ اور کوئی فعل بدعت اختیار نہ
کرے کیونکہ بنی امیہ وغیرہ کی سلطنت خواہش پرستی ہی کے سبب سے برباد ہو گئی۔ اور
تم کو اپنے اور خدا کے درمیان میں صلاح اور تقویٰ کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حکایت ہے کہ ایک ظالم بادشاہ گھوڑے پر سوار کسی ضرورت کے واسطے جا رہا تھا۔
ملک الموت نے گھوڑے ہی پر اس کی روح قبض کر لی اور وہ اپنی خواہش کو پورا نہ
کر سکا اور ایک نیک بادشاہ کے پاس ملک الموت نے آن کر کان میں کہا کہ میں ملک الموت

سننے تو بیہوش ہو جاتے اور اسی گردش افلاک سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نغموں کی
ترجیعات مثل مربع اور مسدس اور مثمن کے جو ذو زوایا ہے بطریق تلحین کے ایجاد کیں
اور اسی گردش سے زردشت ابن مجوس نے زمزمہ مرتب کیا ہے اور فیثاغورس نے بھی اس میں
سے کچھ لیا ہے چنانچہ الحان قدیم ہیں اور تقسیم عراق ہیں اور نائق عجم ہیں اور طبل زنی
حبشہ میں اور سلوتی ہوبیوں میں ہے ۔

اور بعض کل مشہور داستانیں جیسے مثل داستان جمیل کے اس کے دوران میں کہتے ہیں کہ کتب
قانون المظفر بازکتب فی الملۃ ... اور بالا ... کے وقت اور منزل پر ترنم
کے وقت وغیرہ کی داستانیں ہیں ۔ سقراط کا قول ہے کہ ... نفس کا مشتبک ہونا جاتا
کل صوتوں سے ہے ، در اصل اس کی گردش افلاک سے ہے اور اس کی تاثیر ایسی ہے جیسے
نظر بد اور جادو کی ہم اس کے موقع بیان کریں گے ۔

بادشاہوں کی خدمت میں حکما کے اس قول کے مطابق رہنا چاہیے کہ جب تو بادشاہ
کی خدمت میں ہے تو ہر وقت خوف کا لباس پہنے رہ اور جب تو ان کے پاس جائے تو
اندھا ہو کر جا یعنی ان کے کسی عیب پر نظر نہ کر اور جب ان کے پاس سے آئے تو گونگا ہو
کر آ یعنی ان کی بات کسی سے نہ کہہ ۔

آٹھواں مقالہ (چوبداروں اور وزیروں اور منشیوں کی ترتیب میں)

چوبدار پس پشت کھڑے ہوں اور وزیر دائیں ہاتھ کی طرف بیٹھے اور منشی بادشاہ کے
تخت کے پاس زیر دست بیٹھے اور تخت کے قریب کوئی شخص نہ بیٹھا اور دربار ہیبت
و وقار سے پر ہو ۔

بادشاہ کو جو کام ہو وہ چوبدار سے کرائے اور خطوط کے جواب منشی سے لکھوائے
اور جو بات دریافت کرنی ہو وزیر سے دریافت کرے اور معاملات ملکی میں خود بادشاہ
غور کرے اور ملازموں کی ترتیب و مراتب میں بادشاہ کے بعد وزیر خیال رکھے ۔
بعض لوگوں کا قول ہے کہ بادشاہ عصر کی نماز میں جائے تو ایک علیحدہ مسجد کے حجرہ
میں نماز پڑھے جس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ہو اور معتبر لوگ بادشاہ کے ساتھ

کی کتاب اور ارشاد اور بخاری کی کتابوں میں سے الاقتصاد فی علم الاعتقاد اور کتاب قواعد العقائد جو احیاء علوم الدین کا پہلا حصہ ہے اور رسالہ قدسیہ وغیرہ کو دیکھو اور کتب طب کو بھی ضرور ملاحظہ کرو اور علوم شرعیہ کا حاصل کرنا بہت ضروری ہے تاکہ مولوی اور مفتی کی غلطی معلوم کر سکو اور علم حساب سے بھی واقف ہونا چاہیئے اور تحصیل مال بھی ایسے ہی لوگوں کو بتاؤ جو حساب میں پورے مہارت رکھتے ہیں اور جبر مقابلہ اور مساحت سے خوب واقف ہیں اور امتحان میں پورے اترتے ہیں جیسے کہ منشیوں سے مسائل اور جواب لکھوا کر امتحان لیا جاتا ہے اور ان لوگوں کو کتب تواریخ سے بھی آگاہ ہونا چاہیئے اس کام کے واسطے صاحب بن عباد بن اسحاق صابی کا رسالہ بہت مفید ہے اور منشی کو نہایت کامل اور جلد لکھنے والا اور کتب تواریخ سے واقف ہونا چاہیئے۔

بادشاہ کو چاہیئے کہ اپنے کل حکام اور عمال سے ان کے کاموں کا حساب لے اور ہر شہر کے دکیلوں سے عدل یا ظلم کا حال دریافت کرے کہ وہاں کے حاکم نے کیا انتظام کر رکھا ہے اور بادشاہ کو بدمزاج یا کھلاڑی یا بدزبان نہ ہونا چاہیئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ شطرنج کھیلنا بادشاہ کو جائز ہے مگر نرد یعنی چوسر نہ کھیلے کیونکہ یہ قمار بازی سے مشابہت رکھتی ہے جب اردشیر نے نرد کو ایجاد کیا تو کسی نے اس سے کہا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ ہاتھ کاٹے جائیں اردشیر نے کہا کہ میں اس کی طرف سے ہاتھ کاٹ لوں گا یعنی اس کے ساتھ نہ کھیلوں گا ایسے ہی حجاج بن یوسف نے اپنے مٹی کھانے کی شکایت کی کسی نے کہا اچھی ہمت اور ارادہ عزم کا بھروسہ ہے لیں حجاج نے پھر کبھی مٹی نہ کھائی۔

اے بادشاہ معلوم ہو کہ سب کام صبر ہمت کے ساتھ انجام کو پہنچتے ہیں دیکھو حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

بقدر الكد تكتسب المعالي ... ومن طلب العلى سهر الليالي
تروم العز ثم تنام ليلا ... يغوص البحر من طلب اللآلي
لنقل الصخر من قلل الجبال ... أخف علي من منن الرجال
وقالوا في مكتسب عار ... فقلت العار في ذل السؤال

تلو کی رعایا کسی طرف کو بھاگ رہی ہو تو ان کو بھاگ جانے دو اور ان کی طرف سے اپنے دل میں بغض کو راہ نہ دو۔

گیارہواں مقالہ

سفر میں جانے سے پہلے سامان سفر تیار کر لینا چاہیے۔ اور سفر میں جانے سے ایک ہفتہ پہلے اپنے لشکر میں تیاری کا اعلان کر دو پھر جب تم سفر میں چلے جاؤ تو کسی ایسے شخص کو اپنا قائم مقام کرو جو تمہارے پیچھے فوجیں تیار کر کے تمہارے پاس بھیجتا رہے اور جس فن میں جس کام کے کاریگروں کی تم کو ضرورت ہو وہ سب تمہارے پاس موجود ہونے چاہئیں اور تمہارے لشکر کے بازار میں نہایت امن و انتظام ہونا چاہیے اور تمہارے وزیر کو کتب سیاست پر پورا عبور ہونا چاہیے مثلاً کتاب مسالک والممالک اور سیاسیات افلاطون جس کو شیخ رئیس نے اپنی کتاب اوسط تعلیم کے آخر میں لکھ دیا ہے اور کتاب قوانین الملک ابن مرہ کی فن بیطرہ یعنی سلوتری کے فن کی کتابوں کو بھی رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً بیطرہ کتاب ایم اور بیطرہ ابن قتیبہ و کتبیل ... کی ان کتابوں میں چوپایوں کی بیماری اور ان کے علاج و ادویات کا مفصل ذکر ہے اور ان کی کل اقسام کا بھی بیان ہے چوپایہ گھوڑے کی ساخت کی شکل میں حضرت سکندر گھوڑے کو دیکھ کر اس کے مرض کو اچھا کر دیتے تھے۔ جانوروں کی طب نہایت مشکل ہے کیونکہ ان کے مرض کا حال کہنے سننے سے معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ حضرت سکندر ایک بلند جگہ خیمہ لگا کر اس میں بیٹھتے۔ اور جانوروں کا معائنہ کرتے کسی نے کہا کیا یہ کام آپ خود کرتے ہیں کہا ہاں۔ کیونکہ یہ کام میری ذات کا ہے ایک گھوڑا ان کے سامنے بیمار ہو گیا فوراً انہوں نے اشنان کا پانی اس کو پلایا وہ اچھا ہو گیا اور چوپایہ کے واسطے ایک مجرب علاج یہ ہے کہ کفاروں کے قبرستان میں ان کو لیجایا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا آپ نے فرمایا جانور ان کی قبروں سے عذاب کی آوازیں سنتے ہیں اور خوف زدہ ہو کر ان کو آرام ہو جاتا ہے حیوانات اور نباتات اور جمادات کے بہت خواص اسی قسم کے ہیں جن میں سے مختصر سے اس کتاب کے بعض مقالوں میں بیان کئے ہیں۔

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے شہر بیت المقدس کو فتح کر کے عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں کا امیر کیا تو میں ہجرت کر کے بیت المقدس پہنچا اور عبداللہ کے پاس گیا تو میں نے ان کے ہاں نہ کوئی چوب دار دیکھا نہ دربان دیکھا میں نے اس کا سبب ان سے دریافت کیا

انہوں نے کہا عنقریب شمار۔ اس کو حاصل کریں گے پھر تم سنو گے کہ ان کے مکان میں کیا ہوگا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں پھر میں نے ابن مسعود کو دیکھا کہ اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے درست اور صاف کر رہے تھے میں نے اس کا سبب پوچھا کہنے لگے میں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔ فرماتے تھے جو شخص اپنے گھوڑے کا دانہ اپنے ہاتھ سے صاف کریگا ہر دانے کے بدلے اس کو دس نیکیاں ملینگی اب تم بتاؤ کہ میں اپنا یہ ثواب غیر کو کیوں کر دوں اور جو بات کہ تم کو بہت وسیع وہ تمہارے اس جگہ سے بہتر ہے جو تم کو سرکش بنا رہے۔

اور ایسے ہی ابو حازم سے منقول ہے کہ میں عمر بن عبد العزیز کے پاس گیا رات کا وقت تھا چراغ خاموش ہونے لگا عمر خود چراغ کو درست کرنے کھڑے ہو گئے میں نے کہا میں تمہارے غلام کو جگا دیتا ہوں کہا نہیں میں نے کہا میں درست کر دوں کہا نہیں پھر خود ہی اس کو درست کیا اور کہا جب میں کھڑا ہوا تو میں عمر تھا اور جب میں بیٹھ گیا تو میں عمر تھا بہر کیف دونوں حالتوں میں یکساں ہے

إذا عظم الإنسان زاد تواضعا   وإن لؤم الإنسان زاد ترفعا[1]
كذا الغصن إن قوى بثماره   وإن يعر عن حمل الثمر ترفعا

بارھواں مقالہ

آداب سفر کے بیان میں

اے بادشاہ جب تم سفر میں جاؤ تو اپنے محافظوں اور پہرہ داروں کو خوب ہوشیار رکھو اور خود بھی ہر وقت ہوشیار رہا کرو اور دن کو پیٹ بھر کے کھایا کرو اور رات کو بیدار رہا کرو اور ہر طرح کی خبریں اور واقعات مخبروں سے سنا کرو اور جب گھر پر ہو تب بھی دروازوں کی چوکی خوب مضبوط رکھو اور دربان نہایت خیر خواہ ہونا چاہیے اور محل میں ایک خاص کمرہ اپنے سونے کے واسطے تیار کراؤ جس کی کنجی تمہارے ہی پاس رہے پھر اگر تم کو کسی وقت حرم کی ضرورت ہو تو سرد مزاج یعنی گوری عورت سے پرہیز کرو حضرت جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ آپ سیاہ

[1] جب انسان بزرگ ہوتا ہے تب تواضع زیادہ کرتا ہے اور اگر نالائق ہوتا ہے تو اپنے آپ کو بلند کرتا ہے اسی طرح جو ٹہنی درخت کی پھل دار ہوتی ہے وہ جھکتی ہے اور جو خالی ہوتی ہے وہ اونچی رہتی ہے مثل شاخ بریدہ سر بلند رہتی۔

جو شکل و شمائل میں ہم سے مناسبت رکھتے ہیں اُن کو اپنے تمام غلام بخش دیتے ہیں پھر انہوں نے
ایسا ہی کیا کیونکہ مامون کی طرف سے سادات کو کوئی تعلق نہ تھا الغرض جب یہ سادات جو در اصل
غلام تھے مامون کے پاس پہنچے تو اُس نے ان کی بہت خاطر کی اور یہ لوگ سادات مشہور
رہے اور انہوں نے شادیاں کیں اور اولاد بھی اُن کی سادات کہلانے لگی اسی سبب سے جب تم کسی
سید کو بدصورت بدخلق بدداغ دیکھو تو جان لو کہ یہ انہیں غلام زادوں میں سے ہے کیونکہ
سادات کا خاندان عالیشان ایسا نہیں ہے جس میں کمینوں کی گنجائش ہو سکے اور یہی حضور
علیہ السلام کے اس قول کا مطلب ہے کہ ہم پاک گھرانے کے لوگ ہیں نہ ہم خود فسق و فجور کرتے
ہیں نہ ہمارے ساتھ کیا جاتا ہے۔

تیرھواں مقالہ

(قسم کے متعلق حیلوں کے بیان میں)

شراب میں اگر بھس ڈال کر جوش کریں تو تو تیج بادو کے مریضوں کو نافع ہے اور ہمارے
بہت سے اصحاب اس کو جائز کہتے ہیں جس اختلافی مسئلہ کی صحت کا حاکم حکم کر دے اس کا اختلاف
زائل ہو جاتا ہے۔

قسم ایسے الفاظ کے ساتھ کھانی چاہیے جن سے اُس کے فسخ میں تاویل کر سکے اور قسم کھانے
والے کی نیت پر موقوف ہوتی ہے وکیل کی عقل سے پرہیز کرنا چاہیے اور الفاظ قسم کے محدود نہ
ہونے چاہئیں۔

اور اے بادشاہ تم حکماء کے قول اور اُن کے ساتھ فتویٰ دینے کی مخالفت کرو اور اگر تم ان
کو اختیار کرو تو پوشیدہ رکھنا چاہیے اور خدائے تعالیٰ اور اس کی صفات و افعال کے ساتھ قسم
کھانے سے بہت خوف رکھو اور دیگر بزرگ چیزوں کی قسم کھانے میں علماء نے اختلاف کیا ہے
اور جھوٹی قسم کھانے سے شہر اجڑ جاتے ہیں اور جھوٹی قسم یہ ہے کہ جس بات کو جھوٹ جانتا ہو
اُس کے صحیح ہونے کی قسم کھائے اے بادشاہ جب تم دربار میں بیٹھو تو نہایت ادب اور وقار
کے ساتھ بیٹھو اور کلام بہت کم کرو کیونکہ بادشاہوں کو بہت کلام کرنا برا ہے اور علماء
کو بہت سے فوائد کلام کے ساتھ حاصل ہوتے ہیں اور خود مخلوق سے معاشرہ نہ کرو بلکہ معاشرہ

تعلیم دلوانے کو نیک بخت معلم تلاش کر رہا ہے بادشاہ تو جانتا ہے کہ لوگ بہت خراب ہیں مرد مردوں
سے اور عورت عورتوں سے بدفعلی کرتی ہیں اور یہ بات نہایت غضب الٰہی کے نازل ہونے
کی ہے اور ایسی ہی باتوں میں لوگوں نے ملوک کے تحلیل و تحریم کو اڑا رکھا ہے اور عقلی اور نقلی
بیہودہ دلیلیں قائم کرلی ہیں مثلاً نقلی دلیل خدا تعالیٰ فرماتا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ
جَمِيعًا یعنی خدا کی وہ ذات پاک ہے جس نے زمین کے اندر سب چیزیں تمہارے
واسطے پیدا کی ہیں یہ لوگ کہتے ہیں پہلے زمانہ میں لوگ اسی طریقہ پر تھے کہ نہ کسی چیز کو
حلال جانتے تھے نہ حرام انبیاء نے چیزوں میں حلال و حرام کی تفریق کی ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا
ہے وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ یعنی خرابی ہے ان مشرکوں کے واسطے جو زکوٰۃ نہیں
دیتے ہیں اور یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے اموال بنی حنیفہ[۱] کو مباح کر لینے کی حجت لاتے ہیں
کہتے ہیں کہ رسول کا خطاب موجود کے واسطے ہوتا ہے یا معدوم کے اگر معدوم کے واسطے
ہے تو معدوم ایسی چیز نہیں ہے جس سے خطاب کیا جائے پس جو لوگ کہ ان کے زمانوں میں
موجود تھے وہی ان کے مخاطب تھے اور اسی شبہ کے باعث مزدک وغیرہ لوگوں نے تمسک کیا ہے
اور عنقریب ہم ان کے دلائل ان کے مواقع میں بیان کریں گے۔

اے بادشاہ ہم تمہارے طریقہ کے متعلق تم سے پورا بیان کر چکے ہیں کہ تم کو زہد اور نفس
کو مارنا چاہئے اور کم گفتگو کرنا اور اپنے دوستوں اور خادموں کو مؤدب رکھنا چاہئے اور یہ بات
ضروری ہے کہ وہ لوگ تم سے قریب ہوں یا دور ہوں مگر مطمئن ہوں تمہاری طرف سے شک میں
نہ ہوں جیسا کہ ایک حکیم کا قول ہے کہ تین شخص ہیں اگر تو ان پر ظلم نہ بھی کریگا تو وہ تیرے
اوپر ضرور ظلم کریں گے ایک اولاد دوسری بیوی تیسرے بادشاہ اور اے لوگو! تم کو بادشاہوں
کے قرب سے دور رہنا چاہئے کیونکہ اگر وہ تم کو اپنے پاس رکھیں گے تو ضرور کسی وقت
فتنہ میں ڈالیں گے اور اگر کہیں دور بیٹھیں گے تو تکلیف کریں گے۔

یہ سب وصیتیں حصول سلطنت کے متعلق ہیں اگر تم اس کے حاصل کرنے کا قصد کرو گے

---

[۱] بنی حنیفہ ایک قوم کا نام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس پر جہاد کیا تھا۔ ۱۲۔

بادشاہ بھی مر گیا اور بہ اتفاق اس کو بادشاہ بنایا گیا اور اس نے اس بادشاہ کی لڑکی سے شادی کر لی۔

پس اسی طرح تم کو اپنا عزم بالجزم حصول عزت کے واسطے رکھنا چاہیے اور پہلے ثروت و
سلطنت کے حاصل ہونے کا فکر کرو جن کو ہم تمہارے تئیں خوب بتلا چکے ہیں اور تم نے حسن بن
صباح کا قصہ سنا ہوگا۔ جب کہ یہ الموت کے قلعہ کے نیچے زاہد بن کر رہا تھا اور اس قدر لوگوں کو
اس نے اپنا گرویدہ بنایا تھا کہ تمام اہل قلعہ یہ چاہتے تھے کہ یہ قلعہ کے اندر آ گئے مگر یہ انکار ہی کرتا
تھا اور رات دن لوگوں کے مرید کرنے میں مشغول تھا اور کچھ طریق ارادت اور عدل ان کو تعلیم کرتا
تھا پھر اس کے بعد اپنے دل سے عجیب عجیب باتیں گھڑ کے ان کی عقلوں کے موافق ان کو سنانے
لگا مثلاً کہتا وہ لا الٰہ الا اللہ کہنے والے کے حق میں تم کیا کہتے ہو اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر ہے تو وہ کہتا کہ بات
تو یہودیوں اور نصرانیوں کی ہے اور اگر تم نے کہا کہ وہ حق پر نہیں ہے تو وہ کہتا کہ پھر اس کو کیوں کہتے
ہو پھر اس نے مریدوں کو خوب اپنا مطیع فرمان کیا اور ان سے کہنے لگا کہ دیکھو لوگوں نے کس طرح
شریعت کو چھوڑ دیا ہے ان کی اصلاح کرنی ضروری ہے پھر جب مریدوں کی تعداد معقول ہو گئی
تب یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے واسطے اٹھ کھڑا ہوا تب بہت مخلوق اس کے ساتھ جمع
ہو گئی پھر ایک روز بادشاہ قلعہ سے نکل کر شکار کے واسطے گیا اور اکثر اہل قلعہ اسی کے مرید تھے
اس نے جھٹ پٹ قلعہ پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ کو شکارگاہ ہی میں پہنچ کر قتل کیا پھر روز بروز
اس کے مذہب اور سلطنت کو ترقی ہونے لگی یہاں تک کہ اس کے بعد کتاب توہم الباطنیہ لکھی
گئی اور فرمایا ہے یہی لوگ آخر زمانہ میں دین کے طریقے چھوڑیں گے اور اباحت کو اختیار کریں گے۔

اب تم ان سب باتوں کو خوب غور کرو جو ہم نے اشارہ کے طور پر سب کچھ تم کو بتا دیا ہے۔ اور
یہ ہمارا بیان تمہارے واسطے ایک سیڑھی ہے جس کے ذریعہ سے تم اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہو۔

حضرت عمر بن خطاب نے حطیئہ کو عیش اور دنیا کے قصے جمع کرنے کا حکم فرمایا تھا ایسی
کتابوں کے جمع کرنے میں کچھ حرج نہیں ہے۔ پس تم کو ایسی ہی ہمت کرنی چاہیے کہ تم کل مراتب
سے اعلیٰ اور اولیٰ مرتبہ حاصل کرو اور اگر تم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی کتابیں دیکھو تو یہ
بھی تمہاری ہمت بڑھانے کے واسطے بہت کافی ہیں کیونکہ تم کو معلوم ہوگا کہ انہوں نے تبلیغ
احکام کے واسطے کس قدر مصائب سہے ہیں اور کیسی کیسی تکلیفیں اٹھا کر اپنے مطلب کو پہنچے

ہے اور تم نے دیکھا کہ داؤد بن الہنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالہ کیا تو تم بھی ایسا ہوگا کہ جب تک مدد
خسیس ان کو مدد گار سمجھو گے نوجوان صورت کو قتل کر کے انہوں نے عبادت بادشاہ وقت کی بیٹی سے شادی
کی اور بادشاہ بن گئے اور اگر تم کو خواہش ہو تو کتاب اسباب بیداری عارف تصنیف ابن قتیبہ کا
ملاحظہ کرو اور سفر کے خیال کو چھوڑ دو دیکھو حیوان جو بالکل بے زبان ہے مگر ہمیشہ سے ادب
اور تہذیب اور اچھا اور کرتب دکھانا حاصل کر لیتا ہے ہارون رشید کے مرنے کے بعد جب
امین خلیفہ ہوا تو مامون بھاگ کر شہر اصفہان میں پہنچا حسن بن سہل اس کے ساتھ تھا اور
خود مامون ذی علم ادیب اور عقل مند شخص تھا جامع مسجد میں جا بیٹھا اور دارالخلافہ کا
قرض اسی میں پھیلایا لوگ علم تحصیل کرنے کے واسطے اس کے پاس دوڑنے لگے اور حسن بن
سہل لوگوں سے کہتا تھا کہ کیا یہ خلیفہ حق نہیں ہیں ان کی بیعت کر لو کیونکہ یہ بالکل اگلے
بزرگوں کے طریقہ پر ہیں یہاں تک کہ اسی طرح آدمیوں کا لشکر اس کے ساتھ جمع ہو گیا اور امین
کے جس قدر لوگ تھے وہ اس کی خراب حالت کی وجہ سے بد دل ہو گئے تھے سب بھاگ بھاگ
کر مامون کے پاس جمع ہو گئے چنانچہ مامون نے طاہر بن حسین کو لشکر کا سردار کر کے امین کے
مقابل روانہ کیا اور انہوں نے جاتے ہی اسکو قتل کر دیا پھر تو مامون کی سلطنت مستحکم ہو گئی۔

اس قسم کی بہت سی حکایات منقول ہیں اور ہم نے تم کو یہ واقعات اس واسطے
سنائے ہیں تاکہ تمہاری ہمت قوی ہو اور تم بھی کتابیں مثل کلیلہ دمنہ اور کتاب الغازی
اور عبدالوہاب کا قصہ وغیرہ کو ملاحظہ کرو اور ان کے غلط یا صحیح ہونے سے غرض نہ رکھو بلکہ
ان حکمتوں پر غور کرو جو ان کے اندر مذکور ہیں شافعی فرماتے ہیں سرکا کرنا انسان کا کرنے والا
ہے رعیت بادشاہ کی تباہی رعیت کی بربادی ہے اور تم کو شہر اور بستی کا پورا ہونا چاہیے
اور شہر میں ایک کوتوال مقرر کرو جو تمہارے عمل اور تمام شہر کا انتظام کرے اور شہر کے استوا
اور ہر چیز کے نرخ مقرر کرنے کا بھی انتظام کرو اگرچہ نرخ مقرر کرنے کی مخالفت ہے مگر اس
زمانہ میں کچھ حرج نہیں ہے کیونکہ لوگوں کی حالت خراب ہو گئی ہے اور امانت جاتی رہی ہے۔
جیسا کہ کتب قائم میں حضور کا خطبہ منقول ہے اور اس میں حضور نے آئندہ زمانہ کی حالت کا
بیان فرمایا ہے۔ اقبال مندی کی ابتدا بھی ہے اور انتہا بھی ہے۔

منقول ہے کہ جب خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث کیا تو کسی نے حکیم افلاطون سے کہا کہ تمہارا شاگرد موسیٰ علۃ العلل سے خطاب کرتا ہے افلاطون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بلوایا حضرت موسیٰ اُس کے حلقہ میں آئے تو پوچھا کہ اے فرزند کیا تم علۃ العلل سے خطاب کرتے ہو حضرت موسیٰ نے کہا ہاں افلاطون نے کہا تم یہ بات کس دلیل سے کہتے ہو کہا ہم السعادت سے افلاطون نے کہا کس طرف سے تم اس آواز کو سنتے ہو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہر طرف سے افلاطون نے کہا ہر نبی کا ایک معجزہ ہوتا ہے تمہارے پاس کیا معجزہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالدیا جو فوراً اژدہا بن گیا ایک حاسد بولا کہ جزیرہ سراندیپ میں ایک قسم کی لکڑی ہوتی ہے کہ جب اس کو اس ملک میں لاتے ہیں تو وہ سانپ بنجایا کرتی ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا تو اس لکڑی کو لے آ اگر تیرا کہنا سچ ہے تو تیرے ہاتھ میں بھی یہ عصا سانپ بنجائیگا اس بات کو سنکر وہ شخص حیران ہوگیا افلاطون نے کہا اے لوگو موسیٰ کی پیروی کرو کیونکہ یہ شخص معجزہ اور سعادت کیلئے فیض اول سے لیکر آئے ہیں اور فیض اول علۃ العلل سے بطریق تسلسل فیضی کے جس کی حقیقت کے ادراک سے عقول عاجز رہیں جاری ہوتا ہے اور جو فیض اول علۃ العلل سے صادر ہوتا ہے وہ عقل فعال ہے جو بالکلیہ اس سے صادر ہوتی ہے اور نفس کلیہ وہ ہے جو فیض کو اُس سے حاصل کرتا ہے اور مخلوق میں عقل کی تجلی کی مثل ایسی ہے جیسے سورج کی شعاع روشندانوں اور سوراخوں اور مکانوں میں پہنچتی ہے اور انبیاء علیہم السلام کے اندر عقل کا ظہور ایسا ہے جیسے صاف چٹیل میدان میں دھوپ ہوتی ہے اور اس حدیث شریف کا بھی یہی مطلب ہے کہ فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے مخلوق کو ظلمت میں پیدا کیا پھر ان پر اپنے نور میں سے نور ڈالا پس جس کو وہ نور پہونچا اس نے ہدایت پائی اور جس کو نہیں پہونچا وہ کافر رہا اور یہی اس آیت کا مطلب ہے۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ اور فرماتا ہے۔ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔

اور یہی نور ابراہیم علیہ السلام پر ابتداء میں بقدر کواکب کے ظاہر ہوا تھا پھر جب ابراہیم علیہ السلام نے مدارج ہدایت میں ترقی کی انوار قدسیان کے دل پر منکشف ہوئے اور شمس و قمر کا انہوں نے مشاہدہ فرمایا پھر جب ظلمت صاف ہوگئی تو ظلمت خالص ہوگئی اور القیاس لفظ کے ساتھ انہوں نے علت اولیٰ کی اصل کو جس کے اندر سعادت کا فیض ہے مشاہدہ فرمایا اور علم سعادت کے

ساتھ کہنے لگے اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا یعنے میں نے
اپنے چہرہ کو متوجہ کیا ہے اس ذات پاک کی طرف جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے اور جب
نور الٰہی کے اشراق کو پایا تو مال اور اولاد کی طرف بالکل التفات چھوڑ دیا اور اس عالم ذوق و شوق
میں اپنے کمال پر نظر کر کے کہنے لگے کہ میرا جسم آتش عشق کے واسطے ہے اور میری اولاد راہ خدا
میں قربان ہیں اور میرا مال مہمانوں کے واسطے ہے۔

پس اے بادشاہ تم کو بھی طریق مذکورہ اختیار کرنا چاہئے تاکہ عالم کا راز تم پر منکشف
ہو اور تم تخت پر بیٹھ کر لوگوں کے احوال معلوم کرو اور نور فراست کے ذریعہ ظالم و مظلوم کو پہچانو
معلوم ہو کہ مال و اسباب حصول سلطنت دنیوی و اخروی کا ذخیرہ ہیں پھر جب تم یہ طریقہ
اختیار کرو گے تو کیمیاء السعادت کے ذریعہ سے اپنے کل مخالفوں پر غالب ہو جاؤ گے اور اسی
سے تم کو عالم علوی کی تسخیر حاصل ہوگی یعنے فرشتے تمہارے مطیع ہوں گے اور تم سے ملاقات کرنے
آویں گے اور یہ بات اس وقت ہوگی جب تم اپنی روح کو پاک کرو گے کیونکہ فرشتے ارواح پاکیزہ
ہیں یعنے ان کی روح ہی ان کا جسم ہے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہیں ان کی تالیف قلوب ہوتی
ہے لطائف حکایات میں وارد ہے کہ فرشتوں نے آپس میں کہا کہ ہمارے پروردگار نے ایک
قطرہ سے اپنا دوست پیدا کیا ہے اور بہت بڑا ملک اس کو عنایت فرمایا ہے خداوند تعالیٰ نے
فرشتوں کی طرف وحی کی کہ تم اپنے میں سے ایک بہت بڑا زاہد اور سردار فرشتہ چھانٹ لو
پس سب فرشتوں کا اتفاق جبرائیلؑ اور میکائیلؑ پر ہوا یہ دونوں فرشتے بصورت انسان حضرت
ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں آئے حضرت ابراہیمؑ نے اس روز اپنے تمام جانوروں اور
مال و اسباب کو جمع کیا تھا اور آپ کے پاس چار ہزار کتے تھے جن میں سے ہر ایک کے گلے میں
ایک طوق چاندی کا اور ایک سونے کا تھا اور چالیس ہزار بکریاں دودھ والی تھیں اور گھوڑے
اور اونٹ وغیرہ کا تو کچھ حساب ہی نہیں ہے یہ دونوں فرشتے راستہ کے دونوں طرف آن کر
کھڑے ہوئے اور ایک نے نہایت خوش آواز سے سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کہا دوسرے نے رَبُّ الْمَلٰٓئِکَۃِ
وَالرُّوْحِ کہا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تم دونوں پھر یہی کہو میں اپنا نصف مال تم کو
دیدوں گا انہوں نے دوبارہ کہا پھر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر اب کے پھر کہو تو میں تمام مال و

کے بعد اور علم زیادہ ہوا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی طور سے کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مثلاً حضرت جامع
اور کتاب خطبۃ البیان جس میں اکثر واقعات آئندہ کا بیان ہے۔

اے بادشاہ اگر کوئی بادشاہ تم سے صلح کرنی چاہے تو اگر وہ مسلمان ہو تو اس سے صلح کر لو اور
اگر کافر ہو اور اس پر قدرت رکھتے ہو تو صلح نہ کرو کیونکہ پھر شاید فرصت کا موقع نہ ملے اور اگر اس نے
قوت حاصل کرلی تو پھر وہ تم کو نقصان پہنچائیگا۔ اور صلح ایک مدت مقرر تک ہونی چاہئے جس کی
میعاد کم از کم چار ماہ ہے۔ اور اگر صلح کرنے والوں میں سے ایک شخص مر جائے تو دوسرے کو فائدہ
نہ پہنچیگا۔ پھر اگر تمہاری نیت صاف ہے اور تمہاری روح ملکوت اعلیٰ سے مناسبت رکھتی ہے۔ پس
تم اپنے ستارہ کی دعوت کرو۔ جبکہ وہ تثلیث یا تسدیس کی قسم سے نظر کرتا ہو اور اس کا بخور پیش
کرو اگر وہ تمہارا دوست ہوگا تو گویا وہ تمہارا وزیر ہے۔ اور ان اعمال کے واسطے خلوت، تقویٰ اور تزکیہ
نفس اور کم کھانا اور خلوت میں رہنا اور ہر وقت ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ ان باتوں سے غیب
کا دروازہ کھل جاتا ہے اور عالم باطن سے مکاشفہ کے انوار ظاہر ہوتے ہیں اور تم فرشتوں
وغیرہ کی باتیں سننے لگتے ہو اور تمہارا لاہوت ناسوت پر غالب ہوتا ہے پس تم مصباح
مشکوٰۃ انوار الٰہیہ کے زیت بن جاتے ہو چنانچہ کسی کا قول ہے۔

ثَقُلَتْ زُجَاجَاتٌ اَتَتْنَا فُرَّغًا ۔۔۔ حَتّٰی اِذَا مُلِئَتْ بِصِرْفِ الرَّاحِ
خَفَّتْ فَكَادَتْ اَنْ تَطِيْرَ بِمَا حَوَتْ ۔۔۔ وَكَذَا الْجُسُوْمُ تَخِفُّ بِالْاَرْوَاحِ

جو شیشے ہمارے پاس خالی آئے وہ بھاری تھے یہاں تک کہ جب ان میں خالص شراب
بھر گئی وہ اس قدر ہلکے ہوگئے کہ قریب تھا ہوا کے زور سے اڑ جائیں اور ایسے ہی جسم روحوں
کے ساتھ ہلکے ہوتے ہیں اور جب سعادت کا قمر تم کو اس طرف سے حاصل ہو جائے تو کل خلقوں
کی بھلائی ہے اور اس کے حاصل کرنے میں تم پورے مجاہدہ سے کام لو تب تم پر انوار ہیبت نازل
ہوں گے اور تمام مخلوق تمہاری بغیر شمشیر زنی اور ہیبت بٹھانے کے مطیع ہو جائیگی۔

اور اگر بادشاہ تم سے نہ ہوسکے اور باب طلب کو مسدود پاؤ تب فقر اختیار کرو کیونکہ
انسان دو قسم کے ہیں یا بادشاہ یا فقیر اور سب سے بدتر وہ ہے جو ان دونوں کے درمیان
میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اپنے مقاصد اور مطلب کو پہنچے ہیں جمعہ کے روز میں ایک ایسی ساعت ہے کہ
جو شخص اس میں دعا کرے قبول ہوتی ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ ساعت طلوع دن میں
ہے۔ اور بعض کہتے ہیں درمیان میں اور بعض کہتے ہیں کہ زوال میں اور یہی حضرت فاطمہ
صلوات اللہ علیہا سے منقول ہے کہ وہ اپنی ایک لونڈی سے فرمایا کرتی تھیں کہ جمعہ کے روز
غروب آفتاب کا وقت مجھ کو بتا دے۔

اور اس ساعت میں سورۂ انعام پڑھو اور درمیان میں کسی سے گفتگو نہ کرو اور جب اس
آیت پر پہنچو [illegible] تو پہلے حصول مقصد کی دعا مانگو
خدا اس شخص کی دعا کو رد نہیں کرتا ہے کہ جو اس آیت کے درمیان میں دعا مانگتا ہے۔

ہر نبی کے واسطے ایک دن اس سے مخصوص تھا چنانچہ حضرت موسیٰ کے واسطے شنبہ
اور حضرت عیسیٰ کے واسطے یک شنبہ اور حضرت ابراہیمؑ کے واسطے دو شنبہ اور سہ شنبہ کے روز
حضرت زکریا کے پاس خدا کی طرف سے ملائکہ بشارت لائے تھے اور چہار شنبہ کے روز فرشتے لائے
اور چہار شنبہ ہاں کی تھی اور پنجشنبہ اور جمعہ ہمارے حضور کے واسطے مخصوص ہیں اور علوی لوگ ہر روز کو
ایک کوکب سے متعلق کہتے ہیں چنانچہ شنبہ قمر سے اور سہ شنبہ مریخ سے اور چہار شنبہ عطارد سے
اور پنجشنبہ مشتری سے اور جمعہ زہرہ سے متعلق ہے اور یہ لوگ اسرار سے واقف نہیں ہیں ہم
ان اسرار کو تھوڑا سا بیان کرتے ہیں چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے مغرب کی طرف توجہ
کی کیونکہ زحل کی اس طرف حکومت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کا قبلہ شرق کی طرف تھا بسبب آفتاب
کے اور ہمارے حضور کا قبلہ کعبہ کی طرف ہے اس راز سے کوئی آگاہ نہیں ہوا مگر جس کو خدا نے
چاہا اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب حضور نماز میں قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہوتے ہیں۔
تو زحل آپ کی داہنی طرف اور سورج بائیں طرف اور مشتری سینہ کے مقابلہ میں اور زہرہ
اور سعد بلع سر کے اوپر ہوتے تھے اسی سبب سے جو کچھ سعادت آپ کو حاصل ہوئی تھی
وہ حاصل ہوئی جو کسی کو نصیب نہ ہوئی تھی اور اسی کا سبب ہے کہ آپ کی بعثت سارے عالم
میں پہنچی اور آپ کا نام و نشان بلند ہوا اور آپ کی دولت ہمیشہ کے واسطے قائم ہوئی اور
امت کو آپ کی سعادت نصیب ہوئی اور شریعت آپ کی مستحکم ہوئی کہ زردوں نے مشرق سے اس

سے گا پھر شیخ معری نے اپنے غلام قنبر سے کہا کہ اللہ پاک شیخ نے غسل کیا اور نصف شب تک نماز پڑھتے
رہے پھر اپنے غلام سے پوچھا کہ مریخ کہاں ہے اس نے کہا فلاں منزل میں ہے شیخ نے کہا کہ اس
کے پیچھے کا رخ دے اور ایک رسی پتھر کے متصل میرے ہاتھوں میں باندھ دے غلام نے ایسا ہی کیا
پھر اس کے بعد ہم نے سنا کہ شیخ نے یہ دعا پڑھی یا ملکۃ العلی یا قدیمۃ الاکثر لی یا صانع
الملکوت و غالب ایتنا بھم ما اتی ذوی لا ینقاد شر ——— پھر کہتے ہیں وزیر و دریچہ پر
دیاں تک کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور ایک بڑے غل و شور کی آواز ہمارے کان میں آئی
ہم نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وزیر صاحب کا دیوان خانہ جس میں وزیر صاحب اڑتالیس آدمیوں پر
گر پڑا اور طلوع آفتاب کے بعد شاہی پروانہ زوال سوداں کے پاس آیا کہ شیخ کا گرز دست مانگیوں
کہ وزیر دب کر مر گیا ہے شیخ یوسف کہتے ہیں پھر شیخ معری نے مجھ سے پوچھا کہ تم کہاں سے آئے
ہو میں نے کہا خدا کی زمین سے کہا تم تہامی ہو کہ اس سے آئے ہو اور تمہارا نام یوسف ابن علی ہے
تم لوگوں نے میرے قتل پر آمادہ کیا ہے اور دو لکھے تھیں کہ میں بر طریق راست ویں ہوں ۔

پس اے بادشاہ اگر تم یہ وصف رکھتے ہو تو مقاصد تمہارے حاصل ہو گئے اور بہت اعلیٰ
مقام تم نے حاصل کیا کل دشمن تمہارے زیر ہوں گے بے دریغ قطعے تم فتح کرو گے اور ملک و مال بڑھا
سب میں برکت ہوگی اور اگر تم نے کوشش کی تو ان ذرائع سے تم ان مقاصد کو حاصل کرو گے جو سکندر
نے حاصل کئے کیونکہ جو بات ہو چکی ہے وہ پھر بھی ہو سکتی ہے اور خطبۃ البیان میں منقول ہے
کہ ایک بادشاہ عادل و زاہد کا دنیا میں پیدا ہونا ضروری ہے جو خدا سے خوف کرنے والا ہو گا ملکوں میں
انتظام کرے گا اور لوگوں کے ساتھ احسان فرمائے گا اور اس بادشاہ کا ظہور تھوڑی دیر کے بعد ہوگا۔

دیکھو کہ غیبی خبریں کس طرح آئینہ دل میں منکشف ہوتی ہیں جب دل کا حجاب رقیق ہوتا
ہے تو پردہ اٹھ جاتا ہے اور لوح محفوظ پر نظر جا پہنچتی ہے۔ اس میں جو کچھ غیب کی باتیں لکھی
ہیں وہ یہ شخص لوگوں سے بیان کرتا ہے اور ان میں کچھ شک و شبہ نہیں ہوتا۔

بادشاہوں کو چاہیے کہ اپنا راز کسی سے بیان نہ کریں سوا اس کے جس سے محبت اور یگانگی
اخلاص رکھتے ہوں سلطان محمود کی ایاز کے ساتھ تم نے حکایت سنی ہوگی پس اے بادشاہ ان کلمات
اور بادشاہوں کو معلوم ہو کہ جالنیوس نے تم کو بہت اچھی نصیحت کی ہے اگر تم نصیحت کرو تو لوگ

بان پر پہنچتا ہے کوئی ہوا میں جاتا ہے کوئی نماز پڑھتا ہے کوئی...... پانی سے چراغ جلا کر دکھاتا
ہے غرضیکہ اسی طرح کی باتوں کو لوگ کرامتیں سمجھتے ہیں۔

معجزہ اور سحر کرامت میں فرق یہ ہے کہ معجزہ اور کرامت ہمیشہ قائم رہتے ہیں اور سحر
اور شعبدہ قائم نہیں رہتا ہے مثلاً قرآن مجید معجزہ اکبر اور نامعلوم کتنا عظیم بچا اور اولیا کی کرامت وہ
لوگ ہیں جنہوں نے خدمت کی ہے اور خدمت لی ہے اور عمل کیا ہے اور کرایا ہے پس عمل نے
ان کے دل سے غفلت کے حجاب کو دور کر دیا اور فکر نے ساری سیاہی اس کی دھو ڈالی پھر
اس وقت ان کو مجاہدہ کے بعد مشاہدہ نصیب ہوا اور دل ان کے انوار صدق و تصدیق کے ساتھ
منور ہوئے اور نفوس مقدسہ مقام حقانیت میں ترقی کر گئے لوح محفوظ کا راز وار دیکھا جس
سے منکشف ہوا اجسام ارذیلہ سفلیہ کے خطرات پاک و صاف ہو گئے اور کمال وجود کے قالب
میں وصل کر لیا وجود کی صحبت میں جا پہنچے اور آسمان فراق سے حقائق کے چاند اپنا جلوہ گر ہوئے
چنانچہ ابتدا رجال میں ایک ستارہ دکھائی دیا پھر برج ایمان کے نقش سے وہ نور پھیلنا شروع ہوا
یہاں تک کہ برابر میں چاند دکھائی دیا پھر محبت ربانی کے چشمے شمس حقیقت برائی کے فیض سے جا ملے ہو
پھر اس کے بعد طلب صادق صافی دوانی مجنوں کے برابر سواد ہو کر آسمان اور فرشتوں کی سیر کرتے
تو پھر میدان محبت میں اشتیاق کے پر کھول کر قرب کا شربت پینے لگا اور بشریت کے کپڑے
پھاڑ کر جوش و طرب کی حالت میں بالکلیہ اس کے ساتھ جا ملا۔

جب مجالس طرب کے دروازے کھل جاتے ہیں عاشق صادق ہجر کے صدموں اور خلوت
کی رحمت سے تاب نہ لا کر لوحہ ولے شوق لگا ابھرتا ہے پس یہ شخص ابتدائے حال میں مجنوں اور انتہا
میں ذی فنون ہو جاتا ہے۔ جب تم اس کو ابتدا میں لغات اور سماع کا شوقین دیکھو تو اگر اس
نے اسی کو اپنا وتیرہ اختیار کر لیا اور ترقی کے دروازہ سے روگرداں ہو گیا پس سمجھو کہ یہ شخص بے نصیب
ہے اور اس کے اور اس کے مقصد کے درمیان میں ایک دیوار حائل ہو گئی ہے اور اگر اس نے
نغمات اور سماع کو عالم اصغر سے عالم اکبر میں ترقی کرنے کا ذریعہ بنایا ہے تب یہ شخص عارف
سے واقف ہو کر عاشقین کے حالات اور صادقین کے مقامات میں داخل ہوگا پس رب العالمین
کے پاس لاہوتی منزلوں کے سرسبز درخت کے نیچے آرام کرے گا اور جسمانیت کا شیشہ ٹوٹ جائے گا۔

اور اس کی سعادت کا راز تدبر و فکر کرنے لگیگا۔ پس اس وقت اس کا ادنیٰ مقام کرامت کا اظہار کرنا
ہے اور جب یہ اپنے دوستوں میں سے کسی کو دیکھیگا اپنے رخسارہ کو اس کے خاکپا کے نیچے رکھیگا
جیسا کہ لیلیٰ کے مجنوں کی حکایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ مجنوں اپنے کندھے پر ایک
کتے کو بٹھائے ہوئے کہاں کو چلا جا رہا ہے۔ پس لوگوں نے ان کو ملامت کی انہوں نے کہا میں نے
اس کتے کو لیلیٰ کے در پر بیٹھے ہوئے دیکھا ہے اس سبب سے اس کی یہ تعظیم و توقیر کرتا ہوں
پھر مجنوں نے یہ اشعار پڑھے ؎

رأى المجنون في الفلوات كلباً　　فمد إليه بالإحسان ذيلا
فلاموه على ما كان منه　　وقالوا لم منحت الكلب نيلا
فقال دعوا الملامة إن عيني　　رأته مرة في باب ليلى

اور اسی کی تائید میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ایک شخص مر گیا حضور
سے عرض کیا گیا کہ آپ اس کے جنازہ کی نماز پڑھا دیں فرمایا میں ایسے شخص کی نماز نہیں پڑھتا
جس نے کبھی نماز نہیں پڑھی حضرت عمر نے عرض کیا میں نے اس کو مسجد کی دو رکعتیں پڑھتے دیکھا
ہے حضور نے فرمایا میں اس شخص پر کیونکر نماز پڑھوں جس نے سوا نفل کے کوئی نماز نہیں
پڑھی پس جبرئیل حضور کی خدمت میں آئے اور کہا اے محمد خدا فرماتا ہے کہ کیا لوگوں نے تمکو
ہمارے دروازہ پر ایک بار بھی نہیں دیکھا ہے اور جب تم اس کو میرے دروازے سے ہٹا دو گے
تو پھر یہ کس کے دروازے پر کھڑا ہوگا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً اس کو بخشدیا ہے اور
فرشتوں نے اس پر نماز پڑھی ہے اور بے شک خدا تمام عالم سے بے پرواہ ہے۔

چودھواں مقالہ

چند نصائح میں

بادشاہ کو چند ایسے اشخاص مہیا کرنے چاہئیں جو ان کی اطاعت کا لوگوں میں وعظ

کہیں اور لوگ خوشی سے اس کی فرمانبرداری کی طرف مائل ہوں ہم پہلے فصول سلطنت میں تین
طریقے بیان کر چکے ہیں اور جو شخص بطریق مذکور سمجھے کہ فلاں شخص کیا حیثیت رکھتا ہے
جو سلطنت اس کو حاصل ہو گئی کیا اس کے پاس مال سے یا کثرت سے اولاد سے یا اس کا باپ
اس کے صاحب ملک تھے تو اس سے کہنا چاہیئے کہ نمرود جیسا کنعان کون تھا اور شداد جس نے جنت
بنائی کون تھا اور حضرت ادریس جو درزی کا کام کرتے تھے وہ کون تھے اور حضرت نوح نجاری
کرتے تھے اور حضرت ابراہیم پیغمبر بکریاں چراتے تھے اور حضرت داؤد زرہ ساز تھے اور طالوت
کمہاروں کو دولت دیا کرتے تھے اور حضرت صالح سوداگر تھے اور حضرت سلیمان تو اس سے تھے اور
حضرت عیسیٰ سراج تھے اور حضرت آدم کاشتکاری کرتے تھے پھر ان لوگوں کو یہ سلطنت اور خلعت
کیونکر نصیب ہوئی کیا تم کو اس فرمان الٰہی سے نصیحت حاصل نہیں ہوتی ہے تؤتی الملک من تشاء
معلوم ہو کہ لوگوں کے واسطے بادشاہ کی بہت بڑی ضرورت ہے تاکہ اس کی اطاعت
کریں اور اس کی طرف مائل ہوں۔ دیکھو جانوروں میں بھی ایک سردار ہوتا ہے اور شہد کی
مکھیوں اور چیونٹیوں وغیرہ میں سلطنت کا دستور ہے۔ اسی واسطے لوگوں کو بادشاہ کی
اطاعت کرنی چاہیئے ورنہ پھر ان کی گردن ہے اور تلوار ہے کیا تم نے حضور علیہ السلام کا فرمان
نہیں سنا کہ اطاعت کرو اپنے امیر کی اگرچہ وہ حبشی غلام ہو اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے اطاعت کرو
اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور تم میں سے جو بادشاہ ہو اس کی پس ان نصیحتوں کو تم غور
سے دیکھو اور اگر پھر یہی حالت باقی رہے تو باز و عقاب کے گیسو اور مکھی کو خیال کرو اور جیسا کہ کسی
عقلمند نے فرمایا ہے۔ یا طالب الرزق السنی بقوۃ　　هیهات انت بباطل مشغوف
اے طالب کہ تو عمدہ رزق کو قوت کے ساتھ ڈھونڈتا ہے افسوس کہ تو بیکار کام سو کھے در پے ہو رہا ہے

رعت الاسود بقوۃ جیف الفلا　　ورعی الذباب الشهد وهو ضعیف

گدھ وغیرہ مردار جانور قوت کے ساتھ جنگل کے مرداروں کو کھاتے ہیں۔ اور مکھی
بھی قوت ہی کے ساتھ شہد کھاتی ہے حالانکہ نہایت ضعیف جانور ہے۔ اور اے عقلمند تم کو
زمانے کے ان قصوں سے کچھ بحث کرنی چاہیئے اور جب اہل ریاست تمہارے مخالف ہوں تو
نہایت حکمت کے ساتھ ان پر ہاتھ ڈالو کیونکر ریاست کرنے والوں میں ایک مقناطیسی

اور شکار کے ارادوں کو تم جانتے ہو پھر تو تم بعض یہ تمہارے نزدیک دلیل ہے اور تم علم کا اس کے
اندر اعتبار نہیں کرتے ہو کیونکہ تم کو صرف خصومت اور جھگڑے سے مطلب ہے اور اظہار حق کے
واسطے بحث کرنے والے لوگ بہت تھوڑے ہیں۔

سولہواں مقالہ

طہارت اور اس کے آداب و اسباب کے بیان میں

معلوم ہو کہ طہارت فرض ہے ظاہری ہو یا باطنی باطنی طہارت قلب کا ہر چیز سے سوا اللہ
کے پاک کرنا ہے جب یہ طہارت قلب کے اندر حاصل ہو جائے تو قلب فیض ربانی اور علوم لدنیہ
الہیہ کا محل ہو جاتا ہے اسرار کے پردے اٹھ جاتے ہیں کرامات کی نہریں جاری ہوتی ہیں اور
عقل حقیقی شہوات سے اعلیٰ معارف کی طرف ترقی کرتی ہے پھر کشف اسرار ربوبیت کے
آسمان تک پہنچتی ہے پھر روح عقل کامل کرسی ملکوت کی طرف ترقی کرتی ہے پھر عرش عظمت القدس تک
جا پہنچتی ہے پھر عالم غیب کے تحفے اس کے سامنے آتے ہیں یا جان کا نور طبائع عالم کے جسم
کو روشن کرتا ہے اور تا نیک طور پر آئینہ کے تم اور حجاب جیسے پر جاری ہوتی ہے پس کوئی ان میں سے
نیک بخت ہے اور کوئی بدبخت ہے جب یہ باطنی سلطنت تم کو حاصل ہوگی تو صورت کی طرف
تم پھر التفات نہ کرو گے کیونکہ صورت دوستوں کے جمع کرنے والی اور متنافر طبیعتوں کی متفرق
کرنے والی ہے۔

جب مقام تطہیر میں وصال کے پیالے تمہارے سامنے آ دیکھو گے اور صبح کی ٹھنڈی ہوا
تم پر چلے گی منادی تقدیم ندا کرے گا کہ اسی میں کوشش کرنے والوں کو چاہیے کہ کوشش کریں
اور اس وقت تمہاری روح خوب روشن ہو جائے گی معلوم ہو کہ خداوند تعالیٰ نے حیوان کو پیدا
کر کے اس کی تین قسمیں کی ہیں ایک قسم عقل مجرد ہیں بغیر شہوت کے جیسے فرشتہ اور ایک قسم
شہوت مجرد ہیں بغیر عقل کے جیسے بہائم اور ایک قسم شہوت اور عقل سے مرکب ہیں جیسے
انسان۔ پس جس انسان کی عقل شہوت پر غالب ہوتی وہ ملائکہ سے مل جاتا ہے اور جس کی
شہوت عقل پر غالب ہو رہی ہے وہ بہائم سے مل جاتا ہے خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فاستقم کما امرت
یعنی جیسا کہ تم کو حکم کیا گیا ہے اس کے موافق قائم رہو۔

اب ہم طہارت ظاہری کا بیان کرتے ہیں۔ برتن میں پانی لے کر وضو سے پہلے تین بار ہاتھ دھو لو اور قبلہ رو بیٹھ کر وضو کرو اور یہ خیال رکھو کہ تمہارے کپڑوں پر چھینٹیں نہ پڑیں اور پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر مسواک شروع کرو اور وضو کی نیت بھی کرو۔ وضو کے اندر چار چیزیں فرض ہیں ایک تو وضو کا فرض رکن یعنی منہ دھونے سے پہلے نیت کر لینا پھر منہ دھونا پھر کہنیوں تک ہاتھ دھونے پھر سر کے ایک حصہ کا مسح کرنا پھر ٹخنوں سمیت پیروں کو دھونا اور ترتیب اور موالات یہ دو قول ہیں لیکن صحیح قول کے موافق فرض ہے اور حیض اور جنابت کے غسل میں وضو کے تین تین بار تمام اعضا کو دھونا چاہیے اور جنابت یا حیض کے غسل کی نیت ہونا ضروری ہے وضو کے توڑنے والی پانچ چیزیں ہیں لیٹ کر آرام سے سو جانا یا عقل کا کسی سبب سے دور ہونا مرد و عورت کو بغیر حائل کے ہاتھ لگانا اس سے ہاتھ لگانے والے کا وضو ٹوٹ جاتا ہے عورت کا نہیں ٹوٹتا اور فرج کو ہاتھ لگانے۔ استنجے کو جب جائے تو قبلہ رو یا چاند اور سورج کی طرف منہ یا پشت نہ کرے مگر جب کہ درمیان میں حائل ہو اور داخل ہونے کے وقت بایاں پیر اندر رکھے اور نکلنے کے وقت دایاں پیر باہر نکالے اور اسم الٰہی لکھے ہوئے کوئی چیز پاس ہو تو اس کو باہر رکھ جائے۔ استنجا ہر ایک پاک چیز کے ساتھ جائز ہے مگر جس میں بزرگی ہے جیسے کھانے کی چیز وغیرہ اور ہڈی یا شیشہ یا ایسی چیز سے جو کہ تکلیف پہنچانے والی ہو استنجا کرنا جائز نہیں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ہڈی کے ساتھ استنجا نہ کرو کیونکہ یہ تمہارے بھائی جناتوں کا کھانا ہے اور خداوند تعالیٰ ہڈی پر گوشت پیدا کرتا ہے جس کو وہ کھاتے ہیں اور افضل یہ ہے کہ ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرے اور یہی اہل قبا کی طہارت ہے پاخانہ میں جانے کے وقت یہ کہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ الرِّجْسِ النَّجَسِ الْخَبِیْثِ الْمُخْبِثِ[۱] اور جب پاخانہ سے باہر نکلے یہ کہے غُفْرَانَکَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّیْ مَا یُؤْذِیْنِیْ وَ اَبْقٰی عَلَیَّ مَا یَنْفَعُنِیْ[۲] — بند پانی میں پیشاب نہ کرنا چاہیے اور نہ غسل کے سوراخ میں

۱؎ اے اللہ میں تیرے ساتھ ناپاکی خبیث باتوں سے پناہ مانگتا ہوں اور شیطان نجس و ناپاک ہے۔
۲؎ شکر ہے اس خدا کا جس نے اذیت کو میرے بدن سے نکالا اور مجھ کو عافیت دی۔

راستہ کے درمیان میں نہ پھلدار درخت کے سایہ میں یا جیسے درخت کے نیچے جس کے سایہ میں
لوگ آرام پاتے ہوں اور بیماری یا سخت سردی کے عذر سے تیمم کرنا جائز ہے مٹی یا غبار جو کچھ
ہاتھ میں لگ جائے اور بعض جنابت سے بھی خوفناک عذر کے وقت تیمم کے واسطے دو ضربیں
لگائے ایک منہ کے لئے اور ایک دونوں ہاتھوں کہنیوں تک اور علما کہتے ہیں کہ جو چیز زمین سے
نکلے مثلاً پتھر وغیرہ اس کے ساتھ بھی تیمم جائز ہے مگر تیمم نماز کے وقت داخل ہونے کے بعد کرے
اور انگوٹھی اتار کے تیمم کرنا چاہیے کہ وضو کرنے والوں کی امامت کرنی جائز ہے اور صحابہ کرام نے
ایسا کیا ہے اور قسم کے موزوں پر مسح کرنا جائز ہے بشرطیکہ پاک ہوں۔

ستر ہواں مقالہ

کم سے کم حیض کی مدت ایک شبانہ روز ہے اور زیادہ سے زیادہ پندرہ روز ہیں پھر اس کے
بعد جو خون آئے وہ استحاضہ ہے اور کم سے کم مدت طہر پندرہ دن کی ہے جو حیضوں کے درمیان میں
ہوتی ہے پندرہ دن حیض والی روزہ اور نماز کو چھوڑ دے پھر روزوں کی قضا کرے اور نماز
کی قضا نہ کرے معلوم ہو کہ حیض کا خون سیاہ ہوتا ہے پھر سرخی اور زردی کی طرف مائل ہو جاتا ہے
اور جب موقوف ہونے کو ہوتا ہے تب سفیدی ظاہر ہوتی ہے حیض یا نفاس والی پہلے
نماز کے وضو کی طرح سے وضو کرے پھر تین بار تمام اعضا کو دھوئے اور حیض یا نفاس کے
غسل کی نیت کرے نفاس کی مدت زیادہ سے زیادہ ساٹھ روز اور کم سے کم ایک ساعت بھر خون
کا آنا ہے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فرزند پیدا ہونے کے بعد غسل کر کے نماز شروع کرتی تھیں
اور اسی سبب سے بتول آپ کا نام ہوا ہے کیونکہ نفاس کا خون اور دنیا کی محبت آپ سے
منقطع ہو گئے تھے۔

معلوم ہو کہ نجاست کی یہ چیزیں ہیں خون بہنے والا جو خنزیر کا گوشت اور اس کی
چربی اور کتے کے منہ کا لعاب اور مردار کتا جس کا جسم تر ہو اور پیشاب اور شراب اور پاخانہ
اور جو پاک چیز کو سڑ کر بدبودار ہو گئی ہو اور مردار۔ سب چیزیں ناپاک ہیں احکام طہارت

کا یہ مختصر بیان بطور اشارات کے ہے جو ہم نے کیا ہے اگر مفصل دیکھنا ہو تو بڑی بڑی کتابیں دیکھو جیسے
ہماری کتاب بسیط اور وسیط اور وجیز ہیں اور اگر علم خلاف حاصل کرنا ہو تو ہماری کتاب تحصین
اور کتاب الاشراف فی مسائل الخلاف دیکھو اور اگر مذاہب کی واقفیت چاہو تو ہمارے امام اور
ابو المعالی الجوینی امام الحرمین کی کتاب نہایت المطلب فی الخلاف والمذہب دیکھو اور اگر علم اصول
دین کی کتابیں چاہو تو ہمارے استاد کی کتاب ارشاد اور محیط اور مفید کو ملاحظہ کرو اور ہماری
کتاب الاقتصاد فی علم الاعتقاد کو دیکھو اور اگر اصول فقہ کا ارادہ ہو تو کتاب منخول فی علم الاصول
اور کتاب المحصل فی علم الجدل اور کتاب تبصرہ ابو اسحاق اور حل الفصال المنتحل اور معین کو دیکھو اور اگر علم کلام چاہو
ترکیب ... اور کتاب ... اور ... ہماری کتاب
تہافت الفلاسفہ اور مقاصد کو دیکھو اور تفاسیر میں تفسیر حضرت علیؓ اور تفسیر ابن عباس اور
تفسیر سدی اور تفسیر کلبی اور ثعلبی اور رمانی اور تفسیر مختلف الاصفہانی اور علی الواحدی کی بسیط
اور وسیط اور وجیز وغیرہ کو دیکھو۔ اور معلوم ہو کہ تصانیف بہت کثرت سے ہیں مگر
سب میں بہتر وہ ہے جو آخرت کا راستہ دکھائے جیسے قوت القلوب شیخ ابو طالب مکی کی
اور ہماری کتاب احیاء علوم الدین وغیرہ۔ ان سب کتابوں کو دیکھ کر ان علوم میں قوت حاصل
کرو اور ہماری اس کتاب کو خوب یاد کر لو تاکہ لوگوں سے ہر قسم کی گفتگو کر سکو اور قصص
وحکایات کی کتابیں دیکھنے میں کچھ حرج نہیں ہے جیسے ابو اسحاق کی کتاب محمود الحکایات اور
حلیۃ الاولیاء حافظ ابو نعیم کی ہے اور طبقات مشائخ کی کتابیں بھی ملاحظہ کرو کیونکہ بعض ان میں سے
نا آشنا ... پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے۔ جو علم کہ معنے معلوم کرنے کے واسطے حاصل کیا جاتا ہے
جیسے علم الغریب اس سے اسمائے مشکلہ اور اصطلاحات کا جاننا مراد ہوتا ہے اور نحو سے اعراب
کی حالت یعنی زبر زیر پیش اور سکون کا معلوم کرنا مراد ہے۔ مثلاً ان وغیرہ اسماء کے نصب کرنے
والے حروف اور کان اور اخوات اسماء کے رفع کرنے والے حروف اور حروف ظرف اور حروف جارہ اور
اسماء مدح وذم مثل حبذا ونعم وبئس بئسما اور حروف شرط اور ان ثقیلہ اور ان مخففہ
وغیرہ کے عمل معلوم کرنے۔ الفاظ شرط میں سب سے زیادہ عام کلما کا لفظ ہے اور امام شافعی
کے نزدیک دور کے مسئلہ کی بنا اسی پر ہے۔ پس جب اس مسئلہ کی دلیل نحوی اور اس کا معنی

انقلاب تا حصول پر ظاہر ہو گیا تو کوئی نقص اس میں باقی نہ رہا اور بہت لوگوں کو حاصل ہو گئی
اور مسئلہ کی صحت میں قرآن کا مضمون روشن ہوا کہ ولا رطب ولا یابس
الا فی کتاب مبین جو مطلوب تھا وہ ثابت ہوا اس دلیل کی قوت نے مجھ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ رسائل
دین کے اندر بھی پورا غور کروں علم فقہ سے مراد ان آداب اور احکام کا معلوم کرنا ہے جو دوزخ سے
نجات دینے والے اور جنت میں پہنچانے والے ہیں اور علم منطق گویا عقل کی نحو ہے یعنی معانی
کو اس کے ساتھ اس طرح تمیز کیا جاتا ہے جیسے علم نحو کے ساتھ الفاظ کو تمیز کیا جاتا ہے اور
خطابیات اور ظنیات اور اوزان معانی تعلیمی کی پہچان ہوتی ہے مثلاً شک اور ظن یا یقین
میں فرق کو معلوم کرنا اگر زبان لغت میں سے الفاظ قرآن کا جو وزن ہے وہ نہ شعر کے مشابہ
ہے نہ خطبے کے نہ فصول کے مقفیٰ اس بحر میں حیران ہو گئے اور فصحاء کو اس کی کرامات
نے گونگا کر دیا اور متکلمین کی زبان ملامت اس کی فصاحت نے قطع کر دی ہیں یہ معجزہ ہمیشہ
رہنے والا ہے جس نے بولنے والوں کا بولنا بند کر دیا۔ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ
مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ اور علم طب کی علامات اور معلول
اور دوا بھی ہے۔

اب ہم ایک ایسا مسئلہ بیان کرتے ہیں جس کے جواب سے علما عاجز ہیں ہم کہتے
ہیں جب یہ بات ثابت ہے کہ حرارت غالبہ اور برودت غالبہ دونوں قاتل ہیں پس جب
دوا ہی مریض ہوئی تو پھر شفا کہاں ہے اگر حکیم نے کہا کہ ہاں یہ بات ٹھیک ہے تو پھر کہا
جاتا ہے کہ دوا کی کیا ضرورت رہی اور اگر حکیم نے کہا کہ دوا کے اجزا اور اجزا کے ساتھ علاج کرتے ہیں۔
جس سے اعتدال پیدا ہوتا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ جب مثلاً گرم دوا مرض کے واسطے مفید ہے
تو پھر سرد دوا نقصان کرے گی پس شفا جو مطلوب ہے کیونکر حاصل ہو گی اور اگر شفا کو تعدیل
کے ساتھ رکھا جاتا ہے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ تعدیل سے اجزا کا وزن تو جڑا ہے یا تعدیل کے ساتھ

لہ اور حکیم البتہ [illegible] باطل اس کے آگے سے آتا ہے نہ اس کے پیچھے سے نازل ہے
یہ مکتوب [illegible] کے پاس سے ۱۲۔
[illegible]

کوئی اور خاصیت اس کے اندر آ جاتی ہے پھر اسے حکیم بہ مزاج جو ایک چراغ مختصر ہے بطریق
کمال کے جب اس کو اس کا روشن کرنیوالا گل کر دیتا ہے تب اس کا نور کہاں چلا جاتا ہے۔ پھر
پھر اس قول کے کیا معنے ہیں کہ یہ چیز کا کھانا بیماری ہے اور اخروٹ کے ساتھ اس کو کھانا دوا ہے
حالانکہ یہ دونوں گرم خشک ہیں اور ہر ایک ان میں سے فی نفسہ نقصان دہ ہے پھر دوا کا
وجود کہاں رہا سو معلوم ہوا کہ نجومی کہتے ہیں جب دو ستارے منحوس ایک برج میں جمع ہوتے ہیں
ضرور کوئی منقصت ظاہر ہوتی ہے ایسی ہی یہ چیز جب اخروٹ کے ساتھ جمع ہوا تو یہ دو خلطیں
خشک ہو گئیں اور ایک دخان لطیف ان سے ظاہر ہوا جس میں بہت سی اچھی تاثیریں ہیں
اب تم نے سمجھ لیا کہ علموں کے حاصل کرنے سے کیا کیا فوائد ہیں اور معلوم ہو کہ سب علموں سے
افضل علم وہ ہے جو تمہارے ساتھ تمہاری قبر میں جائے اور وہ علم توحید اور معرفت الٰہی
کا ہے اس کو عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ معلوم کرو اور یہ جان لو کہ کشف حاصل نہیں ہو
سکتا ہے مگر علم پر عمل کرنے سے اور جب کشف حاصل ہو جاتا ہے اس وقت مراقبوں کے ثمروں
سے محبت کی حلاوت ظاہر ہوتی ہے۔

جب علم کے ساتھ عمل نہ ہو تو وہ علم بالکل حماقت ہے اور ایسا عالم مغز کو چھوڑ چھلکے
کے ساتھ راضی ہو گیا ہے ایسے لوگ بہت برے علما ہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے
کسی شخص کے پاس تلوار ہے مگر وہ لڑائی کا فن نہیں جانتا ہے ایسے شخص کو چاہیے کہ تلوار
سے چاندی سونا اتار کر اس کا زیور بنا کر عورتوں کی طرح سے پہن لے کیونکہ ایک طویل حدیث
میں جو ابوذر ،، رضی اللہ عنہ سے منقول ہے نبی نے ارشاد فرمایا ہے بے شک خداوند تعالٰی
برے علماء کو قبیح صورتوں میں مسخ کر دیگا اور ریشمی کپڑے جو وہ پہنتے ہیں وہ ان کی
گردنوں میں سانپ بن جائیں گے یہ وہ علما ہیں جنہوں نے علم ظاہر پر قناعت کی ہے
اور اس کے ذریعہ سے اپنی شہرت چاہتے ہیں ان لوگوں کے واسطے بہت بڑی خرابی ہے۔
دنیا اور آخرت میں ان کے واسطے کوئی عذر نہیں ہے۔ اور بہت سی حدیثیں ان ناپاک
علما کی شان میں وارد ہیں حضرت ابو سعید خدری صحابی رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے پاس
سے گذرے جن کے اندر بحث ہو رہی تھی حضرت ابو سعید نے فرمایا یہ کیا بحث ہے اور

کی شامت اور نفاق کا فعل ہے پھر فرمایا آخر زمانہ میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو بیمار رکھیں
گے اور رشوت کھا دیں گے اور لوگوں کے سامنے شیخی اور تکبر کریں گے اور باریک کپڑے
پہنیں گے اور مسجد کی رونق کم کریں گے اور بادشاہوں کی صحبت پسند کریں گے اور یہ کہیں گے کہ ہم
علماء ہیں اور ان کا فتویٰ لیا جائیگا افسوس ہے اس امت پر جس کے علماء ایسے ہوں۔
حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں توبہ کرنی چاہتا ہوں
آپ نے فرمایا کس کس گناہ سے اس نے کہا زنا اور شراب سے آپ نے فرمایا جھوٹ اور مناظرہ سے
پہلے توبہ کرے تاکہ تیرے اندر خلوص آجائے ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جو تیار مناظرہ کرنیوالا
اپنے ہاتھ پر حق کو ظاہر کرنا چاہتا ہے یا اپنے بھائی مقابل کے ہاتھ پر اگر وہ اپنے بھائی کے
ہاتھ پر چاہتا ہے تب وہ سلف صالحین کے ساتھ کل صف میں جنتوں کے اندر خدا کے
پاس رہے گا اور اگر اس مناظرہ کرنے والے نے غلبہ اور قہر اور جھگڑے کا ارادہ کیا ہے تب یہ
دوزخی ہے۔ وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُونَ ۝

کتاب الصلوٰۃ

اس کے اندر دو مقالہ ہیں پہلا مقالہ احکام ظاہرہ میں اور دوسرا احکام باطنہ میں۔

پہلا مقالہ

معلوم ہو کہ فرض نمازیں پانچ ہیں اور ان کی کل سترہ رکعتیں ہیں اور کل سنتوں کی تعداد
رکعتیں ہیں اور نماز کے واسطے بہت احکام ظاہری ہیں جیسے پاک پانی سے وضو کرنا کپڑے اور
بدن کا پاک ہونا اور قبلہ کی طرف منہ کرنا اور سورہ فاتحہ پڑھنی اور رکوع و سجود اطمینان کے
ساتھ کرنا اور دونوں سجدوں کے درمیان میں سیدھا بیٹھنا اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا
اور رکوع میں تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ وَبِحَمْدِهِ کہنا اور سجدہ میں تین بار کہے سُبْحَانَ
رَبِّيَ الْأَعْلَىٰ وَبِحَمْدِهِ اور تین بار کہنا ادنیٰ درجہ ہے اور نماز کے وقتوں کا بیان یہ ہے کہ صبح کا
وقت صبح صادق کے طلوع ہونے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج کے

لہ اور عنقریب یہ احکام انشاء اللہ تمام کر کے لکھے جاتے ہیں ۱۲

ڈھلنے سے ظہر کے وقت تک ہے اور عصر کا وقت اس وقت ہوتا ہے جب ہر چیز کا سایہ
سے علاوہ سایہ اصلی کے اس کے برابر ہو جائے اور غروب آفتاب تک رہتا ہے اور مغرب کا وقت
شفق کے غائب ہونے تک ہے اور عشاء کا وقت سرخ شفق کے غائب ہونے سے طلوع
فجر تک ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور مزنی کے نزدیک سفید شفق کے غائب ہونے سے شروع
ہوتا ہے اور یہ وقت نیک لوگوں کی نماز کا ہے نماز کے واسطے اذان کہنا فرض علی الکفایہ
ہے فرض نہیں ہے اب نماز کے آداب بھی تم کو معلوم کرنے چاہئیں کم سے کم خدا سے اتنا
تو خوف رکھو جیسا کہ اپنے بادشاہ سے ڈرتے ہو خدا تعالیٰ فرماتا ہے اے آدمی تو مجھکو اپنی
طرف اونچا نظر کرنے والا سمجھ اور فرماتا ہے اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗ اَحَدٌ یعنی کیا انسان یہ سمجھتا
ہے کہ اس کو کسی نے نہیں دیکھا اور احکام الٰہی تم کو ان کے وقت میں پابندی کرنی چاہیے
مگر جب گرمی کی شدت ہو تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو اور فجر کی نماز بھی غلس وقت
میں پڑھو اور عصر کی نماز میں بھی دیر کرو اور نوافل کی پابندی بھی کیا کرو جیسے نماز اشراق و چاشت
و اوابین اور عشاء کے بعد کے نفل اور نماز تہجد اور جمعہ کی دس سنتیں اور جمعہ کے آداب
یہ ہیں کہ غسل کر کے پہلے پہونچنے کی کوشش کرے اور سورہ کہف پڑھے اور کثرت کے ساتھ
حضور پر درود بھیجے اور زوال سے پہلے چار رکعت پڑھے جو ہماری کتاب احیاء العلوم
میں مرقوم ہے اور بارہ رکعتیں نماز حاجت کی پڑھے ہر رکعت میں بعد فاتحہ کے آیۃ الکرسی
ایک بار اور قل ھو اللہ احد تین بار پڑھے نماز سے فارغ ہو کر سجدہ میں یہ دعا پڑھے۔
سُبْحَانَ الَّذِیْ لَبِسَ الْعِزَّ وَقَالَ بِهٖ سُبْحَانَ الَّذِیْ لَا یَنْبَغِی التَّسْبِیْحُ اِلَّا لَهٗ سُبْحَانَ ذِی الْعِزِّ وَالْکَرَمِ
سُبْحَانَ ذِی الطَّوْلِ وَالْفَضْلِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُکَ بِمَعَاقِدِ الْعِزِّ مِنْ عَرْشِکَ وَمُنْتَهَی الرَّحْمَةِ
مِنْ کِتَابِکَ وَبِاسْمِکَ الْاَعْظَمِ وَجَدِّکَ الْاَعْلٰی وَکَلِمَاتِکَ التَّامَّاتِ الَّتِیْ
لَا یُجَاوِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ اَنْ تُصَلِّیَ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ
پھر اس کے بعد اپنی حاجت مانگو۔

نجس اور غصب کی ہوئی زمین میں نماز نہ پڑھنی چاہئے نہ ریشمی کپڑے اور سونے کی انگوٹھی
وغیرہ کے ساتھ نہایت عاجزی اور ادب کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑے ہو اور جب لوگ جمع ہوں

تو یہ سمجھو کہ قیامت کے میدان میں جمع ہیں
اور مؤذن کی اذان کو صور کی آواز تصور کرو پھر امام کے خطبہ پڑھنے کو حق تعالیٰ کی تجلی
خیال کرو کہ نہایت عظمت اور جلال و ہیبت کے ساتھ موجود ہے اور جب لوگ نماز میں کھڑے
ہوں تو اس کو خدا کے آگے حاضر ہونا سمجھو پھر مسجد سے باہر جانے کے وقت یہ خیال کرو کہ حساب
و کتاب ہونے کے بعد کچھ لوگ جنت میں اور کچھ دوزخ میں جا رہے ہیں۔

وضو کے اندر حکمت یہ ہے کہ ایک تو اعضا پاک ہوتے ہیں دوسرے عقل کو تنبیہ ہوتی
ہے انسان بھی مثل درختوں کے ایک درخت ہے اس کی خدمت بھی اس طرح کرنی چاہیے
جیسا کہ درخت کی خدمت کی جاتی ہے جیسے کھیتی کے بڑھانے کو ناخن کترنے اور زیرناف کے بال
یہ درخت کو چھانٹنا ہے اور وضو و غسل کرنا یہ درخت کو پانی دینا ہے اور اس باغ میں تماشا
کہ اس پودوں کو نکال کر علوم کے پھل پھول لگائے اور صحبت کی نہروں سے پانی دے اور افعال
قبیحہ سے باز رہے تا کہ عقل کا پانی عقل کی نہروں میں جاری ہو اور جب توحید و معرفت پر شاخ
درخت پر خوش رنگ پتے نکلیں گے اور برکات نازل ہوں اور صدق کی نسیم باغ معرفت
کی خوشبو لائے اور ازل کا انسان مریدوں کے دلوں میں یاد تر رہے اور ایسے باغ کی سیر کرو
جہاں زیتون کا وہ مبارک درخت ہے جو شرقی ہے نہ غربی ہے روغن اس کا قریب ہے کہ
بغیر آگ کے لگے روشن ہو جائے اور یہی مطلب اس حدیث قدسی ہے کہ خدا فرماتا ہے ہمارا
مومن بندہ نوافل کے ساتھ میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسکو دوست
رکھتا ہوں اور جب میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس
سے وہ سنتا ہے اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے پس وہ میرے ہی
ساتھ سنتا ہے اور میرے ہی ساتھ دیکھتا ہے اور کہتے ہیں کہ جو چیز ہو میں اس کو عنایت کرتا
ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے اور اس کے درمیان میں ایک روزن کر دیتا ہوں جس میں سے
وہ مجھ کو دیکھتا ہے اور مجھ کو بغیر مثال کے دیکھتا ہے اور میں اس کو ایک ایسا نور دیتا ہوں
جس کے ساتھ وہ حقائق معلومات میں تفریق کرتا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ ان مقرب لوگوں کے دل میں نماز میں قطب قدس کی طرف

معراج کرتے ہیں اور جلال ربوبیت کا ربوبیت سے مشاہدہ کرتے ہیں اور باطن دل کے صاف
ہونے سے معرفت کا آفتاب جلوہ گر ہوتا ہے آخرت کے حالات منکشف ہوتے ہیں میزان
عقل اور صراط یقین سب ظاہر ہو جاتے ہیں یہی اس آیت کے معنے ہیں وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ
یعنے سجدہ کرو اور اس میں خدا کی قربت چاہو حضرت جعفر صادق فرماتے ہیں جب عارف
سجدہ کرتا ہے حجاب اٹھ جاتا ہے اور قلوب ظاہر و سدرۃ المنتہیٰ کی طرف ترقی کرتے ہیں اور
انوار قدسی ان پر متجلی ہو جاتے ہیں۔ حرم حق کی جنتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جو
کچھ چاہتا ہے اسکو دیا جاتا ہے۔ جب نماز میں دل وسوسوں سے صاف رہتے ہیں
اس وقت افلاک و املاک کا مشاہدہ انکو نصیب ہوتا ہے اور ایک اور مثال تمہارے سمجھانے
کے واسطے بیان کرتا ہوں سمجھو ایک میدان ہے اور اس کے اندر ایک درخت ہے جس پر
پرندے بسیرا لیتے ہیں اور تم اس درخت کے نیچے نماز پڑھ رہے ہو پرندے تم پر بیٹ کرتے
ہیں اور اڑانے سے نہیں اڑتے ہیں اب اگر تم آسائش سے نماز پڑھنی چاہتے ہو تو اس
درخت کو کٹوا ڈالو ایسے ہی تم نے اپنے دل میں حب دنیا کا درخت لگا لیا ہے اور تمہارے
دنیاوی تفکرات کے پرندے اس پر بیٹھے ہیں اگر تم اس درخت کو کاٹ ڈالو گے تو دل تمہارا
صاف ہوگا اور جمعیت تمہاری بڑھ جائیگی اور جلال الٰہی کی تم پر تجلی ہوگی جیسا کہ حضرت جنید نے فرمایا ہے

تَرَكْتُ هَوَى الدُّنْيَا فَطَابَتْ مَعِيْشَتِي وَتَرَكْتُ هَمَّ الْأُخْرَى فَضَاقَ قَلْبِي

دنیا کا تعلق چھوڑ دیا ابتداءً میری زندگانی صاف و پاک ہوگئی اور آخرت کا فکر جو میں نے چھوڑ
دیا تو میرا دل خراب ہوگیا۔

نماز میں رازیہ ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جس سے خادم کا اپنے مخدوم سے متقرب ہونے کا وقت
ہوتا ہے اور جب مخدوم اپنے خادم کو عجز و انکساری کے ساتھ دیکھتا ہے تو اس پر مہربان
ہو جاتا ہے۔

بعض اہل نجوم بیان کرتے ہیں کہ پانچوں نمازیں پانچ ستاروں سے متعلق ہیں اور
پہلے ستاروں سے سنتیں اور ساتویں سے وتر متعلق ہیں۔ نماز ہی سے غرض حاصل ہوتی ہے
اور اسی متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ عَسَىٰ أَنْ يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا۔

اور یہی معنے ستاروں کے اس قول کے ہیں کہ آوازوں کے نغمے عبادت کی سورتوں سے پیدا
ہوتے ہیں اور ان سے وہ باتیں معلوم ہوتی ہیں جو گردش کرنے والے افلاک میں پوشیدہ ہیں
اس لئے کہ خواص اور ہمہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں فرمایا ہے
إِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهُ [۱]۔

اور حضرت داؤد علیہ السلام کا مزامیر کے ساتھ شوق و ذوق حاصل ہونا مشہور ہے۔ جب ان کو
کوئی حاجت درپیش ہوتی تھی تمام زاہدوں کو مسجد میں کھڑا کر کے ہر ایک کے پاس ایک باجا
مقرر ہوتے تھے تاکہ باجے کی آواز سے تمام یکسو ہو کر حضرت داؤد کی حاجت کیواسطے دعا کرے
چنانچہ اس ترکیب سے وہ حاجت جلد قبول ہوتی تھی۔

اور اسی طرح یکسوئی کے ہونے سے استسقا اور سحر میں اثر ہوتا ہے۔ معلوم ہو کہ
وزن تعلیم بغیر طہارت کل کے پاک نہیں ہوتے ہیں پھر جب دل سے حجاب دور ہو جاتا
ہے معارف الٰہی کے اندر حاصل ہوتے ہیں اور حق کا راستہ ظاہر ہوتا ہے معرفت الٰہی
کے باغ کا دروازہ کھل جاتا ہے جب دنیا کی ناپاکی دور ہوتی ہے۔

جب تم یہ طریقہ اختیار کرو تو اپنی کل حاجات اپنے مولا سے طلب کرو اور معرفت کی خوشبو سونگھ
لگا کر ندامت کے کپڑے پہنو اور اپنا رخسارہ تواضع کی خاک پر رکھ دو اور جان لو کہ ہر چیز کا
وزن ہوتا ہے شعر کا وزن عروض سے معلوم ہوتا ہے اور نجوم کا نظر سے اور مأکول و مشروب
ترازو اور سونے و جواہرات کا کانٹے سے اور صوفیہ دن کی اوقات کا وزن کرتے ہیں اور
خطیبوں کا وزن تحصیل کلام سے معلوم ہوتا ہے اور قیامت کا وزن قصاص افعال سے ایک
پلہ میں تب بے علمی کی ظلمت ہوگی اور ایک پلہ میں تمہارے پاک اعمال کا نور ہوگا اب تم کو
اختیار ہے کہ اپنے حال کو معلوم کرو اور ہدایت پر قائم ہو حضرت ابراہیم کو دیکھو کہ جب ان کو
حیرانی نظر سے ظاہر ہوا تو بطریق تشکیک کے کہنے لگے هٰذَا رَبِّيْ پھر کہا یہ ہے میرا رب پھر
جب تردد کے دونوں پلوں میں قائم ہوئے تو فرمایا وَجَّهْتُ وَجْهِيَ۔ یعنے میں نے
اپنا منہ خدا کی طرف کر لیا۔

---

[۱] اسی کی طرف پاک کلمے چڑھتے ہیں اور عمل صالح کو۔ کر لیتا ہے ۱۲۔

اس کام سے پہلے چالیس کام سیکھنے چاہئیں تاکہ یہ کام درست ہو مثلاً سرمہ بنانا اور برادہ
کرنا اور دوائیں بنانا ہم یہاں چند عجیب و غریب صناعتیں بیان کریں گے مگر اصل صناعت
کا مفصل بیان جیسی کیمیات میں ہے اور اس صناعت میں سب سے بڑا کام اندر نبض کی تصعید[1] ہے
اس کے بعد اور معتدل وقت کا معلوم کرنا ہے کہ زیادہ سردی ہو نہ گرمی۔

چاندی بنانے کو اس فن کے لوگ صناعت قمر کہتے ہیں اور اس کی اکسیر نیتے کی سفیدی کا اندر
ونیز تصعید ہے جو معتدل القوام اور موزوں ہو گئی ہے اس بات کو غور کرو اور معتدل
زمانہ میں اس کام کو بجا لاؤ تا اس قدر گرمی پہنچاؤ کہ جلا دے نہ اس قدر سردی پہنچاؤ کہ اس کے اجزا
کو متفرق کر دے اکسیر کی تربیت اسی طرح کی جاتی ہے جیسے بچوں کی سردی گرمی کا لحاظ رکھا جاتا ہے
اب پہلے تم کو صنعت ابرار اور مرہموں کا بنانا سیکھنا چاہیے اگر تم تری صغیر اور کبیر اور جلا صرفی کے
نسخے ہیں۔ ترکیب اس کی یہ ہے کہ عرق سیب زعرور و انار و عرق امیرون و عرق نرنج و
ریوندی زعفران و بہمن سرو عرق بادرنجبویہ و عرق مشک و توتیائے اخضر و قیق ان سب کو ملا
کر دھوپ یا سایہ میں رکھو تاکہ خشک ہو جائے پھر اس کے قرص بنا لو یہ توتیا ہندی تیار ہو گیا
ایک مثقال اس کی ایک مثقال کو کافی ہے اور اگر اس میں عرق بادیشا اور عرق کل الجام ملا دیں
تو بہتر ہے کیونکہ یہی سردی جامع اور جلا نافع اور توتیا سے ہندی قاطع ہے اور یہی کیمیا
برابر ہے اور اسی علم کو ایسا کسب حاصل ہو سکتا ہے جس سے تم راحت کے ساتھ گذران کر سکتے
ہو اور کوئی مشقت تم کو نہ پہنچے گی اور اگر تم لونگ[2] بنانا چاہو تو ایک تولہ خالص نقل لیکر
بقدر ایک تولہ صاف موم اس میں ملا کر نرم آگ پر پگھلا دو اور نیچے اتار لو۔ یہ مصنوعی چیز میں اصل چیز
کا اثر رہے گا کیونکہ اس کی اکسیر وہی ہے۔

زعفران بنانے کی ترکیب

مرغے کے گوشت کی بوٹیاں سرکہ میں زعفران حل کر کے اس کے اندر جوش دیکر اندر
پھر دھو کر اس کے ریشہ جدا جدا کر کے زعفران حل شدہ میں ملا کر خشک کر لے ایک چوتھائی
زعفران اصل اس کے اندر ملنی چاہیے۔ اور گوشت لال کا ہونا چاہیے۔

[1] ایک رطوبت ہے جو بھیڑ یا بکری کے سر پر لگ کر جم جاتی ہے اور دواؤں میں کام آتی ہے ۱۲۔

اس کے ساتھ جسم کی تربیت ہوتی ہے اور جو رقیق ہوتا ہے وہ باریک مساموں میں پہنچتا ہے پھر یہی
خون پشت میں پہونچ کر حرارت غریزی کے اثر سے پختہ ہو کر ایک گاڑھا سفید پانی بن جاتا ہے جیسا کہ اطبا
بیان کرتے ہیں پھر وکیل قدرت اس کو خصیوں کے خزانہ میں پہونچاتا ہے اور خصیوں کی رگیں اس
سے پھول کر مرد کے دل میں عورت کا خیال پیدا ہوتا ہے اور ایک گرم بخار قضیب کی رگوں میں پہنچ
کر اس کے اندر ایستادگی پیدا کرتا ہے اور شہوت کی قوت قضیب کے منہ سے فرج رحم میں جو اسکا
محل قابل ہے اس پانی یعنی منی کو رحم میں داخل کرتی ہے پھر قدرت کا ہاتھ بواسطہ حرارت کے
اس کی اس طرح پرورش کرتا ہے جیسے زمین میں دانہ کی پرورش ہوتی ہے اور یہ پرورش اس
کی طرح ہے جو سونے یا چاندی کی بھٹی کے واسطے کی جاتی ہے اور سلطنت یا فقر کی سعادت
یا شقاوت نطفہ کے رحم میں آنے کے وقت لکھی جاتی ہے پھر یہ نطفہ علقہ یعنی خون بستہ ہو جاتا
ہے پھر قدرت اس کو بواسطہ حرارت غریزی کے تربیت کرتی رہتی ہے یہاں تک کہ وہ ایک جسم
پورا ہو جاتا ہے پھر اس میں طول و شکل تصویر کے پیدا ہوتے ہیں اور اندر پیٹ و سینہ میں
تجویف پیدا ہوتی ہے اور قلب وغیرہ اعضا پیدا ہونے شروع ہوتے ہیں پھر اس کے بعد روح
کے انوار بطریق بخار صادر کے کشوف ہونے میں طبیبوں کے نزدیک یہی بخار روح ہے اور
یہی بخار خون سے پیدا ہوتا ہے اسی روح ہی کے ساتھ جسم حرکت کرتا ہے اور وہ نفس لطیفہ جو
کہ حق کا نور ہے پیدا ہوتا ہے وہ ان مذکورہ بالا لطیفوں اور اجزاء مصنوعہ سے علاوہ ہے وہ نفس عالم ملکوت کا
لطیفہ ربانیہ ہے اس کا تعلق عالم ناسوت کے ساتھ ابتدائی رتبہ والا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے اپنے جزو میں کہا تھا
پھر جب بچہ اپنے وقت مقررہ کو پورا کرتا ہے اپنی ماں کے پیٹ سے بغیر اختیار کے نکل آتا ہے جیسے
کہ اس کا مرنا اور پھر قیامت کو اٹھنا اس کے اختیار میں نہیں ہے مثل نیند اور بیداری کے یہی نفس
ناطقہ جسم کے اندر بادشاہ ہے جو قلب کے تخت پر متمکن ہوتا ہے اور نہی امر کرنے والا ہے عقل اس کی
حاجب ہے اور علم وزیر ہے اور نفس چراغ ہے اور تصدیق نگہبان ہے اور قلب دریا اور تحقیق
موتی اور یاقوت ہیں اور جسم ایک شہر ہے اور اعضا لشکر ہیں اور وسوسہ دشمن ہیں اور حسن اقوال و
افعال فرشتے ہیں اور برے رد کئے ہوئے خیالات شیاطین ہیں۔
عارفوں کے نزدیک قلب ہی عرش ہے سینہ لوح ہے اور امر وہی کا الہام قلم ہے جو خیر و شر کو

ورنہ پرکھتا ہے اور زبان تر کلام ہے اور آٹھ فرشتے جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں وہ یہ چار حواس ظاہری سننا دیکھنا سونگھنا چکھنا اور چار باطنی علم اور عقل اور تصدیق اور یقین ہیں اور خوف رجا کے فرشتے اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

جب یہ قلب کا عرش جو خدا کا گھر ہے وسوسوں اور رذائل سے پاک ہوتا ہے اور ذکر کی خوشبو سے معطر ہو جاتا ہے اور فکر کی خوشبو اس میں روشن ہوتی ہے اس وقت وہ تجلی الٰہی کا مستحق ہوتا ہے اور انوار کمال قلب پر نازل ہوتے ہیں اور ہیبت کا سائبان طہارت قلب کی کرسی پر قائم ہوتا ہے اور معشوق سدرہ وصال کی سرحد پر جلوہ فرماتا ہے اور مجاہدہ کرنے والا مجاہدہ کی مشقتوں کے درخت کے سائے میں آرام کرتا ہے اور تشریح سینہ کے عرش سے توحید کا نور چمکتا ہے اور خصائل نیک کے خاص پرندے دیدہ کھولتا اور سے قریب بدن فرماتا ہے اور ان چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے جن کا مشاہدہ غافل لوگ نہیں کرتے بیشک یہی بڑی کامیابی ہے اور اسی کے واسطے چاہئے کہ عمل کرنے والے عمل کریں۔

پھر اے وہ شخص جو علم و عمل کے ساتھ کامل اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ متصف اور اخلاق ذمیمہ سے منزہ ہے جب تم کرسی کمال پر متمکن ہو گے اعتقاد کے فرشتے تمہارے مطیع ہو کر سجدہ کریں گے اور مہربانی کا ہاتھ تمہارے دل کی جنت کے دروازے کھولیگا اور تمہارے احسان کی خوب صورت حور جلوہ کریگی اور محبت و نیاست تمہیں رہتی اور بہشت جانے کے محل تیار ہوں گے اور اپنی ہمت کے موافق تم اپنی تمنا کو پہونچو گے۔

پھر تمہارے بدن کا آدم اور ہمت حق میں رونے کا نوح اور تمہارے خلوص و عشق کا خلیل تمہارے حسن جمال کے ساتھ جلوہ کریگا اور یعقوب تمہارے عقوبت نفس اور رفع شہوات کا اور موسیٰ تمہارے استغفار سوال کا اور داؤد تمہارے رونے کا اور سلیمان تمہاری سخاوت کا تمہارے اسرار اظہار پر جلوہ فرمائے گا اور تمہارے اعتقاد کے جنات اور تمہارے مجاہدہ کی خوشبو ہوا تمہارے معنوی پھر تمہارا خضر ایمان تمہارے چشمہ حیات کے قریب الیاس کے ساتھ ظاہر ہوگا اور تمہارے عقل کے ذوالقرنین تمہارے جسد عشق کی لگام پکڑ کر تمہیں شہوات کے دریا سے نکالے گا اور تمہارے مغرب شمس ایمان کے پاس پہنچا دیگا پھر وہاں سے مطلع شمس عقل کی طرف لے آئیگا پھر تمہارے غفلت اور شہوت کی دونوں سدوں کے درمیان میں کھڑا کریگا تم کو چاہئے کہ اپنی عادات

کھانا بہت برا ہے گرمی کے موسم میں ترش چیز نفع کرتی ہے اور جاڑے کے موسم میں شیریں چیز مفید ہے کل میووں میں بہتر انجیر اور انگور ہے اور انار ہر قسم کا معدہ کو اچھا ہے کھانا کھانے کے بعد یا سونے کے وقت قدرے کھا لینا چاہئے علاج کرنے والوں کو نقصان کرتا ہے خصوصاً ترش انار۔

تیسواں مقالہ (شربتوں کے بیان میں)

سکنجبین کو سب سے پہلے ذوالقرنین نے ایجاد کیا ہے صفرا اور بدہضمی کو مفید ہے شربت انار معدہ کو قوی کرتا ہے اور جگر میں ٹھنڈک پیدا کرتا ہے شربت خشخاش و بنفشہ و نیلوفر سب سر کے واسطے مفید ہیں شربت ورد اس خلط سوداوی کو دور کرتا ہے جیسا کہ ابو نصر فارابی کا قول ہے کہ اس شربت کے لئے معدہ صغیر کی ضرورت نہیں ہے شربت سیب میں قلب کے واسطے فوائد ہیں۔ شربت گلاب خلط صفراوی کو دور کرتا ہے اور اگر پانچ ماشہ تربد اور سات ماشہ سورنجان کا سفوف بنا کر اس شربت سے پہلے یا اس کے بعد پھانک لیا کرو تو بہت بہتر ہے۔

میووں کا بیان

بہی کا مربہ گرم مزاجوں کو نفع کرتا ہے سیب کا مربہ ضعف قلب کو دور کرنے کے واسطے مفید ہے شہتوت کھانا حلق کے دکھنے کو آرام کرتا ہے کل شربت اور مربے اور دوائیں اس وقت فائدہ کرتی ہیں جب کہ پرہیز کیا جائے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ معدہ مکان دوا کا ہے اور پرہیز دواؤں کا سردار ہے اور جس بدن کو جس چیز کی عادت ہو وہ اسی کو کھاؤ جس شخص کو جس شربت کی عادت ہو اس کے واسطے کچھ حرج نہیں ہے کہ بوقت ضرورت اس کو پابندی کے ساتھ نوش کرے ابو طالب مکی فرماتے ہیں تندرستی کے وقت دوا کے پاس نہ جاؤ کیونکہ اس سے بھی بیماری پیدا ہوتی ہے موسم خریف میں دوا کا استعمال بہ نسبت ربیع کے بہتر ہے کیونکہ اس میں کھانے کی ایسی چیزیں پیدا ہوتی ہیں جو کہ بہت سی بیماریاں پیدا کرتی ہیں ساگوں میں بہتر ساگ کاسنی اور پالک کا ہے ابن قتیبہ نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا چار ساگ جنت کے ہیں اور شب میں ان پر ایک قطرہ جنت کے پانی کا برستا ہے پالک اور کاسنی اور پودینہ اور کاہو کاسنی بھی تر ہے اور پالک اور پودینہ میں ترتیب ہے اور کاہو خون صالح پیدا کرتا ہے کیموں کے ساگ کھانے کی بہتر ترکیب یہ ہے کہ چقندر مرچ کے ساتھ کھایا جائے اور معدہ کی گرمی دور ہے جس کے اندر غالب بلغم ہو کم استعمال

حضور نے دیکھ کر فرمایا اے عائشہ دولتمندوں کا حساب قبروں میں دولتمندوں کو بڑا حساب دینا ہوگا اور پھر ایک
دورھ کا پیالہ اور کھجوریں حضور کی خدمت میں لائیں آپ نے فرمایا اے عائشہ اس کو نوش کرو کیونکہ
تم عورتوں کو جسم کی فربہی زیادہ لائق ہے اور حضور اکثر اوقات صرف شہد سے روٹی نوش فرماتے تھے۔
پس جس شخص نے باوجود قدرت کے دنیاوی خواہشوں کو چھوڑ دیا اس کو بے حساب ثواب
ملیگا اور اس میں راز یہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو ضعیف کیا اور نفس لذتوں اور شہوتوں کے
ترک کرنے کا عادی ہو گیا پھر جب اس نفس نے دنیا سے جو نجاست ذات کا ظلمانی گھر تھا اور ہے
مفارقت کی تو ان حقیر چیزوں کی جانب ہرگز نہیں گرتا ہے بلکہ عالم اعلیٰ کی طرف ترقی کرتا ہے اور جو
علم کہ اس کے اندر منتقش ہیں مثلاً علم توحید جو اسکے براہین عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ حاصل کیا ہے
اس کے سبب سے شرف حاصل کرتا ہے اور ایسے بازو اسکو حاصل ہوتے ہیں جن کے ساتھ عالم
ملکوت میں اڑتا ہے کیونکہ روحیں تین قسم کی ہیں ایک روح عارف کی جو نیک ناسک کی ہو ایک ناکارہ
کی اور جس شخص میں یہ تینوں باتیں جمع ہونگی اس کو موت و فوت سے کچھ خوف نہ ہوگا کیونکہ یہ روح
کامل ہے عالم کمال کی طرف اسے ترقی کی ہے پس یہ روح جنت میں مقامات علیہ اور انوار قدسیہ کے
اندر حضور خداوندی میں پہنچتا ہے روحانی فرشتے اس کے پاس آتے جاتے ہیں اور جو علوم کہ اس کے
پاس ہیں ان کو سنتے ہیں پس یہ روح اس عالم کون و فساد سے جدا ہو کر عالم بقا میں پہنچتی ہے
جس کے واسطے فنا نہیں ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کے واسطے اپنی جنت
میں وہ چیز تیار کی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی انسان کے جی پر اس کا خطرہ
گذرا معلوم ہوا کہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنت کی نعمتوں سے علاوہ ایک اور قسم
ہے جس کو کوئی نفس ادراک نہیں کر سکتا ہے مگر مشاہدہ کے ساتھ اور مشاہدہ کی بات بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ
یہ لذت خیالی ہے اس کا بیان اور تفسیر نہیں ہو سکتی ہے چنانچہ اگر صورت لذت جماع کا بیان کیا جائے
تو وہ بچہ نامعقول سمجھ سکیگا اور جو شخص کسی لذت کا ادراک کرتا ہے اس کو بیان نہیں کر سکتا اسی طرح یہ
مشاہدہ کی لذت ہے کہ مشاہدہ کرنیوالے کے سوا کوئی اس کو ادراک نہیں کر سکتا ہے اور اس مشاہدہ
سے مراد خدا کریم کی طرف نظر کرنا ہے تم یہ چاہتے ہو کہ بغیر دیکھے مشاہدہ کی لذت معلوم کرو سو یہ معلوم
نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ بزدل کو جنگ کا ذکر سننے سے کوئی کام نہیں ہوتا ہے جب تک کہ اپنی آنکھ
سے مشاہدہ نہ کرے اس خلعت کے ساتھ ترکیب کا جیسے کہ انگشتوں کی پیچ کرتے ہو میں نے سنا ہے کہ

جب حضرت صدیق کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو آپ کی بیوی کہنے لگیں ہائے جدائی، حضرت صدیق نے
کہا نہیں بلکہ مجھکو بہت خوشی ہے کیونکہ میں اپنے دوستوں سے ملونگا اس واسطے تمکو بھی تو منہ
موڑنا چاہیے اگر تم اپنے دوستوں سے ملنے کی مشتاق ہو اور ملاقات کا التجا میں ضروری ہے پس تم رات
میں اپنی کمر چست کر کے شب بیداری کے ساتھ منزل پر جا پہنچو کیونکہ جو شخص راتوں رات چلتا ہے
وہ جلد منزل پر جا پہنچ جاتا ہے اور عبادات کو آرام کرنا مقدم سمجھتا ہے اس کو دن کے وقت دھوپ
میں ہوناک جنگل طے کرنا ہوتا ہے پس تم کو چاہیے کہ خدا پر بھروسا کر کے جھٹ پٹ اٹھ کھڑے ہو
حضرت جنید نے جب ایک بچہ کو یہ کہتے سنا اپنا گریبان چاک کیا وہ بچہ یہ کہتا تھا میں اپنے رب کو دیکھتا
ہوں کہ بیکاری اور حفاظت میں گذر جاتا ہے اور سے لو بار نے مجھکو ایسے حال میں کر دیا کہ میرا یہ
حال ہو گیا جب اعمال درست اور اجسام پاک ہوتے ہیں اور عاشق شب بیداری کرتے ہیں اور کھانا
اور سونا کم کر دیتے ہیں یا انہا ئے اشتیاق کے دروازے کھل جاتے ہیں اور معرفت کے سوتے موج کرتے
ہیں اور قرب کے پھول پردوں کے پیچھے سے ظاہر ہو جاتے ہیں تمنائیں منقطع ہو جاتی ہیں اور
انوار جمال کے ساتھ قلب روشن ہو جاتا ہے اور عاشق اپنے معشوق کو آواز دیتا ہے کہ نشانات سب
اسپر منکشف ہو جاتے ہیں حقائق موجودات مشاہدہ کرتا ہے اور انواع مکاشفات کے ساتھ محظوظ
ہوتا ہے کرامات اس سے ظاہر ہوتی ہیں اور اعلیٰ مقامات کی انکو بشارت ملتی ہے۔

ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ ہم ابو یزید بسطامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے پاس ہم نے
کھجوریں رکھی ہوئی دیکھیں انہوں نے ہم سے فرمایا کہ ان کھجوروں کو کھاؤ ۔ حضرت خضر علیہ
السلام کا ہدیہ ہے جسکو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے ہیں اور میں نے ان کو خاص
خداوند تعالیٰ سے مانگا تھا خضر کے واسطے سے نہیں مانگا تھا اور خضر نے ان میں کو بعینہٖ سامنے
کھاتی ہیں۔ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں پھر ہم دوسرے سفر کو حضرت جنید کی خدمت میں گئے تو ایک
سونے کے طباق میں ہم نے تر کھجوریں رکھی دیکھیں پوچھنے کیا اس میں سے ہم کو نہیں کھلاتے ہو؟
انہوں نے کہا ضرور میرے واسطے ہے نہ تمہارے واسطے ہے مجھ سے کہا اس کا مطلب ہم کو بھی کچھ فرمایا
میں رات کو بیٹھا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا تھا کہ میں نے سنا یہ ہمارا ہدیہ بغیر واسطہ خضر کے لو۔
اے غافل جو لذت معرفت سے محجوب ہے تجھ کو معلوم ہو کہ خدا کے دوست خدا کے ساتھ

علیہ وسلم کسی دروازے کے ساتھ نہ کھاتے تھے اس بات میں از تو بھی ہے اور طب بھی ہے پیٹ
کے اندر ایک آتشی قوت ہے جو غذا کو کھاتی ہے۔ دوزخ کے سات دروازے ہیں اور پیٹ کے
اندر بھی سات دروازے ہیں جیسے حرص اور لالچ اور چٹخورے پن اور زیادہ بھوک اور غذاؤں سے
پرواہ نہ کرنی وغیرہ دروازے ہیں اور سب سے بڑھ کر گناہ مال حرام کھانا ہے اور ایسے ہی جسم کے
دروازوں کی مثل جسم کے اندر بھی دروازے ہیں کان۔ آنکھ۔ پیٹ اور فرج اور دونوں ہاتھ
اور دونوں پیر یہ سب دروازے قیامت کی طرف راہبری کرتے ہیں اور سب سے بڑھ کر برا پیٹ
ہے اور افعال قبیحہ میں سب سے بڑا فعل بندوں پر ظلم کرنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے
دو لقمے حرام کے کھائے چالیس روز تک اس کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے اور جس شخص نے اپنے
پیٹ کو مال حرام سے بھر لیا وہ دوزخ کے زیادہ لائق ہے اور حرام مال غصب اور چوری کا اور کسی کا
لینے اور قزاقی اور رشوت وغیرہ کا ہے جس کی تفصیل حجۃ کتاب احیاء علوم الدین میں لکھ دی گئی
اور حلال مال وہ ہے جو آدمی اپنی محنت مزدوری یا تجارت سے جس میں دھوکا نہ ہو حاصل کرے
شبہ کے متعلق جو ... نے اختلاف کیا ہے لہٰذا اس کا ترک کرنا ہی بہتر ہے اور خصوصاً جو کام کر تم
اپنے ہاتھ سے کرو وہ سب سے بہتر کسب ہے ایک دفعہ ابو الحسن ثوری اور ابو یوسف اور سفیان
بن عیینہ نے جمع ہو کر اپنی اجرتوں میں سے تھوڑی اجرت کی روٹی خریدی اور باقی اجرت کا صدقہ
دے دیا پھر جب یہ لوگ کھانے بیٹھے تو سفیان بن عیینہ نے کہا تم جانتے ہو کہ فلاں کھیت کاٹنے میں
مالک کی کچھ مزدوری کی تھی سب نے کہا اس بات کا ہم کو کچھ خیال نہیں رہا پھر یہ سب روٹی کو
وہیں چھوڑ کر چلے گئے معلوم ہوا کہ حرام کا راز نہایت باریک ہے ہم تھوڑا سا ظاہر کرتے ہیں معلوم ہو کہ
صانع ایک ہے اور کل مخلوق اس کے قبضہ میں ہے پس جب کوئی شخص ظلم کرتا ہے اس کے ظلم کا
اثر ساری مخلوق میں سرایت کر جاتا ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا اور قیاسی دلیل یہ ہے کہ جب مرد نے اپنی بیوی سے کہا
کہ تیرے بالوں پر طلاق ہے پس اس کہنے سے تمام جسم پر طلاق ہو جائیگی اور جب تم سمجھ گئے
کہ خالق اور مخلوق دونوں کو راضی کرو گے حلال روزی کا ایک نوالہ خدا کے نزدیک بڑے صدقوں
سے افضل ہے جبکہ نہ بھوک تو پیٹ بھرتا ہے تین انگلیوں کے ساتھ کھا تو بہت بھوک

کے وقت کھانا چاہیے اور اتنا کھائے کہ کچھ بھوک باقی رہے اور کھانے کے وقت اس طرح بیٹھو
جیسے استاد کے سامنے سبق پڑھنے بیٹھتے ہو سکو تو ہو کر خداوند تعالیٰ نے حرام اور گرم کھانے سے
برکت اٹھالی ہے اور گرم کھانے میں یا نقصان ہیں دانتوں کو گلاتا ہے اور رنگ کو زرد کرتا
اور جگر کو بھی ضرر پہنچتا ہے اور بعض اوقات اور خرابیاں بھی گرم کھانے سے پیدا ہو جاتی ہیں۔
کھانے سے پہلے اور اس کے بعد ہاتھ ضرور دھونے چاہئیں اور بدبودار چیز کو میاں بی بی کے
نہیں کھانا چاہئے مگر جب ایک دوسرے کو اجازت دیدیں کیونکہ اس کے کھانے سے باہم نفرت
پیدا ہوتی ہے اور خوشبو کی چیزوں سے محبت ہوتی ہے کھانے کے بعد ہاتھ نہ دھونے سے بو
اور بدبو پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ بھی وارد ہے کہ جھوٹے ہاتھ کو شیطان چوس لیتا ہے اور لپٹا رہتا ہے
اور چونکہ حلال روزی کھانے سے مقصود تصفیہ قلب اور تقلیل ذنوب ہے۔ طلب کرنا فرض ہوا
جیسے کہ علم کا طلب کرنا فرض ہے کیونکہ علم جب تک کہ خیر کی طرف راہبری نہ کرے تو وہ علم نقصان دہ
ہے حدیث میں ہے کہ جس نے ایک سال تک مال حلال کھایا اس پر روشنی منکشف ہوتا ہے
اور اس کی خواطر کے انوار صاف ہو جاتے ہیں حلال روزی کا کھانا اکسیر سعادت ہے سینہ اس سے
کھل جاتا ہے اور معرفت کے انوار صاف ہوتے ہیں اور قلب سے حکمت کی نہریں بہتی ہیں اور غفلت
کا پردہ اٹھ جاتا ہے اور غیب کی دیوار دور ہوتی ہے پھر آسمان توحید صاف ہو کر لوح محفوظ منکشف
ہو جاتی ہے اور اپنی صفائے خاطر کے کان کے ساتھ ملائکہ مقربین کی تسبیح سنتا ہے۔
معلوم ہو کہ روحیں مرنے کے بعد کسی گناہ کے سبب سے رہن نہیں ہوتی ہیں مگر بندوں پر
ظلم کرنے سے رہن ہو جاتی ہیں کیونکہ اس کا مطالبہ بندوں کے سامنے ہوتا ہے جو قیامت عادل حاکم
حکیم باقی ہے اور اس کے بندوں میں برابری ہونی ضروری ہے اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ
سَلِیْمٍ اور جو روح کہ مظالم خدمت سے پاک ہوتی ہے وہ قید نفوس سے چھوٹ جاتی ہے
اور جہاں چاہتی ہے پھرتی ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے روحیں اپنے گھروں میں آتی ہیں
اگر اپنے لوگوں کو نیکی میں دیکھتی ہیں شکر کرتی ہیں ورنہ نفرت کرتی ہیں اور کہتی ہیں اے ہمارے لوگو دنیا
سے بچو اور اس کے فریب میں نہ آؤ جیسا کہ ہم اس کے فریب میں لگ گئے یہ ندامت کی خوشبو ہے
اور جو روحیں کہ گناہوں کے میل کچیل سے پاک صاف ہوتی ہیں وہ جہاں جاتی ہیں اڑتی

پھر آیا یہ امور زمین میں جوہر ہوں یا ہیئت ملکوتی یا جسم لطیف ہوں جیسا کہ لوگ بیان کرتے
ہیں کچھ بھی ہوں ادراک کرنے والے ہیں اور اپنے جسم کی حفاظت کو ضروری جانتے ہیں اور عالم
جاہل پر ترقی کرجاتا ہے حدیث میں لکھا ہے کہ طلب علم ایک گھڑی کرنا خدا کے نزدیک ایک برس زہد
مقبول مجاہدات سے بہتر ہے پھر جب کہ تم بھی اور بہادر گناہوں کے خوف سے کرتے ہو تو پہلے تم کو
گناہوں کی جڑ قطع کرنی چاہئے۔

پچیسواں مقالہ (تہذیب نفوس کے بیان میں)

معلوم ہو کہ تمہارا نفس تمہارا سخت دشمن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تیرا نفس
جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے تیرا سب دشمنوں سے بڑھکر دشمن ہے وبال کی طرف
تجھ کو بلاتا ہے اور گمراہی کا راستہ تجھ کو دکھاتا ہے اور ذلت و ناپاکی میں تجھکو گرا دیتا ہے اور نفس
تجھ جیسی کو تیرے اوپر سوار کرکے تجھ کو طرح طرح کی طمع اور آرزو دلا کر ہلاک کرتا ہے، پس لازم ہے کہ اسکی
خصلتیں اور عادتیں ترک کرو اور اس کے شر اور شرک کو چھوڑ دو اور اس کی طمع اور آرزو سے جدا ہو جاؤ۔

حدیث صحیح میں وارد ہے کہ خداوند تعالیٰ نے جب نفس کو پیدا کیا تو فرمایا کہ میں کون
ہوں اُس نے عرض کیا کہ اور میں کون ہوں پس خداوند تعالیٰ نے اسکو طرح طرح کے عذاب میں
مبتلا کیا اور پھر جب اس سے فرمایا کہ میں کون ہوں اس نے یہی کہا کہ اور میں کون ہوں یہاں
تک کہ خداوند تعالیٰ نے اس کو بھوک کے عذاب میں مبتلا کیا تب اس نے کہا کہ تو وہ خدا ہے کہ تیرے
سوا کوئی معبود نہیں ہے پس تیرا نفس ایسی خصلت ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوتا ہے تو
یہ طمع کرتا ہے اور نافرمانی کرکے رقص کرتا ہے یہی باتوں میں پھنسانے والا اور کل برائیوں کا خزانہ
ہے اس کو ایک نہایت مکار بھیڑیا اور سخت دشمن سمجھو اسکی دوا قلیل اور مرض کثیر ہے۔

إذا صلحت لك النفس يوماً بتوبة — عليها بالطهر والطريق
فكأنك هو ما اشتهت فأبت — هو الداء لا دواء [illegible]

جب تک مریض دوا کی تلخی پر صبر نہ کرے صحت کی خوبی نہ پاسکیگا پس نفس کو اس قدر تکلیف
پہنچانی چاہئے کہ وہ مہذب ہو جائے اور اس کے اخلاق و آداب درست ہوں۔
اور جب تم اس کے مہذب بنانے کا پورا ارادہ کرو تو ایسے تازیانے اس کے لگاؤ جن سے اسکی

سخت تکلیف پہنچاؤ اور تواضع کے ساتھ اس کے تکبر کو نکالو اور امتحان کی آگ پر اسکو خوب جوش
کرو اور علم کو اس کا دوست اور عمل کو اس کا رفیق بناؤ اور اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر اعمال صالحہ کی
مشق کراؤ اور لطائف و ظرائف اور عقل و کیاست سے اسکو آراستہ کرو۔

معلوم ہو کہ خدا وند تعالیٰ لطیف ہے اور لطیف کو یہ لائق نہیں ہے کہ لطیف کا ذکر کرے
اور لطافت اس میں اسوقت پیدا ہوتی ہے جب یہ مجاہدہ کی آگ میں عذاب کیا جاتا ہے اور یہی
اس کی تہذیب ہے۔

معلوم ہو کہ شر سے بچا کر خیر کی عادت نفس کے اندر پیدا کرو اور نوافل کے ساتھ اس کی پرورش
کرکے اپنے شیخ یعنی مرشد کے سامنے ان کی اطاعت کے ساتھ اس کو مہذب بناؤ۔

معلوم ہو کہ شیخ کی حرمت سے زیادہ ہے اور شیخ ہی حقیقی والد اور طریقت کا رہبر اور مرید
کو جہالت کی تاریکی سے معرفت کے نور اور سعادت ابدی اور نجات سرمدی کی طرف نکالنے اور فرشتوں
کے ساتھ ملا دینے والا ہے کیونکہ شیخ دلوں کا طبیب ہے اور والدین صرف اپنی حاجت شہوانی کو
پورا کرکے تیری پیدائش اور عدم سے وجود میں آنے کے سبب ہوئے اور انسان کی اس نیت سے
جو وہ تیرے ایجاد سے پہلے دل میں لذت شہوت کے وقت رکھتے تھے تو نے شہوت کے پھل چکھے۔
پس انہوں نے تجھکو عدم سے وجود میں منتقل کرنے کا تو اچھا کام کیا مگر شہوت کے سبب سے
سفل میں تم رہ گئے اور تمہارے علم کی علامت یہ ہے کہ اگر لوگ تم سے تمسخر کریں تم کچھ پرواہ
نہ کرو اور اگر وہ تمہارے کام میں خلل ڈالیں تم ان کی طرف متوجہ نہ ہو تو سمجھو ان کے افعال و
حرکات سے تمہارے دل میں اثر پڑنا موقوف ہو جائے اور جہاں تک ہو سکے تکبر سے پرہیز
کرو اور جب تم تہذیب نفس کا اعلیٰ درجہ حاصل کرنا چاہو تو لازم ہے کہ ایک تنگ و تاریک
مکان میں چالیس شبانہ روز خلوت کرو اور اگر پورے چار مہینے خلوت میں رہو تو بہت بہتر
ہے اور لوگوں سے ترک تعلق میں میت کی مثل ہو جاؤ اور چھ مہینے کے لائق کھانے کا سامان
اپنے پاس رکھو گویا کہ تم کا سفر کرنے والا ہو اور متابعت شریعت کو سواری بنا کر منزل مقصود کی

---

[1] جب کبھی بد نفس تجھے کوئی خواہش کرے اور نفس یہ خواہش کا طالب ہو۔ پس تو اس کی خواہش کی
جہاں تک ہو سکے مخالفت کر کیونکہ نفس کی خواہش تیری دشمن اور اس کا خلاف تیرا دوست ہے۔

راہ لو، اور نفس کشی کے جنگل و بیابان طے کرنے شروع کرو۔

اس خلوت کے واسطے جاڑے کا موسم بہت مناسب ہے اور سوا فرض کے زیادہ نوافل نہ پڑھو صرف یہ ذکر دل اور زبان سے ہمیشہ جاری رکھو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ[1] اور بغیر تھکے کے نہ سوؤ اور جب زبان ذکر سے تھک جائے تو فقط دل ہی سے جاری رکھو اور جس قدر بھوک ہو اس سے ایک تہائی کم کھایا کرو اور [illegible] تم کو نظر آئیں ان سے خوف نہ کرو بعض جنات اور شیاطین تم کو دھوکے دیں گے ان کے وسوسے میں ہرگز نہ آنا کوئی کہے گا کہ میں کعبہ سے آتا ہوں اور کوئی نبی ہونے کا دعویٰ کریگا اور کوئی فرشتہ اور کوئی خوش کن باتیں سنائیگا ان سب کی طرف تم کو توجہ ہونا نہ چاہئے اور اسی اثنا میں تم پر عجائب علوم و فنون منکشف ہونگے اور دل کی کثافت دور ہو کر قلب اور لوح محفوظ کے درمیان سے حجاب اٹھ جائیگا اور جو کچھ اس میں لکھا ہوا ہے سب تم مشاہدہ کرو گے اور لوگوں کے سامنے بیان کرسکوگے اور تمہارے بیداری میں ویسے ہی حالات منکشف ہوں گے جیسے تم خواب میں دیکھا کرتے تھے پس قلب تمہارا منور ہوگا اور سینہ انوار جمال کے ساتھ فراخ و کشادہ ہو جائیگا کل مقامات اور صورتیں پیش نظر آ جائینگے اور ایسی کرامتیں ظاہر ہونگی جو معجزات کی ہم پلہ ہیں اور صرف اظہار و استتار اور تحدی کے اعتبار ہی کرامت اور معجزات میں فرق ہے بلکہ جب یہ خلوت نشین مقام تمکین میں پہونچیگا کل اشیاء اس کے زیر حکم ہوں گے جو کچھ یہ چاہے کرسکیگا خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے [illegible] اور جو بات خلوت میں تمہارے سامنے پیش آوے یا کوئی شک شبہ واقع ہو اس کو فوراً اپنے مرشد سے بیان کرو کیونکہ شیخ اپنی قوم میں مثل نبی کے ہے اپنی امت میں اور جس شخص کا شیخ نہیں ہے اس کا شیخ شیطان ہے اور جو بغیر شیخ کے مرا وہ جاہلیت کی موت مرا شیخ اس کو تعلیم و تلقین کرتا اور خدا کی معرفت کا راستہ بتاتا ہے۔

خلوت نشین پر قرب کی نسیم ہمیشہ کے اندر سے چلتی ہے اور دلوں کے راز اس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور ابدال اس کی ملاقات کو تشریف لاتے ہیں جب تم اس کو دیکھو خوش و خرم دیکھو ہوا خلاق و معیشت اس کی نہایت پاکیزہ ہوتی ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ اس کے قلب پر تجلی فرماتا ہے اور وہ کلام الٰہی کو سنکر اپنے مقصد کو پہنچ جاتا ہے مشاہدہ کے دروازے [illegible]

---

[1] کوئی معبود نہیں اللہ کے زندہ اور قائم ہے ۱۲ ع

چھبیسواں ۲۶ مقالہ

نبوت اور سمعیات کے بیان میں

علما نے اس کے اندر اختلاف کیا ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ سعادت اور نبوت کسبی چیز ہے کیونکہ
خداوند تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا[1] یعنے جو لوگ ہماری راہ میں
کوشش و مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے بتلاتے ہیں اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے مجاہدہ کو
ہدایت پر مقدم کیا ہے اور اسکو سبب ہدایت کی کنجی گردانا ہے اور مکاشفات کو اسباب اکتساب قرار دیا ہے
اور اس میں کسی مخالفت اور مشاکلت نہیں ہے اور ایک شخص یہ کہتا ہے کہ افعال ہماری طرف سے جس کا علم
میں چاہتا ہے ان کو مسخر کرتا ہے اور ایک شخص کا یہ قول ہے کہ افعال بندوں کے ہیں۔ اور اس بات
میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال بندوں کے ہیں۔ اور اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ افعال مخلوق
ہیں مگر بندے کے ارادہ و پہچان کو موقوف کیا گیا ہے اور بندہ کو ان میں تصرف اور اختیار اور اکتساب
ہے وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ[2] چنانچہ کسی شخص نے اپنے انگلی کو حرکت دی اور کہا حرکت دینے والے
کی بیوی کو طلاق ہے تو کل اہل فتاویٰ کے نزدیک اس کی بیوی پر طلاق ہو جاویگی۔

معلوم ہو کہ ہر چیز علم الٰہی کے ساتھ ہے یعنے مخلوقات میں سے جو کچھ ہوا ہے اور ہوگا سب
خدا کے علم اور اسکی تقدیر کے ساتھ ہے مگر یہاں گفتگو نفس کے کسب میں ہے کہ نفس جو برائی کا کسب
یعنے برا فعل کرتا ہے جب وہ خدا کی طرف سے ہے تو پھر خدا اپنے فعل پر ہم کو کیوں عذاب کرتا ہے اور اگر
یہ برا فعل ہماری اور اس کی دونوں کی طرف سے ہے تب دونوں پر اس کی جنایت ہونی چاہیے اور
اگر صرف ہم ہی سے وہ فعل صادر ہوتا ہے تب ہم ہی اس کی سزا کے مستحق ہیں کیا تم اس آیت کے معنوں
میں غور نہیں کرتے۔ إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ[3] اور اس آیت میں وَمَنْ يَقْتُلْ
مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ[4] ان آیات میں بندے کے فعل کو اس نے فاعل کی طرف اضافت

---

۱ اور جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستے بتائیں گے ۱۲

۲ اور خدا نے تم کو پیدا کیا ہے اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کو بھی ۱۲

۳ بیشک نفس برائی کا حکم کرنے والا ہے ۱۲

۴ اور جو شخص مومن کو قصداً قتل کریگا پس اس کی سزا جہنم ہے ۱۲

اور ایک ریا کا اور ایک نفاق کا اور ان سب کتوں کا باپ شیطان کا کتا ہے باقی یہ سب اسی کے تابع
ہیں پس جب قلب ان سب کتوں کی نجاست اور زنگ اور وسوسوں سے صاف ہوتا ہے اس وقت اسکا
غبار دور ہو کر اس کی روشنی ظاہر ہوتی ہے اور اسکا رب اس پر تجلی کرتا ہے کیونکہ قلب رب کا مشتاق ہے
اور قلب فرشتوں سے متصل ہو کر ان کا خطاب بغیر واسطہ کے سنتا ہے اور طبیعت کے جو سارے پردے غفلت
کے تھے سب اس پر منکشف ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حق تعالیٰ سے کلام کرنا چاہتے تو چار
چلے خلوت میں گزارتے تھے مگر قرآن شریف میں بغیر چار چلے کے چالیس روز فرماتے ہیں فَتَمَّ
مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً اور حدیث شریف بھی اسی کی تائید کرتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے کہ جس نے
چالیس روز خدا کے واسطے خالص کئے اس کے دل سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری ہوتے ہیں
ایسی صلوٰت کا قصہ تم نے سنا ہوگا جس کو ذکر کے مقالہ میں بیان کریں گے پس حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کا فرمان فضول نہیں ہے کہ جو تلاش کوشش کے ساتھ کرتا ہے وہ ضرور پا لیتا ہے
اور روئی اور ریشم کی قیمتوں میں کس قدر فرق ہو جاتا ہے حالانکہ وہی روئی ہے جو ارزاں بکتی ہے اور اسی
روئی کا کپڑا اس قدر گراں بکتا ہے پس یہ سارا فرق خدمت کے ہونے نہ ہونے میں ہے جس قدر خدمت زیادہ
کی جاتی ہے اسی قدر قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ اور بغیر محنت کے کسی کو یہ سعادت حاصل نہیں ہوتی
سوا چند مخصوص لوگوں کے لہٰذا اسکو کیمیا کی مثل سمجھنا چاہئے کیونکہ تمام لوگ کیمیا کے شوق میں
اپنے کاروبار چھوڑ نہیں دیتے ہیں بلکہ اپنے حرکات کے ذریعہ سے رزق کو تلاش کرتے ہیں خود حق تعالیٰ
فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ فرماتا ہے۔ فِی الْاَرْضِ فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَكُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ
مثل متوکل کے رزق کے نہیں ہے جس نے محض خدا ہی پر بھروسہ کیا جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں اگر تم خدا پر پورا بھروسہ کرتے تو تم بھی پرندوں کی مثل ہوتے جو صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور
شام کو پیٹ بھر کے سوتے ہیں۔

لہٰذا تم کو خدمت اختیار کرنی چاہئے تاکہ بزرگوں کا درجہ تم کو نصیب ہو دیکھو ریشم جو ایک
کیڑے کا جالا ہے خدمت کے بعد بادشاہ کا لباس بنتا ہے اور مختلف جانوروں میں ایک جانور ہوتا ہے
جس کی عادت یہ ہے کہ سب جانوروں سے بالکل علیحدہ رہتا ہے اس کی کھال کو خدمت کے بعد شاہی
تاج بنایا جاتا ہے۔

لہ یعنی ... کے درمیان چالیس رات پہلے ایک چلہ

ستائیسواں مقالہ

اذکار کے بیان میں

معلوم ہو کہ ذکر کے متعلق بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں چنانچہ آیت فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ
اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا اور وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ اور وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَ
خِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ ۝
آیات میں ذکر کے مراتب اور اوقات سب بیان کر دیے ہیں اور ذکر خفی بہت بہتر ہے کیونکہ اس کے
ساتھ سننے والوں کو تکلیف نہیں پہنچتی اور ریا و نفاق سے بالکل خالص ہوتا ہے جیسے پوشیدہ
روزے اور پوشیدہ صدقے کے اور فضائل اس کے بے شمار ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت
کیا گیا کہ ایک شخص تو اپنے حلال طیب مال سے صدقہ دیتا ہے اور دوسرا صبح کی نماز کے بعد سے
طلوع آفتاب تک خدا کا ذکر کرتا ہے ان دونوں میں کون افضل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا خدا کا ذکر بہت بڑا ہے اور ایک حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص صبح کی نماز سے طلوع شمس تک
خدا کا ذکر کرتا ہے اسکو سو سرخ اونٹنیاں صدقہ دینے کا ثواب ہوتا ہے جن پر سوار ہوا اور گویا
اس نے آٹھ غلام بنی عبدالمطلب آزاد کئے پھر ذکر کی تین قسمیں ہیں ایک تو ذکر ظاہر یعنی ذکر جلی جو
اسکو جہاں اور تلاوت میں کرنا بہتر ہے اور ایک ذکر خفی ہے جو چپکے چپکے کیا جائے اس کو جماعت
اور صدقات میں کرنا بہتر ہے اور ایک ذکر قلب ہے اس کے ساتھ تمام عالم سے بے پروائی اور
محبوب کے ساتھ مشغولی پیدا ہوتی ہے فرماتا ہے میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو میرا ذکر کرے اور میں اس کا
ہمنشین ہوں جو میرا شکر کرے اور جو مجھ سے محبت کرے میں اسکا حبیب ہوں جو اپنے دل میں
میرا ذکر کرتا ہے میں بھی اپنے دل میں اسکا ذکر کرتا ہوں اور جو اپنی قوم کے لوگوں میں میرا ذکر کرتا ہے
میں اپنے فرشتوں میں اسکا ذکر کرتا ہوں پھر اس بے پروائی کے بعد فنا حاصل ہوتی ہے یعنی حضرت حق کا
کے مشاہدہ کے واسطے نفس کے سامنے سے غائب ہو جاتا ہے اور ذکر کی عادت ذاکر کو ہو جاتی ہے
اور مرنے کے بعد اس ذکر کی بدولت ملائکہ ذاکرین میں اس کا شمار ہوتا ہے اور حظیرۃ قدس کے گرد

ف یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا ۔ خدا تعالیٰ کا کثرت کے ساتھ ذکر کرو گے اور بیشک خدا کا ذکر بہت بڑا ہے ۔
کہ اپنے رب کا ذکر اپنے دل میں تضرع و زاری کے ساتھ آہستہ آواز سے صبح شام کیا کرو اور غافلوں میں نہ ہو۔

اسی کو یاد ہو گئے پھر اس نے پوچھا اور کہا یہ پاک بھی ہو گیا اس نے کہا پاک نہیں ہوا تب اس نے کہا کہ اس کے
دل کو اس کی جگہ پر واپس کر دو کیونکہ یہ نبوت کے لائق نہیں ہے نبوت خاص کر آل عبد المطلب کے
واسطے ہے امیہ کا بھائی کہتا ہے کہ جب امیہ بیدار ہوا اور یہ واقعہ میں نے اس سے بیان کیا تو
وہ اس کے رنج و صدمہ سے بہت رویا اور کافر کا فر اسی حسرت و افسوس میں مر گیا اور اس کے
شرک نے اس کے مقصد کو حاصل ہونے نہ دیا کیونکہ شہوات قطع کرنے والی اور لذت باز رکھنے
والی ہیں جو شخص پانی کا قصد کرتا ہے وہ گڑھے پانی پر بھی صبر کر لیتا ہے اور جو راتوں رات راستہ
طے کرتا ہے وہ راستہ کی دھوپ سے محفوظ رہتا ہے اور جو اپنے نفس کو سیراب شہوت بنا لیتا ہے
آخر کار کسی نجاست کے گڑھے میں گر پڑتا ہے اور جو شخص مصائب و نوائب پر صبر کرے گا وہ عالی ہمت
کے ساتھ بلندی کو طے کرتا ہے وہ بلند مرتبہ پاتا ہے اور جو شخص زیادہ کھاتا اور نفس کو پالتا
ہے کبھی بری تدبیر سے خطا نہیں کرتا اور کبھی فلاح بھی پاتا ہے۔

اٹھائیسواں مقالہ

جہاد نفس اور اس کی تدبیر کے بیان میں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد اکبر کی طرف رجوع کی صحابہ نے
عرض کیا یا رسول اللہ جہاد اکبر کیا ہے فرمایا نفس کا جہاد ہے اور فرمایا ہے کہ سب سے بڑا تیرا دشمن تیرا
نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان میں ہے اور فرمایا میں بھیجا گیا ہوں تاکہ مکارم
اخلاق کو پورا کروں۔

معلوم ہو کہ نفس کے اخلاق ذمیمہ اور غیر مستقیم ہیں کیونکہ اس کے اندر مادہ جو اس کے
ٹھہرنے کا سبب ہونے کے سامان و زمین کی تمام چیزیں ہیں۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں اور یہ
نفس نار موقدہ[1] ہے اور اس کے اندر طبیعت کے بھیڑیے اور شہوت کے کتے اور غضب کے درندے
مخالفت کے چیتے اور حیلہ کی لومڑیاں اور لشکر شیاطین کی کمین گاہیں ہیں جو تو ادھر سے حافظ
سے تخلیق اور وساوس تعبیر غرضیکہ یہ سب نفس کے گرد اس کو گھیرے ہوئے ہیں۔

معلوم ہو کہ قلب ایک شہر ہے اور نفس لطیف اس کا بادشاہ ہے جو ادراک کرنے والا اور
عالم اور باخبر ہو اور پانی اور اس لفظ کی صفت سے خارج ہے کے ساتھ روح کی طرف اشارہ کیا

[1] نار موقدہ یعنی چاروں طرف سے گھیرنے والی آگ ۱۲۔

یہ جب کہ دیکھو سونے چاندی اور تانبے و لوہے وغیرہ کے ذرے خاک میں ملے ہوئے ہوتے ہیں اور تیرے
نزدیک ان کا باہم منفصل ہونا کس قدر دشوار معلوم ہوتا ہے مگر سنار کے نزدیک کچھ دشوار نہیں ہے وہ
فوراً ان کو جدا کر کے مٹی سے بالکل پاک اور خالص کر لیتا ہے اور چونکہ تو خود عاجز ہے اس سبب سے تو قدرت
والے کو بھی عاجز سمجھتا ہے اور ابو علی بن سینا کے مقالات کے فریب میں آگیا ہے کیا ابو علی سینا
تیرے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی زیادہ راست گو ہے تجھ کو لازم ہے کہ ابو علی کے مقالات
اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں خوب غور و تفکر کرکے اپنی عقل سے فیصلہ کرے اور
یہ نقل ہے تب ہم تجھ سے یہ سوال کرتے ہیں کہ جب تو بیمار ہو کر طبیب سے علاج کراتا ہے اور طبیب
تیرے واسطے نسخہ لکھتا ہے تب تو اس سے یہ سوال کیوں نہیں کرتا کہ یہ دوا نفع کیوں کرتی ہے اور یہ
سوال کریگا تو تجھ کو یہ جواب دیگا کہ تو مریض ہے یا معارض ہے پس جب یہ بات ہے تو اب تو
اپنی آخرت کے طبیب سے کیوں معارضہ کرتا ہے اور ان کے بتلائے ہوئے نسخہ پر کیوں حجت و برہان طلب
کرتا ہے اور تو نہیں جانتا کہ تجھ سے پہلے جو لوگ تھے وہ تجھ سے زیادہ عقل کی روشنی رکھتے تھے اور
جانتے تھے کہ اعتراض اور تعجب کفر ہے پس وہ اس کفر کو چھوڑ کر اسلام لائے اور ایمان کو انہوں نے
اختیار کیا پس تجھ کو لازم ہے کہ اپنے کتاب کی جو قرآن شریف ہے تعظیم و تکریم بجا لائے کیونکہ یہ کتاب تیری
طرف خدا کا بھیجا ہوا ہدیہ ہے اور وہ شخص نہایت نالائق ہوتا ہے جو اپنے بادشاہ کے بھیجے ہوئے
ہدیہ کی اہانت کرے اور تھوڑے ہی عرصہ میں تو اس بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوگا اور اس وقت
تجھ کو شرمندہ ہونا پڑیگا اور اگر روح اپنے مبادی کی طرف اپنے خالق کے پاس رجوع کرنے والی ہے
پس اگر شریعت کی تصدیق کی تو وہیں حقیقت تجھ پر ظاہر ہوگی اور خطا تیرے زیادہ ہیں کیونکہ تو
تنہا لوگوں کے شمار میں ہے اور علاج تیرے برخلاف ہے تو نے اپنے نفس کی پیروی کی ہے اور
اس نے تجھ کو بلاؤں اور مصیبتوں میں پھنسا دیا ہے تجھ کو رات اور دن اور گرمی اور جاڑے اور
ربیع و خریف اور ان کے تغیر اور انقلاب احوال میں تفکر کرنی چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کس طرح
زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور تیرا سونا اور جاگنا تیرے اختیار سے باہر ہے اور
ان کے علاوہ اور بہت سی نشانیاں ایسی ہیں جن سے تو غافل ہے اگر تو اپنے نفس کا مجاہدہ
اختیار کریگا تو تیرے نفس کی کل صفات ذمیمہ دور ہو جائینگی اور تو اخلاق حمیدہ سے آراستہ

ہو گا پس تجھ کو لازم ہے کہ غضب کو رضا کے ساتھ اور کبر کو تواضع کے ساتھ اور بخل کو سخاوت کے
ساتھ اور امساک کو صدقہ کے ساتھ اور نا امیدی کو نیکی کے ساتھ اور مخالطت کو خلوت اور نیند
کو بیداری اور شکم سیری کو بھوک اور غفلت کو ہوشیاری اور شرکت کو عزلت اور مداہنت کو صدق
و صفا کے ساتھ دور کرو اور شہوت اور باطل کو حق کے ساتھ نکال کر باہر کرو اور جب تم اپنی صفات
ناشائستہ کو دور کرو گے نیک صفات سے آراستہ ہو جاؤ گے اس وقت غفلت کا پردہ تمہارے دل
سے دور ہو گا اور تم دیکھو گے کہ کس طرح مردے زندہ ہو جاتے ہیں مگر افسوس اس بات کا ہے
کہ تم سرکش شیطان بن کر یہ سمجھتے ہو کہ خدا کے مرید ہو تمہیں اس کی توحید کی حلاوت کے آثار کہاں
ہیں حضرت داؤد کے پاس وحی بھیجی کہ جو شخص میری محبت کا دعویٰ کرے اور پھر جب ذکر کے
وقت سو رہے وہ جھوٹا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں آپ کے فرزند حضرت
اسماعیل کے ذبح کرنے کا حکم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ اے خداوند صاحب یہ اس شخص کی جزا
ہے جو اپنے دوست کو سو رہے اور آدم علیہ السلام جب سو رہے تو حوا پیدا ہوئیں کسی شاعر نے کیا
خوب کہا ہے کذبت یا محب کیف تنام   کل نوم علی المحب حرام
معلوم ہو کہ تیرا قلب وہی شہر ہے جس کی طرف ہم اشارہ کر چکے ہیں پس تیرے نفس کا شیطان
خواہشوں کے رسالے اور حب دنیا کی پلٹنیں اور وسوسوں کے نقارے اور بدگمانیوں کے ٹڈی
اور مخالفت کی منجنیق اور تکبر کا بوق لیے بگل اور معصیت کے نقارے اور لالچ کی شمشیر اور مکر
کے تیر و بالے کر اس شہر پر حملہ کرتا ہے اور چاروں طرف سے اس کو محصور کر لیتا ہے پھر اگر اس شہر میں
اخلاق حمیدہ کے سپاہ اور صفات حسنہ کا لشکر ذخیرہ نہیں ہوتا تو یہ شہر ہلاک ہو جاتا ہے اور اس
بادشاہ کی سلطنت یعنی کلمہ توحید کے برج منہدم ہو جاتے ہیں اور ذکر کا نگہبان سو جاتا ہے اور اسرار
قلب کے تخت پر شیطان جلوس کرتا ہے اعمال کے خزانے لوٹے جاتے ہیں اور شکوک و شبہات تمام
شہر میں چکر لگاتے پھرتے ہیں معاملہ کے درخت کاٹے جاتے ہیں اور اعمال کے اصول ٹوٹتے ہیں اور
امیدوں کے پھل توڑ کر کھائے جاتے ہیں کتاب الٰہی میں شک واقع ہوتا ہے اور اصحاب کی صحبت
سے نفوس نفرت کرتے ہیں اور ہر ایک بے تحاشا مولا کی نافرمانی کرتا ہے اور خواہش کا مطیع ہو

۱؎ یعنی آپ جو سو رہے تھے اس کے سبب سے خواب میں آپ کو یہ حکم ہوا کہ اپنے فرزند کو ذبح کرو ۱۲۔
۲؎ عاشق جو ہے تو جھوٹا ہے کیونکر سوتا ہے کیونکہ عاشق پر ہر ایک نیند حرام ہے۔

مطلع تکمیل ہوتے ہیں اور خدا کے اور اس کے درمیان میں ایک دروازہ کھل جاتا ہے جس کے سبب سے عالم ملکوت کے
اسرار اسکو معلوم ہو جاتے ہیں مگر اس مرتبہ کا حاصل ہونا علم و عمل پر موقوف ہے اور جب لطف کی نسیم
غفلت کا حجاب دور کرتی ہے تو کائنات میں یہ شخص جو کچھ تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے جو کچھ یہ چاہیگا وہی
ہو جائیگا کیونکہ دونوں ارادے ایک ہو جاتے ہیں جیسا کہ احوال صوفیہ میں بیان کیا گیا ہے عَبْدِیْ اَطِعْنِیْ
اَجْعَلْکَ مِثْلِیْ [illegible] اس وقت ایک لطیف معنے بن جاتا ہے اور غیب سے اسکو ایسی
قوت الہام ہو جاتی ہے کہ اس کے ساتھ وہ ان باتوں کو جو اس پر وارد ہوتی ہیں قبول کر لیتا ہے اور بھی
کراماتوں کے ظہور اور غیب کی خبریں بیان کرنے کا باعث ہے اور نفس اغراض فاسدہ کے دور ہونے
سے جوہر قدسی بنتا ہے اور غیبی اس پر پوشیدہ نہیں رہتے اور اگر تم یہ کہو کہ ان باتوں کے ساتھ ایک قسم
کی انبیاء علیہم السلام سے مشارکت ہوتی ہے پھر انکو اولیاء کیسے حاصل کر سکتے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ
غیب کی اصل خداوند تعالیٰ سے ہے اور یہ اسکا احسان ہے کہ وہ اپنے علم غیب میں سے کچھ ان پر ظاہر کر
دیتا ہے تمہیں اسکا یہ قرآن نہیں سنا اور من رسول کا لفظ صرف اس واسطے فرمایا ہے تاکہ عام لوگ اسکو نبی
مشارکت نہ سمجھیں اور یہ بات کہ تخفی باور سے مطلع ہونا کچھ بعید نہیں ہے کیونکہ شاہی خزانوں سے
شاہی غلام آگاہ ہوتے ہیں اور معشوق کی خوبصورتی کو دیکھکر عاشق صادق اسکی بہت سی پوشیدہ باتوں
کو اس کے حسن پر قیاس کر کے معلوم کر لیتا ہے اور حالانکہ اور لوگوں سے وہ باتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔
وَتِلْكَ الْأَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا إِلَّا الْعَالِمُونَ۔ حضرت جنید علیہ الرحمۃ فرماتے
ہیں ہر ایک شخص خدا کا کو ہے مگر فراخ نہیں ہے اور ابو یزید بسطامی نے فرمایا ہے کہ جو شخص تمکین
کے درجہ میں پہنچا ہیں وہ عجیب ہے سارے خلق کے تخت پر بیٹھکر اپنے مالک کے حکم سے بادشاہوں کے
ناز پر مطلع ہوتا ہے جیسا کہ تمہارا پیارا غلام تمہارے بہت سی پوشیدہ حالتوں سے واقف ہو جاتا ہے۔
فاطمہ بسطامیہ جو ایک بزرگ عورت تھیں اس وقت شہر بسطام سے نکلتیں جب موذن ظہر کی
اذان کہہ دیتا تھا اور بسطام میں آنکر جماعت سے نماز پڑھتی تھیں پھر اگر تم یہ کہو کہ یہ بات غیر ممکن ہے اور
ایسی حالت انبیاء کی بھی نہیں ہوتی تو پھر اور کسی کی کب ہو سکتی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ یہ حکم تم خدا
تعالیٰ پر لگاتے ہو یا اپنے نفس پر اگر اپنے نفس پر لگاتے ہو تو تم جانو اور تمہارا نفس جانے اور اگر

لہ یعنی اللہ غیب کا جاننے والا ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا ہے مگر رسولوں میں سے جسکو برگزیدہ کرتا ہے ۔
لہ ان مثالوں کو ہم لوگوں کے واسطے بیان کرتے ہیں اور نہیں سمجھتے ہیں ان کو مگر عالم لوگ ۔

اور پھر اس لکڑی کو سر و دوزن کیا کرو جس قدر وہ خشک ہوگی کھانا تمام ہوگا اور اس ترکیب و تدبیر سے تم
عالم ملکوت میں داخل ہو گے حدیث شریف میں وارد ہے کہ سب لوگوں میں جو شخص دنیا کے اندر بڑا
شکم سیر ہے وہ قیامت کے روز سب سے زیادہ بھوکا ہوگا اور جب تم ایسا کرو گے تو تمہارا نفس قدسی
ہو جائیگا اور عالم قدس کے ساتھ تم کو انس ہوگا پس تم دنیا کی محبت کی طرف مائل نہ ہو پس حالت کوئی
تمہاری طرف مشتاق ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے کہ میں تم جیسا نہیں ہوں میرا رب مجھکو کھلا پلا دیتا ہے
پس یہ حالت صادقین کے ہیں اور یہ منزلیں متقیوں کی ہیں پس تم تکذیب کرنے والوں میں سے
نہ ہو اور اگر تم مقربوں میں سے نہیں ہو سکو تو اصحاب الیمین ہی سے ہو جاؤ

تیسواں مقالہ (علم و عمل کے بیان میں)

معلوم ہو کہ مخلوق الٰہی میں سے تین شخص مخصوص ہیں عالم اور عارف اور زاہد عالم تو وہ شخص
ہے جو علم ظاہری حاصل کر کے اس پر عمل کیا اور اس کے سبب سے خداوند تعالیٰ نے علم باطنی اس کو عنایت کیا
جیسے کہ علم محبت اور علم شوق اور فناء و علم قرب اور علم مکاشفہ اور مراقبہ اور علم تجلی و اسطہ وغیرہ ہیں اور
یہی صوفیہ صافیہ کے علوم کہلاتے ہیں اور صوفیہ وہ لوگ ہیں جیسے حسن بصری سفیان ثوری ابو یزید
بسطامی ابو الحسین نوری حبیب عجمی معروف کرخی شقیق بلخی لقمان بن حنیف بشر حافی سعید حاتی احمد خوارزمی
احمد ہلال حارث محاسبی سری سقطی ابو الحسین بن منصور حلاج جنید بغدادی ابو بکر شبلی ابو نعیم قاضی
پس یہ طائفہ الصوفیہ وہ لوگ تھے جنکا ذکر جاری ہے اور یہ ان لوگوں کی مثل نہ تھے جو علوم اور شہوات
میں مشغول ہوتے ہیں اور وہ مرکا لذتی اور مکر و دغا کو انہوں نے اپنا پیشہ بنا رکھا ہے ان لوگوں نے تو
واحد شاہد کو مضبوط پکڑا ہے اور یہ لوگ شاہد کی محبت میں مبتلا ہیں ان لوگوں نے تو ما سوا سب کو
چھوڑ اور ترک کیا ہے اور یہ لوگ ان کے فکر میں رہتے ہیں اکثر کلام انکا یہ ہوتا ہے کہ مذہب کو بھول
جانا چاہئے کہ یہ بھلا جانے اور علم خلاف ان کے نزدیک مثل بزرگ خلاف کے ہے اور علم اصول ان کے نزدیک
بالکل فضول ہے اور نحو لغو ہے پس کل علوم ان کے گا لینے بجانے اور رقص و سرود پر منحصر ہیں اور قرآت
اور صحابہ علیہ یہ لوگ تفریق نہیں کرتے ہیں پس ان کے محبوب کس قدر کثیر ہیں اپنے محبوب
کو یہ لوگ بھول گئے ہیں اور طاعت کی حدیث کو چھوڑ کر کھانے کے شغلوں میں مصروف ہیں خلق کے واسطے
سجادے بچھاتے ہیں اور خدا اور حق کو بالکل فراموش کیا ہے پس یہی وہ لوگ ہیں جن کے

چاندی بناکر فروخت کرتے ہیں حالانکہ وہ چاندی نہیں بنتا اور بعض کا سبب ایسے حسین ہیں کہ نفس ان کو قبول
نہیں کرتا ہے مثلاً قصائی اور حجام اور مشکی و جاروب وغیرہ کے کام ہیں جو صنعتیں مجھے بیان کی ہیں ان میں سے کسی
کو اختیار کرو اور علم و عمل جن کو اپنے مقصد کو حاصل کرو خدا ہی کے واسطے ہی جب تم جلدی سے نفس کو قرار دیگا
اور وہیں تم جنتوں اور نہروں میں خدا کے پاس آرام سے رہوگے ۔

فصل (عجائب اسفار کے بیان میں)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاف کے پیچھے مغرب کی طرف ایک سفید زمین ہے آفتاب
اسکو چالیس برس میں قطع کرتا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا اس زمین میں مخلوق رہتی ہے فرمایا
ہاں مومن لوگ ہیں جو ایک پلک زدن بھی خدا کی نافرمانی نہیں کرتے ہیں اور آدم اور ابلیس کو مطلق نہیں
جانتے فرشتے انکو ہماری شریعت کے موافق تعلیم دیتے ہیں اور قرآن شریف ان کو پڑھاتے ہیں اور انکے
امام فیصلہ کرتے ہیں صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ زیادہ بیان فرمائیے فرمایا مسلمان جنوں میں سے ایک
عورت میری واقف ہے وہ کئی سال غائب رہی جب وہ آئی تو میں نے اس سے دریافت کیا کہ کہاں
گئی تھی اس نے کہا میں اپنی بہن کے پاس اس سفید زمین میں گئی تھی جو قاف کے پہلی طرف ہے میں نے کہا کیا وہ
لوگ مومن ہیں اس نے کہا ہاں جیسے پہلی کتاب ان کے سامنے پڑھی گئی ہے ہماری قوم کے سب لوگ ایمان لے آئے
میں نے پوچھا کہ اس زمین کے پرے کیا چیز ہے اس نے کہا برف کے پہاڑ ہیں اور پانی اور ہوا اور اندھیرا
اور پھر اسکے پرلی طرف جہنم ہے میں نے کہا کہ کیا ان شہروں میں بھی سورج پہنچتا ہے اس نے کہا ہاں ۔
اور تمیم بن حبیب داری کا قصہ بھی بڑا عجیب ہے کہ جب ان کو جنات راستہ گم کرا کر ایک جزیرہ میں لے
گئے اور وہاں انہوں نے وہ محل دیکھا جس میں دجال مقید ہے اور اس نے ان سے پوچھا کہ تم کس امت میں سے ہو
انہوں نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دجال نے کہا کہ کیا وہ مبعوث ہوگئے تمیم نے کہا ہاں اس نے کہا تو
اب میرے نکلنے کا وقت آگیا اور بعید مجھ کو تو فرز بھی نہایت تعجب خیز ہے عبداللہ بن مسعود کہتے ہیں میں اور
علی بن ابی طالب اندھیری رات میں حضور کے ساتھ چلے یہاں تک کہ حضور ایک سوراخ پر پہنچ کر ٹھہرے ہوئے
اس سوراخ میں سے ایک شخص نکلا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ اندر تشریف لائیے پس حضور اندر گئے تو
شہر تشریف لے گئے اور ہم کو باہر دروازہ کے پاس ہی بٹھا دیا اور جب صبح کی نمود شروع ہوئی تو حضور اور
چند لوگ آپ کے ساتھ تشریف لائے اور حضور نے ہم کو فرمایا کہ یہ تمہارے مسلمان بھائی جنات ہیں اور پھر پاس بیٹھ

سقف کے اندر چلے گئے لوگ اسوقت کوچہ میں تھے اور حضرت علی نے انگوٹھی کی طرف اشارہ کیا وہ تیر اڑ کر
جبرئیل کے ہاتھ میں چلی گئی تمام فرشتوں میں حضرت علی کی اس سخاوت سے شور برپا ہوگیا اور جبرئیل نے آکر
مبارکباد دی اور کہا اے اہل بیت رسول خدا نے تم پر انعام کیا تم وہ لوگ ہو کہ خدا نے تم سے دنیا کی دوری کے تم
کو بالکل پاک کردیا ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر حضرت علی کو دی انہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ
ہم دنیا کی اس فانی نعمت کو لیکر کیا کرینگے جس کے حلال کا حساب ہے اور حرام کا عذاب ہے۔

اور اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ پھر حضرت علی معاویہ سے دنیا کیواسطے کیوں لڑے اسکا جواب یہ
ہے کہ حضرت علی معاویہ سے حق پر لڑے جو آپ کے واسطے تھا اور تحکیم پس باطل اور غیر صحیح ہے کیونکہ
تحکیم موجود اور مردود اور معروف اور معلوم غیر مجہول پر ہوتی ہے یہ تھا اور شریعت ہے پھر تو کچھ جانا چاہو
اگر اس معاملہ کی تفصیل دیکھنی ہو تو ہماری کتاب نسیم التسنیم میں دیکھو اور قصص ذوی القربیٰ کا دیکھنا
بھی کافی ہے اور ابن ابی الدنیا کی کتاب ... العزیز بھی بہتر ہے اور کتاب الاتمام اور کتاب مسالک والممالک
اور کتاب [illegible] ... سب اچھی ہیں یاد رکھو اگر تم کو افلاک کی وسعت اور ایک دوسرے سے تفاوت معلوم کرنا ہو
تو جانو کہ زمین کی وسعت کو سورج ایک شب میں قطع کرتا ہے اور فلک ہوائی کو قمر ایک مہینہ میں قطع کرتا ہے
پس دیکھو کہ ایک مہینہ اور ایک شب میں کیا فرق ہے پھر اس کے اوپر فلک زحل ہے جسکو ۳۰ سال
میں قطع کرتا ہے پھر اس کے اوپر کرسی اور عرش ہے اور یہ آٹھوں جنتوں کی چھت ہے جن میں سے ہر ایک
جنت کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے پس تم اپنی دلیل کو اس مسافت کے طے کرنے پر حاصل کرو۔ اور تیری
ناقص ہمت کو کیا ہوگیا ہے کہ کسی طرح بلندی نہیں پہنچتی اور تو اپنی کو سعادت کا لباس پہنانا چاہتا ہے مگر
تو اپنے نفس کی پرورش میں ہمہ تن مشغول ہے پس تو اس شخص کی طرح ہے جو ایک لڑکے کے عشق میں
قافلہ سے پیچھے رہ گیا اور قزاقوں نے اسکو لوٹ لیا۔

یہ دنیا عالم خواب ہے اور انبیا علیہم السلام اس خواب کی تعبیر بتانے والے ہیں اور اس تعبیر کا راست و
دروغ تم کو بیدار ہونے کے بعد معلوم ہوگا کیا تم نے یہ اشارہ نہیں سنا کہ لوگ سوتے ہیں پس جس وقت
مرینگے تو بیدار ہوں گے پھر جس وقت مرتے ہیں تو بیدار ہو جاتے ہیں اور دنیا میں تیری مثال ان دو لڑکوں
کی سی ہے جو ایک پیٹ میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے سے کہتا ہے کہ اب ہم عنقریب یہاں سے نکلکر ایک
دوسرے عالم میں پہنچیں گے اور جب پیدا ہو جاتا ہے اور دنیا کی کشادگی کو دیکھتا ہے تو کیا وہ اس بات کو
پسند کر سکتا ہے کہ پھر ماں کے پیٹ کی تنگی میں واپس جائے ہرگز نہیں یاد رکھو جب تو آخرت

حالانکہ یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ خود شارع علیہ السلام نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ جو تم میں سب سے زیادہ
اپنے نفس کو جانتا ہے وہی سب سے زیادہ اپنے رب کو جانتا ہے۔
شارع علیہ السلام اگر کامل تھے تو بیشک انہوں نے روح کو جانا تھا اور اگر ناقص تھے تب ان کو شبہ ہوتا
جائز نہیں اور صرف عوام الناس اور جہلا کو تحقیق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ مرنے کے بعد روح عقلی و نقلی دلائل کی رو سے باقی رہتی ہے نقلی دلائل یہ ہیں کہ
حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ[1]
اور یہ حال یہ درست نہیں ہے کہ مقتولین کی موت کے وقت مخصوص یا معلوم ہوا اور فرماتا ہے اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ
عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا[2] اور فرماتا ہے مِمَّا خَطِيْئٰتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا[3] نہیں ہے
کے بھی اسی کے واسطے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ جنت میں رات دن نہ ہوں گے تو پھر صبح و شام کہاں ہوگی
اور حدیث میں وارد ہے کہ مومن کی روح جنت کے درختوں میں ہوگی اور اسکے پھل کھاوے اور انکی نہروں
کے پانی پیئے گی اور پھر عرش کے نیچے مثل ہوائی قندیل میں جا کر آرام سے قیامت تک رہیگی۔

اور برہان عقلی یہ ہے کہ ہم روح کو اسکی صورت میں بالکل کامل دیکھتے ہیں موت سے کوئی نقص
کے لاحق ہونا نہیں جیسا مرض میں اور لطیف اور عقل اور اسکی وہ صفات جن سے انسان اور بہائم میں فرق معلوم
ہوتا ہے وہ باقی رہتی ہیں پس موت روح اور جسم کے درمیان میں فاصلہ سے عبارت ہے جب یہ جسم روح
سے جدا ہوتا ہے تو روح اپنے عالم اول کی طرف رجوع کرتی ہے جیسا کہ ہم عرض [illegible] اور یہ لوگ یعنی فلسفی عقل
خیال کرتے ہیں پھر اگر اس روح کا شوق متعلق دنیا کو قطع کر کے محل اعلیٰ کی طرف رجوع کرنے کا ہوتا ہے تب
روح خوشی کے ساتھ اپنے گھر کو واپس ہوتی ہے اور اگر شوق اسکا محل سفلی کی طرف غالب ہوتا ہے تب
گناہوں کے بھاری بوجھ کے سبب سے اوپر کو اڑ نہیں سکتی اور نیک لوگوں میں جا کر شریک ہو سکتی ہے
بلکہ اس کا بہت بڑا گناہ ہے اور اس کے سبب سے اس کو دوزخ میں عذاب کیا جاتا ہے اور اس راز کو
حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کلام میں ظاہر فرمایا ہے کہ نیک لوگوں کی روحیں سبز پرندوں کے پوٹوں
میں جنت کے اندر رہتی ہوں گی اور جب شوق جسم کی طرف غالب ہوگا تو روح اپنے گناہوں کے بوجھ
میں گرفتار رہے گی اور سبب سے جدا ہونے اس کا اپنے ہمجنس یعنی جسم سے محبت کرتا ہے اور جوں جوں
جسم مضمحل اور فنا ہوتا جاتا ہے اسی قدر روح کا اشتیاق بھی اسی کی طرف کم ہوتا جاتا ہے اور روح اپنے شوق

[1] ان لوگوں کو مردہ نہ سمجھو جو خدا میں شہید ہو گئے ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ... خوشحال ہیں۔
[2] وہ دوزخ پر صبح و شام لائے جاتے ہیں [3] [illegible] جنت میں صبح [illegible] ڈبوئے گئے آگ میں ڈالے گئے۔

یعنے بلند مکان کا قوی ہوتا جاتا ہے اور اسی سبب سے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جس قدر دیر تک
بندہ کا جسم قبر میں رہتا ہے اس کے گناہوں میں تخفیف ہوتی ہے اور دلیل اس بات کی یہ ہے کہ اہل میت کے
دل اس کے اشتیاق میں ہوتے ہیں اور جس وقت سے اسکا جسم قبر کے اندر مضمحل ہونا شروع ہوتا ہے
ان کے رنج و غم میں بھی کمی پیدا آتی ہے اور یہی معنے کسی شاعر نے اس شعر میں نظم کئے ہیں۔

الی الحول ثم اسم السلام علیکما — ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر

مرتب ۱ از جو ہے وہ اس روح کی وضع اور اس بدن کے ساتھ اسکی وابستگی میں ہے باطن اور ظاہر
سے اور یہ جسم روح کا مرکب ہے تاکہ اسپر سوار ہو کر وہ ان علوم سے جو اس کی قوت میں مرتسم ہیں اپنے
مقاصد کو حاصل کرے جب تم یہ چاہو کہ تمہارا نفس علوی اور رفیق اعلیٰ کی طرف راغب ہو پس تم اسکی
صفات ذمیمہ کو دور کرنا اور صفات حمیدہ کے ساتھ اس کو آراستہ کرنا شروع کرو مثلاً بخل کے بدلے سخاوت
اور کنجوسی کے بدلے بخشش اور جہالت کے بدلے علم اور انکار کے بدلے معرفت اور شر کے بدلے خیر حاصل کرو اور
شبہ کے اندھیروں سے نکالکر نور جلال کی طرف اسکی رہنمائی کرو اور تم جب کہ تصدیق میں اور ایسا امر سے خود کے
ساتھ مشغول ہیں اور تزکیہ نفس کے واسطے خلوت اختیار کرے۔

ان سب باتوں کے بعد تمہارا نفس ربانی قوی ہو کر درجہ کمال کو پہنچیگا اور اسوقت تم ملاء اعلیٰ علیین
کیطرف مجذوب ہونے میں جلد کرینگے اور تم اسوقت ملائکہ مقربین کے مرتبہ میں ہو گے اور مرتبے اور لوح کا جمال تمہارے
سامنے ہوگا اور تم عقل فعال سے قوت الہٰی اور فیض الہٰی حاصل کرو گے اور پھر جسم اور نفس کے درمیان میں
قطع شہوت اور ہر ایک لذت کے ساتھ زوال ہو گا پس جسم کے اندر نفس کا زہر پیدا ہوگا اور جسم سے جدا ہونے
کی خواہش ظاہر ہوگی تاکہ ابدالآباد کی محل لذت سرمدی حاصل ہو اور اگر نفس پر جسم کا عشق غالب ہو تو جب
نفس جسم سے جدا ہونا چاہیگا اور روح اسکو اوپر کی طرف ترقی کرے [illegible]
[illegible] جب اس بات پر برہان تمام
ہو گئی کہ پاک روح ملاء اعلیٰ کیطرف ترقی کرتی ہے اور اپنے ابنائے جنس کے ساتھ آزاد ہوتی ہے بخلاف فلاسفہ
اور اچھے لوگوں کے پاس آتی جاتی اور اپنے ابنائے جنس سے ملاقات کرتی ہے اور ایک دوسرے سے ملکر خوش
ہوتی ہے چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ روحیں ایک دوسری کے پاس جاتی ہیں اور تی

ف بیشک جن لوگوں نے ہماری نبوت کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تکبر کیا ان کے واسطے آسمان کے دروازے نہ کھلینگے اور
نہ وہ بہشت میں داخل ہونگے یہانتک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے نکل جائے ۱۲ –

آنیوالی روح سے دنیا کے حالات دریافت کرتی ہیں وہ ان سے بیان کرتی ہے اور فرمایا ہے کہ بعض بعض
گونگی ہوتی ہیں بول نہیں سکتیں اور یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جو بغیر وصیت کئے مر گئے ہیں اور
وجہ شرعی کے موافق بس روحیں جو مسعود چاہیں پرندے وغیرہ کی اختیار کر سکتی ہیں ان فرشتوں پر قیاس
کرکے جو انسانوں کی صورت ہی کو نبیوں کے پاس آگئے ہیں پس قریب تھا کہ ان کے استغراق کے سبب
[illegible] انہوں نے اس چیز کی استعداد ہے جو جوہر خاصیت الکتاب تھا کہ جو انہوں نے کسب کیا ہے پس
اگر جلتا ہے تو وہ ادراک میں کی شکل ہے اور امیر المومنین علیہ السلام نے باوجود اپنے علم اور فہم کثیر اور مشکوۃ انوار
نبوت سے قریب ہونے کے فرمایا ہے اور جانا کہ آپ ہی چراغ ہدایت کی تھی اور زمین پر انہیں کے ساتھ تھی
کس طرح مصطفیٰ کے در پر کھڑے رہے پھر انہوں نے ان سے جو کچھ شکایت حال کہنا تھی وہ کہی۔

اور بیشک زہرہ کے بچوں میں سے ایک ماتم ہے یاد دنیا کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا
اور خاصیت مثل اتصال شمع کے ہے ساتھ مسیح کے اور تعلق کے ساتھ منظور کے۔

الغرض کوئی نفس خواہ نیک ہو یا بد ہو موت اس کے واسطے راحت ہے اور خوف صرف روح کے
جسم سے مفارقت کرنے کا ہوتا ہے اور موت کی مثال نشہ کی سی ہے پھر جب روح بدن سے نکل جاتی
ہے تو اسکا خوف واپس آجاتا ہے اور بھاری بوجھ اس پر سے دور ہو کر صفت کمال کی طرف روح رجوع
کرتی ہے اور جو علوم یا اعمال اس نے کسب کیے تھے وہ سب اس کو یاد آجاتے ہیں اور اسی جانب سے
اشارہ کیا ہے کہ لوگ (دنیا میں) سوتے ہیں جب مریں گے تو بیدار ہوں گے بہرحال موت اہل عقل کے
نزدیک بندہ کیواسطے زندگی سے بہتر ہے کیونکہ اس میں رب العالمین سے نزدیک رہنا ہوتا ہے۔

فصل موت کے بیان میں

اور جب کہ موت سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑھکر حادثہ ہے کیونکہ اس سے زیادہ کوئی
ہولناک بات مخلوق نے نہیں دیکھی ہے اور اس میں کسی کو شک نہیں ہے کیونکہ برہان اس کی تصدیق
اور تصدیق ہے اور اس شخص سے تعجب ہے جو اپنی آنکھ سے دیکھتا ہے اور پھر دوسرے سے دلیل مانگتا ہے
اور یہی قیامت صغریٰ ہے جب زندگی کا آفتاب [illegible] عبادت اور صفات کے ستارے [illegible]
معانی کی روشنیاں بجھ جاتی ہیں اور دل کے وحشی جانور عقل کی چراگاہ میں جمع ہو جاتے ہیں اور عاقبت کے
دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دیئے جاتے ہیں اور صاف نفوس کے دریا بیماریوں کی آگ سے پاٹ دیئے

کر رہا ہو کہ پیچھے کون ہے اور جب یہ روح بدن سے نکل کر اعلیٰ قرب و تقرب کے مقام میں پہنچتی ہے تو اسکی
علمی قوت اور اعمال کے موافق ملاء اعلیٰ کا مشاہدہ اسکو میسر ہوتا ہے اسی واسطے حضرت امیر المومنین علیہ
السلام نے فرمایا ہے کہ اہل جنت کے سامنے قرآن پڑھا جاویگا تو قرآن کی خوش الحانی اور اس کے معانی کے
سننے سے موت کی سختی آسان ہوتی ہے اور جیسا کہ اسکا ذائقہ ہے اور جب یہ سالک منزل طے کرتا ہے سیاح
قرآن کے سننے سے دنیاوی وسوسے دل سے منقطع ہو کر قلب خدا کی طرف مشغول ہوتا ہے اور سکرات موت
اسپر آسان ہو جاتے ہیں اور موت کے دریاؤں میں غوطہ کھا کر نکلتا ہے یہاں تک کہ اسپر منکشف ہوتے
پھر اس کے بعد روح جسم سے نکل کر پھر ایک رنگ و بیچ سے صاف ہوتی ہے اور اس مصیبت سخت سے
نجات پاکر آزاد ہو جاتی ہے اور نجات یافتہ لوگوں کو اس طرح اسکو سنائی جاتی ہے الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ
الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ[1]
یہ خطاب اس شخص کے واسطے ہے جس نے اپنے نفس کو پاک و صاف کیا ہے اور دنیا کے تعلقات کو ترک کر کے اپنا
لے اندر جیسے سو یا بالکل باہر نکل آیا ہے اور صرف ایک الف اپنے خیال کو متوجہ کیا ہے پس یہ نفس جو کچھ دیکھتا ہے
وہ اسی طرح دیکھتا ہے جیسے سونیوالا خواب میں دیکھا کرتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ سونے والے کی حالت جاگ
اٹھنے سے جاتی رہتی ہے اور اس نفس کی حالت ہمیشہ اسی طرح قائم و دائم رہتی ہے اور جس قدر نفس کے اندر علم
کی قوت زیادہ ہوتی ہے اسی قدر نعمتوں میں اسکا حصہ زیادہ ہوتا ہے قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ
يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ[2] پھر اس کے بعد معاد باقی رہتی ہے پس اس نفس کے پاس اسکا سامان عالم عقل
خیال کے پاس رہنے کے واسطے اور ہر چیز کے اپنے عنصر کی طرف عود کرنے کے واسطے حشر ہے اور نفس اپنی
پاکیزگی کو وطن کی طرف عود کرنے کے وقت پاتا ہے تم نے نہیں دیکھا کہ مسافر اول ہمیشہ اپنے وطن کے شوق میں
لگا رہتا ہے اور اگر یہ شخص مسافر فقیر ہوتا ہے تو دنیا کی محبت اور اس کے حاصل کرنے کا فکر اس کو وطن
کی محبت کے اور وطن سے باز رکھتی ہیں اور دنیا کا مستقر ہے زائل ہونا ایک ظاہر بات ہے اس کے واسطے
کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں ہے ہر ایک اپنے بزرگوں کو روز مرہ یہاں سے سفر کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

پھر تمکو یہ بھی خیال کرنا چاہیے کہ جو علم تمہارے کام آئیگا اور قبر میں تمہارے ساتھ جائیگا وہ کونسا علم
ہے کیا یہ صحیح علم اور فرائض کا ہے یا علم نکاح و طلاق یا مسائل جنایات کا علم ہرگز نہیں ان علوم کو شارع
علیہ السلام نے انتظام و سیاست کے واسطے لازم کیا ہے ورنہ قبر میں نفع دینے والا علم وہ ہے جو نفس

[1] وہ روحیں جن کے پاس فرشتے اعزاز سے آتے ہیں اور کہتے ہیں تم پر سلامتی ہو اپنے عملوں کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔
[2] کیا برابر ہیں وہ لوگ جو جانتے ہیں اور جو نہیں جانتے ہیں ۱۲۔

ایک ایسی خاصیت ہے جو دوسری چیز میں نہیں ہے۔ پس تاثیر اور تقدیر نے اسی طور سے نبوت کے اسرار
خاص خاص لوگوں میں مرتب کئے ہیں اور وہی ایک شخص کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے دوسرے کے
ساتھ نہیں ہوتی ہے یا اگر ہر شخص کی قوتوں میں بہ نسبت اور لوگوں کی قوتوں کے فرق ہوتا ہے دیکھو
تم بعض چیزوں کو دیکھتے ہو اور تمہارے ساتھی کو نظر نہیں آتیں اور ایسے ہی کوئی بات تم کو سنائی دیتی
ہے اور تمہارے ساتھی کو سنائی نہیں دیتی۔ اور دلیل فراست کے نتیجے تم نے سنے ہونگے اور بعض اوقات
خیال بخشے ہو کر صورت بنتا ہے اور آنکھوں فلاں فلاں چیزوں کو دیکھتا ہے جو اندھے کو معلوم نہیں پس جس
کیونکہ دیکھنے کا آلہ یعنی آنکھ اس کے پاس نہیں ہے۔

پس تم لوگوں کے حالات سمجھتے نہیں اور سب سے بڑا حجاب تمہارے واسطے دنیا کی محبت ہے۔

ایک وقت بنی اسرائیل کے جنگل میں کثرت سے سانپ ظاہر ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام
نے تانبے کا ایک عصا بنایا اور اس کے سر پر ایک صلیب لگا کر اس میں طلسم بنایا جس کے دیکھتے ہی کل
سانپ مر گئے اور پھر اس الو ہے لے جا کر ان سب کو کھا لیا۔

اور خواص ہی کے متعلق یہ بات بھی ہے کہ ایک شخص نے سانپ کو پتھر مارا سانپ نے پتھر پر کاٹا
اور وہ شخص مر گیا اور ایک سانپ طرف دیکھنے سے نور زائل ہوتا ہے اور آب حیات سے خدائے تعالیٰ مردہ
کو زندہ کر دیتا ہے جیسا کہ بنی یہودی کا قاتل ہوا ایسی مثل اور بھی ہیں تو اس کے تصور کرنا چاہیے بعض لوگ کہتے ہیں
کہ اس میں بھید ہے کہ انبیاء علیہم السلام حکماء متقدمین کے ماتحت امرار سے آگاہ تھے اور ان علوم کے
سبب سے جو چاہتے تھے سو کر لیتے تھے یہ قول ہمارے نزدیک نہایت قبیح ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ قادر
مطلق اور حکیم ہے اس کی سعادت کا فیض بطریق فرد کے اس ارادہ کے ذریعہ سے اس شخص کی طرف پہونچاتا ہے
جسکو وہ مخلوق کی مصلحت کے واسطے قائم کرتا ہے حضرت سلیمان علیہ السلام کے انگشتری کی نسبت جو لوگ کہتے
ہیں کہ اس کے نیچے کچھ مدفون تھا یہ بات بالکل غلط ہے

اور اب اس زمانہ میں ملک مغرب میں ایسے لوگ ہیں جو طلسمات اور عزائم کے ذریعہ سے جنات سے
خدمت لیتے ہیں اور مجوسی لوگ بخورات کے ذریعہ سے کواکب کا کلام سنتے اور ان سے گفتگو کرتے ہیں اور
کوئی شخص اس بات کا انکار کرے کہ کواکب کسی سے بات نہیں کرتے تو سکتا ہے یہ کہنا غلط ہے کیونکہ اس
بات پر اجماع ہو گیا ہے کہ کواکب ذی قوم غیر فانی اور زندہ جاننے والے اور ارادہ کرنے والے ہیں اور فرشتے

۱ یعنے علم نجوم کے جاننے والے ہر شخص کی صورت حرکت کر اس کی وہ حالات معلوم کرتے تھے جو تم کو معلوم نہیں ۱۲

بنی لفظوں کے واسطے توریت نہ دی گئی تھیں ان کے اسرار منکشف کرتے تھے۔

یہ لوگ (یعنی فلاسفہ) کہتے ہیں کہ بطلیموس آسمان کے فرشتوں سے باتیں کرتا تھا پس جب کہ تمہارے اندر اس کے سوا اور کوئی شخص اس مرتبہ کا نہیں ہے تو ایسے ہی ہمارے ہاں حضرت محمد مصطفے اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا اور کوئی شخص نہیں ہے ان کی نعایت ایسی ہی سمجھنی چاہیے جیسے بطلیموس کی اور چونکہ رمزوں کو ان کے لوگ ہی سمجھتے ہیں اس واسطے یہ مطلب بھی رمز ہی میں رکھے گئے تاکہ ان کے سمجھنے والے کم ہوں۔

اور جب تم اپنے نفس کو ان مقامات کی سیر کراؤ تو اس کی پاک خودی ہے کمال علوم اور کمالات کے ساتھ آراستہ کر کے پھر دیکھو کہ اسی وقت اس کی عقل کا آدم اور اس کے عقل کا نوح صفا یقین کے جہاز پر ظاہر ہوگا اور عقل کا موسیٰ جہاز کے اوپر سے خطاب سنے گا کہ جب دنیا کی تجلی ... عالمان بے شک میں خدا ہوں پروردگار تمام مخلوق کا۔

تیرے ہی اندر ایسا ہے کہ تیرے کو عقل ہے اور تجھ سے فرشتے ہیں اگر تو سمجھتا ہے قلب پروردگار کا مکان ہے اور یہی عرش جلال ہے اور اس میں فرشتے نازل ہوتے ہیں اور یہی رحمت کا جائے نزول ہے پس جس وقت اس میں کہ تیری بیداری کا نور ظاہر ہو تو اس کو جبریل عقل کے وعظ کے ساتھ مسخر کر تاکہ اس کے حکم سے تیری سلامتی کا سلطان ظاہر ہو کر نفس کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر شہوات کے اہل وغیرہ بند کرے اور جنوں کو قید میں رکھے اور بلقیس نفس کا تخت حاضر کرے اے شخص افسوس ہے کہ تو جب شہوات اور حب دنیا کے اندر پھنسا ہوا ہے تیری خواہش سے ڈر کیونکہ کوئی شیطان نہیں ہے تیرے اطراف کے فرشتوں یعنی ہاتھوں پیروں وغیرہ کا سجدہ تیرے نفس کے آدم مقصود کے واسطے کر جو مقام قرب سے تیرے جسم خاکی تنگ و کثیف میں قید ہوئی ہے۔

علماء کو اس بات پر اتفاق ہے کہ جس گھر میں کتا یا تصویر ہو اس مکان میں فرشتوں کا نزول کم واقع ہوتا ہے اور جاننا کہ تیرے بدن کے مکان میں دس کتے موجود ہیں اس واسطے تجھ کو ان کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اور وہ دس کتے یہ ہیں۔ حرص۔ امید۔ جھوٹ۔ بخل۔ لالچ۔ ریا۔ نفاق۔ حقد۔ حسد۔ تہمت۔ چغلخوری کی بہن یہ سب تیرے دشمن ہیں اور ان سے غافل ہے تو انبیاء علیہم السلام کے مناقب میں عیب لگانا چاہتا ہے کیا تو نے نہیں سنا کہ رسول علیہ السلام نے کیا فرمایا ہے

قیامت کے روز بہت لوگ خنزیروں اور بندروں اور کتوں کی صورت پر محشور کیے جائیں گے اور یہ صورت کا مسخ ہونا جہالت کے سبب سے ہے اور تجھ کو اختیار ہے کہ چاہے فرشتہ بنے یا شیطان بنے یہ سارا معاملہ تیری ہمت پر موقوف ہے۔ اور جب تو کشف اسرار کے ساتھ انتہا در کمال پہنچا ہے تو جان لے کہ سراندیپ کا معما سامنے آ جاتا ہے۔ اور اگر تجھ کو طلسمات کی ترکیبیں معلوم کرنی ہیں تو جابر بن حیان کی کتب کا مطالعہ کر یہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بہت بڑے خلیفہ تھے اور جفر و کہانت میں انہوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ اور ان دو سانپوں کی حکایت بھی تو نے سنی ہے جو تخت سلیمان کے محافظ تھے اور بلوقیا اور عفان سیر کرتے ہوئے وہاں پہنچے تھے اور جب کہ قرآن شریف نے تجھ سے بیان کیا ہے کہ ذوالقرنین نے مطلع شمس سے مغرب تک سفر کیا تو بس چاہیے کہ تیری ہمت عالی بھی مقام علم کے ساتھ طبیعت کی ظلمت میں سفر کرے تاکہ آفتاب یقین اس پر روشن و تاباں ہو اور تو تمام زمین جسم کا مالک ہو جائے اور دریائے طبیعت میں غوطے لگا کر جواہرات قدس حاصل کرے اور اگر تیرے قلب پر طبیعت کی سد قائم ہے تو [illegible] کے یاجوج و ماجوج شہوتوں کے پہلے سے ظاہر ہوں گے۔ کہف تیرا جسم ہے اور اصحاب اس کہف کے تیرے [illegible] ہیں۔ اور تیری عمر ان کا تیرا آنا ہے اور قلم ان سب باتوں کو لکھ کر خشک ہو گیا ہے جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔

فصل

تمام بے واسطے نبوت اور رسالت اور کرامت اور معجزات اور تمام تجلیات کے مرتبے ہیں وہ نبی جو اپنی ذات کے واسطے تھے مثل حضرت یحییٰ اور خضر علیہما السلام کے ہیں اور رسول وہ نبی ہیں جو احکام وحی کے ساتھ دوسروں کو حکم کرتے ہیں اور معجزات وہ باتیں ہیں جو انبیاء سے خلاف عادت ظہور میں آئیں۔ اور دوسرا کوئی شخص انکو نہ کر سکتا ہو۔ مثلاً قمر کا شق ہونا اور پتھر سے باتیں کرنی اور درخت اور جانوروں کا سجدہ کرنا وغیرہ اور ان کے اصول معرفت اور اسرار ان کے پوشیدہ ہیں اور کرامات بھی مثل معجزات نبی کے ہیں۔ بلکہ جس نبی کی امت سے کرامت ظاہر ہوتی ہے یہ کرامت ان نبی کا معجزہ ہے اور معجزہ کے ظاہر کرنے کا اور کرامت کے پوشیدہ رکھنے کا حکم ہے اور کرامت اختیار اور بغیر اختیار دونوں حالتوں میں پیدا ہوتی ہے اور تسخیرات کا طریقہ مشہور ہے۔ مثلاً پانی سے چراغ روشن کرنا اور بغیر کسی کے مسدود دروازوں میں کر دینا اور بعض لوگ ان میں ایسے ہیں جو ایک ان کے کہیں بات بتا دیتے

نصائح امام غزالی
یعنی
اَیُّہَا الوَلَد

فہرست مضامین

تعارف کتاب

معلوم ہو کہ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں میں سے ایک شاگرد جس نے امام غزالیؒ کے پاس رہ کر کئی سال علم حاصل کیا اور تمام علوم سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اس کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا کہ میں نے کئی سال اپنے دل کو مار کر بہت علم حاصل کیا جس میں تقریباً ہر قسم کا علم شامل ہے۔ اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ ان علوم میں سے کونسا علم میرا مددگار ہوگا، قبر کو روشن کریگا۔ اور قیامت کے روز مجھے فائدہ پہنچائے گا اور کونسا علم مجھے فائدہ نہیں پہنچا سکے گا تا کہ میں ایسے علم سے کنارہ کشی کرلوں۔ اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے علم سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگی اور فرمایا ہے:

«اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ عِلْمٍ لَا یَنْفَعُ»

یعنی میں اللہ سے ایسے علم کی پناہ چاہتا ہوں جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔

یہ شاگرد کچھ روز اس انداز سے سوچتا رہا اور آخر معلوم کرنے کی نیت سے تمام حقیقت اپنے استاد امام محمد غزالی کو لکھ بھیجی اور مزید کچھ دوسرے مسائل بھی پوچھے اور ان سے عرض کی کہ مجھے کوئی نصیحت بھی فرمائیں اور یہ بھی عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی دعا بتادیں جسے میں ہمیشہ پڑھتا رہوں۔ اس نے اپنے خط میں یہ بھی بتایا کہ حالانکہ امام غزالیؒ نے اس سلسلے میں کتنی ہی کتابیں لکھی ہیں مثلاً احیاء العلوم، کیمیائے سعادت، جواہر القرآن، اربعین، منہاج العابدین وغیرہ۔ لیکن اس ناتواں کو ایسی چیز کی ضرورت ہے جو ہمیشہ پڑھے اور اس پر عمل کرے۔ اس پر امام غزالیؒ نے یہ نصیحت لکھ کر جواباً شاگرد کو بھیجی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ

مُحِبِّیْهِ وَذُرِّیَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ ۔

اے پیارے بیٹے اور سچے دوست! اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی اطاعت و بندگی کرنے کے لئے بڑی عمر عطا فرمائے اور محبوب بزرگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام نصیحتوں کا سرچشمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اس لیے تمام نصیحتوں کا منشور آپ کی احادیث اور سنت پر مشتمل ہے۔ ہر وہ نصیحت جو حدیث اور سنت کے خلاف ہے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔ بے شمار نصیحت نامے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ اور سنت کی روشنی میں لکھے اور بیان کیے گئے ہیں ان سے اگر تجھ کو نصیحت پہنچی ہے تو پھر میری کسی نصیحت کی ضرورت نہیں۔ لیکن اگر تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں میں سے کوئی نصیحت نہیں پہنچی تو مجھے بتا کہ اتنے سال تک تو نے کونسا علم حاصل کیا؟ بیٹے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں کی ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ:-

عَلَامَةُ إِعْرَاضِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالُهٗ بِمَا لَا يَعْنِيْهِ وَاِنَّ امْرَأً ذَهَبَتْ سَاعَةٌ مِّنْ عُمُرِهٖ فِيْ غَيْرِ مَا خُلِقَ لَهٗ لَحَرِيٌّ اَنْ يَّطُوْلَ عَلَيْهِ حَسْرَتُهٗ ۔

ترجمہ: بندے کا غیر مفید کاموں میں مشغول ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف سے اپنی نظرِ عنایت پھیر لی ہے۔ اور جس کام کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس کے سوا کسی اور کام میں ایک لمحہ بھی صرف ہوا تو یہ بڑی حسرت کی بات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

مَنْ جَاوَزَ الْاَرْبَعِيْنَ سَنَةً وَلَمْ يَغْلِبْ خَيْرُهٗ عَلٰى شَرِّهٖ فَلْيَتَجَهَّزْ اِلَى النَّارِ ۔

ترجمہ: جس شخص کا سن چالیس سال کی عمر کے بعد بھی یہ ہو کہ اس کی برائی اس پر

ترجمہ :۔ انسان کو کوشش کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا۔

اس سے ثابت ہوا کہ انسان کوشش کر کے ہی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔
بیٹے! مجھے علم ہے کہ تو نے پڑھا ہوگا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ لیکن
منسوخ وہ شخص ہے جس نے یہ بیان کی ہے۔ اے بیٹے! میں نے فرض کیا
کہ یہ آیت منسوخ ہے لیکن ان دو آیتوں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ
شَرًّا یَّرَهٗ۔

ترجمہ :۔ پس جس نے ذرہ بھر بھی نیکی کی ہوگی (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا
اور جس نے ذرہ بھر بھی گناہ کیا ہوگا (قیامت میں) اسے وہ دیکھے گا۔

فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا۔

ترجمہ :۔ پس جو اپنے رب سے ملنے کی امید رکھتا ہے اسے چاہیے کہ نیک کام کرے۔

وَلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا۔

ترجمہ : اور کسی دوسرے کو اپنے رب کی عبادت میں شریک نہیں کرتا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ
الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۙ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا۔

ترجمہ : بیشک وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے، اچھے کام کئے، ان کے لئے جنت
الفردوس مہمانداری کے طور پر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

پھر دوسری جگہ پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا۔

ترجمہ : سوائے اُن لوگوں کے کہ جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔

اور ان احادیث مبارکہ کے بارے میں تو کیا کہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ شَهَادَةِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ

إِقَامُ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءُ الزَّكٰوةِ وَصَوْمُ شَهْرِ رَمَضَانَ
وَحَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا۔

ترجمہ: اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے اول شہادت دینا کہ اللہ ایک ہے اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے رسول ہیں، دوسرے نماز قائم کرنا تیسرے مال کی زکوٰۃ دینا، چوتھے ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں استطاعت ہو تو حج کرنا۔

اَلْإِيْمَانُ إِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْجَنَانِ وَعَمَلٌ بِالْأَرْكَانِ۔

ترجمہ: ایمان زبان سے قبول کرنے اور دل سے ماننے اور ارکان پر عمل کرنے کو کہتے ہیں۔

یہ حقیقت بیان کر کے اگر دل میں خیال پیدا ہو کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نہیں بلکہ اپنے اعمال کے ذریعے جنت میں جائے گا تو یہ سمجھ لے کہ تو نے میری بات نہیں سمجھی۔ تجھے معلوم ہونا چاہیئے کہ میں یہ نہیں کہہ رہا۔ بلکہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور رحمت سے جنت میں جائے گا۔ لیکن جب تک بندہ اپنی اطاعت و بندگی سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت کے لائق نہیں بن جائے گا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب نہ ہوگی۔ یہ حقیقت میں نہیں کہہ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

إِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیکوکاروں کے قریب ہے۔

مطلب یہ کہ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کی رحمت نہ ہو تو پھر وہ جنت میں کیسے جائے گا۔ میں بھی یہ بات دہراتا ہوں کہ (خدا کی رحمت کے بغیر) بندہ جنت میں کیسے جائے گا۔ لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ بندہ ایمان کے ذریعے جنت میں داخل ہوگا پھر تو سامنے مشکل وادیاں ہیں۔ جن میں پہلا مشکل مرحلہ ہے ایمان کو بسلامت ساتھ لے جانا۔

اے بیٹے! تجھے یقین ہونا چاہیئے کہ جب تک عمل نہ کرے گا اس وقت تک

مزدوری نہ ملے گی۔ بنی اسرائیل کا ایک شخص اللہ کی بہت عبادت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لئے اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے کہا کہ خداوند قدوس فرماتا ہے کہ تو یہ تکلیف بلا ضرورت کرتا ہے تیری عبادت قبول نہیں اور تو دوزخ میں جائے گا۔ فرشتے کا پیغام سن کر اس نیک مرد نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں عبادت کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمارا کام اس کی بندگی کرنا ہے اور وہ مالک مختار والا ہے۔ پھر یہ فرشتہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے پروردگار! تو اس کائنات کے راز اور بھید سے واقف ہے اور تیرے عبادت گذار بندے نے جو جواب دیا ہے وہ بھی تو جانتا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ بندہ ہماری بندگی سے منہ نہیں موڑتا تو ہم بھی اس سے منہ نہیں موڑیں گے۔

اِشْهَدُوْا یَا مَلَائِكَتِیْ اَنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَهٗ۔

ترجمہ: اے میرے فرشتو! تم سب شاہد رہنا کہ میں نے اُسے بخش دیا۔

اے بیٹا! سُن کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کیا فرماتے ہیں:۔

حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا۔ وَزِنُوْا قَبْلَ اَنْ تُوْزَنُوْا

ترجمہ: قیامت کے دن تم سے حساب لیا جائے اس سے پہلے تم اپنے آپ (نفس) سے حساب لے لو تمہارے (ترازو میں) عمل تولے جائیں اس سے پہلے تم اپنے (اعمال کی) تول کر لو۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِدُوْنِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَمَنٍّ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّهٗ بِبَذْلِ الْجُهْدِ يَصِلُ فَهُوَ مُتَعَنٍّ۔

ترجمہ: جو شخص یہ سمجھے کہ میں اعمال کے بغیر ہی جنت میں پہنچ جاؤں گا۔ ایسا شخص گمراہ ہے اور جو یہ سمجھا کہ صرف کوشش سے ہی جنت میں جاؤں گا تو وہ شخص مشقت میں مشغول ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ:۔

طَلَبُ الْجَنَّةِ بِلَا عَمَلٍ ذَنْبٌ مِّنَ الذُّنُوْبِ۔

ترجمہ: نیک اعمال کے بغیر بہشت کی خواہش کرنا گناہوں میں سے ایک گناہ ہے۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں :۔

اَلْحَقِيْقَةُ تَرْكُ مُلَاحَظَةِ الْعَمَلِ لَا تَرْكُ الْعَمَلِ ۔

ترجمہ : علم کی حقیقت یہ ہے کہ اس پر عمل کرے فریفتہ نہ ہو ، ایسا نہ کرے کہ سرے سے عمل کرنا ہی چھوڑ دے ۔

سرکارِ دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام اقوال سے زیادہ بہتر ، واضح ، پاکیزہ اور عمدہ طریقہ سے فرماتے ہیں کہ :۔

اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَلَى اللّٰهِ الْمَغْفِرَةَ ۔

ترجمہ : عقلمند وہ ہے جس نے اپنے نفس کو اپنے تابع کر لیا اور مرنے کے بعد آخرت کے لئے عمل کیا ، اور بے عقل و احمق وہ ہے جس نے اپنے نفس کو حرص و ہوس و لذات شہوات و خواہشات کا تابع کیا اور خیال یہ ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے ۔ اور بعض روایتوں میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی بخشش کی خواہش کرتا ہے ۔

اے بیٹے ! تو نے راتیں جاگ کر علم کا بار بار ورد کیا اور اس کے مطالعہ کی خاطر اپنے اوپر نیند حرام کی ۔ مجھے علم نہیں ہے کہ اس سے کیا مقصد تھا ۔ اگر تیری نیت دنیا کے فائدے حاصل کرنا اور دنیوی شان و رتبہ حاصل کرنا تھا تو ۔

فَوَيْلٌ لَكَ ثُمَّ وَيْلٌ لَكَ ۔

یعنی : پس تیرے لئے افسوس ہے اور پھر تیرے لئے افسوس ہے ۔

لیکن اگر تیرا مقصد دینِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کو قائم رکھنا اور اخلاق تہذیب اور کسرِ نفسی تھا تو ۔ فَطُوْبٰى لَكَ ثُمَّ طُوْبٰى لَكَ ۔

تو پھر تیرے لئے خوشی اور آفرین ہے اور پھر تیرے لئے خوشی و آفرین ہے ۔

سَهَرُ الْعُيُوْنِ لِغَيْرِ وَجْهِكَ ضَائِعٌ ؛ وَبُكَاؤُهُنَّ لِغَيْرِ فَقْدِكَ بَاطِلٌ

ترجمہ : اے پروردگار ! تیرے دیدار کے علاوہ آنکھوں کا جاگنا بیکار ہے اور تیری

ذات کے علاوہ کسی کے لئے آنکھوں کا رونا باطل ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:۔

عِشْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَيِّتٌ وَأَحْبِبْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ
مُفَارِقُهُ وَاعْمَلْ مَا شِئْتَ فَإِنَّكَ مَجْزِيٌّ بِهِ۔

ترجمہ: (اے انسان) تو اپنی زندگی جیسے چاہے ویسے گذار (مگر خیال رہے) کہ تجھے مرنا ہے، اور جس سے چاہے محبت کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس سے جدا ہونا ہے، اور جیسا چاہے ویسا عمل کر (مگر یہ خیال رکھ) کہ تجھے اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔

تجھے علم، علم الکلام، علم الاخلاق، علم طب، نجوم، عروض، صرف و نحو، لغات کے دیوان اور فنون جنگ وغیرہ پڑھنے میں کیا فائدہ ہوا اور کیا حاصل کیا۔ تو نے عمر ضائع کرنے اور دنیا کی شہرت حاصل کرنے کے علاوہ کونسا فائدہ حاصل کیا۔ میں نے حضرت عیسیٰ کی انجیل میں پڑھا ہے کہ جس وقت میت کو کھوٹے میں رکھتے ہیں اور جب تک اُسے قبر تک لاتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے اس میت سے چالیس سوال کرتا ہے۔ پہلے سوال میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

عَبْدِي قَدْ طَهَّرْتَ مَنْظَرَ الْخَلْقِ سِنِينَ فَهَلْ طَهَّرْتَ
مَنْظَرِي سَاعَةً۔

ترجمہ: اے میرے بندے! تو نے مخلوق کو دکھانے کی غرض سے کتنے ہی سال اپنے آپ کو ظاہری علم سے سنوارا۔ لیکن کیا تو نے میری خاطر ایک ساعت کے لئے بھی اپنا دل صاف کیا؟

بیٹے! ہر روز تیرے دل میں اللہ کی آواز آتی ہے:

عَبْدِي مَا تَصْنَعُ بِغَيْرِي وَأَنْتَ مَحْفُوفٌ بِخَيْرِي۔

ترجمہ: اے میرے بندے! تو دکھاوے اور ریاکاری کے لئے عبادت کیوں کرتا ہے۔ جبکہ خیر اور شر دونوں میرے ہاتھ میں ہیں۔ اس لئے تجھے چاہیے کہ تو سچی نیت سے میری بندگی کرے۔

اے بیٹے! عمل کے بغیر علم پاگل پن ہے اور علم کے بغیر عمل بیکار ہے۔ وہ علم جو آج تجھے گناہ سے دور نہیں رکھتا اور اللہ کی اطاعت کا شوق پیدا نہیں کرتا یاد رکھو یہ کل تجھے دوزخ کی آگ سے نہیں بچائے گا۔ اگر تو آج نیک عمل نہ کریگا اور گزرے ہوئے وقت کا تدارک نہ کرے گا تو قیامت کے دن تو کہے گا۔

فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا۔

ترجمہ: ہمیں واپس (دنیا میں) لوٹا دے تاکہ ہم نیک کام کریں۔

پھر تجھے کہا جائیگا، اے احمق! تو وہیں سے تو آرہا ہے۔

اے بیٹے! تو ہمت پیدا کر اور جسم میں جذبہ پیدا کرنے کیلئے محبت پیدا کر۔ نیک اعمال کے لیے کوشش کر کیونکہ پھر قبر میں جانا ہے جو لوگ کہ تجھ سے پہلے اس میں موجود ہیں وہ ہر لمحے تیرے منتظر ہیں کہ تو کب ان کے پاس پہنچتا ہے۔ خبردار! ثمر (نیک اعمال) کے بغیر ہرگز ان کے پاس مت جانا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

هٰذِهِ الْاَجْسَادُ قَفَسُ الطُّيُوْرِ اَوْ اِصْطَبْلُ الدَّوَابِّ۔

ترجمہ: یہ جسم پرندوں کے پنجرے ہیں یا پھر جانوروں کے طویلے۔

پس سوچ کر تو کس میں سے ہے۔ اگر تو نسلوں والے پرندوں میں ہے اور یہ ارجعی یعنی میری طرف لوٹ آ، کی آواز سنے گا تو پرواز کر کے اونچی جگہ جا بیٹھے گا۔

اِهْتَزَّ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ لِمَوْتِ سَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ

ترجمہ: سعد ابن معاذ کی موت سے عرش خداوندی لرز گیا۔

لیکن خدانخواستہ اگر تو جانوروں میں سے ہے جن کے لئے یہ کہا گیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔

ترجمہ: یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ۔

یقین کر کہ تو اپنا سامان مقام زلویہ سے مقام ہاویہ کی طرف یعنی اس دنیا

سے سیدھا دوزخ کی جانب سے کر پہنچے گا۔ ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ کو ٹھنڈا شربت دیا گیا۔ پیالہ ہاتھ میں لیتے ہی ایک سرد آہ بھری اور بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو لوگوں نے پوچھا آپ کو کیا ہو گیا تھا؟ آپ نے جواب دیا۔

ذَكَرْتُ أُمْنِيَةَ أَهْلِ النَّارِ حِينَ يَقُولُونَ لِأَهْلِ الْجَنَّةِ أَنْ أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ۔

ترجمہ: میں نے دوزخیوں کی اس تمنا کو یاد کیا کہ جب وہ اہل جنت سے کہیں گے کہ ہمیں تھوڑا سا پانی دے دو!

(اے عزیز) اگر تیرے پاس عمل کے بغیر علم کافی ہوتا اور عمل کی ضرورت نہ ہوتی تو صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ یہ کیوں فرماتا۔

هَلْ مِنْ تَائِبٍ، هَلْ مِنْ سَائِلٍ، هَلْ مِنْ مُسْتَغْفِرٍ۔

ترجمہ: ہے کوئی گناہوں سے توبہ کرنے والا، ہے کوئی سوال کرنے والا، ہے کوئی (مجھ سے) اپنی مغفرت کی دعا مانگنے والا۔

پھر تو اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان بیکار ہوتا۔ دراصل صبح صادق کے وقت اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان تو اس لئے ہے۔

كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ۔

ترجمہ: ایسے (بندے) چند ہی ہیں جو رات کے آخری حصے میں تھوڑی سی نیند کرتے ہیں۔

ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی تعریف کر رہی تھی۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نِعْمَ الرَّجُلُ هُوَ لَوْ كَانَ يُصَلِّي بِاللَّيْلِ۔

ترجمہ: وہ ایک اچھا شخص ہے کاش کہ وہ تہجد کی نماز پڑھتا ہوتا۔

ایک روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ میں سے ایک

صحابیؓ سے فرمایا:۔

لَا تُكْثِرِ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَإِنَّ كَثْرَةَ النَّوْمِ بِاللَّيْلِ
تَدَعُ صَاحِبَهُ فَقِيرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

ترجمہ: (اے فلاں) رات کو زیادہ نیند نہ کر کیونکہ رات کو زیادہ سونے والا قیامت کے خالی ہاتھ ہوگا۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ۔

ترجمہ: (اے رسولؐ) اور رات کے حصے میں اُس (اللہ تعالیٰ) کے لئے نماز تہجد ادا کیجئے۔ امر ہے۔

وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ۔

ترجمہ: اور وہ (سچے بندے) صبح صادق کے وقت خدا تعالیٰ سے بخشش طلب کرتے ہیں۔ شکر ہے۔

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ۔

ذکر ہے۔

سرکار دو عالم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تین آوازیں بہت پسند ہیں۔ ایک مرغ سحر کی، دوسری قرآن پاک کی تلاوت کی اور تیسری پچھلی رات میں اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے اور توبہ کرنے والوں کی۔

حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں:۔

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى خَلَقَ رِيحًا تَهُبُّ وَقْتَ الْأَسْحَارِ تَحْمِلُ
الْأَذْكَارَ وَالْاِسْتِغْفَارَ إِلَى الْمَلِكِ الْجَبَّارِ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا پیدا کی جو رات کے پچھلے پہر چلتی ہے اس وقت جو لوگ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں اور خداوند قدوس سے معافی مانگتے ہیں، ان کی آوازیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرتی ہے۔

حضرت سفیان ثوریؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

إِذَا كَانَ أَوَّلُ اللَّيْلِ نَادَى مُنَادٍ مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ لِيَقُمِ الْعَابِدُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ مَا شَاءَ اللهُ ثُمَّ يُنَادِيْ مُنَادٍ فِيْ شَطْرِ اللَّيْلِ أَلَا لِيَقُمِ الْقَانِتُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ إِلَى السَّحَرِ فَإِذَا كَانَ السَّحَرُ يُنَادِيْ مُنَادٍ أَلَا لِيَقُمِ الْمُسْتَغْفِرُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ فَإِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ يُنَادِيْ مُنَادٍ أَلَا لِيَقُمِ الْغَافِلُوْنَ فَيَقُوْمُوْنَ مِنْ فُرُشِهِمْ كَالْمَوْتٰى نُشِرُوْا مِنْ قُبُوْرِهِمْ۔

ترجمہ: رات شروع ہونے پر ایک فرشتہ عرش کے نیچے سے منادی دیتا ہے کہ عبادت گذاروں کو اٹھ جانا چاہیے تو جسے اللہ توفیق دیتا ہے وہ اٹھ کر نماز پڑھتے ہیں۔ پھر آدھی رات کو دوسرا فرشتہ منادی کرتا ہے کہ خدا کے باادب فرمانبرداروں کو اٹھ جانا چاہیے۔ پس وہ اٹھ کر سحر تک نماز پڑھتے ہیں۔ جب سحر ہوتی ہے تو تیسرا فرشتہ آواز دیتا ہے کہ خدا کی مغفرت طلب کرنے والوں کو اٹھ جانا چاہیے۔ پس وہ اٹھ کر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ پھر جب پو پھٹنے کا وقت آتا ہے تو پھر چوتھا فرشتہ صدا لگاتا ہے کہ اے غافلو! اٹھو (دن نکل آیا ہے) پھر یہ لوگ اپنے بستروں سے اس طرح اٹھتے ہیں جیسے مردے قبروں سے اٹھیں گے۔

اے بیٹے! حضرت لقمانؑ کی وصیت میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

يَا بُنَيَّ لَا تَكُوْنَنَّ الدِّيْكُ أَكْيَسَ مِنْكَ فَإِنَّهُ يُنَادِيْ بِالْأَسْحَارِ وَأَنْتَ نَائِمٌ۔

ترجمہ: اے بیٹے! مرغے کو اپنے سے زیادہ عقل مند نہ ہونے دینا، کہیں

ایسا نہ ہو کہ وہ تورات کے پچھلے پہر اُٹھ کر اذانیں دے (یعنی اپنے پروردگار کو یاد کرے) اور تو پڑا سوتا رہے۔

یہ حقیقت اس شعر سے واضح ہو جاتی ہے ؎

لَقَدْ هَتَفَتْ فِي جُنْحِ اللَّيْلِ حَمَامَةٌ　　عَلَىٰ فَنَنٍ وَهْنًا وَإِنِّي لَنَائِمُ
كَذَبْتُ وَبَيْتِ اللّٰهِ لَوْ كُنْتُ عَاشِقًا　　لَمَا سَبَقَتْنِي بِالْبُكَاءِ الْحَمَائِمُ
وَأَزْعُمُ أَنِّي هَائِمٌ ذُو صَبَابَةٍ　　لِرَبِّي وَلَا أَبْكِي وَتَبْكِي الْبَهَائِمُ

یعنی رات کو فاختہ تو شاخ پر بیٹھی پکار رہی ہے اور میں پڑا سو رہا ہوں، (رب) کعبہ کی قسم میں جھوٹا ہوں اگر سچا عاشق ہوتا تو رونے میں فاختائیں مجھ سے سبقت نہ لے جاتیں۔ افسوس! کہ میں تو محبت الٰہی کا مدعی ہو کر آنکھیں تر نہ کروں اور چوپائے روتے رہیں۔

اے بیٹے! ہمارا مقصد ہے کہ تجھے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اطاعت و عبادت کیا چیز ہے؟ اطاعت اور عبادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت کی پیروی یا تابعداری کرنے کو کہتے ہیں، پھر خواہ وہ نیکی کرنے یا بدی سے روکنے کے احکامات ہوں یا قول و فعل کی اتباع ہو۔ یعنی جو کچھ کرے یا نہ کرے، بولے یا نہ بولے، یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات گرامی کے مطابق ہونا چاہئے۔ اگر کچھ بولے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق بول، اگر خاموش رہے تو ان کے حکم کے مطابق خاموش رہ۔ اگر کوئی کام کرے یا نہ کرے تو سب کچھ پیغمبر علیہ السلام کے حکم کے مطابق کر۔ اگر تو کوئی کام کرتا ہے اور وہ تجھے عبادت معلوم ہوتا ہے لیکن وہ کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کی تعمیل کی خاطر نہیں کرتا تو یہ کام عبادت میں شمار نہ ہوگا بلکہ گناہ میں شمار ہوگا۔ خواہ وہ نماز روزہ ہی کیوں نہ ہو۔ تجھے معلوم نہیں ہے کہ اگر کوئی شخص دونوں عیدوں اور ایام تشریق میں روزے رکھے گا تو گنہگار ہوگا، حالانکہ روزے دار کی صورت اختیار کرتا ہے۔

لیکن چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہیں کرتا اس لئے گنہگار ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مکروہ وقت میں یا چرائی ہوئی یا غصب کی ہوئی جگہ پر نماز ادا کرے گا تو وہ آثم یا فاسق اور گنہگار کہلائے گا۔ حالانکہ یہ کام ظاہری طور پر عبادت نظر آتا ہے۔ مگر یہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہیں، اس لئے درست نہیں۔ کوئی شخص اپنی منکوحہ سے مباشرت کرتا ہے تو یہ گناہ نہیں۔ حالانکہ ظاہری طور پر یہ کام خراب نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ فرمان کے مطابق کیا جاتا ہے اس لئے حلال ہے لہذا معلوم ہوا کہ عبادت فرمانبرداری کا دوسرا نام ہے۔

اسی طرح نماز اور روزے بھی اس وقت عبادت میں شمار کئے جاتے ہیں جب وہ فرمان کے مطابق ہوتے ہیں۔ لہذا اے بیٹے! تیرے سارے قول و فعل آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق ہونے چاہئیں۔ یعنی جو کچھ عمل کرے یا گفتگو کرے وہ سب شریعت کے مطابق ہو۔ کیونکہ مخلوق کا علم اور عمل جو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرع کے مطابق نہیں وہ قطعی گمراہ ہے اور حق سے دور رکھتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گزشتہ زمانے کے تمام علوم منسوخ فرمائے۔

پس تجھے جاننا چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے کچھ نہ کر اور یقین کر جو علوم تو نے حاصل کئے ہیں ان سے اللہ تعالیٰ کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ البتہ یہ راستہ تجھے محنت اور مجاہدے سے طے کرنا ہوگا اور اپنی لذات نفس اور خواہشات کو مجاہدے کی تلوار سے کاٹنا ہوگا۔ یہ نفسانی خواہشات صوفیوں کے ڈھونگ اور بیہودگیوں سے ختم نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کو باریک نکتے یعنی فلسفیانہ گہرائیاں اور تاریک اوقات یعنی گناہ آلود زندگی پسند نہیں۔ زبان سے تو فصاحت و بلاغت کے کلمات ادا ہوں لیکن دل میں غفلت و نفس

پرستی ہو تو یہ بڑی بدنصیبی کی نشانی ہے۔
جب تک نفس کی خواہشات کو ریاضت اور مجاہدے کی تلوار سے نہیں کاٹے گا
اس وقت تک تیرے دل میں معرفت کی روشنی پیدا نہیں ہوگی۔

اے بیٹے! تو نے کچھ مسئلے پوچھے ہیں، جن میں سے کچھ تو تقریر و تحریر
میں پوری طرح بیان نہیں ہو سکتے۔ اس منزل تک تو پہنچ گیا تو خود پتہ چل جائیگا۔
عشق کا سبق پڑھایا نہیں جاتا بلکہ خود بخود پیدا ہوتا ہے۔ اگر تو اس منزل تک
پہنچ گیا تو اس کا جاننا "مستحیلات" یعنی ایک حال سے دوسرے حال میں
آنے کے برابر ہے۔ اس لئے عشق، محبت اور ذوق کا دوسرا نام ہے۔ محبت اور
ذوق کو نہ تقریر کے ذریعے بیان کیا جا سکتا ہے اور تحریر کے ذریعے اس کی اصل
روح کو پیش کیا جا سکتا ہے۔ جس طرح مٹھاس، کھٹاس اور تلخی کو کوئی شخص
تقریر اور تحریر کے ذریعے بیان کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اگر
تو اس منزل پر پہنچ گیا تو خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ لیکن اس منزل تک اگر نہ پہنچ
سکا تو پھر اس حقیقت کو تقریر و تحریر کے ذریعے اچھی طرح سے بیان کیا جا سکتا۔

اے بیٹے! تیرے کچھ سوال اسی قسم کے ہیں لیکن جس قدر بھی تحریر و تقریر میں
آ سکتے ہیں، وہ سب میں نے اپنی تصنیف احیاء العلوم الدین اور دوسری کتابوں
میں وضاحت سے بیان کئے ہیں جو کہ تو ان میں پڑھ سکتا ہے البتہ یہاں بھی
انشاء اللہ تعالیٰ کچھ مختصراً بیان کئے جائیں گے۔

دوسرا، تو نے پوچھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے والے کے لئے کیا
چیز واجب ہے۔ تجھے علم ہونا چاہئے کہ پہلی بات یہ ہے کہ اس میں خوف خدا
کا عقیدہ اس درجہ پر موجود ہو کہ اس میں کسی بھی طرح کی بدعت نہ ہو۔ دوسرے
توبۃ النصوح اس طرح کی جانی چاہئے کہ دوبارہ ایسی ذلت کی طرف واپس
نہ لوٹے۔ تیسرے دشمن کو بھی اس حد تک راضی رکھے کہ کسی بھی مخلوق کا حق اس
پر واجب نہ رہے۔ چوتھے شریعت کے علم میں سے اتنا علم حاصل کرنا چاہئے کہ

اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت اور فرمانبرداری کر سکے۔

شریعت کے علم کا اس سے زیادہ جاننا واجب نہیں۔ دوسرے علوم میں سے
بھی اتنا جاننا چاہیے جس سے اس کا چھٹکارا ہو سکے۔ یہ حقیقت تیرے علم
میں ہونی چاہیئے کہ بزرگوں کی حکایات میں آتا ہے کہ شبلیؒ نے فرمایا کہ
میں نے طریقت کے چار سو استادوں کی خدمت کی اور ان استادوں کی
بیان کردہ چار ہزار احادیث میں سے صرف ایک حدیث اختیار کی اور
باقی حدیثوں کو چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ اس ایک حدیث پر غور کیا تو اپنا
چھٹکارا اس حدیث میں پایا۔ مجھے اس حدیث میں علم اولین و آخرین
بیان کیا ہوا نظر آیا۔ وہ حدیث یہ ہے :۔

اِعْمَلْ لِلدُّنْيَا بِقَدْرِ مُقَامِكَ فِيْهَا وَاعْمَلْ لِآخِرَتِكَ بِقَدْرِ
بَقَائِكَ فِيْهَا وَاعْمَلْ لِلّٰهِ بِقَدْرِ حَاجَتِكَ إِلَيْهِ وَاعْمَلْ
لِلنَّارِ بِقَدْرِ صَبْرِكَ عَلَيْهَا۔

ترجمہ: دنیا کے لئے اتنا کام کر جتنا اس میں رہنا ہے اور آخرت کے لئے اتنا
کام کر جتنا تیرا وہاں رہنا مقدر ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کا
محتاج ہے اور دوزخ کے لئے اتنا کام کر جتنا تو اس کی تکالیف پر صبر کر سکے۔

اے بیٹے! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں
کیونکہ زیادہ علم پڑھنا اور حاصل کرنا فرض کفایہ ہے۔ اس دوسری حکایت پر
غور کر تاکہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔

حکایت: کہتے ہیں کہ شقیق بلخی قدس اللہ روحہ کے شاگردوں اور
مریدوں میں سے حاتم اصمؒ بھی ایک شاگرد اور مرید تھے۔ ایک دن شقیقؒ نے
ان سے کہا کہ اے حاتم! تم کتنا عرصہ میری صحبت میں رہے اور میری باتیں
سنتے رہے۔ حاتم اصمؒ نے کہا کہ تینتیس ۳۳ سال۔

شقیقؒ نے کہا کہ اس عرصے میں تو نے مجھ سے کیا فائدہ حاصل کیا؟

حاتم بن اصمؒ نے جواب دیا کہ آٹھ فائدے حاصل کئے ہیں۔ شقیقؒ نے کہا:۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

اے حاتم! میں نے اپنی زندگی تعلیم وتربیت میں گذار دی اور تجھے میرے علم سے آٹھ فائدوں کے علاوہ کچھ حاصل نہ ہوا! حاتمؒ نے کہا اے استاد! اگر سچ پوچھیں تو یہ حقیقت ہے جو میں نے بیان کی ہے مجھے ان سے زیادہ کوئی ضرورت نہیں اور علم سے اتنا فائدہ ہی کافی ہے، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ دنیا وآخرت میں میرا چھٹکارا ان آٹھ فائدوں سے ہوگا۔ شقیق بلخیؒ نے ان سے کہا کہ اے حاتم! اچھا تو بتاؤ کردہ آٹھ فائدے کون سے ہیں؟

حاتم بن اصمؒ کے بیان کردہ فوائد

اے استاد! پہلا فائدہ یہ کہ میں نے اس دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ہر ایک کا ایک محبوب ہے۔ لیکن لوگوں کے یہ محبوب ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی تو موت لانے والی بیماری تک ساتھ دیتے ہیں اور کچھ مرتے دم تک اور کچھ ایسے ہیں جو قبر تک ان کے ساتھ چلتے ہیں اور دفن کے بعد تمام محبوب وہاں سے واپس آ جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی محبوب قبر میں ساتھ نہیں جاتا کہ وہاں اس شخص کی دلبستگی کی غرض سے اس کے ساتھ رہے۔ میں نے غور کیا اور اپنے آپ سے کہا کہ محبوب تو وہی اچھا ہے جو قبر میں بھی ساتھ جائے اور محب کے ساتھ رہے۔ اس کے لئے باعث دلبستگی بنے، اس کی قبر کو روشن کرے اور قیامت اور اس کی منزلوں میں اس کا ساتھی ہو۔ میں نے دیکھا کہ ان خوبیوں والا محبوب صرف میرے اچھے اعمال ہیں۔ اس کے بعد سے میں نے اپنے نیک اعمال کو اپنا محبوب بنا لیا تاکہ یہ میرے ساتھ قبر تک جائے۔ میرے لئے سامان دلبستگی ثابت ہو۔ میری قبر کی روشن قندیل

ہے، قیامت کی منزلوں میں میرے ساتھ ہو اور کبھی بھی مجھ سے الگ نہ ہو۔ شقیق بلخیؒ نے کہا کہ شاباش اے حاتم! تم نے بہت عمدہ بات بتائی ہے اب دوسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس دنیا کے لوگوں پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ ہر کوئی لذات وخواہشات نفس کے پیچھے چل رہا ہے اور اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہے یہ دیکھ کر میں نے اس آیت کریمہ پر غور کیا۔

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔

ترجمہ، جو شخص اپنے پروردگار کا خوف کرے گا اور اپنے نفس کو حرص وہوا سے روکے گا تو اس کے ٹھہرنے کا مقام جنت ہے۔

مجھے یقین ہو گیا کہ قرآن حکیم حق اور اللہ کا کلام سچا ہے۔ پھر اپنے نفس کے خلاف محاذ قائم کیا اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہوا، اسے اپنے سانچے میں ڈھالا اور اس وقت تک اس کی کوئی خواہش پوری نہ کی جب تک کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں سکون نہ آنے لگا۔

شقیق بلخیؒ نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں نیکی کی برکتیں عطا فرمائے۔
اچھا اب تیسرا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! تیسرا فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ ہر شخص نہایت تکلیف اور محنت سے اس فانی دنیا کے مال کو جمع کرنے میں لگا ہوا ہے اور بڑا خوش ہے کہ اس کے پاس بہت سامان ومتاع ہے۔ لیکن جب میں نے قرآن کریم کی اس آیت کریمہ پر غور کیا:

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ۔

ترجمہ: تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ سب فنا ہو جائیگا اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہی باقی رہنے والا ہے۔

تو میں نے جو دنیا میں جمع کیا تھا وہ سب خدا کی راہ میں درویشوں اور فقیروں میں تقسیم کر دیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے پاس بطور امانت جمع رہے اور میرے لئے آخرت کا ثمرہ اور چھٹکارے کا سبب بنے۔

شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تجھے اجر عطا فرمائے تو نے بہت اچھی بات کی اور بہت اچھا کام کیا ہے۔ اچھا اب چوتھا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چوتھا فائدہ یہ کہ میں نے دنیا کے لوگوں کو دیکھا کہ ان میں سے کچھ کا خیال ہے کہ شان و شوکت اور عزت و شرف زیادہ اور بڑے قوم قبیلے سے ہے۔ اس لئے وہ اپنے قبیلے پر فخر کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو سوچتے ہیں کہ شان و شوکت، دولت کی فراوانی، مال اور اہل و عیال سے حاصل ہوتی ہے اس لئے ایسے لوگ اپنی دولت اور اولاد پر فخر کر رہے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی عزت اور شان غصہ دکھانے، مارنے، کوٹنے اور قتل و غارت گری میں سمجھتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جو اپنی فضول خرچی کو شان و شوکت سمجھتے ہیں۔ اس لئے وہ فضول خرچی کو عزت سمجھ کر اس پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن میں نے اس آیت پر غور کیا جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت اور مرتبے والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

لہذا یہ حق اور سچ ہے اور مخلوق کے خیالات باطل اور گمان غلط ہیں۔ اس لئے میں نے تقویٰ کو اختیار کیا تاکہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مرتبے والا شمار کیا جاؤں۔ شقیق بلخیؒ نے کہا کہ اے حاتم! کاش اللہ تعالیٰ تجھ سے راضی ہو۔ تو نے بڑی اچھی بات کی۔ اب پانچواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! پانچواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا وہ ایک دوسرے کی شکایت کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ سب بغض، حسد اور کینے کی وجہ

سے تر رہے ہیں جس کا واحد سبب عظمت وشان، مال ودولت اور علم ہے۔ میں نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر غور کیا جس میں فرمایا گیا ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔

ترجمہ: ہم نے لوگوں کے لیے دنیاکی زندگی میں رزق تقسیم کر دیا ہے۔

پھر سوچا کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے ازل سے ہی مال ومرتبہ کو مقرر فرمایا ہے اور اس میں کسی کو کچھ اختیار نہیں۔ اس لیے کسی سے بھی مقابلہ اور حسد نہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور تقدیر پر راضی رہا اور ساری دنیا کے ساتھ صلح کی۔ شقیق نے فرمایا کہ اے حاتم! سچ کہتے ہو اور ٹھیک کرتے ہو۔ اب چھٹا فائدہ بیان کر۔

اے استاد! چھٹا فائدہ یہ ہے کہ جب میں نے لوگوں پر نگاہ ڈالی تو میں نے دیکھا کہ ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے دوسرے سے دشمنی کر رہا ہے۔ پھر میں نے اس آیت پر غور کیا:

إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا

ترجمہ: بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے پس تم اس کو دشمن سمجھو۔

اس کے بعد یقین کر لیا کہ اللہ کا قول سچا ہے، شیطان اور اس کی پیروی کرنے والوں کے علاوہ کسی سے دشمنی نہ رکھنا چاہیئے۔ اس کے بعد سے شیطان کو اپنا دشمن سمجھا اور اس کے کسی بھی حکم کو نہ مانا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی اطاعت وفرمانبرداری اختیار کی اور اس کے بعد سے اسی کی عبادت اور بندگی اختیار کی۔ سیدھا راستہ صراط مستقیم ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے:

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيْ آدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَّأَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ

ترجمہ: کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں لے لیا تھا کہ اے اولاد آدم! تو ہرگز شیطان کی اطاعت نہ کرنا۔ تحقیق وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری عبادت کرو۔ (کیونکہ) یہ سیدھا راستہ ہے۔

پہچانتو لیں۔
شفیقؒ نے فرمایا اے حاتمؒ! بہت اچھا کام کیا اور بہت اچھی بات بتائی۔ اچھا اب ساتواں فائدہ بیان کر۔

اے استاد! ساتواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا کہ ہر شخص اپنے معاش اور روزی کی تلاش میں سرگرداں ہے اور بے انتہا کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں حلال و حرام کی بھی تمیز نہیں کر رہا بلکہ مشکوک اور حرام کمائی کے حصول کے لئے ذلیل اور خوار ہو رہا ہے۔ پھر میں نے آیت پر غور کیا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا۔

ترجمہ: زمین پر ایسا کوئی جاندار نہیں جس کا رزق اللہ تعالیٰ پر نہیں ہے۔

پھر یقین کیا کہ قرآن حکیم حق اور سچ ہے اور میں بھی اُن جانداروں میں سے ہوں جو کہ زمین پر موجود ہیں۔ بس پھر میں اللہ کی عبادت میں مشغول ہو گیا اور یقین کر لیا کہ وہ مجھے روزی پہنچائے گا کیونکہ اس نے رزق کا وعدہ فرمایا ہے۔

شفیقؒ نے کہا کہ بہت اچھا کیا اور بہت اچھی بات بتائی۔ اچھا اب آٹھواں فائدہ بیان کر۔

حاتمؒ نے کہا آٹھواں فائدہ یہ کہ میں نے لوگوں کو دیکھا تو معلوم ہوا ہر آدمی کا بھروسہ کسی دوسرے پر یا کسی چیز پر ہے۔ کسی کو اپنے مال پر بھروسا ہے۔ کسی کو لوگوں پر بھروسہ ہے۔ لہذا میں نے اس آیت شریفہ پر غور کیا جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:۔

وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ۔

ترجمہ: جس نے اللہ پر توکل کیا اس کے لئے اللہ کافی ہے۔

اس کے بعد میں نے خدائے تعالیٰ عزوجل پر توکل کیا۔

وَھُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ۔

ترجمہ: اور وہی میرے لئے کافی اور بہترین کارساز ہے۔

جب شفیق بلخیؒ نے یہ فائدے سُنے تو کہا کہ اے حاتم! اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق

عطا فرمائے تم نے بہت عمدہ باتیں بتائیں۔ میں نے توریت، انجیل، زبور اور قرآن حمید میں دیکھا کہ یہ چاروں کتابیں ان آٹھ فائدوں کا ذکر کرتی ہیں یعنی چاروں کتابوں نے اپنی تعلیم میں یہ آٹھ فائدے بتائے ہیں اور جس نے بھی ان پر عمل کیا گویا چاروں کتابوں پر عمل کیا۔

اے بیٹے! تجھے ان حکایتوں سے معلوم ہوا کہ تجھے زیادہ علم کی ضرورت نہیں ہے۔

اب واپس اپنے قصے کی طرف آتے ہیں اور رہ طالب، راہ سالک کے لئے اللہ کی راہ میں جو باطنی شرائط ہیں وہ تجھے بتاتا ہوں۔

پانچویں شرط جو کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنے والے سالک کے لئے واجب ہے یہ ہے کہ اس کا ایک شیخ کامل ہونا چاہیے جو اس کی رہنمائی کرے اور اس میں بُرے اخلاق نکال کر ان کی جگہ اچھے اخلاق پیدا کرے۔ تربیت کی مثال بالکل اس طرح ہے کہ جس طرح ایک کسان فصل کی دیکھ بھال کرتے وقت جو بھی گھاس پھوس تا فصل اُگ جاتا ہے اسے فصل سے باہر نکال دیتا ہے۔ اسی طرح کھیت میں جو بھی خود رو گھاس پیدا ہوتے ہیں انہیں وہ جڑ سے نکال باہر پھینکتا ہے۔ پھر وہاں پانی اور کھاد دیتا ہے تاکہ فصل بڑھے اور عمدہ بھی ہو۔ اسی طرح ہر حالت میں اللہ کی راہ پر چلنے والے مسافر کے لئے مرشد کامل کے سوا دوسرا کوئی بھی علاج یا حل نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بندوں کی طرف بھیجا تاکہ آپؐ اللہ کی راہ کی روشن دلیل ثابت ہوں، اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر لائیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو اپنے نائبوں اور خلفاء کو اپنی جگہ مقرر فرمایا تاکہ وہ قیامت تک اللہ تبارک و تعالیٰ کی راہ کی دلیل ہوں۔

لہٰذا سالک کے لئے ایسا شیخ کامل ہونا چاہیے جو کہ اللہ کے راستے پر چلنے کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نائب کی حیثیت سے روشن دلیل ہو۔

شیخ کے اوصاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب جس کو اپنا شیخ بنایا جائے، اس کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ عالم ہو۔ لیکن ہر عالم بھی شیخ کامل نہیں ہوسکتا۔ اس کام کے لائق وہی شخص ہوسکتا ہے جس میں چند مخصوص صفات ہوں۔ یہاں ہم اجمالی طور پر چند اوصاف بیان کرتے ہیں تاکہ ہر بے عمل یا گمراہ شخص شیخ بننے کا دعویٰ نہ کرسکے۔

میں یہ کہتا ہوں کہ شیخ وہی ہوسکتا ہے جو دنیا کی محبت و عزت و مرتبے کی چاہت سے منہ موڑ کر ایسے کامل شیخ سے بیعت کرچکا ہو جس کا سلسلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتا ہو۔ اس شخص نے ہر قسم کی ریاضت کی ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تعمیل کی ہو۔ وہ شخص تھوڑا کھانا کھاتا ہو، تھوڑی نیند کرتا ہو، زیادہ نمازیں پڑھتا ہو، زیادہ روزے رکھتا ہو اور خوب صدقہ و خیرات کرتا ہو، اس کی طبیعت میں تمام اچھے اخلاق ہونے چاہئیں اور صبر، شکر، توکل، یقین، سخاوت، قناعت، امانت، حلم (سنجیدگی) انکساری، فرمانبرداری، سچائی، حیا، وقار، سکون اور اسی قسم کے اور فضائل اس کی سیرت و کردار کا حصہ ہوں۔ اس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار سے ایسا نور اور روشنی حاصل کی ہو جس سے تمام بری خصلتیں مثلاً کنجوسی، حسد، کینہ، جلن، لالچ، دنیا سے اُمید، غصہ اور سرکشی وغیرہ اس میں ختم ہوچکی ہوں اور علم کے سلسلے میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ سوائے اس علم کے جو کہ صرف (مخصوص) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

یہ مذکورہ اوصاف شیخ کامل پیرانِ طریقت کی کچھ نشانیاں ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہونے کے لائق ہیں۔ ایسے شیخوں کی پیروی کرنا صحیح طریقہ ہے۔

شیخ کی اطاعت

ایسے شیخ بڑی مشکل سے ملتے ہیں۔ اگر یہ دولت کسی کو حاصل ہوئی اور یہ توفیق نصیب ہوئی کہ

ایسا کامل شیخ مل جائے اور وہ شیخ اسے اپنے مریدوں میں شامل کرلے تو اس مرید کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کا ظاہری و باطنی ادب کرے۔

ظاہری آداب

ظاہری ادب یہ کہ اس سے بحث مباحثہ نہ کرے اور اگر کوئی مسئلہ پوچھ لے اور اگر کبھی سمجھے کہ شیخ سے بھول ہوگئی تو بھی اس پر اعتراض نہ کرے اُسے چاہیے کہ ہر ایک کے سامنے مصلے پر جا کر نہ کھڑا ہو بلکہ جب نماز کا وقت ہو تو پھر جا کر مصلے پر نماز ادا کرے۔ جب نماز پڑھ کر فارغ ہو تو مصلے لپیٹ دے شیخ کے سامنے ہر نماز کے بعد زیادہ نفل نہ پڑھے اور شیخ کامل جو بھی حکم دے اسے اپنی استطاعت کے مطابق بجا لائے۔

باطنی آداب

باطنی ادب یہ ہے کہ مرشد سے جو کچھ بظاہر سُنے اس کے بارے میں یا شیخ کے قول و فعل کی بابت دل میں ذرا بھی شبہ نہ کرے ورنہ منافق کہلائے گا۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو اُسے چاہیے کہ شیخ کی صحبت سے کنارہ کش ہو جائے جب تک کہ اس کا باطن بھی ظاہر کی طرح نہ ہو جائے۔

چھٹی شرط یہ کہ مرید نفس کی چالبازیوں سے بچے۔ یہ صرف اسی طرح ممکن ہے جب وہ بدکردار اور جاہل لوگوں کی مجلس چھوڑ دے۔ اس طرح اس کے دل سے شیطان کا غلبہ ختم ہو جائیگا اور شیطانی اثرات جڑ سے ختم ہونگے۔ پھر خواہ وہ شیطانی گروہ انسانوں میں سے ہو یا جنوں میں سے۔

ساتویں شرط یہ ہے ہر حال میں مسکینی اور درویشی کو خوشحالی پر ترجیح دے اور نیاز مندی اختیار کرے۔ یہ سات باتیں اللہ تعالیٰ کی راہ پر چلنے والے سالک اور طالب کے لئے ضروری ہیں۔

تصوف کی حقیقت

دوسرے تو نے یہ پوچھا ہے کہ تصوف کیا ہے؟ تصوف دو خصلتوں کا نام ہے: پہلی یہ کہ (بندہ) اللہ کا وفادار ہو، یعنی شریعت پر عمل کرتا ہو، اور دوسری یہ کہ اللہ کی مخلوق سے ہمدردی و بھلائی کرنے والا ہو۔ جس میں شریعت پہ ثابت قدمی اور انسانیت کی فلاح کی خوبیاں ہیں وہ صوفی ہے۔ اللہ سے وفاداری یہ ہے کہ اپنی خوشی کو اللہ کی خاطر قربان کر دے۔ لوگوں سے بھلائی یہ ہے کہ لوگوں سے صرف اپنی غرض کی خاطر تعلقات نہ رکھے اور خود غرضی سے کنارہ کرے۔ بلکہ اپنے آپ کو لوگوں کی بھلائی کے لئے وقف کرے۔ بشرطیکہ یہ بھلائی شریعت کے مطابق ہو۔

بندگی کی حقیقت

دوسرے تو نے پوچھا ہے کہ بندگی کیا ہے؟ عبودیت یا بندگی میں تین باتیں ہیں: پہلی یہ کہ شریعت کے حکم کی حفاظت کرنا، دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ قضا و قدر اور قسمت پہ راضی رہنا۔ تیسری یہ کہ خواہشات اور اختیار کو چھوڑ دینا اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور خواہش پہ خوش رہنا۔

توکل کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ توکل کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ توکل اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے فرمائے ہیں ان پر پختہ یقین ہونا چاہیئے۔ یعنی یہ اعتقاد ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تیری قسمت میں لکھا ہے وہ تجھے ضرور ملے گا، پھر چاہے پوری دنیا اس کو روکنے کی کوشش کرے تب بھی اس کو روکا نہیں جا سکتا۔ لیکن جو کچھ تیری تقدیر میں نہیں لکھا اس کے لئے تو اور سارا جہاں کتنی بھی

کوشش کرے وہ تجھے ہرگز نہیں ملے گا۔

اخلاص کی حقیقت

تو نے یہ بھی پوچھا ہے کہ اخلاص کیا ہے؟ تجھے معلوم ہو کہ اخلاص یا خلوص یہ ہے کہ تیرے سارے کام صرف اللہ (کی رضا) کے لئے ہونے چاہئیں۔ تو جو کچھ بھی کرے وہ دکھانے کے لئے نہ ہونا چاہئے یعنی اچھے کام کرتے وقت تیرا دل لوگوں کی طرف مائل نہ ہو۔ تیرے دل کو نہ لوگوں کی تعریف پر خوش ہونا چاہئے۔ نہ کسی سے شکایت پر رنجیدہ ہونا چاہئے۔ تجھے معلوم ہو کہ ریاکاری لوگوں کی تعریف اور تعظیم سے پیدا ہوتی ہے اور ریاکاری کا علاج یہ ہے کہ تو سارے جہاں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تابع سمجھ اور ساری مخلوق کو کنکروں اور پتھروں کی مانند سمجھ، تجھے یہ سمجھنا چاہئے کہ پتھروں کی یہ طاقت نہیں کہ وہ تجھے رنج و راحت پہنچا سکیں۔ ساری مخلوق کو اگر ایسا سمجھے گا تو پھر تجھے ریاکاری سے نجات مل سکے گی۔ جب تک یہ عقیدہ رکھے گا کہ مخلوق کو دکھ سکھ پہنچانے کی طاقت ہے تو پھر تیرے دل سے ریاکاری ہرگز نہیں نکل سکتی۔

اے بیٹے! تیرے باقی سوال ایسے ہیں جن میں سے کچھ ہماری تصنیف کردہ کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں جو ان میں سے دیکھ لے اور کچھ سوال ایسے ہیں جن کا جواب لکھنا ممنوع ہے تو جو کچھ لکھا گیا ہے اس پر عمل کر تاکہ وہ امور تجھ پر واضح ہو جائیں جو تو ابھی نہیں جانتا۔

اے بیٹے! اس کے بعد جو تجھے مشکل لگے اور سمجھ نہ آئے تو وہ زبانی طور پر دل کی زبان کے علاوہ مجھ سے نہ پوچھ۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ صَبَرُوا حَتَّىٰ تَخْرُجَ إِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔

ترجمہ: اگر وہ لوگ آپ کے از خود باہر آنے تک صبر کرتے تو انہی کے لئے بہتر تھا۔

حضرت خضر علیہ السلام کی نصیحت قبول کر۔

فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰی اُحْدِثَ لَکَ مِنْهُ ذِکْرًا۔

ترجمہ: پھر تم مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا یہاں تک کہ میں خود ہی تم سے اس کا ذکر کردوں۔

جلدی مت کر جب وقت آئیگا تو خود ہی تجھے بتا دیا جائیگا اور دکھا دیا جائے گا۔

سَاُرِیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔

ترجمہ: ہم تمہیں جلدی اپنی نشانیاں دکھائیں گے لہذا (اس سلسلے میں) تم جلدی کی خواہش مت کرو۔

تو وقت سے پہلے مت پوچھ، جب اس کیفیت کو پہنچیگا تو خود نظر آجائے گا۔ تو یہ یقین کر کہ جب تو اس منزل کی طرف دجائے گا، اس وقت تک نہ تو وہاں پہنچے گا نہ دیکھ سکے گا۔

اَوَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا۔

ترجمہ: کیا وہ زمین (ملک) میں گھومے پھرے نہیں ہیں تاکہ وہ (سب کچھ) دیکھ لیتے۔

اے بیٹے! خدا کی قسم اگر تو اپنے دل کو روشن کرے تو یقیناً عجیب وغریب کیفیات نظر آئیں۔ تجھے چاہئے کہ ہر منزل پر جان کی بازی لگادے۔ اس کے علاوہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے شاگردوں میں سے ایک شاگرد سے کتنی اچھی بات کہی ہے۔

اِنْ قَدَرْتَ عَلٰی بَذْلِ الرُّوْحِ فَتَعَالَ وَاِنْ لَّا تَشْتَغِلْ بِتُرَّهَاتِ الصُّوْفِیَّةِ وَالْقَالِ۔

ترجمہ: اگر (اس راہ میں) جان کی بازی لگانے کی ہمت ہے تو آجا (قدم رکھ) ورنہ محض صوفیوں کی خوش کن باتوں میں مت آ۔

اے بیٹے! میں اب آٹھ نصیحتوں پر اپنا قصہ ختم کرتا ہوں۔

آٹھ نصیحتیں

تجھے ان میں سے چار باتیں کرنی ہیں اور چار باتیں نہیں کرنی ہیں تاکہ تیرا علم قیامت کے دن تیرا دشمن نہ بنے۔

پہلے تو وہ چار کام بیان کئے جاتے ہیں جو تجھے کرنے نہیں ہیں۔

۱۔ مناظرہ کا اصول

اول یہ کہ جہاں تک ہو سکے ہر کسی سے مناظرہ نہ کر اور کسی بھی مسئلے پہ بحث نہ کر کیونکہ اس میں بہت سی آفتیں ہیں اور فائدے سے زیادہ نقصان ہے۔ یہ کام تمام بری باتوں مثلاً: ریاکاری، حسد، غرور، کینہ، دشمنی، فخر اور ناز وغیرہ کا سرچشمہ ہے۔ اگر تیرے اور دوسرے شخص کے درمیان کوئی مسئلہ چھڑ جائے اور تیری خواہش ہو کہ حق ظاہر ہو تو اس مسئلے پر بحث کرنے کے لئے تیری نیت کو ٹھیک کہا جائیگا۔ اس سلسلے میں نیک نیتی کی دو علامات ہیں۔

اول یہ کہ اگر تیری زبان سے یا تیرے مخالف کی طرف سے حق ظاہر ہو تو اس میں کوئی فرق نہ کرے۔ یعنی دونوں صورتوں میں راضی رہے کہ بہرحال حق ظاہر ہوا۔

دوسری علامت یہ ہے کہ تو تنہائی میں اس مسئلے پر بحث کرنے کو بہتر سمجھے۔ لیکن اگر تو کسی مسئلے پر بحث کرے اور تجھے یہ یقین ہو کہ تو حق پر ہے اور مخالف صرف بحث کر رہا ہے تو تو خبردار رہ اور اس سے بحث نہ کر اور بات کو وہیں ختم کر دے، ورنہ خواہ مخواہ رنجش پیدا ہوگی اور کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

یہاں میں ایک فائدہ بیان کرتا ہوں۔ تجھے معلوم ہو کہ مسائل کے بارے میں سوال کرنا ایسا ہے گویا دل کے طبیب کے سامنے دل کی بیماری اور اس کے اسباب بیان کرنا۔ نیز اس طبیب کی طرف سے دل کی بیماری کی شفا کے لئے کوشش کرنا

ایسا ہے جیسا اس مسئلے کا جواب دینا۔ تجھے یقین ہونا چاہیے کہ جاہل لوگ ایسے مریض
کی مانند ہیں جن کے دلوں میں مرض ہے اور عالم طبیبوں اور حکیموں کی مانند ہیں۔
ناقص عالم طبابت کے لائق نہیں اور کامل عالم بیماری کا علاج کر سکتا ہے۔ نیز
بیماری کے اسباب بھی معلوم کر سکتا ہے لیکن بیماری اگر غالب آ جائے اور اس
کے اسباب بھی معلوم نہ ہو سکیں تو پھر کسی استاد طبیب سے مشورہ کیا جائے جو
یہ بتا سکے کہ اس بیماری کا کوئی علاج نہیں ہے اور یہ بیماری دوا دارو سے ٹھیک
نہ ہوگی۔ اس قسم کی لاعلاج بیماری کے علاج میں مشغول رہنا وقت ضائع کرنے
کے مترادف ہوگا۔ اب تو سمجھ گیا۔

مریض کی اقسام

جاہل مریض چار قسم کے ہوتے ہیں اور ان چار میں سے ایک کا علاج ممکن
ہے باقی تین لاعلاج ہیں۔

پہلا بیمار وہ ہے جو حسد کی وجہ سے سوال پوچھے یا اعتراض کرے۔ حسد ایک
ایسی مہلک بیماری ہے جس کا علاج نہیں ہے۔ یوں سمجھ کہ تو جو بھی جواب دے گا
وہ خواہ کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو لیکن وہ تجھے اپنا دشمن شمار کرے گا اور اس کی
جلن اور حسد کی آگ اور بھی بھڑکے گی۔ لہٰذا اچھا یہ ہے کہ اس کو جواب نہ دے
کسی شاعر نے اس سلسلے میں اچھا کہا ہے ؎

كُلُّ الْعَدَاوَةِ قَدْ تُرْجٰى اِمَاتَتُهَا
اِلَّا عَدَاوَةَ مَنْ عَادَاكَ مِنْ حَسَدٍ

ترجمہ: ہر قسم کی دشمنی کا ازالہ ہو سکتا ہے مگر جو دشمنی حسد کی وجہ سے ہو اس کا ازالہ
ممکن نہیں ہے۔

لہٰذا اس کا مداوا یہ ہے کہ اس حاسد کو چھوڑ دے تاکہ وہ اسی مرض میں مبتلا رہے۔
فَأَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰى عَنْ ذِكْرِنَا وَلَمْ يُرِدْ اِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

ترجمہ: تو ایسے شخص سے کنارہ کشی اختیار کر جو (حسد کی وجہ سے) ہمارے ذکر سے منہ موڑتا ہے اور دنیا کی زندگی (کی آسائشوں) کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا۔

مریض کی دوسری قسم وہ ہے جس کی بیماری کا سبب اس کی حماقت یا بیوقوفی ہے۔ یہ بیماری لاعلاج ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں (بحکم خدا) مُردوں کو زندہ کرنے میں عاجز نہیں ہوا لیکن احمق اور جاہلوں کا علاج کرنے سے عاجز آگیا۔ جاہل احمق وہ ہے جو علم حاصل کرنے میں بہت کم وقت گزارتا ہے اور علوم عقلیہ یا نقلیہ ابھی شروع ہی نہیں کئے ہیں لیکن ان بڑے عالموں پر اعتراض کرتا ہے جن کی ساری زندگی علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل میں گزری ہے۔ اسے یہ علم نہیں کہ اس کا اعتراض جو کہ خود اُسے اور اپنے جیسے دوسرے لوگوں نیز علماء کو گراں گزرتا ہے۔ اسی طرح بلاشک یہ اعتراض اس بڑے عالم کو بھی گراں گزرتا ہوگا۔ اسے یہ بھی نہیں معلوم کہ اس کا یہ اعتراض جو اس عالم پر کر رہا ہے بیکار اور فضول ہے اور اس بڑے عالم کی فکری گہرائی کو خود اس نے اور دوسرے عالم نے اور ان جیسے دوسرے لوگوں نے سمجھا ہی نہیں ہے۔ بھلا جب وہ اتنا بھی نہیں سوچ سکتا تو یہ اس کی حماقت اور نادانی ہے۔ ایسے شخص سے بھی الگ رہنا چاہئے اور اسے جواب نہیں دینا چاہئے۔

نصیحت بقدر ظرف

تیسرے قسم کا بیمار وہ ہے جو اپنی بیقراری و بے صبر پن کی وجہ سے بزرگوں کی باتیں نہ سمجھے اور اپنی کم عقلی پر بھروسہ کئے رہے اور جو سمجھے اپنے قاعدے کی رو سے سمجھے۔ ایسا شخص بھولا اور بے عقل ہوتا ہے اور اس کا ذہن حقائق دیکھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ ایسے شخص کو بھی جواب دینا ضروری نہیں، کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ أُمِرْنَا أَنْ نُكَلِّمَ النَّاسَ عَلَى قَدْرِ عُقُولِهِمْ

ترجمہ: ہم گروہ انبیاء سے فرمایا گیا ہے کہ لوگوں کو ہم ایسی باتیں بتائیں جو اُن کی عقل کے مطابق ہوں۔

نصیحت کے قابل شخص

چوتھی قسم کا بیمار وہ ہے جو صراطِ مستقیم کا طلب ہو، فرمانبردار ہو، ذکی اور ذہین ہو اور اس میں غصہ، نفس پرستی، حسد اور دولت وجاہ کی خواہش نہ ہو (لہذا) ایسا شخص جو کہ راہ حق اور صحیح طریقے کا متلاشی ہو اور جو سوال پوچھے یا اعتراض کرے وہ حسد کی وجہ سے یا عیب جوئی کی خاطر یا امتحان لینے کی غرض سے نہ کرے ایسا ہی شخص وہ مریض ہے جس کا علاج کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر اس شخص کے سوال کا جواب دینا نہ صرف جائز بلکہ واجب ہے۔

۲، وعظ کی حقیقت

نصیحت یہ ہے کہ تو وعظ اور تقریر کرنے سے بچے، کیونکہ اس میں بڑی آفتیں اور نقصان ہیں۔ اگر سمجھتا ہو کہ تو جو کچھ وعظ کرتا ہے اس پر پہلے خود بھی عمل کر چکا تو یہ بات بھی خیال میں رہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے حق تعالیٰ نے فرمایا تھا۔

یَا ابْنَ مَرْيَمَ عِظْ نَفْسَكَ فَإِنِ اتَّعَظْتَ فَعِظِ النَّاسَ وَإِلَّا فَاسْتَحْيِ مِنِّي۔

ترجمہ: اے فرزند مریم! تم اپنے نفس کو نصیحت کرو پھر اگر اس نے تمہاری نصیحت قبول کر لی تو پھر لوگوں کو نصیحت کرو ورنہ مجھ سے شرماؤ۔

اگر ایسے حالات پیدا ہوں کہ تجھے وعظ کرنا ہی پڑے تو پھر دو باتوں سے بچنا، اوّل یہ کہ اپنے وعظ میں رنگین بیانی، اشارہ و کنایہ، مقفّٰی و مسجع عبارت، دل خوش کن اشعار و ابیات اور خلاف شرع گفتگو (بعض نام نہاد

صوفیوں کے جھوٹ سے پرہیز کرنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ تصنع کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ لیکن (اگر کسی واعظ کا) تکلف یا نمائش حد سے تجاوز کر جائے تو سمجھ لے کہ اس واعظ کا باطن خراب اور دل غافل ہے، کیونکہ وعظ کا مقصد اپنی قابلیت جتانا نہیں بلکہ یہ ہے کہ آخرت کے عذاب کا ذکر کیا جائے۔ اللہ کی بندگی کے سلسلے میں اپنی کوتاہیاں بیان کی جائیں اور فضول کاموں اور ضائع کردہ عمر پر افسوس کیا جائے۔ آخرت کے دشوار گزار مرحلوں کا تذکرہ کیا جائے جو آگے ہمارے راستے میں حائل ہیں۔ اسی طرح ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے گزرنے کا طریقہ، مرتے وقت ملک الموت کا منظر، قبر میں منکر نکیر کے سوال و جواب اور قیامت کی منزلیں اس میں بیان کی جائیں۔ اس کے علاوہ حشر کے میدان میں حساب کتاب کا منظر، میزان میں اعمال کے تولے جانے، پل صراط سے گزرنے اور پار پہنچنے اور روز محشر کی دوسری ہولناکیوں کا نقشہ پیش کیا جائے۔ واعظ کو چاہئے کہ خوف کی یہ تمام باتیں لوگوں کے سامنے بیان کرے اور انہیں ان تمام باتوں سے مطلع کرے۔ اس کے علاوہ مجلس میں بیٹھے لوگوں کو ان کے عیوب و کوتاہیوں کی یاد دلائے تاکہ ان کے دل میں عذاب آخرت کا خوف پیدا ہو اور جس قدر ہو سکے اپنے برباد شدہ وقت پر افسوس کریں اور اس کی تلافی کریں اور جو وقت عبادت کے بغیر گزر گیا ہو اس پر آنسو بہائیں۔ یہ تمام باتیں جو میں نے اوپر بیان کی ہیں وعظ میں بیان کی جائیں۔ مثال کے طور پر اگر کسی کے گھر کے دروازے پر سیلاب کا پانی پہنچ جائے اور نوبت یہ آ جائے کہ گھڑی بھر میں اس کے گھر کو اپنی لپیٹ میں لے کر اس کے بال بچوں کو ڈبو دے گا۔ اس وقت گھر کا مالک اپنے گھر میں شور کرے گا اور کہے گا کہ اے گھر والو! الحذر، الحذر یعنی افسوس افسوس، جلدی بھاگو، سیلاب کا پانی پہنچ گیا ہے۔ ایسے خوفناک وقت میں گھر کا مالک سیلاب کا ذکر ہرگز رنگین عبارات، اشارات و کنایات مقفیٰ، مسجع، مرصع اور ہم وزن کلام یا پر تکلف شاعرانہ رنگین بیانی سے نہیں کرے گا۔

اہلِ مجلس کے سامنے بھی وعظ کی مثالیں اسی طرح (یعنی خود ڈر کر اور دوسروں کو ڈراتے ہوئے) ہونی چاہئیں۔

دوسرے وعظ کرتے وقت اپنے دل میں ایسے خیالات نہ آنے دے کہ لوگ تیرا وعظ سنکر واہ واہ کے نعرے لگائیں اور وجد میں آکر جھومنے لگیں بدمست ہوجائیں یا کپڑے پھاڑیں اور ساری محفل میں شور برپا ہوجائے اور سامعین کہنے لگیں کہ مجلس بہت اچھی منعقد ہوئی اور فلاں نے بہت اچھا وعظ کیا۔ اس قسم کے خیالات ریاکاری میں شامل ہیں اور ایسی بات پہ خوش ہونا تیری کم عقلی ہے۔ دراصل تیری نیت یہ ہونی چاہئے کہ وعظ کے ذریعے خدا کی مخلوق کو دنیا سے آخرت کی طرف بلائے، گناہوں سے بندگی کی طرف لے آئے۔ حرص سے زُہد کی طرف، کنجوسی سے سخاوت کی طرف، ریاکاری سے خلوص کی طرف، تکبر سے انکساری کی طرف، غفلت سے بیداری کی طرف اور غرور سے پرہیزگاری کی طرف بلائے۔ اُن کے دلوں میں آخرت کی محبت پیدا کرتا کہ وہ آخرت کی طرف مائل ہوں۔ اس طرح اُن کے دلوں کو دنیا سے بیزار کرتا کہ دنیا کو اپنا دشمن سمجھیں۔ اسی طرح لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے کرم اور رحمت کے بارے میں تحفظ بیانی کے ذریعے دھوکے میں نہ رکھ بلکہ اُن میں پرہیزگاری اور خدا ترسی پیدا کر اور دیکھ کہ ان کے دل میں وہ کونسی بات ہے جو اللہ کی رضا کے خلاف ہے اور ان کا جھکاؤ کس چیز کی طرف ہے جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف ہے۔ اس کے ساتھ ان کے اخلاق و اعمال پر نظر رکھ تاکہ ان کی بداعمالیاں ختم ہوں اور ان کی بجائے اچھے اخلاق و اعمال پیدا ہوں۔ جن لوگوں پر ڈر اور خوف کا غلبہ ہو ان میں اتنی امید پیدا کر کہ جب وہ تیری مجلس سے اٹھیں تو ان میں کچھ باطنی صفات پیدا ہوچکی ہوں اور ان کا ظاہر بھی تبدیل ہوچکا ہو جو لوگ اللہ کی عبادت میں سست تھے، وہ عبادت کی طرف مائل ہوجائیں اور دل میں شوق بندگی پیدا کریں اور جو لوگ گناہ کے کرنے میں نڈر اور دلیر ہوں ان

میں خوفِ خداوندی پیدا ہو جائے۔ جو وعظ ایسا نہ ہوگا اور واعظ ایسی باتیں نہ بیان کرے گا تو وہ واعظ پر اور سننے والوں کے لئے وبال کا باعث ہے۔ ایسا شخص شیطان ہوتا ہے (جو کہیں نفس کا غلام بن کر یہ خیال کرے کہ وعظ کے ذریعے میں اپنی قابلیت ظاہر کروں اور دنیا کی جاہ و شان حاصل کر لوں) وہ شیطان مخلوقِ خدا کو راہِ راست سے بھٹکاتا ہے، ان کا خون بہاتا ہے اور نہیں وہ انھی ہلاکت میں مبتلا کرتا ہے۔ خلقِ خدا کو چاہیئے کہ ایسے شخص سے دور رہیں۔ ایسے لوگ دین میں جو فساد پھیلاتے ہیں ایسا فساد شیطان بھی نہیں پھیلا سکتا۔ جس شخص میں طاقت ہو کہ ایسے واعظ کو منبر سے اتار سکے، اس پر واجب ہے کہ ایسے لوگوں کو منبر سے کھینچ کر نیچے اتارے وعظ کرنے سے روک دے تاکہ وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی بابت غلط بیانی سے کام نہ لے سکیں۔

۳۔ اُمراء اور بادشاہوں سے دور رہنا

تیسرے کسی بادشاہ، کسی امیر اور حاکم کو سلام نہ کر، ان کی مجلس صحبت اور محفل سے دور رہ بلکہ ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھ کیونکہ انھیں دیکھنے اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں بڑی مصیبتیں پوشیدہ ہیں۔ لیکن اگر کبھی ان کی صحبت کا اتفاق ہو ان کی تعریف سے کنارہ کش رہنا۔

فَإِنَّ اللّٰهَ يَغْضَبُ إِذَا مُدِحَ الْفَاسِقُ وَالظَّالِمُ وَإِذَا مَدَحَ
وَمَنْ دَعَا لِظَّالِمٍ بِطُوْلِ الْبَقَاءِ فَقَدْ أَحَبَّ أَنْ يُعْصَى
اللّٰهُ فِي الْأَرْضِ۔

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے جب کسی فاسق اور ظالم کی تعریف کی جاتی ہے۔ اور جو شخص کسی ظالم کے لئے درازیٔ عمر کی دعا مانگتا ہے تو گویا اس دعا کرنے والے نے یہ پسند کیا کہ وہ اللہ کی زمین پر گنہگار ہو کر جیئے۔

۴۔ حاکموں کے تحفے قبول نہ کرنا

چوتھے یہ کہ حاکموں کے تحائف قبول نہ کرنا چاہئے تجھے معلوم ہو کہ جو دے رہے ہیں وہ حلال مال سے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے مال پر نیت رکھنے سے دین میں نقصان و فساد ہوتا ہے۔ ان کی طرف سے جو مراعات اور انعام ملتا ہے، ان کے ظلم و ستم اور فسق و فجور کو جنم دیتا ہے جو دین کے لئے نقصان کا سبب ہوتا ہے۔ اس سے کم از کم جو خرابی پیدا ہوتی ہے وہ یہ کہ تو ان ظالموں سے محبت کرے گا اور جو بھی کسی شخص سے محبت کرتا ہے وہ اس کے لئے درازیٔ عمر کی دعا کرتا ہے۔ اگر ظالم کی عمر بڑی ہو گی تو ظلم بھی زیادہ جاری رہے گا اور دنیا میں فساد اور خرابی پیدا ہو گی جس سے زیادہ بُری اور کیا بات ہو سکتی ہے؟ خبردار! خبردار! شیطان تجھے گمراہ کرے گا اور تیرے دل میں یہ خیال پیدا کرے گا کہ "بہتر تو یہ ہے کہ ان حاکموں سے روپے لے کر غریبوں میں تقسیم کر کے ان کو آرام پہنچا اور ان کی ضرورت پوری کر" خبردار! کسی بھی جن یا انسانی شیطان سے اس قسم کا مشورہ قبول نہ کرنا اور اُن کے فریب میں آ کر دھوکہ مت کھانا کیونکہ شیطان نے اس طریقے سے کئی لوگوں کا خون بہایا ہے اور ابھی تک خون بہاتا چلا آ رہا ہے۔ اس حقیقت میں کتنی ہی آفتیں پوشیدہ ہیں جو کہ ہم نے اپنی کتاب "احیاء العلوم الدین" میں بیان کی ہیں۔ تو انہیں وہاں تلاش کر سکتا ہے۔

عمل کے قابل چار باتیں

اے بیٹے! (مذکورہ بیان شدہ) چار باتوں سے پرہیز کرنا لیکن جو کام کرنے ہیں وہ بھی چار ہیں اور مناسب ہو گا کہ ان کی پوری حفاظت کرے۔ (وہ یہ ہیں)۔

۱۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کا طریقہ

پہلی بات یہ کہ ہر وہ معاملہ جو تیرے اللہ تعالیٰ کے درمیان ہو اس طرح سمجھ کہ اگر تیرا خریدا ہوا غلام تیرے لئے وہی کرے تو تو غم کرنے کے بجائے اسے پسند کرے اور داد دے اور اس پر کسی طرح غصہ نہ کرے گا۔ اسی طرح تو اپنے غلام یا نوکر کی جو بات اپنے لئے نہ پسند کرے تو تو بھی اپنے پروردگار کی بندگی میں کوئی کوتاہی کرے گا تو تیرا خالق اسے پسند نہ کرے گا۔ یہاں جو حقیقت بیان کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تیرا غلام تیرا بندہ نہیں ہے بلکہ خریدا ہوا ہے لیکن تو اپنے اس حقیقی خالق اور مالک کا بندہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا ہے۔

۲۔ اللہ کے بندوں سے تعلق کا طریقہ

دوسری بات یہ کہ جو معاملہ تیرے اور اللہ کے بندوں کے درمیان ہو اسے اس طرح سمجھ کہ اگر وہ تجھ سے ویسا ہی کریں تو تو اسے پسند کرے اور اس پر رنجیدہ نہ ہو۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے۔

فَلَا يَكْمُلُ إِيْمَانُ عَبْدِيْ حَتّٰى يُحِبَّ لِسَائِرِ النَّاسِ مَا يُحِبُّ بِنَفْسِهِ۔

ترجمہ: میرے بندے کا ایمان ہرگز مکمل نہیں جب تک (وہ) تمام انسانوں کے لئے بھی وہی چیز پسند کرے جو خود اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

۳۔ مطالعہ کی تلقین

تیسرے یہ اگر تو اپنے علم کو بڑھانا چاہتا ہے اور کوئی علمی کتاب پڑھنا چاہتا ہے تو یہ سمجھ کہ اب تیری عمر ایک ہفتے سے زیادہ نہیں۔ اس حالت میں تجھے کس قسم کا علم فائدہ بخشے گا، بس تو اسی علم میں مشغول ہو۔ اگر تجھے خبر ہو کہ

تیری زندگی ایک ہفتے سے زیادہ نہیں ہے تو تُو اس ہفتے میں ایسی علمی کتابیں ہرگز نہ پڑھے گا جن میں تجھے مناظرے، اصول و کلام، مذہب و لغت، صرف و نحو، شعر و عروض، طب و نجوم، غزلوں کے دیوان اور مضمون نویسی یا اسی قسم کی دوسری علمی معلومات حاصل ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تو یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ علوم اب کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ اس لئے پورے ہفتے تو دل کے مراقبے اور اپنے نفس کی صفات پہچاننے میں مشغول ہوگا۔ دنیا سے منہ موڑ کر اپنے دل کو بُری عادتوں سے پاک کرکے اللہ کی محبت اور اخلاق حمیدہ سے سنوار کر اس کی عبادت اور بندگی میں مشغول ہوگا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تو اس ہفتے دن یا رات کو کسی کے پاس نہ جائے حالانکہ یہ امکان بھی نہیں ہے کہ گویا تو اسی دن یا رات میں انتقال کرے گا۔

اے بیٹے! ایک بات سن اور یاد رکھ اور اسے حقیقت سمجھ، اس پر غور کر اور اس پر عمل کر تو یقیناً تیری نجات ہوگی۔ اگر تجھے یہ خبر دی جائے اور کہا جائے کہ اگلے ہفتے بادشاہ تیرے گھر آئے گا تو پھر یقیناً تو یہ پورا ہفتہ سوائے اس کے اور کوئی کام کاج نہیں کرے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ بادشاہ کی نگاہ فلاں جگہ یا چیز پر جائے تو کیوں نہ میں اسے پاک و صاف کر لوں۔ اس طرح تو اپنے گھر کی ہر چیز کو صاف کرے گا، سجائے گا، اس میں تیرا جسم، تیرا لباس، تیرے گھر کے در و دیوار اور فرش وغیرہ آ جاتے ہیں، یہ سب پاک کرے گا۔ اب تو خود سوچ اور سمجھ، میں بھلا اشارے سے آخر کیا سمجھاؤں؟ تو خود عقلمند ہے اس لئے اشارہ کافی۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلَىٰ صُوَرِكُمْ وَلَا إِلَىٰ أَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلَىٰ قُلُوبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا اور نہ تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے بلکہ وہ تمہارے دلوں اور نیتوں کو دیکھتا ہے۔

جب احکم الحاکمین کی نگاہ تیرے دل پر ہے تو پھر تو اپنے دل کو کیوں صاف نہیں کرتا۔ اگر تیری تمنا ہے کہ قلب کے احوال کا علم حاصل کرے تو پھر کتاب "احیاء علوم الدین" اور ہماری دوسری کتابوں کو دیکھ کیونکہ تمام مسلمانوں پر یہ علم حاصل کرنا "فرض عین" ہے اور دوسرا علم "فرض کفایہ" ہے۔ مگر یہ علم اس قدر ہونا چاہیئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور تعمیل کر سکے۔ اگر اللہ تعالیٰ تجھے توفیق عطا فرمائے تو تو یہ علم ضرور حاصل کرنا۔

۴۔ خوراک کا ذخیرہ نہ کرنا

چوتھی بات یہ ہے کہ تو اپنے اہل و عیال کے لیے دنیا کے مال سے ایک سال سے زیادہ کی خوراک جمع کر کے نہ رکھ، کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج مطہرات کے لیے ایک سال کی خوراک جمع کی اور فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ قُوْتَ اٰلِ مُحَمَّدٍ کَفَافًا۔

ترجمہ: اے میرے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی اہل و عیال کی خوراک میں کفایت فرما۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ازواج مطہرات کے لیے خوراک جمع کر کے نہ رکھی تھی بلکہ ایک سال کے لیے صرف خوراک ان ازواج مطہرات کے لیے جمع فرمائی تھی جن کا توکل ضعیف تھا، اور جن امہات المومنین کا یقین پختہ تھا اور توکل مضبوط تھا ان کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دن کے لیے بھی خوراک جمع نہیں فرمائی۔ جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان جیسی دوسری امہات المومنین۔

اے بیٹے! اس رسالے میں میں نے تیرے تمام سوالوں کے جواب دیئے ہیں، اب تجھے چاہیئے کہ ہمت کر کے سب پر عمل کر اور مجھے دعاؤں میں نہ بھلا۔ تو نے یہ بھی چاہا کہ تجھے کوئی دعا لکھ بھیجوں، تو دعائیں تو حدیثوں کی کتب صحاح ستہ،

میں تلاش کر اور یاد کرلے۔ اسی طرح اہل بیت علیہ السلام کے طریقوں میں بھی بہت سی دعائیں آئی ہیں، وہاں تلاش کر، درج ذیل نماز کے بعد خاص طور پر پڑھو۔

اللھم انی اسألک من النعمۃ تمامھا ومن العصمۃ دوامھا ومن الرحمۃ شمولھا ومن العافیۃ حصولھا ومن العیش ارغدہ ومن العمر اسعدہ ومن الاحسان اتمہ ومن الانعام اعمہ ومن الفضل اعذبہ ومن اللطف اقربہ ومن العمل اصلحہ ومن العلم انفعہ ومن الرزق اوسعہ اللھم کن لنا ولا تکن علینا اللھم اختم لنا بالسعادۃ اٰجالنا وحقق بالزیادۃ اٰمالنا واقرن بالعافیۃ غدونا واٰصالنا واجعل الی رحمتک مصیرنا ومآلنا واصبب سجال عفوک علی ذنوبنا ومن علینا باصلاح عیوبنا واجعل التقوی زادنا وفی دینک اجتھادنا وعلیک توکلنا واعتمادنا ثبتنا علی نھج الاستقامۃ واعذنا فی الدنیا من موجبات الندامۃ یوم القیامۃ وخفف عنا ثقل الاوزار وارزقنا عیشۃ الابرار واکفنا واصرف عنا شر الاشرار واعتق رقابنا ورقاب اٰبائنا وامھاتنا من النار والدین والمظالم یا عزیز یا غفار یا کریم یا ستار یا حلیم یا جبار یا عظیم یا قھار یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا اللہ یا رحمن الدنیا ویا رحیم الاٰخرۃ برحمتک یا ارحم الراحمین۔ صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین۔ والحمد للہ رب العالمین۔

ترجمہ : یا الٰہی ! میں تجھ سے تیری نعمتوں کا اِتمام (کثرت) چاہتا ہوں اور پاکیزگی میں سے اس کی ہمیشگی چاہتا ہوں اور رحمت میں سے اس کا شامل ہونا، اور تندرستی میں سے اس کا حاصل ہونا اور رزق میں سے اس کی کشادگی اور زندگی میں سے اُس کی خوشحالی اور عمر میں سے اس کی سعادت اور احسان میں سے اس کی تکمیل اور انعامات میں سے وہ انعام جو سب سے زیادہ عام ہوں اور فضل میں سے وہ فضل جو سب سے زیادہ شیریں ہو اور لطف میں سے وہ لطف جو سب سے زیادہ عنایت والا ہو، اور اعمال میں سے وہ عمل جو سب سے زیادہ اچھا ہو۔ اور علم میں سے سب سے زیادہ فائدے والا علم اور رزق میں سے سب سے زیادہ کشادگی والا رزق چاہتا ہوں۔

یا اللہ ! تو ہمارا ہو جا (یعنی ہمیں فائدے عطا فرما) اور ہمارے اوپر بوجھ نہ ڈال (یعنی ہمیں نقصان کا منہ نہ دکھا) یا اللہ ہماری عاقبت سنوار دے، اور ہمارے اعمال درست فرما دے، ہمارے صبح و شام کو خیر و عافیت سے ہمکنار فرما۔ اور ہمارے گھر اور ہمارے مال و اسباب کو اپنی رحمت سے ہمکنار فرما، اور ہمارے گناہوں اور عیبوں کو اپنی عفو و درگزر کی چادر سے ڈھک دے، اور ہمارے عیبوں کی اصلاح فرما کر ہم پر احسان فرما، اے اللہ ! تیری ہستی پاک پر ہمارا اعتماد اور توکل قائم رکھ۔

اے ہمارے پروردگار ! تو ہمیں دین میں استقامت اور ثابت قدمی عطا فرما۔ تو ہمیں دنیا میں ایسے کاموں سے اپنی پناہ میں رکھ جو قیامت میں شرمندگی اور ندامت کا سبب بنیں، اور ہمارے گناہوں کا بوجھ (ہم پر) ہلکا کر، اور ہمیں نیک لوگوں والی زندگی عطا فرما، اور تو ہمارے لئے کافی ہو جا۔ اور ہمیں بدکار و غلط کار لوگوں کے شر سے محفوظ فرما، اور تو ہماری گردنیں اور ہمارے آباؤ اجداد کی گردنیں دوزخ کی آگ سے، قرض سے اور ظلم و ستم سے آزاد فرما، اے بڑی عزت والے ! اے بخشنے والے ! اے کریم

اے والے! اے عیبوں کو ڈھکنے والے، اے بردبار اے زور والے! اے عظمت و بزرگی والے! اے قہار! اے اللہ! اے اللہ! اے اللہ! اے دنیا میں مہربانی کرنے والے! اے آخرت میں رحم کرنے والے! اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے! تو اپنی رحمت کے طفیل زیادہ رحم کرنے والا ہے علاوہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ تمام مخلوق میں برگزیدہ ترین ہستی ہیں اور ان کی آل پر اور ان کے تمام صحابہ کرامؓ پر ہمیشہ رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔

تمام تعریف اللہ تبارک و تعالیٰ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

تمت الکتاب بعون الملک الوہاب

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (القرآن)

"اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو (آتشِ دوزخ سے) بچاؤ"

تربیت اولاد کے زرّیں اصول

از

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

ترتیب و تزئین

(مولوی) صدر الدین حسن صاحب امرتسری

فہرست مضامین

فہرست مضامین حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

تربیت اولاد

سخنہائے گفتنی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصاً

مِنْھُمْ عَلٰی سَیِّدِنَا وَنَبِیِّنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدِ نِ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہِ الْبَرَرَۃِ

التُّقٰی وَاَصْحَابِہِ الَّذِیْنَ ھُمْ نُجُوْمُ الْاِھْتِدَاءِ اَمَّا بَعْدُ

برادرانِ اسلام! اسلامی احکام و ہدایات کی رو سے بچوں کی صحیح دینی و دنیوی تعلیم و تربیت کا پورا پورا انتظام کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن افسوس ہے کہ مذہبی لاعلمی و ناواقفیت اور دو سو سال فرنگی حکومت کے تسلط اور اس کے قائم کردہ غلط نظام تمدن کی وجہ سے پیدا شدہ سیاسی، معاشی و اقتصادی مشکلات کی بدولت مسلمان جس طرح تمام دوسرے شعبہائے زندگی میں اسلامی تخیل اور طرزِ عمل سے بہت دور ہو گئے ہیں۔ بالکل اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ تعلیم و تربیت کے معاملہ میں اسلام کے بنیادی اصول اور طریقۂ کار کو چھوڑ کر رفتہ رفتہ ان سے نا آشنا ہوتے چلے جا رہے ہیں یہاں تک کہ نصاب تعلیم، طرزِ تعلیم و تربیت، تعلیمی ماحول، مقاصدِ تعلیم، انتخاب معلمین، غرضیکہ اس سلسلہ کی کوئی کڑی بھی اس وقت پوری طرح اسلامی نقطۂ نظر کے مطابق نہیں ہے۔

خط غلط، انشا غلط، املا غلط

ہست ایں مضموں ز سرتا پا غلط

اب والدین کا فرض ہے کہ وہ معلم کی ہدایتوں پر بچوں سے عمل کرائیں، اور ان کی کڑی نگرانی اور پوری پوری دیکھ بھال رکھیں کہ وہ گھر کے ماحول میں ماں باپ بڑے بھائی بہنوں سے محبت و شفقت کا برتاؤ کریں، کسی وقت کوئی کلمہ جھوٹ اپنی زبان سے نہ نکالیں۔ اس کے سوا ان کے سونے جاگنے، لکھنے پڑھنے، کھانے پینے کے اوقات بالکل مقرر اور منضبط ہوں، اور حقیقت تو یہ ہے کہ انسان چونکہ فطرۃً نمود پسند واقع ہوا ہے اور بچوں کی طبیعت خاص طور پر اپنی صفائی اور پاکیزگی کی وجہ سے ہر بات اور ہر حرکت سے فوری طور پر اثر قبول کرتی ہے۔

اس لئے والدین کو چاہئے کہ اگر وہ اپنے بچوں کو صحیح معنوں میں باایمان، خوش اخلاق اور نیک کردار انسان کی صورت میں دیکھنا چاہتے ہیں تو خود ان کے سامنے تمام دینی و دنیاوی کاموں میں صحیح عملی نمونہ بن کر رہیں، بچہ کو نیکیوں کی خوبیاں اور گناہوں کی برائیاں بتاکر زبانی تعلیم دینے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے چاروں طرف ایسا پاکیزہ ماحول پیدا کر دیا جائے جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہوں، اور وہاں برائیوں کا گزر بھی نہ ہوتا ہو، تاکہ وہ نیکیاں اس لئے اختیار نہ کرے کہ انہیں اختیار کرنے میں اس کا یا اس کے ابنائے جنس کا فائدہ ہے، بلکہ اس لئے کہ انہیں اختیار کرنا اس کی فطرت کا تقاضا اور عین ایمانی فرض ہے۔

مگر نہایت افسوس کا مقام ہے کہ عام طور پر ہمارے گھروں میں ماحول ان خوبیوں سے بالکل خالی ہے اور ان تمام برائیوں اور خرابیوں سے ملوث ہے، جن سے بچوں کو محفوظ رکھنا ان کی صحیح تربیت کی جان ہے۔

موجودہ اسکولوں کی حالت

باقی رہی موجودہ اسکولوں کی حالت، سو آپ جانتے ہیں کہ ان میں کہاں تک ایمان و اسلام کی حقیقت اور ان کے لوازم و فرائض کی تعلیم دی جاتی ہے؟ اور وہ کون سے اخلاق حسنہ اور اعمال صالحہ ہیں، جو بچوں کو ان اسکولوں کے نصاب تعلیم اور معلمین

کی عملی زندگی سے حاصل ہوتے ہیں ۔ اگر ایک طرف کتابیں سراسر اسلام کے حقیقی نظریات کے خلاف ہیں تو دوسری جانب معلمین کا طریق عمل طرز زندگی بھی کوئی اچھا نمونہ پیش نہیں کرتا ۔ اور اگر رفقاء تعلیم یعنی ہم سبق ساتھیوں کو دیکھو تو وہ بھی ذہنی و عملی طور پر اسلامی اعتقادات و معاملات سے قطعاً عاری اور نابلد محض ہوتے ہیں

الغرض یہ ماحول بھی مجموعی طور پر دینی فطرت کے خلاف اور مغربی جاہلیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے ۔ آپ خود غور کریں اور سوچیں کہ ایسے ماحول سے بچے بے دین ، بد اخلاق ، بد کردار ، تصنع باز ، بے ادب و گستاخ ، صاف رو سیاہ دل ، تن آسان اور بے عمل بن کر نہ نکلیں تو کیا بن کر نکلیں ؟ یہ دنیا تو عالم اسباب ہے ، جیسا بیج بویا جائے گا ویسا ہی پھل آئے گا ۔

جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا (القرآن)　　　" اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی برابر ہے ۔

اس تعلیم کا سب سے پہلا کرشمہ جو ظاہر ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ بچہ اپنی عقلمندی اور ہوشیاری کے غرور اور گھمنڈ میں آکر اپنے باپ دادا کو بیوقوف اور غیر مہذب تصور کرنے لگ جاتا ہے ۔ اسی تلخ نتیجہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اکبر مرحوم نے کہا تھا ۔

ہم ایسی سب کتابیں قابل ضبطی سمجھتے ہیں
کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

اسی غلط تعلیمی نظام کی مغربی پالیسی اور اس سے پیدا ہونے والے افسوسناک نتائج پر نظر کرتے ہوئے اقبال مرحوم نے حکومت کے نظریہ و مقصد کی کیا ہی اچھی وضاحت کی تھی ۔

سینہ میں رہے راز ملوکانہ تو بہتر
کرتے نہیں محکوم کو تیغوں سے کبھی زیر

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

بنی اسرائیل کے بچوں کے قتل عام کی فرعونی پالیسی بے شک ظلم کا ایک بدترین نمونہ تھی لیکن نتیجہ کے اعتبار سے اس قدر کامیاب کیسے ہو سکتی تھی، دشمن کا مر جانا بھی ایک گونہ چھٹکارا کا ذریعہ سہی۔ لیکن اس کو زندہ رہنا بایں دشمن کی بجائے دوست بن کر زندہ رہنا اور زندگی کا مشغلہ تسلیم کی دست و بازو کی طرح مدد کرنا اس سے کہیں زیادہ مفید اور منفعت بخش ہے اور اس کا مزید طریقہ ترکیب [illegible] ناکامی کی شہرت کا فائدہ اکبر مرحوم نے کیا خوب کہا ہے ؎

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

میرے بزرگو اور عزیزو! یہ اسی گہری تعلیمی پالیسی کا نتیجہ ہے جو ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان اس تیزابی تعلیم میں منہمک ہو کر رفتہ رفتہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بجائے معیاراتِ مغرب کے ذہنی توہمات و اختراعات اور علمی تلبیسات و تسویلات کو اپنی تحقیق کا معیار اور زندگی کا شعار ٹھہرا کر اسلامی اخلاق و اعمال، اسلامی معاشرت، اسلامی تہذیب و تمدن، اسلامی سیاسیات، اسلامی شعائر غرضیکہ پورے قانونِ الٰہی سے اس قدر بیگانہ ہو گئے ہیں کہ خدا کو بھلانے کے ساتھ ساتھ اپنی صحیح حیثیت، اپنی زندگی کی اصل حقیقت اور اس کی غرض و غایت کو بھی فراموش کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ
أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝
(الحشر)

٭ وہ خدا فراموشی کے مرتکب ہوئے تو خدا نے انہیں خود فراموشی کے عذاب میں مبتلا کر دیا یہی لوگ فاسق ہیں۔

۸

ایسے ہی مغرب زدہ مولوی زادوں کو مخاطب کرتے ہوئے اقبال مرحوم کہتے ہیں ؎

تو ہم مثل من از خود در حجابی
خنک روزے کہ خود را باز یابی
مرا کافر کند اندیشۂ رزق
ترا کافر کند علم کتابی

پس چہ باید کرد اے اخوانِ دیں؟

ایسی نازک حالت میں نہایت ضروری ہے کہ مسلمان خدا کا نام لے کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں، اور اپنی اولاد کی صحیح دینی و دنیاوی تعلیم و تربیت کے لئے ایسے اسلامی مدارس قائم کریں جو تمام غیر اسلامی اثرات سے کلیۃً پاک ہوں جہاں دل و دماغ پر پوری طرح صرف دینِ اسلام کا تسلط اور غلبہ ہو، اسی طرح اپنی ذہنی و عملی اصلاح و درستی سے اپنے گھروں کے ماحول کو بھی پورے طور پر اسلامی رنگ میں رنگیں اور مدارس کی فضا کو بھی ایسی خالص اسلامی فضا بنائیں کہ بچے جدھر بھی جائیں اور جو بھی پڑھیں اس سے انہیں خدا شناسی کا شعور، خود شناسی کا شعور، حق بینی کی فراست اور عمل کی قوت حاصل ہو تاکہ بڑے ہو کر ان کا کوئی کام اور کوئی نقل و حرکت چاہے وہ کوئی شخصی ہو یا قومی، انفرادی ہو یا اجتماعی، اور کوئی معاملہ چاہے معاشی و تجارتی کا ہو یا سیاسی و ریاستی کا اسلام کے حدود و قوانین سے باہر نہ ہو۔

وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ — یہاں تک کہ دین الٰہی بکلی و تمام نافذ ہو جائے

اور یہ کوئی ناممکن امر نہیں ہے، صرف اجتماعی طور پر اپنے دل و دماغ کو ایمان سے روشن کر کے اعضاء و جوارح کو حتی المقدور اسلامی اعمال صالحہ سے آراستہ کرنے کی ضرورت ہے، پھر منزل مقصود پر پہنچنا بالکل یقینی امر ہے، رب العزت جل مجدہٗ فرماتے ہیں۔

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (العنکبوت)

اور وہ لوگ جنہوں نے ہمارے لئے محنت کی
ہم ضرور انہیں اپنے راستوں کی ہدایت دیں گے
(بعض روایات میں ہے کہ)

(یعنی ایسا راستہ کہ منزل مقصود پر پہنچادیں گے اور اللہ تعالیٰ تو مخلص نیکو کاروں کے ساتھ ہی ہوتا ہے)

آخری گذارش

محترم ناظرین! اس کا احساس ضرورت کے ماتحت ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلامی طریق تعلیم و تربیت کے متعلق کتاب و سنت سے چند مختصر اصول و کلیات اور زمانہ حال کی ضروریات کا لحاظ رکھتے ہوئے سلف صالحین بزرگان دین رحمہم اللہ اجمعین کی کتابوں سے ان کے مفید علمی ہدایات اور عملی تجربات ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کرکے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کروں، جو ان کے لئے تربیت اولاد کے سلسلہ میں بصیرت و منفعت کا ذریعہ ہو۔

لیکن بعض مجبوریوں کی وجہ سے ابھی تک مجھے اس اہم خدمت کا موقع نہیں مل سکا، اس لئے اب اپنے اس ارادہ کو آئندہ کے لئے ملتوی کرتے ہوئے فی الحال حضرت امام غزالی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مختصر مگر نہایت ہی مفید اور کارآمد مضمون کا سلیس اردو ترجمہ کرکے اس تمہید کے ساتھ "تربیت اولاد" کے نام سے آپ حضرات کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔

تفہیم و وضاحت کی خاطر جا بجا مضامین کے عنوانات قائم کر دیئے ہیں نیز موقع بموقع مضمون کی مناسبت کے لحاظ سے بعض نئی رواج یافتہ غلطیوں کا ذکر کرکے ان کی اصلاح کی طرف بھی توجہ دلائی ہے۔ اور اصل مضمون کی تائید و تشریح کے لئے حواشی کے ذیل میں مختلف کتابوں سے اخذ کرکے کچھ احادیث بھی مع ترجمہ درج کر دی ہیں جس سے اس مضمون کی افادیت میں ایک معتدبہ اضافہ ہو گیا ہے۔

ضروری عرض داشت

خواہ خود کو نکتہ چینی اور عقلمندی تصور کرتے ہوئے کسی مسئلہ پر اعتراض کرنا یا کسی نصیحت کو محض اس وجہ سے قبول نہ کرنا کہ اس کی وجہ سے نفس سرکش کو رنج ہوتا ہو یا اپنے موجودہ روایتی طرزِ عمل میں کچھ اصلاح و ترمیم یا تبدیلی کرنی پڑتی ہو عقلمندی اور حق طلبی کے خلاف ہے۔ حقیقت ہمیشہ حقیقت ہی رہتی ہے چاہے زمان و مکان میں کتنی ہی تبدیلیاں آجائیں۔ اور نصیحت بہرحال نصیحت ہی ہے چاہے نفس اُسے خوشی سے قبول کرے یا نہ کرے، اور وہ اپنے سابقہ تخیل اور طرزِ عمل کے مطابق ہو یا نہ ہو۔

امید ہے کہ قارئین کرام سرسری نظر کی بجائے غور و فکر سے ان اصول اور قواعد کا مطالعہ فرما کر اپنے بچوں کی تربیت کے سلسلہ میں بہترین نتائج حاصل کر کے مستفید ہوں گے اور میرے لئے بھی دعائے خیر کریں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو لغزش و ہیر پھیر کی آفات سے بچا کر فہم سلیم اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے۔ فقط

عبدک وابن عبدک اللهم

سعید الدین حسن غفرلہ

ترجمہ مضمون

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ

بچوں کی ابتدائی تعلیم و تربیت اور تحسین اخلاق کا بیان

تمہید

بچوں کی تربیت کے لئے مؤثر طریقہ اختیار کرنا نہایت اہم اور ضروری ہے، کیونکہ بچہ والدین کے پاس خدا کی امانت ہے۔ اور اس کا دل ایک عمدہ، صاف اور سادہ آئینہ کی مانند ہے جو بالفعل اگرچہ ہر قسم کے نقش و صورت سے خالی ہے، لیکن ہر طرح کے نقش و اثر کو قبول کرنے کی استعداد رکھتا ہے اور جس چیز کی طرف چاہو مائل کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ اگر اس میں اچھی عادتیں پیدا کی جائیں اور اسے علم پڑھایا جائے تو وہ ایسی ہی عمدہ نشوونما پاکر دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کر لیتا ہے اور اس کے ثواب میں اس کے والدین اور استاد وغیرہ بھی حصہ دار ہو جاتے ہیں، اور اگر اس میں بری عادتیں پیدا کی جائیں اور جانوروں کی طرح بے قید چھوڑا جائے تو وہ بد اخلاق ہو کر تباہ ہو جاتا ہے۔ جس کا وبال گناہ اس کے والی اور سرپرست کی گردن پر پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا　　"اے ایمان والو اپنی جانوں اور اپنے
أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا (الآیۃ)　　اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"

اور جب کہ باپ اپنے بچہ کو دنیا کی آگ سے بچاتا ہے تو بطریق اولیٰ اس پر لازم ہے کہ اُسے آخرت (جہنم) کی آگ سے بچائے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اسے آداب اور تہذیب سکھائے اور محاسن اخلاق کی تعلیم دے اور

بُرے ساتھیوں اور ہم نشینوں سے اس کی حفاظت[1] کرے، اور اس کے دل میں بٹھا دے

---

[1] رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ مَعَالِيَ الْأُمُورِ وَيَكْرَهُ سَفْسَافَهَا فِی الْاُمُورِ۔ الحدیث۔ اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے بلند اور بڑی باتوں کو اور پیچھے ہٹانے اور حقیر کاموں کو ناپسند کرتا ہے۔ واسطے امور کو ناپسند نہیں کرتے۔ (ابن ماجہ بحوالہ طبرانی احیاء جلد ۳ صفحہ ۱۰)

تنبیہ:- جن حضرات کے نونہال گھر سے باہر مدرسوں یا کالجوں میں پڑھتے ہوں اور وہ معلوم کیسے کیسے شریر اور بداخلاق و بدعادت دوستوں کے ساتھ کن کن جگہوں میں کس طرح کی بیہودگیوں میں مشغول رہتے ہیں یا بازاروں میں بدقماشی اور شور و شغب میں لگے رہتے ہیں اور وہ ان کی خبر تک بھی نہیں لیتے، اس حدیث شریف پر غور کر کے اپنے فرائض و نگہداشت کی ادائیگی کی طرف متوجہ ہوں۔ اسی طرح آپ کے صندوق ان کے جیب وغیرہ کی نگرانی رکھیے رہنا چاہیے کہ اس میں کبھی کچھ پیسے ہیں تو تحقیق کرنا چاہیے کہ کہاں سے آئے؟ نیز یہ بھی معلوم کرتے رہنا چاہیے کہ اس کا میل جول اور نشست و برخاست وغیرہ کیسے لڑکوں کے ساتھ ہے؟ اسی طرح کبھی کبھی اس کے جیب، صندوق اور الماری وغیرہ کا جائزہ بھی لیتے رہنا چاہیے کہ کہیں فحش افسانے اور فحش تصاویر تو اس کے پاس موجود نہیں؟ لیکن یہ سارا کام نہایت احتیاط کے ساتھ ایسے غیر محسوس طریقے سے کرنا چاہیے کہ وہ بدگمان نہ ہو بیٹھے۔ آج کل جبکہ ہمارا شہری ماحول انگریزی تہذیب سے متاثر ہو رہا ہے اتنا کہ اس میں فواحش اور بے حیائی کے محرکات عام ہوتے جا رہے ہیں جیسے عام طور پر عورتوں کا بے پردہ پھرنا، ناچ گانوں خصوصاً جھونپڑیوں کی دکانوں پر فلمی ریکارڈ وغیرہ، پر قدم قدم آئینوں کے ساتھ عریاں یا نیم عریاں عورتوں کی تصویروں کا آویزاں ہونا اور گانے بجانے کی کثرت، یہ چیزیں طبعاً بلوغ سے پہلے ہی بچوں کی شہوانی حس کو بیدار کر کے ان کے اخلاق کی تخریب اور جسم و روح کی صحت و صلاحیت کو نقصان پہنچانے کا باعث ہوتی ہیں۔ اس لئے بچوں کو ایسے مقامات کی آمد و رفت اور نشست و برخاست سے محفوظ رکھنا چاہیے۔ (منتظم حسن عفرلہ)

سنگار، زیب و زینت، تن آسانی اور آرام طلبی کی رغبت نہ بیٹھنے دے ورنہ وہ بڑا ہو کر انہی حقیر چیزوں کی طلب اور جستجو میں اپنی عمر عزیز کو ضائع کر کے ہمیشہ کے لئے تباہ ہو جائے گا، بلکہ لازم ہے کہ باپ ابتداء سے اس کی کڑی نگرانی اور دیکھ بھال کرتا رہے۔

حلال غذا کی ضرورت و اہمیت

اور اس کی پرورش کرنے اور اسے دودھ پلانے کیلئے بھی کوئی نیک خو اور دیندار عورت مقرر کرے جو رزقِ حلال کھاتی ہو کیونکہ جو دودھ رزقِ حرام سے پیدا ہوتا ہے اس میں کوئی خیر و برکت نہیں ہوتی بلکہ جب حرام کے دودھ سے بچے کی پرورش ہوتی ہے تو اس کے مایۂ خمیر میں خباثت رچ جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی طبیعت شیطانی کاموں کی طرف مائل ہو جاتی ہے[1] اور جب بچے میں نیکی و بدی کی تمیز کا شعور محسوس ہو تو اس کی نہایت ہی کامل نگہداشت شروع کر دیں اور اس کا اندازہ حیاء کی ابتدائی علامات کے ظہور سے ہوتا ہے، کیونکہ جب وہ اپنی عزت و شرف کو محسوس کر کے شرمانے لگتا ہے اور حیاء کی وجہ سے بعض کاموں کو وہ چھوڑنے لگتا ہے تو یہ صرف اس کی عقل ہی کی ضیاء اور روشنی کا نتیجہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بعض کاموں کو برا اور دوسرے کاموں کے خلاف سمجھ کر ایسے بعض کاموں سے شرماتا ہے اور دوسرے بعض کاموں سے شرم محسوس کرتا ہے اور یہی حیاء[2] کا احساس

---

[1] جن لوگوں کی کمائی میں سود، رشوت، جھوٹے مقدمات کی وکالت، جوا وغیرہ کی آمدنی بھی شامل ہو ان کا اور ان کے بچوں کے اخلاق و اعمال کا کیا حال ہوگا؟ فقط حسن عفی عنہ

[2] حدیث شریف میں حیاء کو ایمان کی شاخ اور گناہوں سے روکنے کا ذریعہ بتایا گیا ہے، ارشاد ہے اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ (کنز العمال عن ابن عمرؓ) نیز ارشاد ہے اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ "جب تجھ کو شرم نہ رہے تو جو چاہے کر" (بخاری عن ابن مسعودؓ)

ہے جو اس پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اور ایک یقینی علامت ہے جو اس کے اعتدالِ اخلاق اور دل کی صفائی پر دلالت کرتی ہے، بلکہ یوں سمجھنا چاہیئے کہ یہ بھلائی برائی کا احساس پیدا کرنے والا شعور قدرت کی طرف سے اس امر کی بشارت ہے کہ وہ بچہ بالغ ہو کر کامل عقل والا ہوگا۔ اس لئے حیادار بچہ کو ہرگز آزاد نہیں چھوڑنا چاہیئے بلکہ اس کی حیاء و تمیز سے مدد لیتے ہوئے اس کی خوب تربیت کرنی چاہیئے۔

آدابِ طعام کا بیان

سب سے پہلے جو بری خواہش بچہ پر غلبہ کرتی ہے وہ زیادہ کھانے کی حرص ہے، اس لئے اس کو کھانا کھانے کے آداب سکھانا نہایت ضروری[1] ہے۔
مثلاً یہ کہ وہ کھانا صرف داہنے ہاتھ سے کھائے، شروع میں بسم اللہ ضرور پڑھے، اپنے سامنے ہی سے کھائے، دوسروں سے پہلے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھائے، کھانے کی طرف دیکھتے ہی نہ لگ جائے، اور نہ ہی کسی کھانے والے پر نظر جمائے، کھانے میں حد سے زیادہ جلدی بھی نہ کرے، اچھی طرح چبا

---

[1] کھانے کے متعلق یہ بنیادی اصول ہمیشہ یاد رکھنے اور عمل کرنے کے قابل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پاک ہے:

نَحْنُ قَوْمٌ لَا نَأْكُلُ حَتّٰى نَجُوْعَ وَاِذَا اَكَلْنَا فَلَا نَشْبَعُ (الحدیث) "ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔"

نیز فرمان نبوی ہے: اَلْمَعِدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ وَالْحِمْيَةُ رَأْسُ كُلِّ دَوَاءٍ وَاَصْلُ كُلِّ دَاءٍ الْبَرَدَةُ (الحدیث) معدہ امراض کا گھر ہے اور پرہیز تمام دواؤں کی اصل ہے اور ہر مرض کی جڑ غذا پر غذا استعمال کرنا ہے۔ ظاہر ہے کہ عادۃً یہ خرابی بچوں میں بہت زیادہ پائی جاتی ہے اس کو چاہیئے کہ بچہ کو ٹھیک طریقے سے مقررہ اوقات پر ہی کھانا کھلائے، فقط

نہ رکھا جائے، لگاتار لقمے منہ میں نہ ڈالے، سالن وغیرہ سے ہاتھ اور کپڑے خراب نہ کرے، بعض اوقات اسے خشک روٹی بھی کھلائی جائے تاکہ وہ سالن کو اس قدر ضروری نہ سمجھے کہ اس کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکے۔

اسی طرح اس کے سامنے زیادہ کھانے کی برائی بیان کی جائے، مثلاً

لے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا سَمِّ اللّٰہَ وَکُلْ بِیَمِیْنِکَ وَکُلْ مِمَّا یَلِیْکَ (بخاری و مسلم) کہ جب کھانا کھانے لگو تو بسم اللہ پڑھو اور دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے آگے سے کھاؤ۔

۲ عن ابی ہریرۃ ان رجلا کان یاکل اکلا کثیرا فاسلم فکان یاکل اکلا قلیلا فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان المؤمن یاکل فی معی واحد والکافر یاکل فی سبعۃ امعاء۔ رواہ البخاری وروی مسلم عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ضافہ ضیف وھو کافر فامر لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشاۃ فحلبت فشرب حلابھا ثم اخری فشربہ ثم اخری فشربہ حتی شرب حلاب سبع شیاہ ثم انہ اصبح فاسلم فامر لہ رسول اللہ

۲ ایک شخص بہت زیادہ کھانا کھایا کرتا تھا پھر مسلمان ہوا تو بہت کم کھایا کرتا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات عرض کی گئی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مومن صرف ایک آنت میں کھاتا ہے اور کافر سات آنتوں میں (بخاری) اور مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص بحالت کفر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اسے بکری کا دودھ پلاؤ۔ چنانچہ اسے ایک بکری کا دودھ پلایا گیا۔ پھر دوسری کا پھر تیسری کا یہاں تک کہ وہ سات بکریوں کا دودھ پی گیا پھر جب صبح ہوئی تو مسلمان ہو گیا۔ آپ نے پھر بکری کا دودھ پلانے کا حکم فرمایا۔ تو اس نے ایک بکری کا دودھ پی لیا۔ آپ نے دوسری کا حکم فرمایا لیکن وہ اس کا

باقی اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

اس طرح کہ زیادہ کھانے والوں کو جانوروں سے تشبیہ دی جائے، اس کے سامنے زیادہ کھانے والے بچوں کی مذمت اور کم کھانے والے تربیت یافتہ بچوں کی تعریف کی جائے اسے کھانے میں ایثار کرنے یعنی اپنے ساتھیوں کی ضرورت کا خیال رکھنے کی طرف پوری توجہ دلائی جائے، کھانے کی کم پرواہ کرنے اور ہر قسم کے سادہ کھانے پر قناعت کرنے کا خوگر بنایا جائے۔

آداب لباس کا بیان

اسی طرح رنگین بھڑکیلے کپڑوں اور ریشمی لباس کی برائی اس کے دل میں بٹھائیں

لہ اس زمانے میں بچوں کی جسمانی صحت کو خراب کرنے کے ساتھ ان کے اخلاق کو تباہ کرنے اور بگاڑنے والی ایک غلطی عام ہوگئی ہے وہ یہ ہے کہ انہیں انار دانہ، ناشتہ ریوڑی چاٹ وغیرہ کھانے کے لئے پیسے دیئے جاتے ہیں اور وہ ہر وقت الا بلا دیکھا دیکھی وقت بے وقت ایسی مضر چیزیں کھاتے ہیں جو انہیں ہر طرح سے نقصان پہنچاتی ہیں، بلکہ انہی پیسوں میں سے بچا کر نمائش بھی کیا کرتے ہیں اس لئے ماں باپ کا فرض ہے کہ حسب حیثیت و ضرورت جو کچھ بھی بچوں کو کھلانا ہو اپنے گھر لا کر کھلا دیا کریں ورنہ جس قدر بچے

باقی آئندہ صفحہ پر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ سے آگے

صلى الله عليه وسلم بشاة فشرب حلابها ثم بأخرى فلم يستتمها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم المؤمن يشرب في معى واحد والكافر يشرب في سبعة أمعاء (مسلم)

تمام دودھ نہ پی سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا مومن صرف ایک آنت میں پیتا ہے اور کافر سات آنتوں میں۔ مطلب یہ ہے کہ مومن کا فریضہ بہت کم کھانا پینا ہے ورنہ آنتیں تو سب کی برابر ہی ہیں۔" فقط حسن غفرلہ

سفید کپڑوں کی محبت و رغبت پیدا کی جائے، اور اسی طرح اس کے ذہن نشین کیا جائے کہ ایسے کپڑے پہننا عورتوں اور ہیجڑوں کا کام ہے اور شریعت مردوں کو اس سے نہایت نفرت ہے، اور ایسی باتیں اسے وقتاً فوقتاً عام طور پر کہی جایا کریں اور ماں باپ وغیرہ کا فرض ہے کہ جب کبھی کسی بچہ کو ریشمی یا رنگین کپڑا پہنے ہوئے دیکھیں تو اس کے سامنے اس کی خوب مذمت کریں اور اس کے دل میں اس کی نفرت بٹھائیں، اور اسے ان تمام بچوں کے میل جول سے محفوظ رکھیں جو خوشحالی اور آرام طلبی اور فاخرہ کپڑے پہننے کے عادی ہوں، اور ہر اس شخص کی صحبت سے بھی اُسے محفوظ رکھیں جو اُسے ایسی مرغوب چیزوں کی باتیں سنائے۔ جو بچہ ابتدائی اٹھان کے وقت (ایسی باتوں میں) آزاد چھوڑا جاتا ہے وہ بڑا ہو کر عام

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ سے آگے

کی دلچسپی بازار سے بڑھتی جائے گی وہ اتنا ہی گھر سے بے نیاز ہوتا جائے گا، اور اسی طرح رفتہ رفتہ اس کے اخلاق و اعمال میں نہایت فتور اور خرابی پیدا ہو جائے گی، اسی طرح چلتے پھرتے مٹھائی یا پھل وغیرہ کھانا یا کھڑے ہو کر پانی وغیرہ پینا خلاف تہذیب ہے اور احادیث میں اس کی ممانعت آئی ہے اس کا بہت خیال رکھنا چاہئے۔ لمؤلفہ

(۱) یعنی خصوصاً سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لئے خاص طور پر منع ہے؛ اس کے متعلق بخاری، مسلم و ترمذی و ابوداؤد میں بہت سی احادیث موجود ہیں، تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ قاعدہ کلیہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام بڑی سہولت اور آسانی کا دین ہے، اس نے لباس کے بارے میں لباس کا کوئی رنگ اور کوئی وضع مقرر نہیں کی ہے اور مختلف ملکوں کے تمام رائج الوقت لباسوں کو جائز رکھا ہے، بشرطیکہ غیر مسلموں سے ان کی امتیازی علامتوں میں مشابہ نہ ہوں، لمؤلفہ۔

شعروشاعری کی بلا

نیز اس کو عشقیہ اشعار اور عاشق مزاج شاعروں سے بھی محفوظ رکھے اور ایسے اوباشوں سے بھی الگ تھلگ رہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اچھا شعر گوئی زندہ دلی اور ظرافت طبع کی علامت ہے کیونکہ یہ بچوں کے دلوں میں فساد اور تباہی کا بیج بونے والی چیزیں ہیں۔

نیکیوں پر ابھارنے اور برائیوں سے روکنے کا طریقہ

پھر جب کبھی بچہ سے کوئی عمدہ خصلت یا قابل تعریف فعل ظاہر ہو تو باپ کو چاہئے اسے شاباش کہے اور ایسا انعام دے جس سے وہ خوش ہو جائے اور لوگوں میں اس کی تعریف کرے، پھر اگر کبھی وہ اس کے خلاف کر بیٹھے تو مناسب ہے کہ

لے شعر کی اچھائی برائی اس کے مضمون کی اچھائی برائی پر موقوف ہے۔ حمد شعر میں باری تعالیٰ اور رسولؐ کی تعریف اولیائے کرام، بزرگان دین کے مناقب، ترغیب آخرت، بے ثباتی دنیا، علم و عقل اور تجربہ کا مضمون ہو تو اچھا ہے ورنہ خراب ہے اور اگر مخرب اخلاق، عشقیہ مضمون ہے جیسا آج کل کے عام زبان زد اشعار کی علامت ہے تو ان سے بچنا چاہئے۔ ایسے اشعار کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے اَلشِّعْرُ مِنْ مَزَامِيرِ إِبْلِيسَ یعنی شعر ابلیس کا منصب ہے۔ نیز ایسے اشعار سے نفرت دلانے کیلئے آپ نے فرمایا ہے: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَاَنْ یَّمْتَلِئَ جَوْفُ رَجُلٍ قَیْحًا یَرِیْهِ خَیْرٌ مِّنْ اَنْ یَّمْتَلِئَ شِعْرًا (متفق علیہ) اگر کسی شخص کا پیٹ پیپ سے بھر جائے جس سے اس کے پھیپھڑے اور جگر کو سخت تکلیف ہو یہ اس سے بہتر ہے کہ کسی شخص کو فحش اشعار یاد ہوں۔ اور یہ قباحت تو صرف ایسے اشعار کی ہے باقی رہا گانا اور غناء سرود وغیرہ وہ بالکل حرام ہے کیونکہ یہ فحش کاری اور بے حیائی کا بڑا موجب ہے اور اس کا زنا و بدکاری سے خاص تعلق ہے، چنانچہ عیاش اور نفس پرست لوگ اس طرف کو زیادہ پسند کرتے ہیں یہ گانا بھی مستانی ہو۔ حدیث پاک میں ہے اَلْغِنَاءُ رُقْیَةُ الزِّنَا۔ گانا زنا کا افسون اور منتر ہے۔ دیکھو مکتوبات شریف حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ دفتر ۲ مکتوب ۱۳ صفحہ ۹۰ فقط ضمن۔

اس سے بے خبری ظاہر کرے نہ تو اس کی بے عزتی اور تذلیل کرے اور نہ ہی اس کی غلطی
کو نمایاں کرے بلکہ اسے یہ بھی معلوم نہ ہونے دے کہ وہ اپنے سامنے اس کا ایسی جرأت کرنا ممکن
بھی سمجھتا ہے، خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ بچہ خود ہی اپنی غلطی کو ڈھانپتا اور چھپانے
کی کوشش کرتا ہو، کیونکہ بسا اوقات کسی غلطی کا اظہار کرنا اس کے زیادہ بیباک ہو جانے
کا باعث ہو جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ وہ اپنا عیب ظاہر ہونے کی بھی پرواہ
نہیں کرتا، اور اگر ایسی عاقلانہ احتیاط کے باوجود دوبارہ ویسی ہی حرکت کرے تو مناسب
ہے کہ اسے تنہائی میں جھڑکا جائے اور اس فعل کی برائی اس پر خوب ظاہر کی جائے اور
کہا جائے کہ خبردار! اس کے بعد ایسی بری حرکت ہرگز نہ کرنا، خدانخواستہ اگر تیری اس
غلطی کا کسی کو پتہ لگ گیا تو تو لوگوں میں رسوا اور بدنام ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ علیٰ ہذا القیاس)

زیادہ جھڑکنے کے نقصانات

لیکن یہ بھی ملحوظ رہے کہ اسے زیادہ نہ جھڑکا جائے کیونکہ اس سے بچہ میں طعن
و ملامت سننے کی عادت اور غلطیوں کا ارتکاب کرنے کی جرأت بڑھتی جاتی ہے
اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے پند و نصیحت کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے۔

اسی طرح باپ پر لازم ہے کہ اس سے بات چیت کرنے میں اپنے رعب اور
ہیبت کو قائم رکھے اور صرف کبھی کبھی ہی جھڑکا کرے، اور ماں کو چاہیے کہ کسی
بات پر ضد کرنے کے موقع پر اسے باپ سے ڈرائے اور بری باتوں سے سختی
کے ساتھ روکے۔

لہ اس میں بھید کی بات یہ ہے جانشین سے روکنے کا مقصد حاصل ہونے کے علاوہ یہ فائدہ
ہے کہ اس طرح اس کے دل میں باپ کا رعب بیٹھ جاتا ہے، جس کی بنا پر اس کی نصیحت
اس کے لئے کارگر ثابت ہوتی ہے، نیز ترغیب میں جھڑکنے کے ہولناک اور بھیانک خوف سے
بھی اسے ڈرانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ فقط حسن غفرلہ

سونے کے آداب و لوازم

اور دن کو سونے[1] سے منع کرے، کیونکہ اس سے سستی پیدا ہوتی ہے لیکن
اسے رات کو سونے سے نہ روکا جائے، لیکن نرم بستر سے بہرحال روکا جائے تاکہ
اس کے اعضا مضبوط ہوں اور بدن بھدّا نہ ہونے پائے جس کی وجہ سے وہ آرام کے
بغیر نہ رہ سکے، بلکہ اسے سخت بستر پر سونے[2] موٹے جھوٹے کپڑے پہننے[3] اور سادہ

۱؎ خصوصاً صبح صادق کے وقت سے سورج بلند ہونے تک سونا نہایت بُرا ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کی نحوست سے رزق میں تنگی آتی ہے اور خیر و برکت نہیں رہتی اور صبح سویرے اٹھنے والوں کے لئے آپ نے دعائے خیر فرمائی ہے کہ:-

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا (الحدیث) — یا اللہ تعالیٰ میری امت کو صبح سویرے اٹھنے میں برکت دے

جو مسلمان حضرت رسولِ اکرمؐ کی اس دعا سے فیضانِ رحمت و برکت حاصل کرنا چاہے وہ صبح سویرے اٹھا کرے۔

۲؎ اور سونے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ شمال کی جانب سر اور قبلہ کی طرف منہ کرکے داہنی طرف کروٹ پر لیٹے، گو اس کے علاوہ اور طرح لیٹنا بھی مباح ہے لیکن قبلہ کی جانب پاؤں پھیلانا ناجائز ہے اور پیٹ کے بل لیٹنا بھی بالکل منع ہے، حدیث شریف میں ہے:

اِنَّھَا ضِجْعَۃٌ یُبْغِضُھَا اللّٰہُ تَعَالٰی — کہ پیٹ کے بل لیٹنا اللہ تعالیٰ کو بہت ہی ناپسند ہے۔

۳؎ کیونکہ مسلمان کو مجاہد اور سپاہی بن کر رہنا چاہیئے، عیاشی اور تن آسانی ٹھیک نہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

مَنْ لَّمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً — جس شخص نے جہاد نہیں کیا اور دل سے اس کے متعلق صلاح بھی نہیں کی وہ جاہلیت و کفر کی موت مرا۔

اور پاکیزہ گفتگو کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسے خود دوسرے بچوں کو کوئی چیز دینے دی جائے، اگر کسی مالدار کا لڑکا ہو تو اسے یوں سمجھایا جائے کہ عزت اور سربلندی دینے میں ہے لینے میں نہیں بلکہ لینا تو کمینہ پن، ذلت اور گداگری ہے۔ اور اگر غریب کا لڑکا ہو تو اسے سکھایا جائے کہ لالچ کرنا اور کسی سے کچھ لینا اپنی توہین اور رسوائی کا باعث ہے اور کتے کی سی خصلت ہے کہ وہ لقمے کے انتظار اور لالچ میں دم ہلاتا رہتا ہے[۱]

اسی طرح بچے کو سونے اور چاندی سے نفرت اور سانپوں اور بچھوؤں سے زیادہ ان کی محبت سے خوف دلاتا رہے، کیونکہ سونے چاندی کی محبت اور طمع بچوں بلکہ بڑوں کو بھی زہروں کی آفت سے زیادہ نقصان پہنچانے والی ہے[۲]

آدابِ مجلس و آدابِ کلام

نیز اسے سکھایا جائے کہ مجلس میں نہ تھوکے، نہ ناک صاف کرے، نہ کسی کے سامنے جمائی لے، نہ کسی کی طرف پیٹھ کرکے[۳] بیٹھے، نہ پیر پر پیر رکھے، اسی طرح اپنی

---

[۱] جو لوگ سربازار بھیک کا کشکول لئے کی طرح کوئی اور کھانے کی چیز دکھا کر جھولیاں کتوں کی طرح پھیلا کر جمع کرتے اور شہیں ادنیٰ چیزوں کے لئے للچاتے، خود چاہے اور ہاتھ پھیلا پھیلا کر مانگتے ہیں سیکھتے ہیں اور پھر اپنی اس عجیب اخلاق اور حرکت شنیعہ کو سخاوت اور تقویٰ تصور کرتے ہیں وہ ذرا اپنی ذہنیت پر غور کریں۔ فقط محمد ظفر

[۲] زیور کی صورت میں استعمال کرنا چوری کے خطرہ سے خالی نہیں، بلکہ بسا اوقات تو جان بھی تلف ہو جاتی ہے اور نقد سکوں کی محبت بھی بچوں کو بہت سی برائیوں اور بیہودگیوں میں مبتلا کر دیتی ہے۔

[۳] اس کی صورت یہ ہے کہ حلقہ کے درمیان کوئی نہ بیٹھے تاکہ پیٹھ نہ ہو۔ حضور پر نور نے فرمایا

مَلْعُوْنٌ عَلٰى لِسَانِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَعَدَ وَسْطَ الْحَلْقَةِ رواه الترمذی وابوداؤد۔

جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اطہر پر وہ شخص ملعون ہے جو حلقہ مجلس کے درمیان بیٹھے۔

ہتھیلی کو تھوڑی کے نیچے رکھ کر یا اپنے سر کو ہاتھ کا سہارا دے کر بھی نہ بیٹھے، کیونکہ یہ سب کاہلی اور سستی کی علامتیں ہیں غرضیکہ اسے بیٹھنے کا طریقہ بھی سکھایا جائے اور زیادہ باتیں کرنے سے روکا جائے اور اچھی طرح ذہن نشین کرا دیا جائے کہ یہ سب بیہودگی کی باتیں ہیں اور ذلیل لوگوں کے بچوں کے کام ہیں۔ نیز[1] سچی ہو یا جھوٹی ہر قسم کی قسم کھانے سے بالکل منع کر دیا جائے تاکہ اسے بچپن ہی سے قسم کھانے کی عادت نہ پڑ جائے اسی طرح گفتگو میں پہل کرنے سے بھی روکا جائے اور اس امر کی عادت ڈالی جائے کہ صرف جواب دینے کے لئے بولا کرے اور وہ بھی صرف بقدر[2] سوال۔ اور جب کوئی شخص اس سے باتیں کر رہا ہو تو اچھی طرح سنے اور اپنے سے بڑے کے لئے اٹھ کر جگہ خالی کرے اور پھر ادب سے اس کے سامنے بیٹھ جائے۔ اسی طرح بچے کو بیہودہ گوئی، فحش کلامی لعن طعن، دشنام دہی گالی گلوچ سے روکے اور ایسی باتیں کرنے والوں کے میل جول سے منع کرے کیونکہ برے ساتھیوں کی بری باتیں بچے پر ضرور اثر ڈال کر رہتی ہیں اور بچوں کی تربیت کا اصل راز تو بچوں کو برے ساتھیوں سے محفوظ رکھنے ہی میں مضمر[3] ہے

---

[1] رب العزت فرماتے ہیں وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ (البقرة) "اللہ تعالیٰ کے نام کو اپنی قسموں کے لئے تختہ مشق نہ بناؤ" اسی طرح خدا کے سوا کسی اور کی قسم کھانے سے بھی منع کر دیا جائے کہ یہ شرک ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ۔ "جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا"

[2] حدیث شریف میں ہے اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ "مصیبت بے جا بولنے کے ساتھ وابستہ ہے" کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

زباں اپنی حد میں ہے بے شک زباں — بڑھے ایک نقطہ تو ہے زیاں

کہے ایک جب سن لے انسان دو — کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

[3] جو حضرات خود اپنے بچوں کو سینما یا دوسری تماشہ گاہوں میں لے جاتے ہیں یا ایسے لڑکوں کے ساتھ جانے دیتے ہیں وہ اپنی غفلت اور کوتاہ اندیشی پر غور کریں۔ فقط حسن غفرلہ

صبر و تحمل

اور یہ بھی ضروری ہے کہ جب بچے کو استاد مارے تو زیادہ چیخے چلائے اور نہ
شور و شغب برپا کرے اور نہ ہی کسی کی سفارش[1] کا سہارا ڈھونڈے بلکہ صبر و تحمل سے کام
لے اور یہ بات سمجھانے کے لئے بچے سے یوں کہا جائے کہ دیکھو صبر کرنا بہادر مردوں کا
طریقہ ہے اور چیخنا چلانا، رونا پیٹنا، نوکروں اور کمینہ لوگوں اور عورتوں کا کام ہے۔

ورزش کی اہمیت و فوائد

نیز اسے پڑھنے کے بعد کسی عمدہ کھیل کی اجازت بھی ضرور[2] دی جائے
جس سے وہ مکتب کی تکان دور کر کے راحت حاصل کر سکے، لیکن اتنا نہ کھیلنے
دیا جائے کہ کھیلنے سے ہی تھک جائے، کیونکہ بچے کو کھیل کود سے کلیۃً روک کر
صرف پڑھنے پڑھانے میں لگائے رکھنا اس کے دل کو مردہ، اس کی ذہانت کو باطل
و ناکارہ اور اس کی زندگی کو مکدر کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ تعلیم سے بالکل ہی
جان چھڑانے کے لئے حیلے اور بہانے تلاش کرنے لگ جاتا ہے۔

نہ تفریط بہتر نہ افراط اچھی توسط کے درجہ میں ہر بات اچھی

---

[1] اس طرح بچے کی قوت برداشت کو ترقی دینا اور اس میں صبر و تحمل کے مردانہ اوصاف پیدا کرنا
مقصود ہے، نیز سفارش و حمایت کرنے سے استاد کی تنبیہ و نصیحت کا فائدہ
ضائع ہو جاتا ہے۔ نقطہ حسن غفرلہ

[2] اس سلسلہ میں بچے کے ساتھیوں کی اخلاقی حالت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ نیز صحیح
تربیت یافتہ بچے ہوں تو باپ اولاد کو اپنے ساتھ لے جائے، نیز صحیح اور عمدہ تفریح سے
ایک صحیح دماغ صرف تندرست جسم میں ہی نشوونما پا سکتا ہے، اس لئے بچوں کی صحت
جسمانی کے لئے مناسب ورزش کے ساتھ اس کے جسم اور لباس کی صفائی کا پورا خیال
رکھنا چاہیئے۔

بزرگوں کی تعظیم کے آداب

یہ بھی نہایت ضروری ہے کہ بچے کو والدین، اساتذہ اور ہر اس شخص کی جو عمر میں اس سے بڑا ہو چاہے اپنا رشتہ دار ہو یا نہ ہو سب کی فرمانبرداری کرنا سکھایا جائے اور یہ بھی بتایا جائے کہ وہ ان کی طرف عزت کی نگاہوں سے دیکھے، اور ان کے سامنے کھیل کود کو ترک کردے اور جب سن بلوغ کو پہنچے تو اسے طہارت و پاکیزگی میں سستی نہ کرنے دی جائے اور نماز ختم کرنے پر چشم پوشی کا برتاؤ ہرگز نہ کیا جائے۔ نیز رمضان کے بعض دنوں میں اسے روزہ بھی رکھوایا جائے اور دیباج اور ریشم، سونا چاندی پہننے سے بالکل الگ رکھا جائے اور حسب مناسب شریعت اسلامیہ کے حدود و تعزیرات سمجھائے جائیں اور چوری حرام خوری خیانت بدزبانی، جھوٹ اور بے حیائی اور خونریزی کا کے دوران میں بچوں کی طبیعت میں پیدا ہونے والی تمام بری باتوں سے خوب اچھی طرح ڈرایا جائے۔ جب کسی بچہ کی بچپن سے ہی ایسی اٹھان ہوگی تو بلوغ کے قریب پہنچنے تک وہ ان امور کے اسرار و حقائق بخوبی سمجھ سکے گا۔

غذا کے متعلق عمدہ تمثیل

پھر اس دور میں اسے سمجھایا جائے کہ جس قدر بھی حلال غذائیں ہیں یہ بھی ایک طرح کی دوائیں ہی ہیں اور ان سے صرف یہ مقصود ہے کہ انسان انہیں کھا پی کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کر سکے۔

---

۱ حدیث شریف میں ہے کہ بچوں کو سات برس کی عمر میں نماز پڑھاؤ اور ۱۰ برس کی عمر میں بھی نہ پڑھیں تو مار کر پڑھاؤ۔

۲ یہ اس لیے کہ بچے ناول اور ڈرامے ان کے طرز زندگی پر منحصر ہے، جیسے گرد و پیش میں ہر روز دیکھے گا ویسی ہی بری باتیں اس میں پیدا ہوں گی۔

دنیا کی بے ثباتی

اور یہ بات بھی بخوبی ذہن نشین کرائی جائے کہ دنیا بذات خود ایک غیر مقصود اور بے اصل، بے بقا، اور فنا ہو جانے والی چیز ہے موت اس کی نعمتوں کا خاتمہ کر دیتی ہے اور یہ صرف ایک گذرگاہ ہے، سکون و قرار کا مقام نہیں لیکن عالم آخرت حقیقی امن و سکون کا مقام اور قرار و اطمینان کی جگہ ہے اور موت ہر وقت دنیا کی زندگی کو ختم کر دینے کی تاک میں لگی ہوئی ہے۔

عقلمند کون ہے؟

درحقیقت عقلمند وہ شخص ہے جو اس دنیائے فانی سے آخرت کے عالم باقی کے لئے زاد راہ اور نیکیوں کا سرمایہ فراہم کرے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے قبولیت کا اونچا درجہ نصیب ہو اور جنتوں کی وسیع نعمتیں ملیں، اگر بچہ کی ابتدائی ذہنی نشو و نما اچھی ہوئی ہوگی تو بالغ ہونے کے دوران میں یہ کلام اس کے لئے نہایت اوقع فی النفس مؤثر و قوی اور مستحکم کالنقش فی الحجر دل میں گھر کرنے والا ثابت ہوگا۔

اور اگر اس کے برعکس غلط طریقے سے اس کی ذہنی نشو و نما ہونے کی وجہ سے اس میں بیہودگی، بے حیائی، زیادہ کھانے کی خواہش، عمدہ لباس کی طمع، آرائش و زیبائش کی محبت، ناز و انداز، تکبر و غرور کی خصلت پیدا ہو چکی ہوگی تو اس کا دل اس حقیقت کے قبول کرنے سے اسی طرح انکار کرے گا جس طرح خشک دیوار مٹی کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے، غرضیکہ یہی ابتدائی امور ہیں جن کا پوری طرح خیال رکھنا چاہئے۔

بچے کی فطرت اور والدین کا فرض

کیونکہ بچے کا جوہر قلب ایسا ہی پیدا کیا گیا ہے کہ خیر و شر اور نیک و بد دونوں

نکالے حماقت اور یہ ماں باپ کا کام ہے کہ اسے نیکی و بدی کے پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف مائل کر دیں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ — کہ ہر بچہ صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے

فَإِنَّمَا أَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ — لیکن اس کے والدین اسے یہودی یا

أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ — نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

(الحدیث)

عمدہ تربیت کے اعلیٰ نتیجہ پر ایک تاریخی شہادت

حضرت سہل بن عبداللہ تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین برس کی عمر میں رات کو اٹھ کر اپنے ماموں حضرت محمد بن سوار رحمۃ اللہ علیہ کی نماز تہجد کا روحانی منظر دیکھا کرتا تھا۔ ایک روز آپ نے مجھے فرمایا کہ کیا تو اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا؟ جس نے تجھے پیدا کیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں اسے کس طرح یاد کروں؟ تو آپ نے فرمایا کہ رات کو بستر پر کروٹ بدلنے کے وقت زبان ہلائے بغیر صرف اپنے دل میں تین دفعہ یوں کہا کرو۔

اَللّٰهُ مَعِيَ، اَللّٰهُ نَاظِرٌ اِلَيَّ، — اللہ میرے ساتھ ہے، اللہ مجھے دیکھ

اَللّٰهُ شَاهِدِيْ۔ — رہا ہے، اللہ میرے سامنے ہے۔

میں نے چند راتوں تک یوں ہی کہا، پھر انہیں اس کی اطلاع[1] دی تو فرمایا کہ اب ہر رات میں سات دفعہ یوں ہی کہا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا اور پھر اس

---

[1] ہر مرید حق کو چاہیے کہ وہ اپنے مرشد کو اپنی کیفیت کی ٹھیک ٹھیک اطلاع دے کر درجہ بدرجہ اصلاح سے اور راہ سلوک و معرفت کو طے کرے۔ بیعت کا مقصد بھی یہی ہے۔

کی اطلاع بھی عرض کی تو فرمایا ہر رات گیارہ دفعہ کہا کرو۔ میں نے ایسا ہی کیا جس کے نتیجہ میں مجھے اپنے دل میں اس کی لذت اور حلاوت محسوس ہونے لگی پھر جب اس پر عمل کرتے ہوئے ایک سال گزر گیا تو فرمایا جو ذکر میں نے تمہیں سکھایا ہے اسے خوب یاد رکھو اور مرتے دم تک اس پر قائم رہو۔ یہ تم کو دنیا و آخرت میں نفع کا ذریعہ ہوگا۔ میں چند برسوں تک اسی طرح کرتا رہا یہاں تک کہ میں اس کی لذت نہ نیچے باطن کی گہرائی تک میں محسوس کرنے لگا۔

پھر ایک دن فرمایا کہ اے سہیل! اللہ جس کے ساتھ ہو جسے دیکھتا ہو، جس کے سامنے ہو کیا وہ شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر سکتا ہے؟ خبردار! کبھی خدا کی معصیت اور نافرمانی نہ کرنا چنانچہ میں تنہا رہنے لگ گیا پھر انہوں نے مجھے مکتب میں بھیجنا چاہا تو میں نے کہا کہ مجھے اپنی توجہ بٹ جانے کا خطرہ ہے ہاں! اگر آپ استاد سے یہ شرط طے کر لیں کہ میں کچھ وقت ان کے پاس پڑھا کروں اور پھر جلدی سے پلٹ کر یاد الٰہی میں مشغول ہو جایا کروں تو بہتر ہو۔ اس کے بعد میں استاد کے پاس گیا اور چھ یا سات برس کی عمر تک قرآن کریم پڑھ کر حفظ کر لیا۔ میں ہمیشہ روزہ رکھا کرتا تھا اور بارہ برس تک جو کی روٹی میری خوراک رہی۔ اسی اثناء میں تیرہ برس کی عمر میں مجھے ایک اہم مسئلہ دریافت کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی تو میں نے اپنے گھر والوں سے درخواست کی کہ وہ مجھے بصرہ جانے کی اجازت دیں تاکہ میں وہاں کے علماء سے وہ مسئلہ دریافت کروں۔ چنانچہ میں نے بصرہ آ کر وہاں کے علماء سے دریافت کیا لیکن ان میں سے کسی نے بھی میری تشفی نہ کی۔ اس کے بعد میں حضرت حبیب حمزہ بن عبداللہ عبادانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے عبادان گیا اور ان سے وہی مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے مجھے تسلی بخش جواب دیا پھر میں ایک مدت تک ان کی خدمت میں رہ کر ان کے ملفوظات قدسیہ سے فیض حاصل کرتا تھا اور آداب سیکھتا رہا۔ پھر تستر چلا آیا اور اپنی خوراک کا یہ اندازہ

مقرر کیا کہ میرے لئے ایک درہم (تقریباً سوا چار آنے) کے جو خرید کر پیس کر رکھے جاتے تھے اور اسی میں سے میرے لئے روٹی پکائی جاتی تھی اور میں ہر رات سحری کے وقت صرف ایک اوقیہ (ایک اونس تقریباً تین تولے) اس میں سے کھاتا اور وہ سالن کے بغیر، اس طرح میرے لئے سال بھر تک بھی ایک درہم کافی ہوتا۔

پھر میں نے یہاں تک ترقی کی کہ تین راتوں کے بعد افطار کرنے لگا۔ پھر پانچ راتوں کے بعد پھر سات راتوں کے بعد، اسی طرح تقریباً پچیس راتوں تک پہنچ گیا پھر اسی حالت میں متواتر بیس سال تک قائم رہا، پھر کئی برس تک دنیا کی سیاحت کی اور پھر طیبہ کر گھر چلا آیا۔ میں تقریباً ساری ساری رات قیام کرتا تھا۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس امر کا ثبوت نہیں ملا کہ انہوں نے اپنے وصال تک کبھی سالن استعمال کیا ہو۔

حاصل کلام

یہ واقعہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اس لئے نقل نہیں کیا ہے کہ سب لوگ اپنے بچوں کو اسی طرح تیار کریں بلکہ صرف یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر ابتداء سے بچے کی تربیت کا مکمل انتظام کیا جائے تو وہ ایسے انسانی کمالات کی بلندیوں تک عروج کر سکتا ہے، ورنہ ایسی ریاضت شاقہ اختیار کرنا ہر مسلمان کے ذمہ ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے قوانین و احکام اور اپنے نبی مکرم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ اور انبیاء و صدیقین و شہداء و صالحین و جملہ بزرگان دین و اولیاء کرام کی سچی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کرے اور انہی کے راستہ پر چلائے کہ یہی دین و دنیا ہے اور یہی صراط مستقیم۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ
عَلٰى رَسُوْلِهٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ، اٰمِيْنَ۔

آپ کا ادنیٰ خادم
(مولوی) صدر الدین حسن غفرلہ

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا

اور اللہ کے لیے سب پیارے سے پیارے نام ہیں پس ان کے ساتھ اسی کو پکارو

حضرت امام رحمۃ اللہ حجۃ الاسلام ابو حامد امام محمد الغزالی کی کتاب

المقصد الاسنیٰ فی شرح

اسماء الحسنیٰ

کا اردو ترجمہ جس میں ننانوے ناموں کے مفصل و شستہ معانی کے علاوہ اسم مشترک اور اسمائے مترادفہ کے متعلق بڑی شگفتہ بحث کی گئی ہے۔ اور صفات باری تعالیٰ کے غیر متناہی ہونے کو ثابت کیا ہے اور صاحب ہی ننانوے کے عدد میں حصر فرمانے کی حکمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور اسم و صفات کے اتحاد و تغایر کے متعلق مشہور مذاہب کے اقوال پیش کر کے فیصلہ کن بحث کی گئی ہے

ترجمہ و حواشی

خواجہ محمد نذیر عرشی "مولوی فاضل" "منشی فاضل"

فہرست مضامین

شرح اسماء الحسنیٰ

(۲) اس امر کا بیان کہ اہل سنت کے نزدیک یہ تمام اسماء صرف ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہو گئے ہیں ◆

(۳) اس امر کا بیان کہ معتزلہ اور فلاسفہ کے مذہب کی رُو سے یہ اسماء صرف ایک ذات کی طرف جس میں کثرت کا کوئی دخل نہیں ہے کیونکر راجع ہوتے ہیں ◆

فن ثالث۔ ان باتوں پر مشتمل ہے:۔

(۱) اسمائے باری تعالے قیاس سے ثابت ہیں یا توقیف سے ہیں ◆

(۲) ایک کم سو اسماء کے شمار اور تخصیص کا فائدہ ◆

(۳) اللہ تعالے کو ان صفات مدح سے موصوف کرنا جائز ہے جن سے وہ یعنی متصف ہے۔ اور ان صفات کے ساتھ بھی جن میں کوئی نقص کا معنی نہ پایا جائے جبکہ اس میں کوئی منع وارد نہ ہو۔ اور وہ الفاظ جن میں نقص کا مفہوم شامل ہے ہرگز خدا کی شان میں نہیں بولے جاتے۔ مگر جب کہ ان میں اجازت آئی ہو۔ تو پھر ان کی اس طرح تاویل کی جائیگی کہ اللہ تعالے کی شان کے مناسب ہو ◆

(۴) بعض اوقات اللہ کی شان میں ایک لفظ کا اطلاق ممنوع ہوتا ہے۔ مگر جب اس کے ساتھ اس کے جوڑ کا لفظ شامل کیا جائے۔ تو اس کا اطلاق درست ہو جاتا ہے ◆

(۵) اللہ تعالے کو اس کے اسمائے حسنیٰ کے ساتھ پکارا جاتا ہے۔ جیسے کہ اُسنے حکم دیا ہے۔ اگر ہم ان اسماء سے تجاوز کریں۔ یہاں تک کہ اس کو اس کی اوصاف سے پکاریں۔ تو صرف مدح و جلال کی صفتوں سے پکارا جائیگا۔ اور ہر صفت یا فعل جس کے ساتھ اس کا موصوف ہونا یا منسوب ہونا جائز ہے۔ اس کے ساتھ جب ہی پکارا جائیگا کہ اس میں مدح و جلال کا مفہوم شامل ہو۔ اس بات کو ہم جہاں اس کا موقع آئیگا صاف طور پر بیان کرینگے۔ انشاء اللہ تعالے ◆

پہلا فن

ابتدائی باتوں میں

پہلی فصل

اسم، مسمّٰی اور تسمیہ کے معنی

اسم و مسمّٰی کے متعلق بہت لوگوں نے غور کی ہے۔ اور سب نے جدا جدا مسلک اختیار کئے ہیں۔ مگر اکثر نے دھوکا کھایا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ اسم ہی مسمّٰی ہے۔ مگر وہ تسمیہ سے علیحدہ ہے۔ ایک اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ اسم، مسمّٰی سے جدا ہے۔ مگر وہ تسمیہ ہی ہے۔ ایک تیسرا گروہ جو الٰہیات کا کھلاڑی اور بحث و مناظرہ میں نام آور ہے، کہتا ہے کہ اسم کبھی مسمّٰی ہوتا ہے۔ جیسے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی نسبت کہتے ہیں کہ وہ ذات ہے اور موجود ہے۔ اور کبھی مسمّٰی کا غیر ہوتا ہے۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ خالق ہے اور رازق ہے۔ کیونکہ یہ دونوں لفظ خلق (آفرینش) اور رزق (روزی پہنچانے) پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں اس سے غیر ہیں۔ کبھی اس کی ایسی حیثیت ہوتی ہے کہ نہ تو اس کو مسمّٰی کہا جا سکتا ہے اور نہ اس کا غیر۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ وہ عالم ہے اور قادر ہے۔ یہ دونوں لفظ علم اور قدرت پر دلالت کرتے ہیں۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں جن کی نسبت نہ تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اللہ ہی ہیں اور نہ یہ کہ اللہ کے غیر ہیں۔

یہ اختلاف دو باتوں سے پیدا ہوا ہے:
ایک تو یہ کہ اسم تسمیہ ہے یا نہیں؟
دوم یہ کہ اسم مسمّٰی ہے یا نہیں؟

حق یہ ہے کہ اسم نہ تسمیہ ہے اور نہ مسمّٰی ہے۔ اور یہ تینوں ہمارے قیاس میں مترادف نہیں۔

انتہا رحق کے لئے ضروری ہے کہ پہلے ان تینوں لفظوں کے جدا جدا معنی بتائے
جائیں۔ پھر اس قول کے معنے بتایا جائے کہ "فلاں شے فلاں ہے"۔ اور اس قول کا معنے کہ "فلاں
شے فلاں کا غیر ہے"۔ حقائق کے معلوم کرنے کا یہی طریقہ ہے۔ اور اس پر کاربند نہ ہونیوالا
ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جو علم تصدیقی ہے یعنی اس کو سچا یا جھوٹا کہا جا سکتا ہے۔
اس کے الفاظ ایک قضیہ کی صورت میں ہوتے ہیں۔ اس قضیہ میں ایک موصوف ایک صفت
اور ایک ان دونوں کی باہمی نسبت ہوتی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ پہلے صرف موصوف کا علم
اس کی حد و حقیقت کے تصور سے ہو۔ پھر صرف صفت کا علم اس کی حد و حقیقت کے تصور
سے ہو۔ اور پھر اس نسبت پر نظر کی جائے۔ جو صفت کو موصوف کے ساتھ ہے کہ وہ اس کے
لئے ثابت ہے یا اس سے منفی ہے ٭

دیکھو جو شخص مثلاً یہ سمجھنا چاہے کہ ملک قدیم ہے یا حادث؟ تو اس کے لئے لازم
ہے کہ پہلے لفظ ملک کے معنی سمجھے، پھر قدیم یا حادث کے۔ پھر ان دونوں وصفوں میں
ایک کو ملک کے لئے ثابت کرلے یا اس سے نفی کرنے پر نظر کرے ٭

اسی طرح ضرور ہے کہ اسم کے معنی، مسمّٰی کے معنی اور تسمیہ کے معنی معلوم کئے
جائیں۔ اور اس کے معنی بھی معلوم کئے جائیں۔ کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اور یہ کہ کسی شے
کی عینیت اور غیریت کیا ہے۔ تاکہ یہ امر سمجھ میں آ سکے کہ فلاں شے فلاں ہے یا اس کی
غیر ہے ٭

ہر شے کا ایک وجود خارج میں ہوتا ہے۔ ایک ذہن میں اور ایک زبان میں
خارجی وجود اصلی اور حقیقی ہے۔ ذہنی وجود علمی اور صوری ہے۔ اور زبانی وجود لفظی و
دلیلی ہے ٭

مثلاً سماء (آسمان) کا ایک وجود فی نفسہ ہے۔ اور ایک وجود ہمارے ذہن
اور نفس میں ہے۔ کیونکہ آسمان کی صورت ہماری نگاہوں کے ذریعے سے ہمارے خیال
میں منطبع ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر بالفرض آسمان معدوم ہو جائے اور ہم جیتے
جیں، تو آسمان کی صورت پھر بھی ہمارے خیال میں موجود ہو گی۔ اسی صورت کو علم کہتے
ہیں۔ اور وہ اس کی مثال ہوتی ہے جس کی نسبت علم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ معلوم شے کی حکایت
کا پتہ دیتی ہے۔ وہ ایسی ہے جیسے آئینہ میں شکل دکھائی دیتی ہے۔ کیونکہ وہی مقابل کی

متقابل کی ظاہری صورت کی حالت کا پتہ دیتی ہے اور زبانی وجود لفظ ہے۔ جو چار حصص پر تقسیم
ہونے والی آوازوں سے مرکب ہے۔ پہلے حصے کو سین۔ دوسرے کو میم۔ تیسرے
کو الف اور چوتھے کو ھمزہ کہتے ہیں۔ اور وہ لفظ سماء ہے۔ پس قول امر ذہنی
کی دلیل ہے۔ اور امر ذہنی امر موجود کی صورت ہے۔ اگر خارجی وجود نہ ہوتا تو ذہن میں
صورت منطبع نہ ہوتی۔ اور اگر ذہن میں صورت منطبع نہ ہوتی۔ تو انسان اس سے مطلع نہ ہوتا
اور اگر انسان اس سے مطلع نہ ہوتا۔ تو زبان سے اس کا اظہار نہ کرتا۔ غرض کہ لفظ علم اور معلوم
یہ تینوں متباین ہوتے ہیں لیکن تینوں متطابق و متوازی ہیں۔ اس لئے بسا اوقات کم فہم انسان
ان میں تمیز نہیں کرسکتا۔ اور فی الحقیقت ان میں فرق دکھائی نہ ہو۔ جب کہ ہر ایک کے جدا
جدا خواص ہیں۔ مثلاً انسان اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الخارج ہے۔ اس کو یہ امور لاحق
ہیں۔ کہ وہ سوتا ہے۔ جاگتا ہے۔ زندہ ہے۔ مرجاتا ہے۔ چلتا ہے۔ بیٹھتا ہے وغیرہ ذالک
اور اس حیثیت سے کہ وہ موجود فی الذہن ہے۔ اس کو یہ باتیں لازم ہیں کہ وہ مبتدا یا خبر
اور عام یا خاص اور جزئی یا کلی یا قضیہ وغیرہ ذالک بنتا رہتا ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ
وہ جو لفظ انسان ہے۔ اس کو یہ امر لاحق ہوتے ہیں کہ وہ عربی۔ یا فارسی۔ یا ترکی یا زنگی
زبان سے ہے۔ اور کم حروف کتنے ہے۔ یا زیادہ۔ اور وہ اسم یا فعل یا حرف یا کچھ اور
ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ وجود حسب مرور ایام بدلتا رہے۔ اور اہل بلاد کی عادات میں متغیر
ہو۔ خارجی اور ذہنی وجود مرور ایام یا لوگوں کے عادات سے ہرگز متغیر نہیں ہوتا۔

خارجی اور ذہنی وجود کو تو جانے دو۔ لفظی وجود کو لو۔ کیونکہ اسی کے متعلق بحث
کرنا یہاں مقصد ہے۔

الفاظ سے مراد حروف منتظمہ ہیں۔ جو انسانی اختیار سے بنتے ہیں۔ تاکہ اشیا
کی ذات پر دلالت کریں۔ یہ حروف منتظمہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جو اوّلاً موضوع ہیں۔
دوسرے وہ جو ثانیاً موضوع ہیں۔

اوّلاً موضوع کی مثال آسمان۔ درخت۔ انسان وغیرہ ذالک۔ اور ثانیاً موضوع
جیسے اسم فعل۔ حرف۔ امر۔ نہی۔ مضارع وغیرہ۔ یہ الفاظ موضوع بوضع ثانی اس لئے ہیں
کہ وہ الفاظ جو مختلف اشیا پر دلالت کرنے کے لئے موضوع ہیں وہ دو قسم کے ہیں۔ ایک تو
وہ جو معنی فی غیرہ پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کا نام حرف ہے۔ دوسرے وہ جو معنی فی نفسہ پر

دلالت کرتے ہیں۔ پھر ان کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو اس معنے کے زمانہ وجودی پر دلالت
کرتے ہیں۔ اس قسم کا نام فعل ہے۔ جیسے ضَرَبَ (اس نے مارا) یَضْرِبُ (وہ مارتا ہے)
دوسرے وہ جو زمانہ پر دلالت نہیں کرتے۔ ان کو اسم کہتے ہیں۔ جیسے آسمان۔ زمین ✦

پہلے تو اعیان خارجیہ پر دلالت کرنے کے لئے الفاظ وضع کئے گئے۔ پھر
اس کے بعد اسم فعل۔ حرف وغیرہ اقسام الفاظ پر دلالت کرنے کے لئے وضع کئے گئے
کیونکہ الفاظ بھی وضع کئے جانے کے بعد موجود فی الاعیان ہو گئے۔ اور ان کی صورتیں ذہن
میں منقش ہو گئیں۔ تو وہ بھی اس قابل سمجھے گئے کہ حرکات زبان سے ان پر دلالت ہو۔
الفاظ کا موضوع بوضع ثالث و رابع ہونا بھی متصور ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ اگر اسم کو کئی اقسام
پر منقسم کیا جائے۔ اور ہر قسم کا ایک خاص نام مقرر کیا جائے۔ تو یہ اسم درجہ ثالثہ میں ہو گا۔
جیسے کہ کہا جاتا ہے کہ اسم نکرہ اور معرفہ وغیرہ پر منقسم ہوتا ہے ✦

اس تمام بیان سے یہ معلوم کرانا مدعا ہے کہ اسم موضوع بوضع ثانی ہے۔ چنانچہ
اگر سوال کیا جائے کہ اسم کی کیا تعریف ہے۔ تو جواب یہ ہو گا کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت
کے لئے موضوع ہو۔ اور اس میں ایسی شرائط بھی ہم اضافہ کر سکتے ہیں جو اس کو حرف
اور فعل سے متمائز کرتی ہیں۔ مگر یہاں اس کی تعریف بیان کرنا ہمارا مدعا نہیں ہے۔ صرف
یہ غرض ہے کہ اسم سے مراد وہ معنے ہے جو تیسرے درجہ میں ہے۔ اور اس کا وجود دنیا
میں ہے۔ خارج میں یا ذہن میں نہیں ✦

جب تم کو اتنا معلوم ہو چکا کہ اسم سے مراد وہ لفظ ہے جو دلالت کے لئے
وضع کیا گیا ہو۔ تو پھر یہ سمجھ لینا چاہئے کہ جو لفظ دلالت کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اس کے
لئے واضع۔ وضع اور موضوع لہ کا ہونا لازم ہے ✦

موضوع لہ کو معنے کہتے ہیں۔ اور یہ وہ شے ہے۔ جس پر وہ لفظ دلالت
کرتا ہے۔ واضع کو مسمّی (نام رکھنے والا) کہتے ہیں۔ اور وضع کو تسمیہ (نام رکھنا)
جب کوئی شخص اپنے بیٹے کے لئے ایسا لفظ تجویز کرتا ہے جو اس پر دلالت کرے۔ تو کہا
کرتے ہیں کہ فلاں شخص نے اپنے بیٹے کا نام رکھا۔ اور اس کے اس لفظ تجویز کرنے کو تسمیہ
کہتے ہیں۔ کبھی نام لینے کو بھی تسمیہ کہہ دیتے ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو پکارے کہ اے زید!
تو اس کی اس ندا کو تسمیہ کہیں گے۔ گویا لفظ تسمیہ نام رکھنے اور نام لینے کے دونوں معنوں

میں مشترک ہے۔ گویا ظاہر نام لینے کی نسبت نام رکھنے کے معنوں میں ہونا زیادہ درست معلوم ہوتا ہے ۔

اسم۔ تسمیہ۔ مُسمّی اور مُسمّےٰ بمنزلہ حرکت۔ تحریک۔ محرک اور متحرک کے ہیں۔ اور یہ چاروں مختلف اسم مختلف معنوں پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ حرکت ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کرنے پر دال ہے۔ تحریک اس حرکت کی ایجاد پر دال ہے بہ تحریک قابل حرکت پر۔ محرک اس شے پر جس میں حرکت ہے۔ بایں لحاظ کہ حرکت فاعل سے صادر ہوتی ہے۔ یہ متحرک کی طرح نہیں ہے جو صرف محل حرکت پر دال ہے۔ اور فاعل پر دال نہیں۔ جب ان الفاظ کے مفہومات ظاہر ہو گئے۔ تو اب دیکھنا چاہئے کہ کیا ان کے متعلق یہ کہنا جائز ہو سکتا ہے کہ ان میں فلاں فلاں ہے یا اس کا غیر ہے۔ مگر اس امر کے سمجھنے کے لئے کسی چیز کے فلاں ہونے، اور فلاں شے کے فلاں ہو لینے، یا فلاں شے غیر ہو لینے کے معانی سمجھنے لازم ہیں:۔

یہ جو ہم کہتے ہیں کہ فلاں شے فلاں ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں ۔

پہلی صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کہے پانی۔ جل ہے۔ یا تیغ۔ شمشیر ہے۔ یہ مثال ان تمام اشیاء میں جاری ہوتی ہے۔ جو فی نفسہٖ واحد ہوں۔ مگر ان کے دو مترادف نام ہوں۔ جن کے مفہوم کچھ بھی تفاوت نہ رکھتے ہوں۔ صرف حرفوں کا فرق ہو۔ ایسے اسماء کو مترادف کہتے ہیں ۔

دوسری صورت کی نظیر یہ کہ کوئی کہے سانڈنی۔ اونٹنی ہے۔ یا کوتل گھوڑا ہے۔ یہ صورت پہلی سے جدا ہے۔ اس کے اسماء مترادف نہیں۔ مختلف مفہوم رکھتے ہیں۔ کیونکہ سانڈنی اونٹنی کے ساتھ تیز رفتار کا مفہوم بھی مضاف ہے۔ اور کوتل میں گھوڑے کے ساتھ سواری سے زائد ہونے یا آراستہ و پیراستہ ہونے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ صرف اونٹنی یا گھوڑے میں کوئی اس قسم کا زائد مفہوم شامل نہیں ہے۔ اس قسم کے اسماء کو متداخل کہنا چاہئے۔ کیونکہ اونٹنی سانڈنی کے مفہوم میں اور گھوڑا۔ کوتل کے مفہوم میں داخل ہے ۔

تیسری صورت کی نظیر یہ ہے کہ کوئی کہے برف سفید اور ٹھنڈی ہے۔ اس میں سفید اور ٹھنڈی ایک ہی چیز ہے۔ کیونکہ جو سفید ہے وہی ٹھنڈی ہے۔ یہ صورت

خارجیت ہے۔ اور اس کا تعلق ہر شخص کی وحدت سے ہے یا وہ دو صفتوں سے موصوف ہے۔ مطلب یہ کہ ایک ہی شے سفیدی اور ٹھنڈک سے موصوف ہے۔

غرض جب یہ کہا جائے کہ فلاں شے فلاں ہے، ایک کثرت پر دلالت کرتا ہے جس میں ایک طرح سے وحدت ہے۔ کیونکہ اگر وحدت نہ ہو۔ تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ فلاں اور فلاں ایک ہی چیز ہے۔ اور کثرت نہ ہو۔ تو فلاں شے اور فلاں شے کیونکر کہا جا سکے۔ جو صاف دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔

اب ہم اپنے اصل مطلب پر آتے ہیں۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ اسم مسمّٰی ہی ہے جس طرح اسمائے حضرت میں کہا جاتا ہے کہ تسمیہ تخیلی ہے۔ وہ بہت بڑی غلطی پر ہے کیونکہ مسمّٰی کا مفہوم اسم کے مفہوم سے جدا ہے۔ چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ اسم وہ لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے۔ اور مسمّٰی وہ چیز ہے جس پر دلالت ہوتی ہے۔ اور وہ چیز کبھی غیر ملفوظ ہوتی ہے۔ اور اس لئے اسم عربی۔ ترکی اور فارسی یعنی عرب۔ ترک اور فارس کے لوگوں کا بنایا ہوا ہوتا ہے۔ اور مسمّٰی کبھی ایسا نہیں ہوتا۔

اسم کی نسبت سوال کرتے ہیں۔ تو اکثر کہا جاتا ہے کہ یہ کیا ہے۔ اور مسمّٰی کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو عموماً کہتے ہیں یہ کون ہے یا کونسی چیز ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی سے پوچھتے ہیں کہ اس کا اسم کیا ہے۔ جواب دینا ہے کہ زید ہے۔ اور جب مسمّٰی کی نسبت پوچھا جائے تو کہتے ہیں یہ کون ہے۔

اگر کسی خوبصورت ترک کا نام ہندو کا سا مثلاً ترکی وغیرہ کالو رکھ دیا جائے تو کہتے ہیں کہ اس کا اسم خراب اور مسمّٰی خوب ہے۔

اگر کسی کا لمبا اور ثقیل نام رکھ دیا جائے۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ نام ثقیل اور مسمّٰی خفیف ہے۔

اسم کبھی مجاز ہوتا ہے اور مسمّٰی نہیں ہوتا۔ اسم تو کبھی تبادلہ تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ اور مسمّٰی تبدیل ہو نہیں سکتا۔

ان تمام دلائل سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اسم مسمّٰی سے علیحدہ ہے۔ مختصر دلائل کے سوا اور بھی دلائل مل سکتے ہیں۔ لیکن یہاں اشارہ ہی کافی ہے۔ اور کم فہم کے لئے زیادہ دلائل بھی زیادتی حیرت کے موجب ہو جاتے ہیں۔

ہے۔ جسے کہ یوں کہا جا سکے کہ ایک ہی چیز اسم اور تسمیہ کہلانے کے لئے موضوع ہے۔
جیسے کہ پہلے کی مثال میں پایا جاتا ہے کہ ایک ہی چیز سرد اور سفید کہلاتی ہے۔ دوسرا اس
کی ذاتی مثال ہوگی۔ جیسے کوئی کہے صدیق وہ ہے جو ابو قحافہؓ کا بیٹا ہے۔ کیونکہ اس کی دلیل
یہ ہوگی کہ صدیق ہونا اس شخص کی صفت ہے جو ابو قحافہ کا بیٹا ہونے سے منسوب ہے۔ تو
"فلاں شئے فلاں ہے" کا مطلب یہ ہوگا کہ موضوع ایک ہی ہے۔ حالانکہ دونوں صفتوں کا
تباین یقینی امر ہے چنانچہ صدیق کا مفہوم اور ہے۔ ابو قحافہ کا بیٹا ہونے کا مفہوم اور
ہے۔ غرض وہ تاویلات جو اسم و مسمّٰی اور اسم و تسمیہ میں حقیقۃً یا مجازاً ہرگز نہیں ہو سکتیں
جن میں یوں کہا جا سکے کہ "فلاں شئے فلاں ہے" ان تاویلات میں تحقیقی وہ ہے جو مترادف
اسماء میں ہوتی ہے۔ جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ تیغ، شمشیر ہے۔ بشرطیکہ لغت کی رو سے دونوں
لفظوں کے مفہوم میں فرق نہ ہو۔ اگر فرق ہو تو دوسری مثال تلاش کرنی چاہئے۔ اور اس کا
مطلب یہ ہے کہ ایک حقیقت کے کئی نام ہوں۔

چاہئے اس قول میں کہ "فلاں شئے فلاں ہے" ایک پہلو سے کثرت اور ایک پہلو سے
وحدت ہونی چاہئے۔ اور تمام وجوہ میں سے زیادہ تحقیقی وجہ یہ ہے کہ معنی میں وحدت
اور صرف لفظ میں کثرت ہو۔

اس لمبے چوڑے اختلاف کے متعلق اسی قدر کافی ہے جو لکھا گیا۔ اس سے تم کو
معلوم ہو چکا کہ اسم، تسمیہ، مسمّٰی یہ تینوں الفاظ متباین مفہوم اور مختلف مقصود رکھتے
ہیں۔ ان کی بہ نسبت بجائے اس کے کہ "فلاں فلاں ہے" کہیں یہ کہنا صحیح ہے کہ "فلاں
فلاں سے غیر ہے"۔

تیسرا مذہب جو اسم کو تین قسموں میں منقسم کرتا ہے یعنی ایک وہ جو مسمّٰی ہے
دوسرا وہ جو مسمّٰی کا غیر ہے۔ تیسرا وہ جو نہ مسمّٰی ہے نہ مسمّٰی کا غیر۔

یہ مذہب نہایت سست بنیاد اور سب سے زیادہ مضطرب ہے۔ ہاں یوں تاویل
ہو سکتی ہے کہ جس اسم کو تین قسموں میں منقسم کیا ہے۔ اس سے مراد خود اسم نہیں ہے
بلکہ اس سے مفہوم اسم مراد ہے۔ اور اسم کا مفہوم اسم سے جدا ہے۔ کیونکہ مفہوم اسم
مدلول ہے اور مدلول دلیل سے علیحدہ ہے۔ اور یہ مذکورہ تقسیم مفہوم اسم پر جاری ہوتی ہے۔

* ابو قحافہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے باپ کے نام ہے۔

نہیں یوں کہنا صحیح ہوگا کہ اسم کا مفہوم کبھی شے کی ذات و حقیقت اور اس کی ماہیت ہوتی ہے
اور یہ وہ اسماء انواع ہیں۔ جو مشتق نہیں ہیں۔ مثلاً انسان۔ علم۔ بیاض۔ اور جو اسما مشتق
ہیں وہ حقیقت شے پر دلالت نہیں کرتے۔ بلکہ ان میں حقیقت مبہم رہتی ہے۔ اور وہ
شے کی کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں۔ مثلاً عالم اور کاتب۔ پھر اس کے بعد مشتق کی
بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ایسی وصف پر دلالت کرے جو شے میں حاصل ہو۔ جیسے عالم
ابیض وغیرہ۔

دوسری قسم وہ جو کسی غیر اور علاحدہ چیز کے ساتھ اپنی نسبت پر دلالت کرے۔
مثلاً خالق اور کاتب۔

پہلی قسم کی تعریف یہ ہے کہ وہ اسم جو "کیا ہے" کے جواب میں بولا جاتا ہے۔
چنانچہ جب کسی شخص کی طرف اشارہ کر کے کہیں "یہ کیا ہے" اور یوں نہ کہیں کہ "کون ہے" تو
اس کا جواب یہ ہوگا کہ "انسان ہے"۔ اگر کوئی یوں کہہ دے کہ "حیوان ہے" تو یہ ماہیت کے
سوال کا جواب نہ ہوگا کیونکہ ماہیت صرف حیوانیت سے نہیں بنی۔ بلکہ حیوان ناطق سے بنی ہے
تو انسان حیوان ناطق کا اسم ہے۔

اگر اس سوال کے جواب میں انسان کی بجائے کہیں "سفید ہے" یا "طویل ہے"
یا "عالم ہے" یا "کاتب ہے" تو یہ جواب ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ سفید کا مفہوم ایک مبہم شے
ہے۔ جس میں سفیدی کا وصف ہے۔ کیا معلوم وہ کونسی شے ہے۔ اور عالم کا مفہوم ہے
کوئی مبہم شے جس میں علم کا وصف ہو۔ اور کاتب کا مفہوم ہے کوئی مبہم شے جو کتابت کا
فعل کرتی ہو۔ (اس بطور خود یوں سمجھ جائیے کہ کاتب انسان ہی ہوتا ہے۔ مگر یہ دوسرے
ذریعے سے سمجھیں گے۔ خاص لفظ کاتب میں کوئی ایسا قرینہ موجود نہیں ہے)۔

اسی طرح جب رنگ کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور پوچھا جائے "یہ کیا ہے" تو جواب
ہوگا کہ "سفیدی ہے" اگر اسم مشتق اس کے جواب میں بولا جائے مثلاً "سفید ہے" یا "چمکیلا
ہے" تو یہ جواب کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ "کیا ہے" کے سوال سے تو ذات کی حقیقت اور
ماہیت مطلوب تھی۔ اور سفید کوئی مبہم شے ہے جس میں سفیدی ہوتی ہے۔ اسی طرح
چمکیلا کوئی شے ہے جس میں چمک پائی جاتی ہے۔ غرض یہ تقسیم اسماء کے دونوں مفہوم
میں درست ہے۔ اس قسم کی تعبیر یوں بھی ہو سکتی ہے کہ اسم کبھی تو ذات پر دلالت کرتا ہے

اور کبھی ذات کے غیر پر۔ اور یہ سرسری اطلاق کے طور پر ہوگا ◆

چنانچہ جو کہا ہے کہ "کبھی ذات کے غیر پر دلالت کرتا ہے" اگر اس کی اس طرح توضیح نہ کر دی جائے کہ اس سے ماہیت کا غیر مراد ہے جو "کیا ہے" کے جواب میں بولا جاتی ہے۔ تو یہ کہنا ہرگز صحیح نہ ہوگا۔ کیونکہ مثلاً عالم ایک ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو علم سے موصوف ہے۔ اور لفظ علم صرف علم پر دال ہے ◆

خلاصہ کلام یہ کہ مذہب مذکور کے اس قول میں کہ "اسم کبھی مسمی کی ذات ہوتا ہے" دو خرابیاں ہیں۔ اور دونوں کی اصلاح لازم ہے۔ ایک تو یہ کہ اسم کی جگہ مفہوم اسم کہنا چاہئے ◆

دوسرے یہ کہ ذات کی جگہ ماہیت ذات کہنا ٹھیک ہے ◆

اب عبارت یوں ہوئی "مفہوم اسم کبھی ذات کی حقیقت اور ماہیت ہوتی ہے۔ اور کبھی حقیقت کا غیر ہوتی ہے" ◆

مذکورہ مذہب والوں نے جو یہ کہا ہے کہ "خالق مخلوق سے غیر ہے" تو اگر اس میں خالق سے لفظ خالق مراد ہے (اور لفظ ہمیشہ مدلول لفظ سے غیر ہوتا ہے) تو صحیح ہے اور اگر لفظ خالق کا مفہوم مخلوق کا غیر مراد ہے تو یہ محال ہے۔ کیونکہ خالق اسم ہے۔ اور ہر اسم کا مفہوم اس کا معنے ہے۔ اگر اس سے معنے سمجھ میں نہ آئے۔ تو وہ اس کا اسم نہ ہوگا۔ اور خالق؛ خلق (پیدا کرنا) کا اسم نہیں ہے تاکہ خلق اس میں داخل ہے۔ اور کاتب کتابت کا اسم نہیں ہے۔ اور نہ معنے تحریر کا اسم ہے۔ بلکہ خالق ذات کا اسم ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس سے فعل خلق صادر ہوتا ہے۔ اور خالق سے بھی ذات مفہوم ہوتی ہے لیکن صرف حقیقت ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ ذات اس حیثیت سے کہ اس میں صفت اضافی موجود ہے۔ جیسے ہم باپ کا لفظ بولیں۔ تو اس سے بیٹے کی ذات مفہوم نہیں ہوتی۔ بلکہ باپ کی ذات مفہوم ہوتی ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس کو باپ کی طرف اضافت ہے ◆

اوصاف دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک اضافی۔ دوسرے غیر اضافی۔ اور ان تمام کے ساتھ ذات موصوف ہیں۔ اگر کوئی سوال کرے کہ خالق وصف ہے۔ اور ہر وصف میں ثبات ہوتا ہے۔ اور اس لفظ کے معنوں میں ثبات نہیں ہے۔ سو خلق کے۔ اور

سوال۔ کیا اضافت قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں۔

سوال۔ کیا اضافت معدوم ہے؟

جواب۔ نہیں۔ بلکہ موجود ہے۔

سوال۔ اس کی مثال؟

جواب۔ جیسے کسی کا باپ ہونا اضافت ہے۔ اگر یہ اضافت معدوم ہوتی تو جہان بھر میں کوئی باپ نہ ہوتا۔

سوال۔ کیا یہ اضافت (یعنی باپ ہونا) قائم بنفسہ ہے؟

جواب۔ نہیں۔

اب ان کو مجبوراً یہ ماننا پڑیگا کہ وہ محل میں موجود ہے۔ اور بنفسہ قائم نہیں۔ بلکہ محل میں قائم ہوتی ہے۔ اور یہ پہلے ہی مانتے ہیں کہ عرض سے مراد وہی چیز ہے۔ جو محل میں موجود ہوتی ہے۔ گو پھر مکر جائینگے۔ اور اضافت کو عرض تسلیم کرنے سے صاف انکار کرینگے۔

اس مذہب والوں کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ بعض علم ایسے ہیں جن کو نہ سمجھ سکتے ہیں۔ اور نہ سمجھنے کا غیر کیونکہ وہ اس مثال میں عالم پیش کرینگے۔ اور اس کی نسبت جب مذکر کیا جاتا ہے کہ شرع نے اللہ کے حق میں اس کے اطلاق کی اجازت نہیں دی۔ تو کبھی تو یہ جواب دیتا ہے کہ حق معنی کی تعریف خاص اذن پر موقوف نہیں اور کبھی سائل کو ذرا رعایت دکھاتی ہے۔ اور نقاد تحقیق انسان کی طرف پھیری جاتی ہے جب کہ وہ علم کے ساتھ موصوف ہو۔ تو ہم کہتے ہیں کہ علم انسان سے غیر ہے۔ چنانچہ ایک وقت انسان موجود تھا۔ مگر اس کا علم نہ تھا۔ اور علم کی تعریف انسان کی تعریف سے جدا ہے۔

سوال۔ علم انسان سے غیر ہے۔ لیکن جب ایک شخص خاص کی نسبت کہیں کہ وہ عالم ہے اور انسان ہے تو عالم انسان نہ ہوگا۔ نہ اس سے غیر ہوگا۔ کیونکہ انسان اس سے موصوف ہے۔

جواب۔ یہ سوال کاتب اور تحریر میں بھی لازم آتا ہے۔ وہاں بھی کتابت اور تحریر سے انسان موصوف ہے۔ علاوہ ازیں یہ نکتہ تفصیل چاہتا ہے۔ اور وہ یہ کہ لفظ انسان کا

مفہوم لفظ عالم کے مفہوم سے جدا ہے۔ کیونکہ انسان کا مفہوم حیوان ناطق و عاقل ہے۔
اور عالم کا مفہوم ایک مبہم شے ہے جس کو علم ہے پس یہ دونوں لفظ ایک دوسرے سے
جدا ہیں۔ ایک کا مفہوم دوسرے کے مفہوم سے جدا ہے۔ پس اس جہت سے اس سے
غیر ہے۔ یہ کہنا جائز نہیں کہ وہ شے فلاں شے ہے۔ دوسری جہت سے وہ شے فلاں
ہے۔ اور اس جہت سے یہ کہنا درست نہیں کہ وہ اس سے غیر ہے۔ اور یہ یوں ہے کہ
جب تم ایک خاص ذات پر نظر کرو جو انسان کے ساتھ موسوم ہو۔ اور ساتھ ہی عالم بھی
اس کا وصف ہو۔ تو بیشک جو ذات انسان سے موسوم ہے وہی عالم سے موصوف ہے
جیسے کہ وہ شے جس کا نام برف ہے۔ ٹھنڈی اور سفیدی سے موصوف ہے۔ تو اس قول
سے تو وہ وہی ہے۔ اور پہلے اعتبار سے وہ اس سے غیر ہے۔ یہ امر نزدیک عقل کے محال
ہے کہ ایک ہی اعتبار میں نہ فلاں شے فلاں ہو اور نہ اس سے غیر ہو۔ جیسے کہ یہ محال
ہے کہ نہ وہ شے فلاں ہو اور نہ اس فلاں سے غیر بھی ہو۔ کیونکہ فلاں اور غیر فلاں ایک
دوسرے کے مقابل ہیں۔ اور یہ تقابل نفی و اثبات کا ہے۔ پس ان کے درمیان واسطہ
نہیں ہے ۔

جو شخص ہماری تقریر کو سمجھ چکا اس کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کے لئے
قدرت اور علم کے اوصاف ذات سے زائد ثابت ہو گئے۔ تو ایک ایسی چیز ثابت ہو گئی
جو ذات سے غیر ہے۔ اور یہ غیریت لفظ غیر بولا جائے تو صحیحاً ثابت ہے۔ اور کیوں
نہ ہو۔ جب کہ علم کی تعریف بیان کی جاتی ہے۔ تو اس میں اللہ کا علم داخل ہوتا ہے۔ اور
اس کی قدرت اور ذات داخل نہیں ہوتی۔ اور جو چیز تعریف سے خارج ہے۔ وہ اس
چیز سے غیر کیوں نہ ہو۔ جو تعریف میں داخل ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ علم کی تعریف
بیان کرنے والا جب کہ اس کی تعریف میں قدرت کو داخل ہوتے نہیں دیکھتا تو کہہ سکتا
ہے۔ کہ علم کی تعریف سے قدرت کو نکالنا میرے لئے کچھ معتبر نہیں۔ کیونکہ میں نے علم کی
تعریف بیان کی ہے۔ اور قدرت علم سے جدا ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ میں اس کو علم کی
تعریف میں داخل کروں ۔

غرض کہ جو شخص اس قول کو تسلیم نہ کرے کہ "جو امر تعریف میں داخل ہے وہ اس امر سے
جدا ہے۔ جو تعریف سے خارج ہے" اور اس مقام پر لفظ غیر کا اطلاق محال قرار دے۔

وہ ان لوگوں میں سے ہے - جو لفظ غیر کے معنی نہیں سمجھتے . مگر مجھے یقین نہیں کہ وہ لفظ غیر کے معنی نہ سمجھتا ہو - کیونکہ اس کے معنی ظاہر ہیں - اس یہ بھی ہے کہ وہ ایسا ہو جسے مختصر زبانی ہی زبانی کرتا ہو - اور دل ہی دل میں اس کو غلط سمجھتا ہو - اور یہ بھی ہو کہ تحقیقی بحث سے یہ مقصد نہیں ہوتا کہ کسی کی زبان بند کیا جائے - بلکہ یہ غرض ہوتی ہے کہ اس کے دل کو بار بہت پہلے حق کا قائل کیا جائے - پھر زبان خواہ حق کی قائل ہو یا نہ ہو ◆

اگر کوئی شخص کہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اسم مسمّیٰ ہے - وہ ایک مجبوری اس کے قائل ہوئے ہیں کہ کہیں یہ کہنا نہ پڑے کہ اسم اصطلاح میں وہ لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے جس سے پہچانا معلوم ہوتا ہے کہ ازل میں اللہ تعالیٰ کا کوئی اسم نہ تھا کیونکہ اس وقت کوئی بولنے والا نہ تھا - نہ الفاظ اور ذکر کرنے والا تھا - اس لئے کہ لفظ حادث ہے - اور اللہ قدیم ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ کمزوری ضرورت ہے جس کا دفع کرنا آسان بات ہے - یعنی کہا جا سکتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی ازل میں ثابت تھے - اور اسما نہیں تھے - کیونکہ اسماء عربی یا عجمی زبان سے ہیں - اور تمام زبانیں حادث ہیں - یہ تاویل ان تمام اسماء میں جاری ہو سکتا ہے، جو معنی ذات یا صفت ذات کی طرف راجع ہوتے ہیں - مثلاً قدّوس کیونکہ خداوند تعالیٰ ازل میں قدس کی صفت سے موصوف تھا - اور مثلاً عالم کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل میں عالم تھا ◆

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وجود اشیاء کے تین مرتبے ہیں :-

ایک تو اعیان خارجیہ - اور خداوند تعالیٰ کی ذات و صفات کا یہ وجود قدامت سے موصوف ہے ◆

دوسرا وجود ذہن میں ہے - اور یہ وجود حادث ہے - کیونکہ خود ذہن ہی حادث ہیں ◆

تیسرا وجود زبان پر - اور یہ اسماء ہیں - یہ وجود بھی حادث ہے - کیونکہ زبان حادث ہے ◆

اس موجود ذہنی سے ہماری مراد علم ہے - اور یہ بھی جب خدا کی طرف منسوب کیا جائے - تو قدیم ہو جاتا ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ ازل سے موجود اور عالم ہے - اور ازل سے جانتا ہے کہ میں موجود اور عالم ہوں - اور اس کا وجود ذہن بھی - اور اس کا علم بھی

دونوں طرح ثابت ہے۔ اور جو اسماء آئندہ ایک وقت میں اپنے بندوں کو بتانے والا تھا، وہ اُن کی زبان پر پڑھانے، اور ان کے ساتھ ان کے کانوں کو مانوس کرنے والا تھا، وہ بھی اس کو ازل سے معلوم ہیں۔ پس اس تاویل سے یہ کہنا جائز ہو جاتا ہے کہ ازل میں اس کے اسماء تھے۔

تیسرے وہ اسماء جو فعل کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ جیسے خالق، مصور، وہاب، سو ان کے متعلق محققین کے خیالات مختلف ہیں :-

ایک گروہ کہتا ہے کہ ازل ہی سے خالق ہونا اس کی صفت ہے۔

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ ازل سے وہ اس کے ساتھ موصوف نہیں ہے۔

مگر اس اختلاف کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ خالق کے دو معنے ہیں۔ ایک معنے تو ازل ہی میں قطعاً ثابت ہے۔ اور دوسرے معنے یقیناً منفی ہے۔ اس اس میں اختلاف کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ دیکھو تلوار بہرحال تیغ برّاں کہلاتی ہے۔ خواہ وہ غلاف میں پڑی ہو، یا میدان جنگ میں اپنا کام کر رہی ہو۔ فرق اتنا ہے کہ غلاف میں وہ تیغ برّاں بالقوہ ہے اور میدان مقاتلہ میں بالفعل اس صفت سے موصوف ہے۔

پیاس بجھانے والا پانی جب کوزہ میں ہوتا ہے، تو بھی پیاس بجھانے والا کہلاتا ہے۔ لیکن اس وقت اس کی یہ صفت بالقوہ ہوتی ہے۔ اور معدہ میں بالفعل پیاس بجھانے والا ہوتا ہے۔ کوزے میں اس کے سیراب کن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ معدے میں پہنچتے ہی پیاس بجھا دیتا ہے۔ اور یہ صفت اس کی ذاتی ہے۔

اور تیغ کے غلاف میں برّاں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ایک ایسی صفت موجود ہے کہ جس کی وجہ سے کسی چیز پر جا پڑتی ہے اس کو کاٹ ڈالتی ہے۔ اور یہ وصف اس کی تیزی ہے۔ کیونکہ وہ اپنا کام کرنے کے لئے کسی جدید وصف کی محتاج نہیں ہوتی۔

پس باری تعالیٰ ازل میں اسی طرح خالق ہے جس طرح وہ عالم و قدیر وغیرہ ہے۔ اور اسی طرح ابد میں ہوگا۔ خواہ کوئی ان اسماء سے اس کو موسوم کرے یا نہ کرے۔

بحث وجدل میں حصہ لینے والوں کا بڑا دھوکا اسی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے
کہ وہ اسماء مشترکہ کے معنوں میں تمیز نہیں کر سکتے۔ اگر وہ ان میں تمیز کریں تو کثیر اختلافات
مرتفع ہو سکتے ہیں ✦

اگر کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً
سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ یعنی نہیں عبادت کرتے تم اس کے سوا مگر ناموں کی جن کو
تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے مقرر کیا ہے " اور یہ معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ
الفاظ کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ جو حروف مقطعہ ہیں۔ بلکہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے
تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس دلیل کا پیش کرنے والا اس کی دلالت کی وجہ نہیں کہہ
سکتا۔ تاوقتیکہ یہ نہ کہے کہ وہ مسمیات کی پرستش کرتے تھے۔ نہ کہ اسماء کی۔ تو اس کے
کلام میں اس امر کی تصریح ہوگی کہ اسماء مسمیات سے جدا ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی کہے کہ [illegible]
مسمیات کو نہیں بلکہ مسمیات کو پوجتے تھے۔ تو اس کا کلام متناقض ہوگا۔ اور اگر یوں کہے
کہ وہ لوگ مسمیات کو نہیں بلکہ اسماء کو پوجتے تھے۔ تو اس قول کا مفہوم متناقض نہیں ہوگا
تو اگر اسماء ہی مسمیات ہوں۔ تو دوسرا قول پہلے قول کی طرح متناقض ہوتا ✦

یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ معبودوں کے نام جو انہوں
نے بتوں کے لئے مقرر کر لئے تھے۔ وہ اسماء بلا معنی تھے۔ کیونکہ معنی وہ معنی ہے
جو اعیان میں ثابت ہے۔ اس حیثیت سے کہ اس پر لفظ دلالت کرتا ہے۔ اور اعیان
میں کوئی معبود موجود نہ تھا۔ نہ ذہن میں معلوم تھا۔ بلکہ صرف نام ہی نام زبان پر موجود تھے
پس وہ ایسے اسماء تھے جن کے موضوع لہ اور معنے کچھ نہ تھے ✦

جس کا نام حکیم رکھا جائے اور وہ فی الحقیقت حکیم نہ ہو۔ اور وہ حکیم حکیم کہلا کر خوش
ہوتا ہو۔ تو طنزاً کہا کرتے ہیں کہ صرف اسم پر خوش ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہاں اسم کے کوئی
معنے موجود نہیں ہے ✦

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسم تسمیہ سے جدا ہے۔ کیونکہ اس نے اسماء کو
تسمیہ سے ملایا ہے۔ اور تسمیہ کو ان سے منسوب کیا ہے۔ اور اس کو ان کا فعل قرار دیا ہے
اور فرمایا اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَا یعنی وہ نام جو ان کے فعل اور ان کے نام رکھنے سے پیدا
ہوں۔ اور بتوں کے وجود تو ان کے نام رکھنے سے پیدا نہیں ہوئے تھے ✦

اگر کوئی کہے کہ اللہ نے فرمایا ہے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى یعنی پاکی سے یاد کر اپنے پروردگار بزرگ کے نام کو۔ اور پاکی کے ساتھ ذات ہی یاد کی جاتی ہے نہ کہ اسم۔ جواب یہ ہے کہ اسم کا لفظ یہاں صفت کے طور پر بڑھایا گیا ہے۔ اور اہل عرب کے بعض محاورات اسی طرح واقع ہوتے ہیں۔ اس کی مثال خداوند تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ جس میں کاف تشبیہ کے ساتھ لفظ مثل بھی بڑھایا گیا ہے۔ اس میں یہ حجت نہیں ہو سکتی کہ اس میں مثل کا اثبات ہے۔ کیونکہ اللہ نے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ دو جگہ فرمایا ہے، جیسے کہا جاتا ہے لَيْسَ كَوَلَدِهِ أَحَدٌ جس میں ولد کا اثبات ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں کاف زائد ہے۔ یہ بھی کوئی بعید نہیں کہ اسم کے ذریعہ سے مسمّٰی کی طرف اشارہ کیا گیا ہو جس سے مسمّٰی کی تعظیم مراد ہو جیسا کہ شریف، جناب، حضرت، حضور درگاہ، سے القاب کیا جاتا ہے۔ اور کہا کرتے ہیں۔ امیر کے حضور میں سلام عرض ہے۔ پیر و مرشد کی جناب میں گیا تھا۔ بندۂ درگاہ کی یہ التماس ہے جس سے امیر اور پیر و مرشد اور صاحب درگاہ مراد ہوتے ہیں۔ اور اظہار عظمت کے لئے ان امور کے ساتھ ان کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ جن کا ان سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح اسم گو مسمّٰی کا غیر ہے، مگر اس کو مسمّٰی کے ساتھ ایک قسم کا تعلق ہے۔ اور اس تعلق سے کسی صاحب بصیرت کو اصل وضع میں التباس نہ ہونا چاہئے۔ اور کیوں التباس ہو جب کہ اسم کو مسمّٰی سے غیر کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے کہ وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى یعنی اللہ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ إِنَّ لِلّٰهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ اسْمًا مِائَةً إِلَّا وَاحِدًا مَنْ أَحْصَاهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ یعنی اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ ایک کم سو۔ کوئی ان سب کو یاد کرے وہ جنت میں جائیگا اور کہتے ہیں اگر اسم، مسمّٰی ہی ہوتا۔ تو مسمّٰی کی تعداد بھی ننانوے ہوتی۔ اور یہ محال ہے کیونکہ مسمّٰی ایک ہی ہے۔ پس ان لوگوں کو یہاں مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ اسم مسمّٰی کا غیر ہے۔

یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ اسم سے تسمیہ مراد ہونا جائز ہے۔ نہ کہ مسمّٰی۔ جیسے کہ دوسرے فریق نے تسلیم کیا ہے کہ اسم سے کبھی مسمّٰی بھی مراد ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ اصل مسمّٰی سے غیر ہی ہو۔ اور اس دعوے میں آیت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى سے

پیش کرتے ہیں۔ مگر یہ دونوں فریق بخوبی استدلال نہیں کرسکتے ۔

اِن دونوں کا جواب یہ ہے کہ شیخ ابو عبداللہ کی ابحاث (الاغلاط) کا تمام ما فیہ و ما علیہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں۔ ان مذکورہ بالا استدلال۔ سو ان کا یہ جواب کہ " اسم و مسمیٰ ایک ہی ہیں۔ اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے " غلط ہے جس کے دو سبب ہیں:۔

ایک تو یہ کہ جو شخص اسم و مسمیٰ کے ایک ہونے کا قائل ہے۔ اس کو یہ کہنا دشوار نہیں کہ یہاں ننانوے مسمّے ہیں کیونکہ اس قائل کے نزدیک مسمّے سے مراد مفہوم اسم ہے۔ اور علیم کا مفہوم قدیر کے مفہوم سے جدا ہے۔ اسی طرح قدوس کا مفہوم خالق کے مفہوم کا غیر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تمام اسماء میں سے ہر اسم کا مفہوم و معنی جدا گانہ ہے۔ اگرچہ سب کا نتیجہ ایک ہی ذات کے وصف پر منتہی ہوتا ہے۔ تو گویا یہ قائل یوں کہتا ہے کہ اسم سے مراد اس کا مسمّیٰ ہے۔ اور "وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی" کے معنے میں یوں کہنا ممکن ہے کہ " اللہ تعالےٰ کے لئے اچھے اچھے معنے ہیں " کیونکہ مسمّیات معانی ہی ہیں جن میں لامحالہ کثرت ہے ۔

دوسرا یہ کہ اسم سے یہاں مراد تسمیہ ہونا غلط ہے۔ کیونکہ ہم بیان کرچکے ہیں کہ تسمیہ کے معنے ذکر اسم یا ذکر وصف کے ہیں۔ اور اسم خواہ ایک ہی ہو۔ اسم کا ذکر کرنے والوں کی کثرت سے تسمیہ میں بھی کثرت آجاتی ہے۔ جیسے ذاکروں اور عالموں کی کثرت سے ذکر اور علم میں کثرت آجاتی ہے۔ خواہ مذکور اور معلوم ایک ہی ہو۔ پس تسمیہ کی کثرت اسماء کی کثرت کی محتاج نہیں ہے۔ کیونکہ وہ محض اسم کا ذکر کرنے والوں کے افعال ہیں لہٰذا کثرت اسماء سے مراد یہاں تسمیات نہیں۔ بلکہ اسماء ہیں۔ اور اسماء وہ الفاظ موضوع ہیں۔ جو معانی مختلفہ پر دلالت کرتے ہیں۔ تو اب تاویل میں کچھ راہیں اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔ خواہ اسم کے مسمّے ہونے کا اعتراف کیا جائے یا ذکر کیا جائے ۔

اس مسئلہ کی تحقیق میں اسی قدر بحث کافی ہے۔ اگرچہ یہ بحث قلیل المنفعت ہونے کے باعث اس طول کی مستحق نہ تھی۔ لیکن ہمارا منشا یہ تھا کہ اس قسم کی مباحث میں غور و خوض کرنے کا طریقہ سکھا دیا جائے۔ تاکہ طالب حق بعض ایسے مسائل میں جو اس سے بھی زیادہ اہم ہیں اس طریقہ سے کام لے سکیں ۔

دوسری فصل

اسماء قریب المعنی کا بیان اور اس امر کا ذکر کہ کیا ایسے اسماء کا مترادف ہونا جائز ہے یا ان کے مفہومات کا مختلف ہونا لازم ہے

واضح ہو کہ جن حضرات نے ان اسماء کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے۔ انہوں نے اس امر کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس بات کو بعید نہیں سمجھا کہ دو اسم صرف ایک ہی معنے پر دلالت کرتے ہوں مثلاً کَبِیْرٌ اور عَظِیْمٌ۔ قَادِرٌ اور مُقْتَدِرٌ۔ خَالِقٌ اور بَارِیٌ۔ مگر میں اس امر کو نہایت بعید سمجھتا ہوں خصوصاً جب کہ ایسے دو اسم ننانوے اسماء میں سے ہوں۔ کیونکہ اسم سے حروف مقصود نہیں ہیں۔ بلکہ معنے مقصود ہیں۔ اور اسماء مترادف کے بعض حروف ہی مختلف ہوتے ہیں۔ اور ان اسماء کی تخصیص صرف ان معنوں کے لحاظ سے ہے جو ان میں مذکور ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی اسم معنے سے خالی رہ جاتے۔ اور الفاظ ہی الفاظ رہ جائیں۔ تو اس میں کوئی فضیلت نہ ہوگی۔ ایک معنے پر اگر ہزار الفاظ دلالت کرتے ہوں۔ تو اس معنے کو ایسے معنے پر جس پر صرف ایک اسم دال ہو کوئی فضیلت نہ ہوگی۔

غرض یہ بات نہایت نادرست معلوم ہوتی ہے کہ مقصود تعداد کو صرف الفاظ کے تکرار سے پورا کیا گیا ہو۔ بلکہ قرین عقل یہ بات ہے کہ ہر لفظ کے تحت میں خاص معنے ہوں۔ تو جب ہم دو لفظ متقارب پائیں۔ تو ان کے اندر دو امروں میں سے ایک امر ضرور ہوگا۔

ایک امر تو یہ کہ ان دونوں اسموں میں سے ایک اسم ننانوے کی تعداد سے خارج ہے۔ مثلاً اَلْاَحَدُ اور اَلْوَاحِدُ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی کی مشہور روایت میں اَلْوَاحِدُ آیا ہے۔ اور دوسری روایت میں اَلْوَاحِدُ کی بجائے اَلْاَحَدُ وارد ہوا ہے۔ تو اب اس تعداد کی تکمیل توحید کے معنے سے ہوگی۔ جو خواہ لفظ واحد سے لئے جائیں یا لفظ احد سے۔ یا ان دونوں اسموں کو تکمیل عدد کے لئے دو گنیں

کے تو یہ مقام سمجھا جائے اور معنی ایک ہی رہیں۔ یہ امر میرے نزدیک دور از عقل ہے ◆

دوسرا امر یہ کہ ایک اسم کو دوسرے اسم پر کوئی نہ کوئی معنوی فوقیت ہے۔ اور اس میں ایک ایسی دلالت ہے۔ جو دوسرے اسم میں نہیں ہے۔ اس کی مثال اَلْغَافِرُ اور اَلْغَفُوْرُ اور اَلْغَفَّارُ ہیں ◆

اگر ان تینوں اسم کو جدا جدا تسلیم کیا جائے۔ تو کوئی بعید نہیں ہے۔ کیونکہ غافر صرف اصل مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ اور غفور گناہوں کی کثرت کے لحاظ سے کثرت مغفرت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے کہ جو ذات صرف ایک قسم کے گناہوں کو معاف کرے اس کو غفور نہیں کہہ سکتے۔ اور غفار تکرار کے طور پر کثرت غفران پر دال ہے۔ یعنی وہ پے در پے گناہ معاف کرتا ہے۔ جیسے کہ جو ذات تمام گناہ بخش دے۔ مگر پہلی ہی مرتبہ بخشے اور دوبارہ کئے ہوئے گناہ کو نہ بخشے وہ اسم غفار کے مستحق نہیں ◆

یہی کیفیت غنی اور مَلِک کی ہے۔ کیونکہ غنی وہ ہے جو کسی چیز کا محتاج نہ ہو۔ مَلِک بھی کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا۔ لیکن ہر چیز اس کی محتاج ہوتی ہے۔ تو مَلِک کے غنی سے زائد معنی پائے گئے ◆

اسی طرح عَلِیْمٌ اور خَبِیْرٌ میں امتیاز ہے۔ کیونکہ عَلِیْمٌ وہ اسم ہے جو صرف علم پر دلالت کرتا ہے۔ اور خَبِیْرٌ امور باطنہ کے متعلق جو علم ہو اس پر دلالت کرتا ہے۔ پس اتنا سا تفاوت ہی اسماء کو مترادف نہیں ہونے دیتا۔ اور مثالوں میں اونٹنی اور سانڈنی اور گھوڑے اور گھوڑی کا سا تفاوت پیدا ہو جاتا ہے ◆

اگر اس قسم کے بعض اسماء میں ہم ان دونوں مسلکوں پر چلنے سے عاجز ہو جائیں تو چاہئے کہ کم از کم ان دونوں لفظوں کے معنوں میں کسی نہ کسی وجہ سے تفاوت ہونے کا ہم اعتقاد رکھیں۔ اگرچہ ان کے مابہ الافتراق پر کوئی مطلع ہم کو نہ ہو۔ مثلاً عَظِیْمٌ اور کَبِیْرٌ۔ اب ان میں جو معنوی فرق ہے۔ خدا کے بارے میں ہم اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ لیکن باایں ہمہ ہم کو اصل فرق میں کوئی شک نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظَمَۃُ اِزَارِیْ اس لحاظ سے ان میں ایک ایسا فرق ہے۔ جو خاص تفاوت پر دلالت کرتا ہے۔ اگرچہ مرتبہ چادر اور ازار (تہبند) دونوں لباس کے لئے زینت ہیں۔ لیکن چادر ازار سے اشرف ہے ◆

اسی طرح اللہ اکبر کو نماز کی تحریمہ بنایا گیا ہے۔ اور جو لوگ امام ابو یوسف کے مذہب پر رہتے ہیں
اُن کے نزدیک اللہ اعظم اور اللہ اجل کے الفاظ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتے ⋅

اسی طرح اہل عرب اپنے استعمال میں ان دونوں لفظوں میں بڑا فرق رکھتے ہیں۔
چنانچہ کبیر کو ایسے مقاموں میں استعمال کرتے ہیں جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ اگر
یہ دونوں لفظ مترادف ہوتے۔ تو یقیناً بہت سے مقاموں میں دونوں کو ایک دوسرے کی جگہ
استعمال کرتے ⋅

اہل عرب کہا کرتے ہیں فلان اکبر سناً من فلان یوں نہیں کہتے کہ اعظم
سناً ⋅

اسی طرح جلیل بھی کبیر اور عظیم سے جدا ہے۔ کیونکہ جلال میں
صفات شرف کی طرف اشارہ ہے۔ اسی لئے یوں نہیں کہا جاتا کہ فلان اجلّ
سناً من فلان اور اکبر سناً ہی کہا کرتے ہیں ⋅

وہ کہا کرتے ہیں الفرس اعظم من الانسان یوں نہیں کہتے کہ اجلّ
من الانسان ⋅

غرض یہ کہ اسماء اگر معنے کی رو سے ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ لیکن مترادف
نہیں ہیں ⋅

علے الجملہ اسماء متناقضہ اسماء میں سے ہیں جن میں ترادف محض بعید ہے
کیونکہ اسماء سے مراد حروف اور آوازوں کے مخارج نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے مفہومات اور
معانی مراد ہیں۔ یہ ایک اصولی امر ہے جس کا اعتقاد ضروری ہے ⋅

؎ اس فقرہ میں امام اعظم حضرت شیخ کے مذہب پر رد ہے۔ جن کے نزدیک اللہ اعظم کے الفاظ سے
بھی افتتاح نماز ہو سکتا ہے۔ کیونکہ امام غزالی حضرت شیخ شافعی المذہب ہیں ⋅ مترجم

تیسری فصل

مختلف معنوں والے اسم کا بیان

جو اسم چند مختلف معنوں میں مشترک ہے۔ جیسے اَلْمُؤْمِنُ جس سے کبھی تصدیق مراد ہوتی ہے اور کبھی وہ امن سے مشتق ہوتا ہے اور اس سے امن و امان کا دینے والا مراد ہوتا ہے۔ تو کیا یہ جائز ہے کہ اس کو دونوں معنوں پہ اسی طرح محمول کر کے عموم کیا جائے جس طرح عام کو جیسے مشرکین کا اور زنا ہو یا اس کے عام پر عمل کیا جاتا ہے ◆

ایسے اسم کو جب لغت کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو یہ بات بعید معلوم ہوتی ہے کہ ایک اسم مشترک کو تمام مسمیات پہ محمول کر کے عموم کیا جائے۔ کیونکہ اہل عرب جمع کا اسم بولیں کہ اس سے رجال کا تو ہر فرد مراد لیتے ہیں۔ اور یہی عموم ہے۔ مگر عین کا اسم بولیں کہ اس سے منبع، اور دینار، اور ترازو، اور چشمہ، اور آنکھ یکجا مراد نہیں لیتے۔ اور یہ لفظ مشترک ہے۔ بلکہ ایسا لفظ اپنے ایک معنے کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور اس معنے کی تمیز قرینہ سے ہوتی ہے ◆

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے اصول میں مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہے اسم مشترک جب مطلقاً بولا جائے تو اپنے تمام مسمیات پر عمل کیا جاتا ہے جس طرح عام عموم پر عمل کیا جاتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی قرینہ تخصیص پر دلالت نہ کرے ◆

یہ روایت اگر صحیح ہے۔ تو بعید ہے۔ بلکہ مطلق لفظ عین لغت کی حیثیت سے مبہم ہے۔ تاوقتیکہ کوئی خاص قرینہ تعیین پر دلالت نہ کرے

تقسیمات کو زبان پر لانے سے شیخ نے اکثر منع کیا ہے۔ ایسے مقامات میں اسم کا معنے بیان کرنے میں قرینہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے۔ اور ہر اسم کا وہی معنے لینا چاہئے جو زیادہ قریب ہو۔ باقی کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ ہاں جب شارع نے کسی لفظ میں خاص تصرف کیا ہو۔ اور اس کی وضع و تصرف کا یہ منشا ہو کہ مطلق لفظ سے اس کے تمام معانی مراد لئے جائیں۔ چنانچہ اسم مؤمن جیسے مصدق پر محمول ہو۔ اور لغت کی وضع سے نہیں

بلکہ شرع کی وضع سے اُن کے معنے کا فائدہ بھی دے۔ جیسے کہ اسم صلٰوۃ اور صوم
شرع کے تصرف اور وضع سے بعض ایسے معنوں کے لئے مخصوص ہو گئے ہیں جن کی مقتضی
وضع لغت نہیں ہے۔ اور یہ امر بعید نہیں ہے۔ بشرطیکہ کوئی دلیل موجود ہو لیکن اس وقت
ایسا نہیں ہو سکتا، جب کہ کوئی دلیل اس امر کی موجود نہ ہو کہ شارع نے وضع کو بدل ڈالا ہے
اور میرا ظن غالب یہی ہے کہ شرع نے وضع کو متغیر نہیں کیا۔

مصنفین میں سے جو شخص کہتا ہے کہ اسمائے باری تعالیٰ میں سے کوئی خاص
اسم جب کئی معنوں کا محتمل ہو۔ اور ان میں سے کسی خاص معنے کے ساتھ مخصوص ہونے کی
عقلی دلیل موجود نہ ہو۔ تو اس کو تمام معنوں پر بطریق عموم محمول کیا جائیگا۔ وہ نہایت دور از
قیاس بات کا قائل ہے۔ ان بعض متقارب معانی ایسے ہیں جن کا اختلاف اضافات کی
طرف راجع ہوتا ہے۔ ان کا تشابہ سب سے بڑا نکتہ ہے۔ پس ایسے اسم میں تعمیم اقرب ہے
جیسے اَلسَّلَام کیونکہ اس میں احتمال ہے کہ عیب و نقص سے سلامتی مراد ہو۔ اور
یہ بھی احتمال ہے کہ اس امر سے اس ذات کی بدولت اور اس کی طرف سے مخلوقات کی سلامتی
مراد ہو۔ پس یہ اور اس قسم کے اور اسماء عموم سے مشابہ ہیں۔

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ زیادہ میلان منع تعمیم کی طرف ہے۔ اور بعض معانی
کی تعمیم اجتہاد ہی کے ذریعہ سے پیدا کی جاتی ہے۔

اب واضح ہو کہ مجتہد کو تعیین پر آمادہ یا تو یہ بات کرتی ہے کہ وہ معنے زیادہ مناسب
ہوتے ہیں۔ جیسے مومن کے معنے "امان دینے والا" یا "ایمان لانے والا" کے معنے
کی نسبت اللہ کے حق میں زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ایمان لانا خدا کے سوا دوسری موجودات
کے لئے شایاں ہے بلکہ ان پر واجب ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور اس کے کلام کی تصدیق
کریں۔ اس لئے کہ اللہ کا رتبہ تصدیق کرنے والے کے رتبہ سے برتر ہے۔

یہ بات مجتہد کو تعیین معنے پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنے دو اسموں کو مترادف نہ
ہونے دے۔ جیسے مُهَيْمِن کو نگہبان کے سوا دوسرے معنوں پر محمول کیا جاتا ہے
کیونکہ نگہبان کے معنوں کے لئے لفظ رقیب وارد ہو چکا ہے۔ اور ترادف بعید ہے
چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں۔

یا یہ بات مجتہد کو تعیین معنے پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ معنے زیادہ ظاہر اور جلد

سمجھ میں آجانے والے اور کمال میں بہت زیادہ دلالت کرنے والے ہو سکتے ہیں ◆

اسمائے باری تعالیٰ کے بیان میں ہم کو مذکورہ اصول پر چلنا چاہیئے۔ اور ہر اسم سے صرف وہی معنی مراد لینا چاہیئے جو زیادہ قریب ہو۔ اس کے سوا دوسرے معنوں کو نظر انداز کیا جائیگا۔ اسی لیے ہم الفاظ مشترک کی تعمیم جائز نہیں سمجھتے۔ اور علاوہ اس کے کسی اسم میں مختلف اقوال کو نقل دینا غیر مفید بھی ہے ◆

چوتھی فصل

اس امر کا بیان کہ بندہ کا کمال اور سعادت اس میں ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اخلاق الٰہیہ کا خوگر بنے۔ اور اللہ کے اسماء وصفات کے معانی سے اپنا باطن آراستہ کرے

واضح رہے کہ جو شخص اسمائے باری تعالیٰ کے معانی سے صرف اسی قدر بہرہ یاب ہے کہ ان کو الفاظ کی حیثیت سے سنتا ہے، لغات کی کتابوں میں ان کی تفسیر ترجمہ پڑھتا ہے اور دل سے اعتقاد رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میں ان کے معانی موجود ہیں۔ تو سمجھو کہ وہ نہایت ہی کم نصیب اور کم رتبہ کا شخص ہے۔ جس کے اس سرمایہ کی نسبت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ اس کی اصلی کامیابی کا باعث ہو سکے۔ کیونکہ صرف الفاظ کا سننا زیادہ سے زیادہ قوت سامعہ کی سلامتی کا مستدعی ہے جس سے وہ آوازوں کو محسوس کرتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا مرتبہ ہے جس میں چوپائے بھی اس کے ساتھ شریک ہیں۔ اور معانی لغوی وضع کو سمجھنا صرف عربیت جاننے کا مستدعی ہے۔ اور یہ بھی ایک ایسا رتبہ ہے جس میں ایک ادیب لغت دان بلکہ ایک جاہل عرب اس کے ساتھ شامل ہے ◆

رہا یہ اعتقاد کہ ان اسماء کے معنے اللہ کے لیے ثابت ہیں سو جب یہ اعتقاد کشف کے بغیر ہو۔ تو صرف ان الفاظ کے معنے سمجھنے اور ان کی تصدیق کرنے کا مستدعی ہے

جو ایک ایسا تجربہ ہے جس میں علم ہی نہیں بلکہ ایک پختگی یقین بھی شریک ہے۔ کیونکہ جب اس کو یہ نظارہ نشانوں کے اصلی مطلب سمجھائے جاتے ہیں۔ تو وہ سمجھ جاتا ہے۔ اور اس کو دل سے یقین کرلیتا ہے۔

غرض اولیاء اور مقربین کا وہی مقام ہے۔ اسی جماعت کو دوسرے لوگوں پر جو ان تینوں درجوں میں ان کے شریک ہیں یہ فضیلت ہے۔ جو اس سے تو انکار ہو نہیں سکتا لیکن اس میں شک نہیں کہ اصلی کمال ایک پختہ یقین ہے جو ایک بھاری نفس ہے۔ کیونکہ کتاب کی لاٰیات و بیّنات المقربین یعنی تمام اعمال اور نیکیاں مقربین کی شان کے لئے بنائی گئی ہیں۔

ہمارے نزدیک تمام دنیا میں سے مقربین کا حصہ تین امر ہیں:۔

اوّل۔ ان امور کے بیان کو مکاشفہ اور مشاہدہ کے طور پر دیکھنا۔ یہاں تک کہ دلیل کے ساتھ ان کے حقائق معلوم ہو جائیں۔ جس میں غلطی ممکن نہ ہو۔ اور ان صفات سے الٰہی کا مشہود ہونا اور اس طرح منکشف ہو جانا جس طرح انسان کو اپنی صفات کے متعلق یقین ہو جاتا ہے۔ جو اس کو احساس ظاہر سے نہیں بلکہ مشاہدہ باطن سے حاصل ہوتا ہے۔ اب دیکھو اس مذکورہ حقیقت اور اس اعتقاد میں کس قدر فرق ہے۔ جو والدین کی تربیت اور استادوں کی تعلیم سے بطور تقلید حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اس کے ساتھ ثبوت کے دلائل بھی شامل ہو سکتے ہیں۔

دوم۔ مقربین کا اس کی صفات جلال کو اس عظمت کی نگاہ سے دیکھنا جس سے ان کو ان صفات سے حتی الامکان متصف ہونے کا شوق پیدا ہو جاتا ہے۔ تاکہ وہ اس ذریعہ سے نہ صرف بالامکان بلکہ بالصفت خدا کے قریب ہو جائیں۔ اور ان صفات کے ساتھ وہ مقربین سے مشابہت پیدا کرلیں۔ اور جب کسی صفت کی عظمت دل میں سما جاتی ہے۔ تو اس کے لئے لازم ہے کہ اس صفت کا شوق اس میں جلال و جمال کا عشق اور اس وصف سے اپنے باطن کو آراستہ کرنے کی خواہش پیدا ہو۔ اگر یہ سعادت کامل طور پر حاصل ہونی ممکن ہو۔ تو کامل طور پر ورنہ بقدر امکان متعدد شوق پیدا ہو۔ اور اس شوق سے خالی ہونے کے دو ہی باعث ہو سکتے ہیں۔ یا تو اس وصف کے اوصاف جلال و کمال میں سے ہونے کا پورا پورا یقین نہ ہو۔ یا دل کسی دوسرے شوق میں پھنسا ہوا ہو۔ چنانچہ شاگرد جب اپنے استاد کو علم میں کامل دیکھتا ہے تو اس کو شوق برانگیختہ کرتا ہے

کہ اس کے ساتھ تشابہ پیدا کرے۔ اور اس کے تمام بہت سے پہلے اس خیال جب اس کو قوت
بھوک لگی ہو۔ تو اس وقت یہ اشتیاق غالب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے باطن کا کھانے کے
شوق میں مستغرق ہونا علم کے شوق کا مانع ہوتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ صفات الٰہیہ
کے مشاہدہ کرنے والے کا دل ماسوے اللہ کے خیال سے بالکل خالی ہو۔ کیونکہ معرفت کا تخم
شوق ہے۔ لیکن اسی وقت جب کہ صاحبِ دل خواہشات کے ناخس سے پاک ہو۔ ورنہ
تخم بارآور نہیں ہوگا۔

سوم۔ معترضین کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ کسی کا ممکن ہے کہ ان صفات کو حاصل کریں۔
انسان کی خوبیوں سے اپنی باطنی حالت کو آراستہ کریں جس سے بندہ رب العالمین یعنی رب کا
مقرب بن جاتا ہے۔ کیونکہ ان صفات کی بدولت وہ فرشتگان ملاء اعلیٰ کا رفیق
ہو جاتا ہے جو مقربان درگاہ الٰہی ہیں۔ پس جو شخص ان کی صفات کے ساتھ کچھ مشابہت
پیدا کر لیتا ہے۔ وہ اس مشابہت کی مقدار میں حق تعالےٰ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔

سوال۔ صفات خدا کے ساتھ خدا کا قرب حاصل کرنا ایک باریک بات ہے۔
جس کو ناقص فہم مشکل سے سمجھتا ہے۔ لہٰذا اس مسئلے پر زیادہ روشنی ڈالئے۔

جواب۔ تو بہ اعتبار عقل کے اور بواسطہ دریافت کے کسی عاقل سے مخفی نہ ہوگا کہ موجودات
کی دو قسمیں ہیں۔ ایک کامل دوسری ناقص۔ کامل ناقص سے اشرف ہے۔ اور چونکہ کمالات
کے درجات متفاوت ہیں۔ اور انتہائے کمال صرف ایک ذات پر موقوف ہے۔ جسے کہ
کمال مطلق اس کے سوا کسی کا حصہ نہیں ہے۔ بلکہ دوسری موجودات کے کمالات ایک
دوسرے کی نسبت متفاوت ہیں۔ جس کا کمال جتنا زیادہ ہے۔ اتنا ہی زیادہ اس ذات کے
قریب ہے جس کو کمال مطلق حاصل ہے۔ اور قرب سے مراد رتبہ اور درجہ کا قرب ہے۔ مثلاً
مخلوق بحیثیت موجودات ایک اعتبار سے دو قسموں میں منقسم ہیں۔ ایک زندہ۔ دوسری بے جان
اور تم بخوبی جانتے ہو کہ زندہ بے جان کی نسبت اشرف و اکمل ہے۔ اس کے بعد یاد رکھو کہ زندہ
کے تین درجے ہیں۔ ایک درجہ ملائک کا۔ دوسرا انسان کا۔ تیسرا بہائم و چرند کا۔ زندگی
کے صحیح مفہوم کا لحاظ کیا جائے تو اس میں بہائم کا درجہ نہایت گرا ہوا ہے۔ کیونکہ زندہ (حی)
وہ چیز ہے جو مدرک اور فعل صادر کرنے والی ہو۔ اور بہائم کے ادراک میں بھی نقص ہے
اور افعال میں بھی نقص ہے۔

بہائم کے ادراک کا نقصان یہ ہے کہ وہ صرف حس ہی میں منحصر ہے۔ اور حس کا ادراک غیر متصل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ انہیں اشیاء کا ادراک کر سکتے ہیں۔ جو دیکھنے، یا سونگھنے یا سننے، یا چکھنے، یا چھونے سے محسوس ہو سکیں۔ اور جو سامنے ہی قریب بھی ہوں۔ اگر یہ اشیاء سامنے موجود نہ ہوں، تو آلات حس بالکل معطل و بیکار رہتے ہیں۔

بہائم کا فعل اس لئے ناقص ہے کہ وہ صرف شہوت اور غضب کے مقتضا میں محصور اور ان میں عقل بھی نہیں۔ جو شہوت و غضب کو روک سکے۔

ملائکہ کا درجہ ان تینوں سے بالا ہے۔ اور یہ وہ مخلوق ہے جس کے ادراک میں مدرکات کے قرب و بعد سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ ان کا ادراک صرف ان اشیاء پر موقوف نہیں ہے۔ جن میں قرب و بعد متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ اشیاء اجسام ہوتے ہیں۔ اور اجسام تمام موجودات میں سے خسیس ہیں۔ نیز یہ مخلوق شہوت اور غضب کی مقتضیات سے پاک ہے پس اس کے افعال شہوت اور غضب کے تقاضے سے نہیں ہیں۔ بلکہ ان افعال کا داعی ایک ایسا امر ہے۔ جو شہوت و غضب سے برتر ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کی طلب ہے۔

انسان کا درجہ ان دونوں مخلوقوں کے مابین ہے۔ گویا وہ بہیمیت (چارپایوں کی صفات) اور ملکیت (فرشتوں کی صفات) سے مرکب ہے۔ اور ابتدائی حالت میں اس پر بہیمیت غالب ہوتی ہے۔ کیونکہ اس وقت اس کو بعض حواس کے ساتھ ادراک حاصل ہوتے جن کے ذریعہ سے ادراک کرنے کے لئے وہ اس بات کا محتاج ہے کہ وہ حسی حرکت سے امر محسوس کی طرف قرب طلب کرے۔ یہاں تک کہ بالآخر اس میں عقل کا نور درخشاں ہوتا ہے جو بدن کی حرکت کئے بغیر اور قرب طلب کئے بدون عالم بالا میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ وہ ایسے ایسے امور کا ادراک کرنے لگتا ہے جو مکانی قرب و بعد کو قبول نہیں کرتے۔ غرض کہ پہلے اس میں شہوت و غضب اپنے مقتضا کے موافق غلبہ دکھاتے ہیں۔ پھر اس کو طلب کمال اور عاقبت بینی کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ پس جب وہ شہوت و غضب کو مغلوب کر لیتا ہے تو یہ دونوں طاقتیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ تو اس سے انسان کو فرشتوں کے ساتھ ایک قسم کی مشابہت ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر اس کا نفس خیالات اور محسوسات کو ترک کر کے ان چیزوں کے ادراک سے مانوس ہو جائے۔ جو حس و خیال کی نسبت سے بالا ہیں۔ تو اس کو فرشتوں کے ساتھ اور بھی مشابہت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حیات کی خاصیت ادراک اور فعل ہے۔ اور یہ

دونوں کم اور متوسط اور کامل ہو سکتے ہیں۔ انسان ان صفتوں میں جوں جوں فرشتوں کی پیروی کرتا جائیگا۔ توں توں درجہ بہیمیت سے دور اور درجہ ملکیت سے قریب ہوتا جائیگا۔ اور یہ درجہ اللہ تعالےٰ سے قریب ہے۔ اور قریب سے قریب ہونے والی چیز بھی قریب ہوتی ہے۔

سوال۔ اس کلام سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خدا اور بندوں کے درمیان مشابہت قائم ہے۔ کیونکہ جب بندہ اس کے اخلاق اپنے وجود میں پیدا کریگا تو اس کے مشابہ ہو جائیگا حالانکہ یہ امر عقلاً و شرعاً معلوم ہے کہ اس کی مثل کوئی چیز نہیں۔ نہ وہ کسی شے کے مشابہ ہے نہ کوئی شے اس کے مشابہ ہے؟

جواب۔ جب تم اس مماثلت کا معنے سمجھ لو۔ جو خدا کی ذات سے بعید ہے تو تم یہ بھی سمجھ لو گے کہ خدا کی کوئی مثل نہیں۔ مگر یہ گمان ٹھیک نہیں کہ کسی وصف میں شریک ہونے سے مماثلت لازم آتی ہے۔ کیا تم کو معلوم نہیں کہ دو ضدیں باہم مماثل نہیں ہوتیں اور ان کے درمیان ایک ایسا بعد ہوتا ہے جس سے زیادہ بعد خیال میں بھی نہیں آسکتا۔ پھر بھی وہ دونوں بہت سی اوصاف میں مشترک ہوتی ہیں۔ مثلاً سیاہی سفیدی کی ضد ہے اور یہ دونوں عرضیت میں اور رنگ میں اور آنکھوں سے محسوس ہونے میں اور اس کے سوا اور بہت سی باتوں میں باہم مشترک ہیں۔

جو شخص یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالےٰ موجود لا فی مکان ہے اور سمیع بصیر عالم مرید متکلم حی قادر اور فاعل ہے۔ اور انسان میں بھی یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ تو کیا وہ خدا کو بندے سے مشابہ کر کے اس کا مثل قرار دیتا ہے۔ حاشا و کلا۔ اگر ایسا ہو۔ تو تمام مخلوقات باہم مشابہ ہوتیں۔ کیونکہ سب کی سب کم از کم وجود میں تو باہم مشارک ہیں۔ بلکہ مماثلت سے مراد نوع اور ماہیت کی مشارکت ہے۔ پس گھوڑا اگرچہ بہت ہی ذکی ہے۔ مگر انسان کی مثل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ نوع میں اس کے مخالف ہے۔ سمجھ میں جو وہ انسان کے ساتھ مشابہ ہے۔ ایک عرض ہے۔ جو انسان کی ماہیت سے خارج ہے۔

خاصیت الٰہی یہ ہے کہ وہ موجود واجب الوجود بذاتہ ہے۔ جو تمام ممکنات کو نہایت عمدگی سے موجود کرتا ہے۔ اس خاصیت میں کسی چیز کا مشارک ہونا تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ اور اگر بندہ کی بعض صفات وصف کے نام ایسے ہیں جو خدا کی خاصیت کے نام

ہیں۔ تو اس سے مماثلت لازم نہیں آتی۔ مثلاً وہ سمیع، بصیر، عالم، قادر، حی اور فاعل ہے اور بندہ بھی سمیع، بصیر، علم، قدرت، زندگی اور فعل سے موصوف ہوتا ہے۔ بلکہ ماہیت اس خاص شے کے لئے ہے۔ اور اس کو اللہ ہی جانتا اور پہچانتا ہے۔

یہ بات خیال میں بھی نہیں آ سکتی کہ اس کے سوا یا ماسوا اللہ اس کی مثل کے سوا اور کوئی چیز اس ماہیت کو سمجھ اور پہچان سکے۔ اور جب اس کا مثل کوئی نہیں تو صرف وہی ایک اپنے آپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ "لا یعرف اللہ الا اللہ تعالیٰ یعنی خدا کو خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ جب انتقال کرنے لگے تو کسی نے پوچھا۔ آپ آپ کا جی کیا چاہتا ہے۔ فرمایا "میرا جی چاہتا ہے کہ مرنے سے پیشتر خدا کو پہچان لوں خواہ ایک لحظہ بھر کے لئے"۔

اس مقام پر اکثر ضعیف الاعتقاد لوگوں کے دلوں میں تشویش انگیز خیالات آیا کرتے ہیں۔ اور ان کو نفی و تعطیل کا وہم دامنگیر ہونے لگتا ہے۔ اس لئے کہ ان کو اس قسم کے کلام کے سمجھنے کی قدرت نہیں ہوتی۔ ہم اس بات کو کھول کر کہتے ہیں۔ سنو:

اگر کوئی کہے کہ "میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں پہچانتا" تو اس کا یہ قول درست ہے۔ اور اگر کہے کہ "میں خدا کو نہیں پہچانتا" تو بھی درست ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ نفی و اثبات اکٹھے صادق نہیں آتے۔ بلکہ ایک صادق آ سکتا ہے۔ کیونکہ نفی کا صادق آنا اثبات کا کاذب ہونا ہے۔ و بالعکس۔ لیکن جب کلام کی وجہ مختلف ہو۔ تو دونوں قسموں میں صدق متصور ہو سکتا ہے۔

جیسے کوئی کسی سے پوچھے "کیا تم ابوبکر صدیق کو جانتے ہو"۔ اور وہ یوں جواب دے کہ "صدیق رضی اللہ عنہ ایسے نہیں ہیں جن کو کوئی نہ جانتا ہو۔ دنیا میں کوئی ایسا شخص نہیں ہو سکتا جو ایسے مشہور و معروف شخص کو نہ جانتا ہو جن کا نام شہرۂ آفاق ہے۔ منبروں پر انہیں کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ مسجدوں میں انہیں کا ذکر ہو رہا ہے۔ زبانوں پر انہیں کی مدح جاری ہے"۔ تو اس کا جواب صحیح ہو گا۔

تو اگر وہی سائل کسی دوسرے شخص سے پوچھے "کیا تم حضرت صدیق رضی اللہ

کو جانتے ہو؟ اور وہ یوں جواب دے کہ "ہاں! میں کیونکر نہیں؟ یہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ
کو جان سکوں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

صدیق رضی اللہ عنہ کو وہی جانتے، جو صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر یا اس سے بڑھ کر ہو۔ میرا یہ دل گردہ کہاں کہ ان کی تعریف کرنے یا ان کی تعریف کے قابل ہونے کی ہمت کر سکوں بھلا مجھ جیسے آدمی پھر تو ان کا نام ہی نام یا ان کی صفات جان سکتے ہیں۔ ان کی معرفت کا دم بھریں تو یہ محال ہے۔" اس شخص کا کہنا بھی بجا سمجھا جائیگا جس کی وجہ تعظیم و احترام ہے۔

اسی طرح اس شخص کا قول بھی بجا سمجھا جا سکتا ہے۔ جو کہتا ہے کہ میں خدا کو جانتا ہوں اور اس کا قول بھی جو کہتا ہے "میں خدا کو نہیں جانتا"۔

بلکہ اگر تم کسی عاقل شخص کو ایک خط دکھا کر پوچھو کہ جس شخص نے اس کو لکھا ہے تم کیا جانتے ہو؟ اور وہ جواب دے کہ "نہیں" تو اس کا جواب درست ہے۔ اور اگر یوں جواب دے کہ "ہاں جانتا ہوں۔ اس کا لکھنے والا انسان ہے زندہ ہے قادر ہے سمیع و بصیر ہے تندرست ہے اور لکھ سکنے والا ہے۔ جب اس کی اتنی صفات مجھ کو معلوم ہیں۔ تو میں اس کو کیوں نہ جانوں" یہ جواب بھی بجا ہے۔ لیکن زیادہ درست اور فی الواقع بجا جواب یہ ہے کہ "نہیں میں اس کو نہیں جانتا" کیونکہ وہ فی الحقیقت اس کو نہیں جانتا۔ اور صرف اتنا اس کو معلوم ہے کہ ایسا خط وہی شخص لکھ سکتا ہے جس میں مذکورہ اوصاف ہوں۔ اور خود کاتب کو نہیں جانتا۔

اسی طرح بندے صرف اتنا جانتے ہیں کہ یہ منتظم و مستحکم عالم ایسے صانع کا محتاج ہے، جو مدبر، حی، عالم اور قدیر ہو۔ اور اس معرفت کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو عالم کے متعلق ہے۔ جس کا مطلب یہ کہ عالم ایک مدبر حقیقی کا محتاج ہے۔ دوسرا پہلو اللہ تعالیٰ سے متعلق ہے۔ اس کا مطلب اسمائے باری تعالیٰ ہیں۔ جو ایسی صفات سے مشتق ہیں جو حقیقت ذات میں داخل نہیں ہیں۔

چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے سوال کیا جائے کہ یہ کیا ہے۔ تو اسمائے مشتقہ اس کا جواب ہرگز نہیں بن سکتے۔ چنانچہ کسی حیوانی وجود کی طرف اشارہ کر کے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب دے کہ "لمبا ہے، سفید ہے۔ یا کوتاہ قد ہے اور سیاہ ہے۔

یا مثلاً پانی کی طرف اشارہ کرکے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے کہ "ٹھنڈا
ٹھنڈا ہے۔ یا مثلاً آگ کی طرف اشارہ کرکے پوچھا جائے کہ یہ کیا ہے۔ اور جواب ملے
کہ "گرم گرم ہے" تو یہ سارے جوابات ماہیت کی رُو سے جواب نہیں ہیں۔ کسی چیز کی معرفت
تبھی حاصل ہو سکتی ہے کہ اس کی حقیقت و ماہیت معلوم ہو جائے۔ نہ کہ صرف نسبتی
چنانچہ ہمارا ایک چیز کو گرم کہنا یہ معنے رکھتا ہے کہ ایک مبہم شے حرارت سے موصوف ہے
اسی طرح ہمارے عالم و قادر کہنے کے یہ معنے ہیں کہ ایک مبہم شے کو علم و قدرت کا وصف
حاصل ہے۔

سوال۔ تو ہمارے اس قول سے کہ "وہ واجب الوجود ہے جس سے تمام ممکن الوجود
اشیاء ظاہر ہوئی ہیں" اس کی حقیقت مراد ہے؟

جواب۔ تو یہ واجب الوجود سے تو صرف یہ مراد ہے کہ وہ علت اور
اور فاعل سے مستغنی ہے جس کا مطلب سلبِ سبب ہے۔ اور ان تمام ممکن الوجود اشیاء
کے ظاہر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں۔ اور اگر یہ
سوال کیا جائے کہ وہ کیا ہے؟ اور ہم جواب دیں کہ "وہ فاعل ہے" یا "وہ جس کی کوئی علت
نہیں ہے" تو یہ جواب نہیں بن سکتا۔ پھر یہ جواب کیونکر کافی ہو سکتا ہے کہ "جس کی کوئی
بھی علت نہیں" کیونکہ یہ ساری تعریفیں اس کی ذات سے خارج ہیں۔ اور ان کا مدعا
صرف کسی خارج الذات اضافت کا اثبات یا نفی ہے۔ اور یہی اسماء، صفات اور
اضافت ہیں۔

سوال۔ تو پھر اس کی معرفت کا کونسا ذریعہ ہے؟

جواب۔ یہ سوال ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی بچہ یا پیدائشی نامرد پوچھے کہ جماع
کی لذت معلوم کرنے کا کونسا ذریعہ ہے۔ تو ہم اس کو یوں جواب دیں گے کہ اس کی دو صورتیں
ہو سکتی ہیں:۔

ایک تو یہ کہ تم کو اس کا وصف بتا دیا جائے۔

دوسرے یہ کہ تم صبر کے ساتھ اس وقت کا انتظار کرو۔ جب تم میں قوت شہوت
پیدا ہو جائے۔ اور تم خود اپنی بیوی کے ساتھ شوہرانہ برتاؤ کرکے جماع کی لذت کا اندازہ لگاؤ۔
یہ دوسرا طریقہ ہی ایسا ہے۔ جو پوری معرفت حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ پہلے طریقہ

میں بجز اس کے اور کوئی فائدہ نہیں کہ اس سے ایک توہم اور کسی دوسری لذت کے ساتھ تشبیہ کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ اور جب شہوت پیدا ہو جاتی ہے تو اس لذت کے چکھنے کا موقع ملتا ہے۔ تو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لذت شکر کی مٹھاس کے مشابہ نہیں ہے۔ اور نہ وہ توہم جو اس کے متعلق تھا، ٹھیک تھا۔ ہاں اتنی بات مان لیا ہے کہ اس کے متعلق جو یہ ثنا کرتے تھے کہ وہ عجیب لذت اور بیشتر لطف ہے۔ تو یہ تعریف شکر کی نسبت اس لذت کے حق میں زیادہ صادق اور صحیح تھی ۔

اسی طرح اللہ تعالےٰ کی معرفت کے دو طریق ہیں۔ ایک تو قاصر ہے۔ دوسرا مسدود ہے ۔

قاصر یہ ہے کہ ہم اس کے اسماء و صفات کا ذکر کریں۔ اور اپنے متعلق جو صفات ہم کو معلوم ہیں۔ مثلاً ہم قادر ہیں۔ عالم ہیں۔ زندہ ہیں۔ متکلم ہیں۔ ان پر قیاس کر کے اسی نوع کی کامل صفات سے اس کو موصوف سمجھیں۔ جس طرح پیدائشی نامرد کو شکر کے ذائقہ کی مثال سے جماع کی لذت سمجھائی جائے۔ مگر ہماری قدرت۔ علم۔ حیات۔ کلام وغیرہ اور خدا کی قدرت و علم و حیات و کلام وغیرہ سے بالکل بعید ہیں۔ اور دونوں میں کچھ بھی مناسبت نہیں ہے۔ اور ان اوصاف کے ساتھ اللہ کی تعریف کرنے کا فائدہ ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت ہے کیونکہ ہمارا فائدہ یہ ہے کہ نامرد کے سامنے لذت جماع کی مثال کے لئے کوئی ایسی لذت پیش کریں جس کو وہ محسوس کرتا ہو۔ جیسے کسی کو میٹھے کھانے کی لذت ہو اور اس کو کہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ شکر لذیذ ہوتی ہے۔ اور اس کو کھاتے وقت خاص مزا آتا ہے۔ اور پرلطف حالت کا احساس ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہیگا۔ ہاں۔ پھر ہم اس کو کہینگے کہ جماع کی لذت بھی ویسی ہی ہے۔ تو کیا آپ کے نزدیک اس تعریف سے اس کو جماع کی حقیقت اسی طرح معلوم ہو جائیگی جس طرح خود صاحب کیفیت کو معلوم ہوتی ہے۔ حاشا وکلا۔ لہذا اس وصف سے مدعا صرف ایہام اور تشبیہ اور اسمی مشارکت سمجھانا ہے۔ ایہام اس لحاظ سے ہے کہ اس سے یہ توہم ہو سکتا ہے کہ یہ امر مطلوب بھی پرلطف ہے۔ تشبیہ اس لحاظ سے کہ اس کو شکر کی مٹھاس سے تشبیہ دیجاتی ہے۔ لیکن تشبیہ کو ہر طرح قطع کر سکتے ہیں کہ لیس کمثلہ شیٔ اس جیسی کوئی چیز نہیں۔ بہرحال حق (زندہ ہے) مگر وہ ہمارے احیاء و زندوں کی طرح نہیں۔ اور وہ قادر ہے مگر دوسرے

قادر شخص کی مثل نہیں۔ جیسے ہم کہتے ہیں کہ عسل شکر کی طرح لذیذ ہے۔ مگر اس کی لذت کو شکر کی لذت سے کچھ مشابہت نہیں ہے۔ ہاں اسمی شراکت ہے ۔

چنانچہ جب ہم یہ معلوم کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حی۔ قادر اور عالم ہے تو ہم ان معنوں کو اپنے پر قیاس کر کے سمجھتے ہیں۔ اسی لئے ایک پیدائشی بہرہ اور نامرد کے جماع ہونے کو سے معلوم کر سکتا ہے۔ اور اسی سبب سے جب کوئی پوچھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیاء کا علم کیونکر ہوتا ہے۔ تو ہم اس کو جواب دیتے ہیں کہ جس طرح تم کو اشیاء کا علم ہوتا ہے۔ پھر اگر کوئی پوچھے کہ وہ قادر کیونکر ہے۔ تو ہم جواب دیں گے کہ جس طرح تم کو قدرت حاصل ہے ۔

غرض کوئی شخص بھی ایک نئی بات کو نہیں سمجھ سکتا ہے۔ جب تک خود اس کے نفس میں اس کے مناسب کوئی بات موجود نہ ہو۔ پس پہلے وہ اپنے وصف کو معلوم کرتا ہے۔ پھر اس پر قیاس کر کے دوسری چیز کے وصف کو سمجھتا ہے ۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کی ذات میں ایک ایسا وصف و خاصیت ہو جس کے ساتھ ہمارے وصف کو کوئی مناسبت اور شراکت نہ ہو۔ اگرچہ تو صرف اسمی اشتراک ہی خواہ ایسی ہی شراکت ہو جیسی شکر کی لذت اور جماع کی لذت میں ہے۔ تو اس کا سمجھنا محال ہے ۔

پس جو شخص اپنی صفات کے سوا اور کچھ نہیں جانتا اور انہیں پر خدا کی صفات کو قیاس کرتا ہے جبکہ اس کی صفات مشابہت سے پاک ہیں۔ تو اس کی یہ معرفت بالکل قاصر ہے جس پر ابہام و تشبیہ غالب ہے۔ پس اس کے ساتھ وہ معرفت شامل ہونی چاہئے جو کہ مشابہت ۔ اصل مناسبت اور شرکت فی الاسم بالکل نفی کرتی ہو ۔

اللہ کی معرفت کا دوسرا مسدود طریقہ یہ ہے کہ بندہ اس امر کا منتظر رہے۔ اس کو تمام صفات ربوبیت حاصل ہو جائیں۔ حتیٰ کہ وہ خود رب بن جائے۔ جس طرح ایک بچہ منتظر ہوتا ہے کہ وہ بالغ ہو کر خود شباب کی لذت چکھ لے۔ اور یہ طریقہ مسدود اور محال ہے۔ کیونکہ خدا کے سوا ایسی حقیقت کا کسی کو حاصل ہونا محال ہے۔ اور یہ پوری حقیقت دکھا دینے والا یہی طریقہ تھا۔ اور وہ قطعاً مسدود ہے ۔

غرض خدا کی حقیقی معرفت خدا کے سوا کسی دوسرے کو حاصل ہونی محال ہے۔ بلکہ

میں کہتا ہوں کہ نبی کی معرفت بھی نبی کے سوا اور کو حاصل نہیں ہو سکتی۔ جو شخص نبی نہیں ہے
وہ نبی کا نام ہی نام جانتا ہے۔ اس کی حقیقت سے مطلع نہیں ہے۔ اس لحاظ سے مطلع ہو ہی
نہیں سکتا ہے۔ بلکہ میں اس پر یہ بھی اضافہ کرتا ہوں کہ کوئی شخص موت کی حقیقت اور بہشت
دوزخ کی حقیقت مرنے یا بہشت و دوزخ میں داخل ہونے کے بعد ہی معلوم کرے گا۔ کیونکہ جنت
سے مراد اسباب لذت ہیں۔ اگر ہم ایک ایسا شخص فرض کریں جس نے کبھی بھی کوئی لذت نہ
دیکھی ہو۔ تو اس کو جنت کا مضمون اس طرح سمجھا دینا غیر ممکن ہے کہ اس کو اس کی خواہش ہو جائے
اور دوزخ سے مراد درد رساں امور ہیں۔ تو اگر ہم کوئی ایسا انسان فرض کریں جس نے کبھی کسی
قسم کا درد محسوس نہ کیا ہو۔ تو اس کو دوزخ کا مضمون سمجھا دینا نہایت مشکل ہے۔ ہاں اگر اس نے
کسی قسم کی تکلیف محسوس کی ہو۔ تو ہم اس کو تکلیف سے کئی گنا تکلیف بتا کر دوزخ متصور
کرا سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر اس نے کھانے پینے جماع اور نظارہ کرنے کی لذتیں چکھی ہوں۔
تو اس کو سمجھا سکتے ہیں کہ ان تمام لذتوں سے بہت ہی بڑی لذت کا نام جنت ہے۔ اگر جنت
کی لذت ان لذتوں کے مخالف ہو۔ تو اس کے سمجھانے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ
ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ لذت فکر کی مثال سے لذت جماع کو ذہن نشین نہیں کر سکتے۔ اور
بہشت کی لذتیں تو ان تمام لذتوں سے جو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں بالاتر ہیں۔ بلکہ وہ ایسی نعمتیں
ہیں جن کو کسی نے آنکھ سے نہیں دیکھا کسی کان نے نہیں سنا اور کسی بشر کے دل میں ان
کا خیال بھی نہیں گذرا۔ اگر ہم ان کو مزیدار کھانوں سے تشبیہ دیتے ہیں تو بھی ساتھ ہی کہنا پڑتا
ہے کہ ان لذتوں کو جنت کی لذت سے کوئی نسبت نہیں۔ اگر ہم ان کو جماع کی لذت سے
تشبیہ دیتے ہیں تو ساتھ ہی اقرار کرتے ہیں کہ وہ لذتیں کچھ اور ہیں اور یہ کچھ اور۔ تو لوگ ہمارے
اس قول پر تعجب کیوں کرتے ہیں کہ زمین و آسمان کی مخلوق نے اللہ کی صفات اور اسماء کے
سوا اور کوئی معرفت اس کے متعلق حاصل نہیں کی۔ ہاں اگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ لوگوں کو جنت
کے نام اور مثالی تعریفوں کے سوا اور کچھ معلوم نہیں ہے۔ اور ہر چیز کا یہی حال ہے جس کا
انسان نے نام اور صفت ہی سنی ہو۔ اور اس کو دیکھا یا محسوس نہ کیا ہو +

سوال۔ عارفین کی معرفت کی غایت کیا ہے!

جواب۔ عارفین کی انتہائے معرفت یہ ہے کہ وہ معرفت سے عاجز ہو جاتے
ہیں۔ اور انسان کی حقیقی معرفت یہ ہے کہ وہ اس کو بیان نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ بات محال ہے کہ

خدا کے سوا کوئی اور ذات خدا کو پوری معرفت کے ساتھ صفات ربوبیت کی حقیقی مراد
سمیت پہچان سکے۔ پس جب یہ بات ان کو مکاشفہ ربانی کے ذریعہ سے معلوم ہو جاتی ہے
تو گویا انہوں نے خدا کو پہچان لیا یعنی وہ معرفت کی اس حد تک پہنچ گئے جو مخلوق کے لئے
ممکن ہے۔ یہ وہ حد ہے جس کی طرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں میں اشارہ
کیا ہے کہ "ادراک کے ادراک سے عاجز ہو جانا بھی ادراک ہے" بلکہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے بھی یہی مراد ہے کہ "لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ
عَلٰی نَفْسِکَ" یعنی "میں تیری کما حقہ پوری تعریف نہیں کر سکتا جس طرح تو نے خود اپنی
تعریف کی ہے" اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ کو خدا کے متعلق کوئی ایسی بات معلوم ہوئی
ہے جس کے ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ملتے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ میں تیرے جلال
اور صفات الٰہیت کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ ان کا احاطہ کرنے والا صرف تو ہی ہے۔ اس
لئے کسی مخلوق کو اس کی حقیقت ذات کے احاطہ کا حق نہیں ملا۔ اور انتہائے معرفت
صرف یہی کہ صفات اور اسماء کی معرفت میں ہے۔

سوال۔ تو پھر لوگ یعنی انبیاء اور اولیاء کے مدارج معرفت میں فرق کس بات
کا ہے؟

جواب۔ ہم بتا چکے ہیں کہ معرفت کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ حقیقی ہے
جو اللہ کے سوا اور سب کے لئے مسدود ہے۔ جو کوئی اس کو حاصل کرنے کی جرأت کرتا ہے
جلال ربانی اس کو حیران کر دیتا ہے۔ اور ہیبت الٰہی اس کی آنکھیں بند کر دیتی ہے۔

دوسرا طریقہ جس سے مراد اسماء و صفات کی معرفت ہے۔ یہ مخلوق کے لئے عام
ہے۔ اور اس میں مخلوق کے مدارج متفاوت ہیں۔ پس جو شخص صرف اتنا جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ
عالم و قادر ہے۔ وہ اس شخص کی برابری نہیں کر سکتا جو خدا کی ان صفتوں کو اپنی آنکھوں سے
ان کے نتیجہ میں ظاہری طور پر ملاحظہ کرتا ہے۔ اور اس کے ملک کی عجائبات اور اس کی حیرت انگیز
صنعتوں پر نظر ڈالتا ہے۔ جس میں حکمت کی باریکیوں کو سمجھتا ہے۔ اور ان فرشتوں سے واقف
ہے جو خدا کے مقرب ہیں۔ بلکہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اس بات کو
ہم ایک مثال سے سمجھاتے ہیں وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔

تم جانتے ہو کہ ایک عالم متقی کامل مثلاً امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کو، ان کا

دسواں بھی ہوتا ہے۔ اور ان کے شاگرد قزوینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی جانتے ہیں۔ وہاں تو صرف
اس قدر جانتا ہے کہ وہ شہر کے ایک عالم ہیں۔ اور لوگوں کو مسائل بتاتے ہیں۔ اور قزوینی رحمۃ
جو ان کو جانتے ہیں۔ قزوینی کا جاننا وہاں کے مثل نہیں ہے۔ بلکہ وہ پوری پوری معرفت
اور تفصیل صفات و حالات کے ساتھ ان کو جانتے ہیں۔

بلکہ جو عالم اُس قسم کے علوم کو بھی جانتا ہے۔ اُس کو بس کہ وہ شاگرد بھی اچھی طرح
جاننے کا دعوےٰ نہیں کر سکتا جو صرف ایک علم میں اُس کا شاگرد ہے۔ اور اُس کا وہ شاگرد
جس نے اُس سے کچھ بھی علم نہیں پڑھا اس کو جانتا ہی نہیں۔ بلکہ جو شاگرد ایک علم میں اس کا شاگرد
ہے۔ اُس کو گویا اس کے اوصاف میں سے صرف دسواں حصہ معلوم ہے۔ بشرطیکہ اس ایک
علم میں بھی اس کے برابر ہو۔ ورنہ اگر اس میں کچھ بھی اس سے کم ہوا۔ تو گویا وہ بھی اس کو پورا
نہیں پہچانتا۔ بلکہ صرف نام ہی نام جانتا ہے۔

اسی طرح خدا کی معرفت میں مخلوق متفاوت ہے جس کو جس قدر زیادہ اس کی قدرت
کے آثار اور کیفیات معلوم ہیں اسی قدر زیادہ معرفت اس کو حاصل ہے۔ اور اس کی معرفت
اسی قدر حقیقی معرفت کے قریب ہے۔

سوال۔ جب اس کی ذات کی حقیقی معرفت محال ہے۔ تو کیا اسماء و صفات کی
پوری پوری معرفت بھی محال ہے یا نہیں؟

جواب۔ یہ بھی نہایت بعید ہے۔ خدا کی صفات و اسماء کا حقیقی اور کامل علم
بھی خود اسی کو ہے۔ اس لئے کہ جب کسی کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مثلاً وہ ایک ذات عالم ہے تو
ہم کو ایک مبہم شے کا علم ہو جاتا ہے جس کی حقیقت سے ہم بے خبر ہیں۔ لیکن اتنا جانتے ہیں
کہ اس میں علم کی صفت موجود ہے۔ اگر ہم اس کی صفت علم کی پوری حقیقت جانتے ہوتے
تو پھر ہمیں اس بات کی نسبت کہ وہ عالم ہے پورا پورا علم حاصل ہوتا۔ حالانکہ نہیں۔ مگر اللہ کے
علم کی حقیقت کو تو اس کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔ پس اس کے سوا کوئی بھی اس کی معرفت
بالعلم کو نہیں پہونچ سکتا۔ اور اگر کوئی سمجھتا ہے تو اپنے علم پر قیاس کر کے سمجھتا ہے۔ جیسے کہ ہم
شطرنج کی مثال میں بیان کر چکے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کو مخلوق کے علم سے کوئی نسبت نہیں رکھتا
پس مخلوق کی معرفت اس کی ذات و صفات کے متعلق حقیقی نہیں ہو سکتی۔ البتہ تو تقلیدی اور
الہامی ہو سکتی ہے۔

اوپر کے بیان سے تم کو تعجب نہ ہونا چاہیے۔ دیکھو ایک جادوگر تو خود اس کا دل ہی جانتا ہے۔ یا کوئی دوسرا اس سے پوچھ کر یا بطور کاہن جادوگر جان سکتا ہے۔ بخلاف اس کے جس شخص کو جادو کا علم نہیں ہے۔ اور نہ وہ اس کی حقیقت و ماہیت سے واقف ہے۔ وہ تو جادوگر کا نام ہی نام جانتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اتنا جانتا ہے کہ اس کو جادو کا علم آتا ہے اس سے آگے اس کو یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ علم کیسا ہے۔ کیونکہ اس کو اس علم کا موضوع ہی معلوم نہیں ہے۔ اور نہ اس کی خاصیت معلوم ہے۔ ہاں اتنا جانتا ہے کہ یہ خاصیت گو مبہم ہے مگر علوم کی قسم سے ہے۔ اور ساحر کا اثر و تغیر قلوب اور تبدیل اوصاف اور زن و شوہر میں تفرقہ اندازی ہے۔ مگر یہ باتیں اس کی حقیقی شناخت سے بالکل جدا ہیں۔ اور جس کو جادو کی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ وہ جادوگر کی حقیقت کیا سمجھیگا۔ کیونکہ ساحر (جادوگر) وہ ہے جس کو سحر (جادو) کی خاصیت حاصل ہوتی ہے۔ اور اسم ساحر کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک ایسا اسم ہے جو اس صفت سے مشتق ہے۔ اگر یہ صفت نامعلوم ہے تو یہ اسم بھی نامعلوم ہوگا۔ اور اگر وہ معلوم ہے تو یہ بھی معلوم ہوگا۔ اور عام لوگوں کو سحر کے متعلق صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک وصف ہے۔ مگر یہ بات ماہیت سے بعید ہے۔

اسی طرح ہم کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ ایک وصف الٰہی ہے جس کا اثر اور با اثر اشیاء کا وجود ہے اور اسم قادر اس پر منطبق ہے۔ کیونکہ وہ ہماری قدرت کے ساتھ اسی طرح نسبت رکھتی ہے جس طرح ہماری لذت شکر کی لذت کے ساتھ نسبت رکھتی ہے۔ اور یہ بات اس قدرت کی حقیقت سے بالکل بعید ہے۔ ہاں بندہ جس قدر خدا کی مقدورات میں اپنی نظر وسیع کرتا جائیگا۔ اسی قدر وہ صفت قدرت کے سمجھنے میں زیادہ بہرہ یاب ہوگا۔

جس طرح شاگرد کو اپنے استاد کے علم کی جس قدر تفاصیل اور تصانیف معلوم ہوں اسی قدر وہ اس کو زیادہ صحیح طور پر جانتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے عارفین کی معرفت کے تفاوت کا۔ کیونکہ بندہ کا ذہن خدا کے تمام معلومات تک پہنچ نہیں سکتا۔ ان کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ اور جن تک پہنچ سکتا ہے ان کی بھی کوئی انتہا نہیں۔ اگرچہ موجودات متناہی ہیں۔ لیکن دین کے امور کی انتہا نہیں۔ ہاں یہ علم جس درجہ تک حاصل ہوتا ہے۔ اس کو متناہی کہہ سکتے ہیں۔ اور ایسے مدارج قلت و کثرت کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ اور اسی

تفاوت سے لوگوں کی معرفت متفاوت ہے۔ اور یہ تفاوت بڑا ہی ہے۔ جیسے مال کی کثرت وقلت کے باعث غنا میں تفاوت ہوتا ہے چنانچہ ایک شخص کے پاس ایک پیسہ ہے۔ اور دوسروں کے پاس ہزاروں روپے ہیں۔ یہی حال علوم کا ہے۔ بلکہ علم کا تفاوت سب سے بڑا ہے۔ کیونکہ معلومات کی انتہا نہیں ہے۔ اور اس سوال ایسا امر ہے جن کی انتہا مسلم ہے۔

اس بیان سے تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ مخلوق خدا کی معرفت میں کیونکر تفاوت ہے۔ اور اس تفاوت کی کوئی انتہا نہیں۔ اور یہ بھی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ قول کہ "اللہ کو اللہ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا" بالکل درست ہے۔ اور یہ قول بھی صحیح ہے کہ "میں اللہ کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا" کیونکہ اللہ اور اس کے افعال کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے پس جب اس کے افعال کو اس کے افعال کی حیثیت سے دیکھا جائے۔ تو نظر اسی پر جمے گی۔ اور ان کو اس حیثیت سے نہ دیکھے گی کہ وہ آسمان یا زمین یا درخت یا پہاڑ ہے۔ بلکہ اس حیثیت سے کہ یہ چیزیں اس کی صنعت کا نمونہ ہیں۔ پس اس کی معرفت درگاہ خداوندی سے باہر نہیں جاتی۔ اور وہ کہہ سکتا ہے کہ "میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا" اور "میں خدا کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا"۔

فرض کرو ایک شخص دنیا بھر میں صرف سورج کو اور اس کے نور کو جو دنیا بھر میں پھیلا ہے دیکھتا ہے۔ تو اس کا یہ کہنا صحیح ہوگا کہ "میں سورج کے سوا اور کوئی چیز نہیں دیکھتا" کیونکہ نور جو اس سے پھیلتا ہے وہ بھی اسی میں سے ہے۔ اس سے خارج نہیں ہے۔ پس تمام موجودات قدرت ازلی کے انوار میں سے ایک نور ہیں۔ اور جس طرح سورج تمام عالم میں پھیلنے والے نور کا سرچشمہ ہے۔

اسی طرح وہ معنے جس کو ادا کرنے سے عبارت قاصر ہے۔ ضرورتاً قدرت ازلیہ سے موسوم کیا گیا۔ اور وہ اس وجود کا سرچشمہ ہے۔ جو ہر موجود پر فائض ہوا ہے۔ لہذا درحقیقت خدا کے سوا اور کوئی چیز موجود نہیں ہے۔

پس عارف کہہ سکتا ہے کہ میں خدا کے سوا کسی کو نہیں جانتا۔ اور عجب نہیں کہ اگر کہے کہ "خدا کے سوا کوئی شے جانی نہیں جاتی" تو بھی صحیح ہے۔

لیکن پہلا قول اور وجہ سے ہے۔ اور دوسرا اور وجہ سے ہے۔ اگر اختلاف وجود

کی صورت میں دو متناقض قول صحیح ہوتے۔ تو سارا وحدۃ اللہ کا یہ قول صحیح ہو گا کہ "مَا
رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" حالانکہ وہ صحیح ہے کیونکہ تا سے
(پھینکنے والے کے) دو لحاظ ہیں۔ ایک لحاظ سے یہ فعل بندے سے
منسوب ہے، دوسرے لحاظ سے رب سے منسوب
اور اس میں کوئی تناقض نہیں ہے۔ ""

اب ہم اپنے مسئلہ بیان کی طرف رکتے ہیں۔ کیونکہ ہم ایسے میدان میں
آ پڑے۔ جس کی انتہا نہیں ہے۔ اور اب
اسماء الحسنیٰ
کے مسائل کی تفصیل شروع کرتے ہیں۔

۱؎ یعنی نہیں کنکریاں پھینکیں تو نے جب کہ پھینکیں مگر اللہ نے پھینکی تھیں۔

دوسرا فن مقاصد خاص

پہلی فصل

اللہ کے ننانوے نام کی شرح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہ اللہ تعالے کے نام ننانوے یعنی ایک کم سو ہیں۔ کیونکہ وہ طاق ہے اور طاق عدد کو پسند کرتا ہے جو کوئی ان سارے اسماء کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

۱		۲	۳	۴	۵	۶	
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ		اَلرَّحْمٰنُ	اَلرَّحِيْمُ	اَلْمَلِكُ	اَلْقُدُّوْسُ	اَلسَّلَامُ	
۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴
اَلْمُؤْمِنُ	اَلْمُهَيْمِنُ	اَلْعَزِيْزُ	اَلْجَبَّارُ	اَلْمُتَكَبِّرُ	اَلْخَالِقُ	اَلْبَارِئُ	اَلْمُصَوِّرُ
۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲
اَلْغَفَّارُ	اَلْقَهَّارُ	اَلْوَهَّابُ	اَلرَّزَّاقُ	اَلْفَتَّاحُ	اَلْعَلِيْمُ	اَلْقَابِضُ	اَلْبَاسِطُ
۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰
اَلْخَافِضُ	اَلرَّافِعُ	اَلْمُعِزُّ	اَلْمُذِلُّ	اَلسَّمِيْعُ	اَلْبَصِيْرُ	اَلْحَكَمُ	اَلْعَدْلُ
۳۱	۳۲	۳۳	۳۴	۳۵	۳۶	۳۷	۳۸
اَللَّطِيْفُ	اَلْخَبِيْرُ	اَلْحَلِيْمُ	اَلْعَظِيْمُ	اَلْغَفُوْرُ	اَلشَّكُوْرُ	اَلْعَلِيُّ	اَلْكَبِيْرُ
۳۹	۴۰	۴۱	۴۲	۴۳	۴۴	۴۵	۴۶
اَلْحَفِيْظُ	اَلْمُقِيْتُ	اَلْحَسِيْبُ	اَلْجَلِيْلُ	اَلْكَرِيْمُ	اَلرَّقِيْبُ	اَلْمُجِيْبُ	اَلْوَاسِعُ

مکمل ہے وہ محض تکلف و تعسف[۲] ہے ۔

فائدہ ۔ یہ نام ننانوے ناموں سے بڑا ہے ۔ کیونکہ وہ ایسی ذات پر دلالت کرتا ہے جو بلا استثنا تمام صفات الٰہیت کی جامع ہے ۔ باقی تمام نام ایک ایک صفت پر دلالت کرتے ہیں ۔ مثلاً علم ۔ قدرت اور فعل وغیرہ میں سے کسی ایک پر ۔ اور اس لئے وہ تمام اسماء کی نسبت اس کے ساتھ زیادہ خصوصیت رکھتا ہے ۔ کیونکہ وہ اس کے سوا اور کسی کے لئے حقیقتاً یا مجازاً استعمال نہیں کیا جاتا ۔ باقی اسماء کے ساتھ اوروں کو بھی موسوم کر دیا جاتا ہے ۔ جیسے قادر ۔ علیم رحیم وغیرہ ۔ انہیں وجوہ سے ظن ہو سکتا ہے کہ یہ نام اسم اعظم ہے ۔

نکتہ ۔ تمام اسماء کے معانی کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ بندہ ان کے ثبوت سے متصف ہو سکتا ہے ۔ یہاں تک کہ اس پر رحیم ۔ علیم ۔ حلیم ۔ صبور اور شکور کا اسم بولا جا سکتا ہے اگرچہ اس قسم کے اسماء کا اطلاق بندہ پر کسی اور وجہ سے ہو ۔ اور اللہ پر ان کا اطلاق اور وجہ سے ۔ مگر اللہ کا معنی اس قسم کا نہیں ہے ۔ وہ خاص اللہ سے مخصوص ہے ۔ اس میں کوئی حقیقی یا مجازی شرکت نہیں پائی جاتی ۔ اور اسی خصوص کی وجہ سے تمام اسماء کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے نام ہیں ۔ چنانچہ یوں کہیں گے کہ الصبور اور الشکور اور الجبار اور الملک ، اللہ کے نام ہیں ۔ یوں نہیں کہتے کہ اللہ ، صبور یا شکور کا نام ہے کیونکہ اسم اللہ کی حیثیت معانی الٰہیت پر سب سے زیادہ دلالت کرتا ہے ۔ اور سب کی نسبت اللہ کے ساتھ زیادہ خاص ہے ۔ لہذا سب سے زیادہ مشہور اور ظاہر بھی ہے ۔ یہی وجہ ہے اس کی تعریف کے لئے دوسرے اسماء کی ضرورت نہیں ۔ اور دوسرے اسماء کی تعریف کے لئے اس کی[۱] نسبت لازم ہے ۔

تنبیہ ۔ بندہ کو اس اسم سے تألّہ حاصل کرنا چاہئے یعنی اس کا دل اور خیال اللہ تعالیٰ میں محو ہو ۔ اس کے سوا کسی طرف نہ التفات کرے ۔ نہ توجہ کرے ۔ نہ کسی سے امید رکھے ۔ اور نہ کسی غیر سے ڈرے ۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ اس اسم کا مفہوم یہی ہے کہ وہ موجود حقیقی و برحق ہے اور باقی سب اس کے سوا فانی اور ہالک اور باطل ہیں یہاں وہ اپنے آپ کو سب سے پہلے ہالک و باطل سمجھے گا ۔ جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہا ۔ چنانچہ ایک موقع پر آپ نے فرمایا " عرب کی شاعری میں سب سے زیادہ سچا شعر

[۱] مثلاً رحمٰن کی تعریف کے لئے کہتے ہیں کہ رحمٰن ، اللہ کا نام ہے ۱۲

[۲] تعسف ۔ بے راہ چلنا ۱۲

لبید کا یہ مصرع ع

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ

یاد رکھو کہ خدا کے سوا تمام موجودات فانی ہے ✦

(۲) اَلرَّحْمٰنِ — نہایت رحم والا

(۳) اَلرَّحِیْمِ — بہت مہربان

یہ دونوں اسم رحمت سے مشتق ہیں۔ اور رحمت مرحوم کی مستدعی ہے۔ اور جو مرحوم ہوگا وہ محتاج ہوگا۔ سو اگر کسی نے کسی محتاج کی حاجت بلا ارادہ و قصد پوری کی ہو تو اس کو رحیم نہ کہیں گے۔ اور جو کوئی اس کی حاجت پوری کرنے کا ارادہ تو کرے، مگر پوری نہ کرے۔ تو اگر وہ اس کے پورا کرنے پر قادر تھا۔ تو رحیم نہیں کہلائے گا۔ کیونکہ اگر اس کا ارادہ کامل ہوتا تو اسے پورا کر دکھاتا۔ اور اگر اس کو پورا کرنے سے عاجز ہو تو اس کو اس کی رقت قلب کے لحاظ سے رحیم کہیں گے۔ لیکن وہ ناقص رحیم ہے ✦

رحمت تامہ یہ ہے کہ محتاجوں سے بھلائی کی جائے۔ اور ان کے حال پر توجہ مبذول رکھتے ہوئے ان کے حق میں نیکی کا ارادہ کیا جائے ✦

رحمت عامہ یہ ہے کہ مستحق و غیر مستحق سب کو شامل ہو ✦

اللہ کی رحمت تامہ بھی ہے اور عامہ بھی۔ اس کی رحمت کا تامہ ہونا تو اس حیثیت سے ہے کہ وہ محتاجوں کی حاجت روائی کا ارادہ بھی کرتا ہے۔ اور اس کو پورا بھی کر دیتا ہے۔ اور عامہ ہونا اس حیثیت سے ہے کہ وہ مستحق اور غیر مستحق سب کو شامل ہے۔ اور دنیا و آخرت میں عام ہے۔ اور ضرورت و حاجات اور ان سے زائد امور پر مشتمل ہے۔ غرض کہ وہ رحیم مطلق و برحق ہے ✦

نکتہ۔ رحمت کے لئے ایک ایسی رقت لازم ہے جو رحیم کو مشوش کرے اور اسے محتاج کی حاجت پورا کرنے پر اکساتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ایسی تاثر و انفعال سے پاک ہے۔ شاید تم خیال کرو کہ یہ رحمت کے معنے میں نقص ہے۔ سو واضح ہو کہ یہ امر رحمت کے معنے کے لئے نقصان نہیں۔ بلکہ کمال ہے۔ نقصان اس لئے نہیں ہے کہ کمال رحمت کمال ثمرہ پر موقوف ہے۔ اور جب کسی محتاج کی حاجت کو کما حقہ پورا کر دیا جائے۔ تو

محتاج کو رحم کے درد دل سے کوئی خاص نفع نہیں ملتا۔ رحم کا درد دل اس کے ضعف قلب
اور کمزوری نفس کے باعث ہوتا ہے۔ اور یہ ضعف محتاج کے غنا میں کوئی اضافہ نہیں
کر دیتا جب کہ اس کی حاجت پوری طرح مہیا ہو گئی ہو۔

کمال اس لئے ہے کہ جو رحیم رقت اور درد دل کے باعث رحم کرتا ہے
ممکن ہے اس کا فعل اپنے نفس سے رقت دور کرنے کی غرض سے ہو۔ تو اس کا یہ کہنا ہو گا
کہ اپنے نفس کی رعایت کی اور نفس ہی کی غرض کے لئے سعی کی۔ اور یہ امر کمال رحمت کیلئے
نقص ہے۔ کمال رحمت یہ ہے کہ راحم کی نظر مرحوم کی طرف مرحوم کی خاطر ہو۔ نہ کہ خود رقت
کے درد سے آرام پانے کی غرض سے۔

فائدہ۔ الرحمٰن بہ نسبت الرحیم کے خاص ہے۔ اسی لئے اللہ کے سوا
اور کسی کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ اور رحیم کا غیر اللہ پر بھی اطلاق کیا جاتا ہے۔
پس اس وجہ سے وہ اسم اللہ کے قریب ہے۔ اور علم کا کام دے رہا ہے۔ اگرچہ وہ رحمت
سے مشتق ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں اسموں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے
کہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى (یعنی
کہہ دے کہ خواہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو جس کو پکارتے ہو (پکارو) بہر صورت (یہ) اسی
کے نام اچھے ہیں)۔

پس اس وجہ سے بھی اور ہمارے اس بیان سے بھی کہ خدا کے شمار کردہ اسماء میں
ترادف نہیں ہے۔ لازم آتا ہے کہ ان دونوں اسموں کے معنوں میں فرق کیا جائے۔ چنانچہ
مناسب یہ ہے کہ الرحمٰن سے ایک قسم کی رحمت مفہوم ہو جو بندوں کی مقدورات سے
بالکل بعید ہو۔ اور یہ وہ ہے جو سعادت اخرویہ سے تعلق رکھتی ہے۔ پس الرحمٰن وہ ہے جو
بندوں پر مہربانی کرتا ہے۔ اول تو ان کو پیدا کر کے۔ دوسرے ان کو ایمان اور اسباب سعادت
کی طرف ہدایت کر کے۔ سوم آخرت میں ان کی بہتری کے سامان کر کے۔ چہارم
ان کو اپنے دیدار سے بہرہ ور کر کے۔

تنبیہ۔ اسم الرحمٰن سے بندہ کو خاص حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے غافل بندوں پر
رحم کر کے ان کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے نرمی کے ساتھ غفلت کے راستے سے
پھیر کر خدا کی راہ دکھائے۔ اور نافرمان لوگوں کو رحمت کی نظر سے دیکھے نہ استحقار کی نگاہ سے

نہ دیکھے۔ اور جو برائی دنیا میں واقع ہو اُس کو ایسا سمجھے کہ خود اسی کے نفس سے واقع پذیر ہوئی ہے۔ لہٰذا مقدور بھر اس کے ازالہ میں کوتاہی نہ کرے محض اس عاصی کے حال پر ترس کھا کر کہ بیچارہ کہیں خدا کے غضب میں گرفتار نہ ہو جائے۔ اور اس کے قرب سے محروم نہ رہے +

اسم رحیم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ جب وسعت بھر کے کسی محتاج کو اپنے پڑوس یا شہر میں دیکھے تو اس کی حاجت پوری کرے۔ اور اس کی محتاجی دُور کرے۔ خواہ اپنے مال سے یا اپنے رسوخ و وجاہت کے ذریعے سے۔ یا اس کے لئے دوسرے سے سفارش کرے۔ اگر ان ساری باتوں سے عاجز ہو۔ تو ایسی شفقت و رعایت کے ساتھ دعا اور اظہار ہمدردی سے اس کا ہاتھ بٹائے کہ گویا اس کی تکلیف و مصیبت میں شریک ہو +

سوال۔ شاید تم پوچھو کہ جب وہ رحیم بلکہ ارحم الراحمین ہے۔ اور رحیم جب کسی کو مبتلا یا مصیبت زدہ۔ یا مضطرب۔ یا مریض پاتا ہے۔ اور وہ اس کی تکلیف کو دُور کرنے پر قادر بھی ہوتا ہے۔ تو فوراً دُور کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو ہر بلا کے دُور کرنے اور ہر محتاجی کے رفع کرنے اور ہر مرض کے شفا دینے اور ہر تکلیف کے نجات بخشنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اور دنیا امراض، مصائب اور بلیات سے پُر ہو رہی ہے جن کو تمام رفع کر دینے پر وہ قادر ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اس رحیم نے اپنے بندوں کو ان تکالیف و مصائب میں مبتلا رہنے دیا ہے۔ اس کا ؟

جواب۔ وجہ یہ ہے کہ چھوٹے بچے کی ماں اُس کے پچھنے لگوانے سے گریز کرتی ہے مگر عقلمند باپ اس کو بزور پچھنے لگوانے پر مجبور کرتا ہے۔ نادان آدمی گمان کرتا ہے کہ رحیم ماں ہے نہ باپ نہیں۔ مگر دانا سمجھتا ہے کہ باپ کا اپنے بچے کو پچھنوں کی تکلیف پہنچانا عین محبت اور کمال درجہ کی شفقت و عنایت ہے۔ ماں تو ایک دوست نما دشمن ہے۔ اس میں شک نہیں کہ تھوڑی تکلیف جو بہت سے آرام کی موجب ہو وہ بُری نہیں بلکہ غنیمت ہوتی ہے رحیم اپنے موصوف کے حق میں بہرحال بھلائی چاہتا ہے۔ ہر برائی کے ضمن میں کوئی نہ کوئی بھلائی مضمر ہے۔ اگر اس برائی کو رفع کر دیا جائے۔ تو اس کے ضمن میں بھلائی بھی باطل ہو جائیگی جس سے وہ پہلے کی نسبت بڑی برائی بن جائیگی +

چنانچہ گلے ہوئے ہاتھ کا کاٹا جانا بظاہر ایک برائی ہے۔ مگر اس کے ضمن میں ایک بہت بھلائی ہے۔ وہ کیا؟ بدن کی سلامتی۔ اگر ہاتھ کاٹا نہ جائے۔ تو سارے بدن کو ہلاک

ہو جانا یقینی ہے۔ اس وقت یہ بُرائی بہت ہی تھوڑی ہوگی۔ غرض کہ ہاتھ کا کاٹ ڈالنا سلامتی بدن
کی غرض سے ایک ایسی شر ہے، جو اپنے پہلو میں خیر لئے ہوئے ہے۔ لیکن کاٹنے والے کی اصلی
مراد سلامتی بدن ہے۔ جو ایک خالص بھلائی ہے۔ پھر چونکہ یہ مراد ہاتھ کے کاٹنے ہی سے
حاصل ہو سکتی تھی۔ لہٰذا اُس نے ہاتھ کو کاٹنے کا ارادہ کیا۔ تو چونکہ پہلے سلامتی مطلوب لذاتہٖ تھا
تھی۔ اور پھر ہاتھ کا کاٹنا مطلوب لغیرہٖ۔ لہٰذا یہ دونوں امر گو ارادے کے تحت میں داخل ہیں
مگر ایک مطلوب لذاتہٖ ہے اور دوسرا امر مراد لغیرہٖ۔ مراد لذاتہٖ کا درجہ مراد لغیرہٖ سے مقدم ہے
اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ یعنی میری رحمت میرے
غضب سے مقدم ہے۔

پس اس کا غضب شر کا ارادہ ہے، اور اس کی رحمت خیر کا قصد ہے۔ لیکن خیر کا ارادہ
محض خیر ہی کے لئے ہے، اور شر کا ارادہ محض شر کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ اس خیر کی خاطر ہے
جو اس کے ضمن میں ہے۔ الغرض خیر مقتضی بالذات ہے۔ اور شر مقتضی بالعرض۔ اور پھر
مقدر ہو چکا ہے۔ اور اس میں ہرگز کوئی بات منافی رحمت نہیں ہے۔

اب اگر تمہارے دل میں یہ سوال پیدا ہو کہ کیا کوئی ایسی خیر ممکن نہیں ہے جس کے
تحت میں کوئی شر نہ ہو۔ سو اگر تم خیال کرو کہ کیا اس خیر کا حاصل کرنا شر کے بغیر ممکن نہ تھا۔ تو اپنی
عقل کی کمزوری پر محمول کرو۔ یہ سمجھنا کہ فلاں شر کے ضمن میں کوئی خیر نہیں۔ عقل کے بس کا نہیں
ممکن ہے کہ ایسی صورت میں تمہاری کیفیت اس بچے کی سی ہو، جو پچھنے لگوانا محض شر سمجھتا
ہے۔ یا احمق اور ناقص کی سی، جو قتل قصاص کو شر محض خیال کرتا ہے۔ کیونکہ وہ صرف مقتول
کی خصوصیت کو مدنظر رکھتا ہے، جس کے حق میں بےشک وہ قتل شر محض ہے۔ مگر اس خیر عام
کو نہیں دیکھتا، جو قصاص کے ذریعے سے عام تمدن پر عاید ہوتی ہے۔ اور وہ یہ نکتہ نہیں
سمجھتا کہ شر قصاص کے ذریعے سے خیر عام پر فائز ہونا خود خیر محض ہے۔ اور خیر محض کو کسی
صورت میں ہاتھ سے نہ دینا چاہئے۔

دوسرے خیال کی نسبت بھی تم اپنی عقل ہی کو قاصر سمجھو۔ اور وہ یہ کہ خیر کا حاصل
کرنا شر کے بغیر بھی ممکن ہے۔ کیونکہ یہ معنی بھی نہایت باریک و دقیق ہیں۔ کسی بات کا
استحالہ و امکان صاف طور پر یا معمولی طور سے سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ بلکہ اس کے لئے علم
دین کی موشگافی قوت فکریہ درکار ہے۔ پھر بھی اکثر اہل فکر اس کے سمجھنے میں ناکام رہتے

یہی غرض ان دونوں اقوال میں ہے تم اپنے ذہن میں عقل کا تصور سمجھو ◆
خدا کے ارحم الراحمین ہونے میں مطلق شک نہ کرو۔ اور یقین رکھو کہ اس کی رحمت
اس کے غضب پر مقدم ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ جو کوئی بغض شر کے لئے شر کا قصد
کرے بغیر خیر کے لئے ذکر کے وہ ہرگز رحیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے ◆
اس بیان کے ضمن میں ہم اس سربستہ راز کا پتہ بتا گئے ہیں جس کو صاف صاف
بیان کرنے سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ فالکنایۃ ابلغ من الصراحۃ۔ صاحب
نظر ہوگا۔ تو خود سمجھ جائیگا ؎

لقد اسمعت لو نادیت حیاً
ولکن لا حیاۃ لمن تنادی

یہ خطاب عام لوگوں سے تھا۔ میرے دینی بھائی جن کی خاطر یہ کتاب لکھی گئی ہے
ان لوگوں سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ خدا کے راز سے آشنا ہیں۔ اور اس قسم کی تنبیہات سے
مستغنی ہیں ◆

(۴) المَلِکُ

(بادشاہ)

مَلِک وہ ہے۔ جو اپنی ذات وصفات میں ہر موجود سے مستغنی ہے۔ اور
ہر موجود اس کا محتاج ہے۔ بلکہ کوئی چیز اپنی ذات میں، صفات میں، وجود میں، بقا میں
غرض کسی بات میں بھی اس سے مستغنی نہیں ہے۔ ہر موجود کا وجود اس سے ہے یا اس کے
ساتھ منسوب ہونے والی کسی دوسری شے سے ہے۔ اس کے سوا ہر چیز اپنی ذات و صفات
میں اس کی مملوک ہے۔ اور وہ ہر چیز سے مستغنی ہے۔ الغرض ایسی ذات مَلِک
مطلق ہے ◆

تنبیہ۔ بندہ مَلِک مطلق نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ ہر چیز سے مستغنی نہیں ہے
اگر بالفرض موجودات سے مستغنی ہے۔ تو خدا کا تو ہمیشہ کے لئے محتاج ہے۔ اور ہر شے
اس کی محتاج بھی نہیں ہے۔ بلکہ اکثر موجودات اس سے مستغنی ہیں۔ لیکن جس صورت میں
کہ وہ بعض سے نہیں تو بعض دیگر سے مستغنی ہو۔ اس وقت وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مَلِک

کہا سکتا ہے۔

الغرض بندوں میں سے ملک وہ ہے جس پر خدا کے سوا کسی کا تسلط نہ ہو بلکہ وہ خدا کے سوا سب سے مستغنی ہو۔ اور وہ باطنی سلطنت پر ایسا قابض ہو کہ فوج اور رعایا اس کی اطاعت کا دم بھرتی ہوں۔

سچ پوچھو تو بندہ کی خاص سلطنت اس کا دل اور قالب ہیں۔ اور فوج اس کی شہوت، غضب اور خواہشات ہیں۔ اور رعیت اس کی زبان، آنکھیں، ہاتھ اور تمام جوارح ہیں۔ جب وہ ان پر قابض ہو جاتا ہے اور وہ اس کے مطیع ہو جاتے ہیں۔ تو وہ اپنے عالم وجود میں بادشاہ بن جاتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی وہ لوگوں سے مستغنی بھی ہو جائے اور لوگ اپنی فانی و باقی زندگی میں اس کے محتاج ہوں۔ تو وہ روئے زمین کا بادشاہ ہے۔ اور یہ رتبہ انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ وہ ابدی زندگی کی ہدایت پاتے ہیں۔ خدا کے سوا کسی دوسرے کے محتاج نہیں ہیں۔ اور دوسرے تمام لوگ ان کے محتاج ہیں۔

اس شاہی سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کے بعد علما کا درجہ ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ ان کی بادشاہی اس قدر ہوتی ہے جس قدر وہ بندوں کو ہدایت کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ اور جس قدر طلب ہدایت میں لوگوں سے مستغنی ہوتے ہیں۔

ان صفات کی بدولت بندہ فرشتوں سے مل جاتا ہے۔ اور خدا کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ یہ بادشاہی اس ملک برحق کی طرف سے جس کی بادشاہی میں شک و نقص نہیں ہو سکتی بندے کے لئے بڑا عطیہ ہے۔

کسی عارف کی یہ گفتگو کس قدر درست ہے۔ جو اس نے ایک امیر کے ساتھ کی تھی:-

امیر:- مانگ جو چاہتا ہے۔

عارف:- تم کس برتے پر مجھ سے سوال کرنے کا دم بھرتے ہو۔ حالانکہ میرے دو غلام تمہارے آقا ہیں۔

امیر:- وہ کون؟

عارف:- حرص اور خواہش نفسانی۔ میں ان دونوں پر مسلط ہوں۔ اور وہ دونوں تم پر مسلط ہیں۔ میں ان دونوں کا مالک و مختار ہوں۔ وہ دونوں تمہارے مالک ہیں۔

ایک شخص نے کسی درویش سے التماس کی کہ مجھے نصیحت کیجئے فرمایا "تم دنیا میں
بادشاہ بنے رہو۔ پھر آخرت میں بادشاہ ہو جاؤ گے" مطلب یہ تھا کہ تم دنیا کی حرص و خواہش
چھوڑ دو کیونکہ آزادی اور استغنا ہی بادشاہی ہوتی ہے ◆

(۵) اَلْقُدُّوْسُ

(تمام عیبوں سے پاک)

قُدُّوْس کے معنے وہ ذات جہاں تمام اوصاف سے پاک ہے۔ جن کو حس
یا قوتِ خیال یا وہم یا عقل پا کر ادراک کر سکیں ◆

قُدُّوْس کی تعریف میں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ ذات جو عیوب یا نقائص سے
پاک ہے کیونکہ اس قسم کی تعریف ایک طرح سے ترکِ ادب ہے۔ اسی لئے اگر کہا جائے
کہ حضور گورنر اور اقبال اقوام کے جُلاہے نہیں ہیں۔ نہ نائی ہیں۔ تو خلافِ ادب سمجھا جاتا ہے
وجہ یہ کہ کسی صفت کی نفی سے اُس کے امکان کا وہم ہوتا ہے۔ اور اس ایہام ہی میں نقص ہے
بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ قُدُّوْس کے معنے ہیں وہ ذات جو اوصاف کمال میں سے اکثر
وصف سے بھی پاک ہے جو اکثر لوگوں کے ظن میں ہے کیونکہ وہ لوگ پہلے اپنے آپ میں
غور کر لیتے ہیں۔ اپنی صفات کو پہچانتے ہیں۔ اور ان کی دو قسمیں شمار کرتے ہیں :-

ایک۔ وہ جو ان کے حق میں کمال ہیں۔ مثلاً ان کا اپنا علم۔ قدرت۔ سمع۔ بصر۔
کلام۔ ارادہ۔ اختیار وغیرہ۔ اور ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ اور ان معانی کو
کمال کہتے ہیں ◆

دوم۔ وہ جو ان کے لئے نقص ہیں۔ مثلاً ان کا جہل۔ عجز۔ کور چشمی۔ بہرہ پن۔
گونگاپن وغیرہ۔ پس ان معانی کے یہی نام رکھ لیتے ہیں۔ وہ خدا کی زیادہ سے زیادہ تعریف
یوں ہی کر سکتے ہیں کہ اس کو اپنے مذکورہ اوصاف کمال سے موصوف کریں۔ اور اپنے مذکورہ
نقص اس سے نفی کریں۔ حالانکہ وہ نہ صرف ان کے اوصاف نقص سے منزہ ہے بلکہ
ان کے اوصاف کمال سے مبرا ہے۔ بلکہ ہر ایک سے بڑی صفت مخلوق کے تصور میں آ سکتی
ہے۔ وہ اس سے اور اس کی مشابہ و مماثل صفات سے پاک ہے۔ اگر ان صفات کی اطلاق
کی اجازت نہ ہوتی۔ تو ان میں سے اکثر کا اطلاق نا درست ہوتا۔ مقدمہ کی چوتھی فصل میں ہم بیان

(۶) اَلسَّلَامُ

(تمام نقصانات سے محفوظ)

سلام وہ ہے جس کی ذات عیب سے۔ اور صفات نقص سے۔ اور افعال شر سے محفوظ ہے۔ اور جب ایسا ہے۔ تو جو شے بھی سلامتی موجود ہے۔ وہ اسی کے ساتھ منسوب یا اس سے صادر شدہ ہے۔ اور تم اوپر یہ بات سمجھ چکے ہو کہ خدائے تعالیٰ کے افعال شر سے محفوظ ہیں یعنی اس شر مطلق سے جس کا قصد ہو۔ اور اس کے ضمن میں کوئی خیر اس سے بڑھ کر نہ ہو۔ اور کوئی شر اس قسم کی موجود نہیں ہے۔ کما سبق الایماء الیہ۔

تنبیہ: جس بندہ کا دل بخل کینہ حسد اور ارادہ شر سے محفوظ ہے۔ اور اس کے اعضا معصیات و منہیات سے سلامت رہیں۔ اور اس کے صفات بھی اور برگشتگی سے بچے رہیں۔ وہ صحیح و سالم دل کے ساتھ خدا کو ملیگا۔ اور یہ وہ بندہ ہے۔ جو اَلسَّلَامُ کے خطاب کا مستحق اور اپنی صفات کے لحاظ سے اس اَلسَّلَامُ حقیقی کے اوصاف سے قریب ہے۔ جس کی صفات کی مثل و نظیر نہیں ہو سکتی۔

صفات کی کجی یہ ہے کہ اس کی ہوا و حرص کہ عقل غضب و شہوت کے پنجہ میں گرفتار ہو۔ کیونکہ حق تو یہ تھا کہ اس کے برعکس ہوتا یعنی شہوت اور غضب دونوں عقل کے قابو میں ہوتے۔ جب حالت اس کے برعکس ہوئی۔ تو کجی و برگشتگی لازم تھی۔ جب بادشاہ رعیت بن جائے اور مالک غلام ہو جائے۔ تو سلامتی کیسی!

سلام سے وہ شخص متصف ہو سکتا ہے جس کی زبان اور ہاتھوں سے لوگ سلامت ہوں۔ اور جو شخص خود اپنے آپ سے سلامت نہیں ہے۔ وہ اس خطاب کا کیونکر مستحق ہو سکتا ہے؟

(۷) اَلْمُؤْمِنُ

(اپنے مقصود میں پناہ یا اپنے عذاب سے امن دینے والا)

مُؤمِن سے مراد وہ ذات ہے جو اسباب امن مہیا کرنے اور خوف و خطر کی راہیں بند کرنے والا ہو۔ اور اسی لئے امن و امان اس سے منسوب کیا جائے۔

امن ہمیشہ خوف ہی کے مقابلہ میں متصور ہو سکتا ہے۔ اور خوف ہمیشہ ہلاکت یا نقصان کے احتمال سے ہوتا ہے۔ اور مومن مطلق وہ ذات ہے کہ جس کی وجہ سے امن و امان تصور میں آسکتا ہے اور اسی سے مستفاد ہو۔ وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ ہے ۔

اندھا چونکہ کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے وہ ہلاکت کے پیش آجانے سے ڈرتا ہے ثابت ہوا کہ اس کی آنکھیں ہلاکت سے امن دلاتی ہیں۔ کٹے ہوئے ہاتھوں والا بھی کسی ایسی آفت سے خوف کرتا ہے جس کا دفعیہ ہاتھوں سے ہو سکتا ہے۔ پس سالم ہاتھ بھی آفت سے امن دلانے والا ہوا۔ غرض تمام حواس اور اعضائے بدن۔ اور المؤمن ان سب اعضاء کا خالق۔ اور نقش بنانے والا۔ شکل کرنے والا۔ اور طاقت بخشنے والا ہے ۔

فرض کرو ایک کمزور آدمی دشمنوں سے بچنے کے لئے مارا مارا پھر رہا ہے۔ سخت مشکل میں گھر گیا ہے۔ ہاتھ پاؤں میں حرکت نہیں رہی ہے۔ اگر حرکت ہے تو پاس کوئی ہتھیار نہیں۔ اگر ہتھیار ہے تو اکیلا دشمنوں کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے پاس فوج ہے۔ تو اس کے شکست پانے کا اندیشہ ہے۔ کوئی قلعہ بھی نہیں کہ اس میں پناہ گزین ہو بیٹھے۔ ایسی حالت میں اس کو ایک ایسا مددگار مل جاتا ہے۔ جو اس کی کمزور طاقتوں میں جان ڈال دیتا ہے۔ مضبوط ہتھیار فوج اور اسلحہ سے اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اس کے اردگرد ایک سنگین قلعہ بنا کھڑا کرتا ہے۔ یہ مددگار جس نے اس کو پورا امن و امان بخشا ہے۔ فی الواقع المؤمن کہلانے کا مستحق ہے ۔

بندہ اپنی اصل فطرت میں کمزور ہے۔ اور اس کے باطن کو دیکھو تو امراض اور بھوک پیاس وغیرہ آفات اس میں بھری پڑی ہیں۔ ظاہر دیکھو۔ تو وہ آگ میں جل جانے۔ پانی میں ڈوب جانے۔ اور زخم اور چوٹ وغیرہ آفات کا نشانہ بنا ہوا ہے۔ اس کو ان تمام آفتوں سے بچانے والی وہی ذات پاک ہے جس نے مرض کو دور کرنے کے لئے دوائیں۔ اور بھوک۔ پیاس کو رفع کرنے کے لئے کھانے پینے کی چیزیں بنائی ہیں۔ اور اعضا دئیے ہیں تاکہ بدنی نقصان پہنچانے والی چیزوں کو دفع کریں۔ حواس عطا کئے ہیں تاکہ کسی آنے والے خطرہ کی اطلاع دیتے رہیں۔ سب سے بڑا خوف آخرت کی ہلاکت کا ہے۔ اور اس سے صرف کلمہ توحید نجات دلاتا ہے اس کی طرف بھی اللہ ہی ہدایت بخشتا ہے۔ چنانچہ حدیث قدسی میں وارد ہے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حِصْنِیْ فَمَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ فَقَدْ اَمِنَ مِنْ عَذَابِیْ ۔ یعنی کلمہ توحید لا الہ الا اللہ

میرا قلعہ ہے ۔ جو شخص میرے قلعہ میں آ جاتا ہے ۔ اس کو عذاب کا کوئی اندیشہ نہیں ۔

غرض کہ دنیا میں ہر قسم کا امن اسباب سے وابستہ ہے جن کو خاص وہی پیدا کرتا ہے ۔ وہی ان کو کام میں لانے کی توفیق دیتا ہے ۔ هُوَ الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ یعنی اس ذات پاک نے ہر چیز کو اس کی فطرت عطا کر کے اس پر چلنے کی ہدایت کی ۔

پس وہی مومن مطلق و برحق ہے ۔

تنبیہ ۔ اس وصف سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ تمام مخلوق کو اس کی طرف سے امن ہو بلکہ ہر خوف زدہ شخص دینی و دنیوی خطرات کے دفعیہ میں اس کی امداد کا امیدوار ہو ۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ۔ کہ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَأْمَنْ جَارُهُ بَوَائِقَهُ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کا ہمسایہ اس کے ظلموں سے محفوظ ہونا چاہیئے ۔

مومن کے نام کا زیادہ مستحق وہ شخص ہے ۔ جو لوگوں کو راہ نجات دکھا کر ۔ اور طریق خدا سمجھا کر عذاب الٰہی سے امن دلائے ۔ اور یہ انبیاء و اولیا کا منصب ہے ۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ إِنَّكُمْ تَتَهَافَتُونَ فِي النَّارِ تَهَافُتَ الْفَرَاشِ وَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ یعنی تم دوزخ میں پروانوں کی طرح گرو گے ۔ اور میں تم کو تمہارے اطراف بدن سے پکڑ کر تھاموں گا ۔

سوال ۔ شاید تم کہو کہ ہر خوف درحقیقت اللہ ہی کی طرف سے ہوتا ہے ۔ پھر خدا کے سوا کوئی چیز خوف دلانے والی نہیں ہے ۔ وہی ہے جو بندوں کو ڈراتا ہے ۔ وہی ہے جس نے ڈرنے کے اسباب بنائے ہیں ۔ تو اس کی طرف امن کو کیونکر منسوب کیا جا سکتا ہے !

جواب یہ ہے کہ خوف بھی اسی کی طرف سے ہے ۔ امن بھی اسی کی طرف سے وہی خوف و امن کے سبب پیدا کرتا ہے ۔ اور اس کا خوف دینا اس کے امن دینے کا مانع نہیں ہے ۔ جس طرح اس کا مذل ہونا اس کے معز ہونے کا مانع نہیں ۔ بلکہ وہی معز ہے وہی مذل بھی ہے ۔ اور اس کا قابض ہونا اس کے باسط ہونے کا مانع نہیں ہے ۔ بلکہ وہی قابض بھی ہے باسط بھی ۔ اسی طرح وہ مومن (امن دینے والا) بھی ہے ۔ اور مخوف (ڈرانے والا) بھی ۔ لیکن مومن اس کا اسم مقرر ہے مخوف نہیں ۔

(۸) اَلْمُهَيْمِنُ

(نگہبان یا گواہ)

اللہ تعالیٰ کے حق میں اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ اپنی مخلوق کے عملوں، رزقوں اور عمروں کا انصرام کرتا ہے۔ اس کا انصرام اپنی اطلاع اور غلبہ اور حفظ کے ساتھ ہے۔ جو کوئی کسی امر کے تمام حالات سے واقف۔ اس پر قابض اور اس کا حافظ ہو۔ وہ اس کا مُہَیْمِن کہلاتا ہے۔ حالات کی واقفیت کا مطلب علم ہے۔ قبضہ کمال قدرت کا نتیجہ ہے۔ اور حفظ فعل کی طرف راجع ہوتا ہے۔ جس میں یہ تینوں معنے جمع ہوں۔ تو مُہَیْمِن ہے۔ یہ تینوں مطلقاً اور کامل طور پر صرف خداوند تعالیٰ میں جمع ہیں۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کو کتب قدیم میں خدا کا نام لکھا ہے۔

تنبیہ۔ جو شخص لگاتار اپنی اخلاقی حالت کے متعلق غور کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے تمام نشیب و فراز اور اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے دل کے احوال و اوصاف کو درست رکھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ اور ہمیشہ اس کی درست حالت قائم رکھنے میں مصروف ہے۔ وہ اپنے دل کا مُہَیْمِن ہے۔ اور اس کی واقفیت اور قدرت اور حفظ کا دائرہ وسیع ہو گیا یہاں تک کہ وہ دوسرے بندوں کے باطنی اسرار سے فراست و استدلال کے ذریعے سے واقف ہو کر ان کو راہ راست پر قائم رکھنے کے لئے کمر بستہ ہو گیا تو اس معنے سے ان کا حصہ اس سے اور بھی زیادہ وافر و کامل ہو گا۔

(۹) اَلْعَزِیْزُ

(غالب۔ قوی۔ قاہر)

عزیز کے معنے وہ اعلیٰ قدر شئے جس کی مثل شاذ و نادر ملتی ہو۔ جس کی از حد حاجت ہو۔ اور جس کا حاصل ہونا بھی مشکل ہو۔ کسی شئے میں جب تک یہ تینوں معانی جمع نہ ہوں۔ اس پر اسم عزیز کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ بہت سی اشیا ایسی ہیں کہ ان کی نظیر تو کم ملتی ہے لیکن چونکہ نہ ان کی شان بڑی ہے اور نہ ان سے چنداں زیادہ نفع ملتا ہے۔ اس لئے وہ عزیز نہیں کہلاتیں۔ بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ان کی شان بھی بڑی ہے

فائدہ بھی ان سے بہت ہے۔ اور ان کی نظیر بھی کوئی نہیں۔ لیکن چونکہ ان کا حصول چنداں دشوار نہیں ہے۔ اس لئے ان کو عزیز نہیں کہا جاتا۔

مثلاً سورج اور زمین۔ جن کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ اور دونوں سے اپنی اپنی جگہ نفع بھی بہت ملتا ہے۔ اور ان کی حاجت بھی شدید ہے لیکن ان کو عزیز نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ان کو دیکھنا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ غرض عزیز ہونے کے لئے ان تینوں اوصاف کا جمع ہونا لازم ہے۔

ان تینوں معنوں میں کمال و نقصان کے مراتب بھی پائے جاتے ہیں۔ عزیز کی قلت وجود کا کمال یہ ہے کہ وہ صرف ایک ہو۔ کیونکہ ایک سے کم کوئی عدد نہیں ہو سکتا اور اس کی مثل کا وجود محال ہو۔ ایسی ذات خدا ہی کی ہے۔ کیونکہ مثلاً سورج اگرچہ وجود میں ایک ہی ہے لیکن امکان میں ایک نہیں ہے۔ اس کی مثل کا وجود بھی ممکن ہے۔

عزیز کی شدت حاجت کا کمال یہ ہے کہ ہر چیز ہر بات میں اس کی محتاج ہو یہاں تک کہ اپنے وجود و بقا اور صفات میں بھی۔ یہ کمال صرف خدائے تعالیٰ میں ہے۔ تو اس میں کوئی شے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ دشوار حصول ہونے کا کمال یہ ہے کہ تمام مخلوق اپنی استدلال نظر اور قیاسی رائے کے ساتھ اس کی ذات و صفات کا پورا پورا پتہ لگانے سے بالکل عاجز ہو۔ یہ بات بھی خدا ہی سے خاص ہے۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ ”خدا کی ذات خدا ہی جانے“۔

الغرض وہ ایسا عزیز مطلق و برحق ہے کہ اس صفت میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے عزیز وہ ہے کہ بندگان خدا اپنی حیات اخروی اور سعادت ابدی کے لئے اس کے محتاج ہوں۔ ایسا مرتبہ بالکل بہت کم لوگوں کو میسر ہے۔ یہ مرتبہ انبیاء صلوات اللہ علیہم کا ہے۔ پھر ان کے بعد عزت میں شریک وہ لوگ ہیں جو ان کے قرب زمانہ سے ممتاز ہیں۔ جیسے خلفائے راشدین۔ اور انبیاء علیہم السلام کے وارث علمائے کرام۔

(۱۰) اَلْجَبَّارُ

(جبر و دباؤ والا)

جبّار وہ ہے جو ہر شخص پر بطور جبر اپنا حکم جاری کرے۔ اور اس پر کسی کا حکم جاری نہ ہو سکتا ہو۔ اور جس کے قبضۂ قدرت سے کوئی نہ نکل سکے۔ اور اس کی بارگاہ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے ساری ہستیاں پست ہوں۔ تو جبّار مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ وہ ہر ایک کو مجبور کر سکتا ہے۔ اس کو کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اور ان دونوں باتوں میں اس کی مثل کوئی نہیں ہے۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے جبّار وہ ہے کہ اتباع کے درجے سے ترقی کرکے دوسروں کو اپنا تابع بنائے۔ اور سب سے بڑا رتبہ حاصل کرے۔ جتنے کہ لوگوں کو اپنی ہیئت و صورت سے اپنی عادت و سیرت کے مطابق چلنے پر مجبور کرے۔ غرض وہ اوروں کو فائدہ پہنچائے۔ اور خود چنداں فائدہ اٹھائے۔ لوگوں کا فائدہ مقدم رکھے۔ اپنے نفع کی حرص نہ کرے۔ لوگوں کو اپنا متبع بنالے۔ خود کسی کی اطاعت نہ کرے۔ جو شخص اس کی زیارت کرے، وہ اس کے دیدار میں ایسا محو ہو کہ اپنے آپ کو بھول جائے۔ اس کا ایسا شوق ہو کہ خود اپنی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے۔ اور کوئی شخص اس کو دھوکا دینے اور اپنا تابع بنانے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس صفت سے خاص سید البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہرہ ور ہوئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا لَوْ كَانَ مُوسَىٰ حَيًّا مَا وَسِعَهُ إِلَّا اتِّبَاعِي وَأَنَا سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو ان کو میرے تابع ہوئے بغیر چارہ نہ ہوتا۔ اور میں اولاد آدم علیہ السلام کا سردار ہوں اور میرے لئے یہ بات باعث فخر نہیں۔

(۱۱) اَلْمُتَكَبِّرُ

(عظمت و بزرگی والا)

متکبّر وہ ہے جو اپنے مقابلہ میں سب کو حقیر رکھتا ہو۔ اور بڑائی و عظمت کا حق دار صرف اپنے آپ کو جانتا ہو۔ اس لئے دوسروں کو غلاموں کی حیثیت سے دیکھتا ہو۔ مگر یہ

بات صحیح ہو۔ تو وہ تکبر حق اور اس کا فاعل متکبر برحق ہوگا۔ اور یہ بات علی الاطلاق خاص خدا کے لئے متصور ہے۔

اگر وہ تکبر اور استعظام باطل ہو۔ اور اس متکبر کو فی الحقیقت امتیاز کی عظمت جس کے زعم میں ہے حاصل نہ ہو۔ تو اس کا تکبر بے جا اور مذموم ہوگا۔ خدا کے سوا جو شخص خاص اپنے آپ کو عظمت و بزرگی کا مستحق قرار دے اس کا قیاس غلط اور اس کی فکر باطل ہوگی۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے متکبر وہ زاہد ہے جو عارف بھی ہو۔

عارف کے زاہد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں سے جو چیز اس کے دل کو اپنی طرف کھینچتی ہو وہ اس سے کنارہ کش ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا باقی ہر چیز سے اپنے آپ کو بڑا سمجھے۔ اس لئے وہ دنیا و آخرت سب کو حقیر سمجھیگا۔ اور ان کو خدا کی یاد میں مخل اور مانع ہونے کے باعث اپنی نظروں سے گرا دیگا۔ غیر عارف کا زہد ایک قسم کا معاملہ اور معاوضہ ہے کیونکہ وہ متاع دنیا کے عوض میں متاع آخرت کی خریداری کرتا ہے۔ ایک چند روزہ چیز سے اس لئے دست بردار ہوتا ہے کہ اس کے عوض میں دائمی نعمت کئی گنا حاصل کرے۔ یہ بیع سلم نہیں تو اور کیا ہے جو شخص کہ نفس کی خواہش کھانے اور عیش منانے کی خواہش کا غلام بنے ہوئے ہو۔ وہ حقیر ہے۔ متکبر وہی شخص ہے جو ہر نفسانی خواہش کو اس خیال سے حقیر سمجھتا ہو کہ ان میں چوپائے بھی شریک ہیں۔

(١٢) اَلْخَالِقُ

(ہر چیز کا پیدا کرنے والا)

(١٣) اَلْبَارِیُٔ

(ہر چیز کا موجد)

(١٤) اَلْمُصَوِّرُ

(مخلوقات کی طرح طرح کی تصویر بنانے والا)

لوگ خیال کرتے ہیں کہ یہ اسماء مترادف ہیں۔ اور ہر اسم کے معنی پیدا کرنا اور اختراع کرنا ہیں۔ مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ بلکہ جو چیز عدم سے وجود میں آتی ہے۔ وہ پہلے تقدیر کی محتاج ہے۔ پھر تقدیر کے موافق ایجاد کی۔ اس کے بعد تصویر کی۔ اور اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ ایک شئ کی تقدیر کرتا ہے۔ اس کا خالق ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس کو اختراع

صورت بترتیب حاصل ہو۔ حتیٰ کہ وہ تمام ہیئت عالم کو محیط ہو۔ گویا کہ تمام عالم اس کے زیر نظر ہے۔ پھر تمام پر تفصیلی نظر کرے۔ چنانچہ انسانی صورت کے بدن اور اعضائے جسمانی کو علیٰ معلوم کرے۔ ان کے انواع۔ عدد۔ ترکیب۔ اور انسان کی آفرینش و ترکیب کی حکمت کو سمجھے۔ پھر اس کی معنوی صفات اور معانی شریفہ کو معلوم کرے۔ جن سے اس کے ادراکات اور اسماء سے وابستہ ہیں۔ اور اسی طرح حیوانات اور نباتات کی صورتوں کو اپنے مقدور بھر ظاہر و باطن سے ملاحظہ کرے۔ یہاں تک کہ تمام اشیاء کا نقش و صورت اس کے ذہن میں منقش ہو جائے۔

یہ حال تو صورِ جسمانیہ کی معرفت کا تھا۔ اور یہ سلسلہ روحانیات کی ترتیب کی بہ نسبت بہت مختصر ہے۔ جس میں ملائکہ اور ان کے مراتب اور ان کے مقررہ تصرفات کی معرفت حاصل ہے۔ ملائکہ کے یہ تصرفات وہ ہیں جو وہ آسمانوں اور ستاروں میں کرتے ہیں۔ پھر قلوبِ بشریہ میں ہدایت و ارشاد کا تصرف کرتے ہیں۔ اور حیوانات میں ان کو اپنی حاجات کا احساس دلانے کا تصرف کرتے ہیں۔

غرض کہ اس اسم سے بندہ کا یہ حصہ ہے کہ وہ صورِ علمیہ کا جو صورِ وجودیہ کے مطابق ہوں اکتساب کرے۔ کیونکہ علم اس صورت میں منقش ہونے کا نام ہے۔ جو صورت معلوم کے مطابق ہو۔ اور صور کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم صور کے ایجاد اور ان کو موجود ہونے کا سبب ہے۔ اور وہ صورتیں جو اعیان میں موجود ہوں وہ انسان کے دل میں صورِ علمیہ کے حاصل ہونے کا سبب ہیں۔ اور اس طرح بندہ خدا کے ناموں سے اسم مُصَوِّر کے معنے سے علم حاصل کرتا ہے اور نیز وہ اپنے نفس میں صور حاصل کرنے کے باعث گویا کہ وہ مُصَوِّر ہے۔ اگرچہ بطور مجاز ہو۔ کیونکہ یہ صورت اس میں بالتحقیق اللہ تعالیٰ کی ایجاد و اختراع سے پیدا ہوتی ہیں نہ کہ بندہ کے فعل سے۔ لیکن بندہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے فیضان کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت کو متغیر نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ خود متغیر کریں۔ اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ إِنَّ لِرَبِّكُمْ فِي أَيَّامِ دَهْرِكُمْ نَفَحَاتٍ أَلَا فَتَعَرَّضُوا لَهَا۔

الخالق اور البارئ میں بندہ کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ مگر بطور بعید جس
کی توجیہ یہ ہے کہ خلق اور ایجاد کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنی قدرت کو اپنے علم کے مطابق
کام میں لایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے علم اور قدرت پیدا کی ہے۔ اور
اس کو اپنی تقدیر اور علم کے موافق مقدورات کے حاصل کرنے کا موقع میسر ہے۔ اور امور دو
قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ جن کا حصول ہرگز بندوں کی قدرت میں نہیں ہے۔ جیسے آسمان
ستارے۔ زمین۔ حیوانات اور نباتات وغیرہ۔ دوسرے وہ جن کا حصول صرف بندوں کی
قدرت سے وابستہ ہے۔ اور یہ وہ ہیں جو اعمال عباد کہلاتے ہیں۔ جیسے صناعات سیاسات
عبادات اور مجاہدات۔ چنانچہ جب بندہ ریاضتوں کے ساتھ اپنے نفس کے مجاہدہ میں اور اپنی
مخلوق کی سیاست میں ایسے درجہ پر پہنچ جائے جس میں وہ ایسے امور کے استنباط کا اقتدار
حاصل کرلے جن کو پہلے کسی نے استنباط نہ کیا ہو۔ اور ساتھ ہی وہ ان کے کرنے اور ان
کی ترغیب دینے پر قادر بھی ہو۔ تو اس کو اس چیز کا مخترع کہا جائیگا جس کا پہلے وجود نہ ہو۔
چنانچہ شطرنج وضع کرنے والے کے حق میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا واضع اور مخترع ہے
کیونکہ اس نے ایک ایسی چیز وضع کی ہے جو پہلے کسی نے نہ کی تھی۔ ہاں اتنی بات ہے کہ اگر
اس نے کوئی ایسی چیز وضع کی جس میں کوئی نیکی نہیں ہے۔ تو وہ مدح و ستائش کا مستحق نہ ہوگا
اسی طرح سیاحات۔ مجاہدات۔ سیاسات اور صناعات میں جو نیکیوں کا سرچشمہ ہیں۔ صور
اور ترتیبات محفوظ ہیں۔ جن کو لوگ ایک دوسرے سے سیکھ لیتے ہیں۔ اور پہلے استنباط
کرنے والے ہی کی طرف ترقی کرتے ہیں۔ گویا یہ واضع ان صور کا مخترع اور خالق ہے۔ مختصر
اس پر یہ اسم مجازاً اطلاق کیا جا سکتا ہے +

اللہ کے اسماء میں سے کئی اسماء ایسے ہیں جن کو بندہ کی طرف مجازاً نقل کیا جائیگا۔
اس قسم کے اسماء بہت ہیں۔ اور بعض ایسے اسماء ہیں جو بندہ کے حق میں حقیقتاً ہوتے ہیں۔
اور اللہ کے حق میں مجازاً جیسے الصبور اور الشکور +

یہ مناسب نہیں ہے کہ اسم کی مشارکت تو دیکھ لی جائے۔ مگر مذکورہ تفاوت
پر غور نہ کی جائے +

(۱۵) اَلْغَفَّارُ

(بہت بخشنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے۔ جو خوبی کو ظاہر کرتی ہے۔ اور برائیوں اور گناہوں کو دنیا میں پردہ ڈال کر۔ اور آخرت میں بخش کر رفت و گذشت کر دیتی ہے ۔

غفر کے معنے ستر۔ اللہ کا پہلا ستر اپنے بندے کے عیوب پر یہ ہے۔ کہ اس کے بدن کے بدنما اور گھناؤنے حصے جو آنکھوں کو برے معلوم ہوتے ہیں اس کے باطن میں چھپا دئے۔ جو اس کے جمال ظاہری کے رنگ و روغن میں نہاں ہیں۔ سب جانتے ہیں کہ بندے کے باطن اور ظاہر کی صفائی اور عدم صفائی اور خوبصورتی اور بدصورتی میں کس قدر فرق ہے۔ غور کرنا چاہئے کہ خدا نے انسان کے جسم کا کونسا حصہ دکھایا ہے۔ اور کونسا چھپایا ہے ۔

دوسرا ستر یہ کہ اس کے برے خیالوں۔ مذموم ارادوں اور مکروہ بھیدوں کو اس کے دل کی اندھیری کوٹھڑی میں بند کیا ہے۔ تاکہ کوئی شخص ان شرمناک بھیدوں سے واقف نہ ہو۔ اگر خلقت کو اس کے دل کا حال معلوم ہو جاتا۔ اور اس کے وسوسوں اور دل کے کھوٹ۔ خیانت اور بدظنی کا پتہ لگ جاتا۔ تو لوگ اس کے دشمن بن جاتے۔ بلکہ اس کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کرتے۔ غور کرنا چاہئے کہ خدا نے اس کے اسرار اور مخفی امور کو کس طرح دوسرے لوگوں سے محفوظ رکھا ہے ۔

تیسرا ستر یہ ہے کہ وہ بندے کے ایسے گناہ بخش دیتا ہے جن سے وہ ملامت رسوا ہونے کا مستوجب ہوتا ہے۔ اور اس نے وعدہ کیا ہے کہ اگر بندہ ایمان پر ثابت رہا۔ تو اس کے چھوٹے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیگا۔ تاکہ ان نیکیوں کے ثواب سے اس کے بڑے بڑے گناہ دب جائیں ۔

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے متعلق جو بات مخفی رکھنی مناسب سمجھتا ہو۔ وہ دوسرے کے متعلق بھی مخفی رکھے ۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ سَتَرَ عَلٰى مُؤْمِنٍ عَوْرَتَهٗ سَتَرَ اللّٰهُ عَوْرَتَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ یعنی جو شخص کسی مومن کی عیب پوشی کرے۔ قیامت کے

روز خدا اس کے عیب ڈھانپے گا۔

غیبت کرنے والا، عیب جوئی کرنے والا، دل میں کینہ رکھنے والا، برائی کا بدلہ لینے والا، یہ سب اس مبارک صفت سے محروم ہیں۔ اس وصف سے متصف صرف وہی شخص ہے جو مخلوق خدا کی خوبیوں کے سوا کوئی بات ظاہر نہ کرے۔ مخلوق میں کمال بھی ہے اور نقص بھی، خرابی بھی ہے، خوبی بھی۔ جو شخص برائیوں سے چشم پوشی اور خوبیوں کا اظہار کرے۔ وہ اس نام سے پورا بہرہ مند ہے۔ جیسے کہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مُردہ کتے کے پاس سے گزرے جس کی بدبو پھیل رہی تھی۔ لوگوں نے کہا یہ مُردار کس قدر سڑا ہوا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے دانتوں کی سفیدی کیسی اچھی ہے۔ جس سے آپ کا مدعا یہ تھا کہ ہر چیز کے اچھے حصے کا ذکر کرنا چاہئے۔

(۱۶) اَلْقَهَّارُ

(زبردست یا غلبہ رکھنے والا)

قہّار وہ ہے، جو اپنے بڑے بڑے طاقتور دشمنوں کی کمر توڑ ڈالے۔ ان کو ہلاک کرے یا ذلیل بنا کر قہر سے تباہ کرے۔ بلکہ قہّار وہ ذات ہے جس کے قہر و قدرت کے نیچے ہر ایک چیز مغلوب اور اس کے قبضہ میں عاجز ہو۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے قہّار وہ ہے، جو اپنے دشمنوں کو مقہور بنا لے۔ انسان کا سب سے زیادہ سرکش دشمن نفس ہے، جو اس کے پہلو میں موجود ہے۔ شیطان سے بھی بڑھ کر اس کی دشمنی ہوا کرتی ہے، جو اس کو دھوکا دیا کرتی ہے۔ جب بندہ اپنے نفس کی خواہشوں کو قابو میں کر لیتا ہے، تو شیطان بھی دب جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان انہیں خواہشات کے ذریعے سے انسان کو ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ شیطان کا ایک جال عورتیں ہیں جس شخص میں شہوت کی قوت نہ ہو، وہ اس پھندے میں نہیں پھنستا۔ اسی طرح جو شخص دین کی اطاعت اور عقل کی تابعداری سے اس خواہش کو روکے وہ اس سے امن پا جاتا ہے۔ جب آدمی اپنے نفس کی شہوات پر قابض ہو جاتا ہے۔ تو تمام لوگوں کو قابو میں کر لیتا ہے۔ پھر اس پر کسی کا داؤ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ اس کے دشمنوں کا بڑے سے بڑا مدعا یہ ہوگا کہ اس کے جسم کو ہلاک کر دیں۔ اور یہ گویا اس کی روح کو زندہ کرنا ہے کیونکہ جو شخص اپنی زندگی میں

خواہشات کو مار لیتا ہے۔ وہ موت کے بعد ابدی زندگی پا جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتًا بَلْ أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ یعنی جو لوگ اللہ کی راہ میں کام آتے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے خدا کے پاس رزق پاتے ہیں۔

(۷) اَلْوَهَّابُ

(بہت عطا کرنے والا)

ہبہ کے معنی عوض اور غرض کے بغیر بخشش۔ جب اس قسم کی بخششیں بکثرت ہوں۔ تو اس کے فاعل کو جَوَاد اور وَهَّاب کہتے ہیں۔ اور حقیقی جود و عطا اور ہبہ صرف اللہ تعالیٰ سے متصور ہو سکتا ہے۔ کیونکہ وہی ہر مستحق کی حاجت بلا معاوضہ اور بلا کسی فوری یا بدیر حاصل ہونے والی غرض سے پوری کرتا ہے۔ جو کوئی کسی غرض کیلئے کچھ عطا کرے جو فی الفور یا بدیر حاصل ہونے والی ہو۔ اور وہ غرض یا عوض مدح و ستائش ہو یا یاری دوستی یا دفع الزام یا حصول رتبہ و شہرت ہو۔ تو وہ اپنی عطا کا عوض پا رہا ہے۔ وہاب یا جواد کے لقب کا مستحق نہیں۔ کیونکہ عوض ہمیشہ روپیہ ہی نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر [illegible] کسی بھی حاصل نہیں۔ اور عطا کرنے والے کا مدعا اس عطا سے وہی ہو۔ وہ عوض ہے یہاں تک جس شخص نے اس لئے عطا و بخشش کی کہ اس کی عزت ہو۔ یا اس کی تعریف کی جائے۔ یا اس لئے کہ اس کی نسبت بدگمانی نہ کی جائے۔ تو وہ شخص گویا ایک قسم کا لین دین کر رہا ہے حقیقی جواد وہ ہے جس سے طالب کو بلا معاوضہ فائدے حاصل ہوں۔ بلکہ وہ جو کچھ کرتا ہے بخلوص نیت کرتا ہے۔ اور وہ کام اس کی اصل غرض اور وہی اس کا عوض ہے۔

تنبیہ۔ بندہ سے جود و بخشش متصور ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ تاوقتیکہ وہ اس کام کے کرنے کو اس کے ترک سے اولیٰ خیال نہیں کرتا۔ اس وقت وہ اس کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ پس اس کا فعل کسی ذاتی غرض پر مبنی ہوگا۔ لیکن جو شخص اپنا تمام مال حتیٰ کہ اپنی جان بھی محض اللہ کے لئے دے ڈالے نہ بہشتی نعمتوں کے حصول کے لئے۔ نہ عذاب دوزخ کے خوف سے اور کسی فوری یا بدیر حاصل ہونے والے مطلب کے لئے جو بشری مطالب میں سے ہو۔ البتہ یہ شخص ایک طرح سے وہاب اور جواد کے خطابات کا مستحق ہے۔ اس سے کم تر درجہ شخص ہے جو اس غرض سے بخشش کرے کہ بہشت کی نعمتیں حاصل ہوں۔ اور اس سے

نیچے اس شخص کا درجہ ہے جو اپنے ذکر کی خاطر عبادت کرے ۔

جو شخص اپنے جود وعطا کے عوض میں ایسی چیز کا طالب ہو جس کا دست بدست لین دین نہیں ہو سکتا۔ تو وہی لوگ اس کو جود کے لقب کا حقدار سمجھتے ہیں۔ جن کے نزدیک صرف مادی چیزیں عوض ہو سکتی ہیں ۔

سوال۔ جو شخص اپنا علم عقلی کامل ہو کسی جاہل کو اپنی غرض کے خاطر عطا کرے شے دیتا ہے۔ اس کو کیوں جواد نہیں کہا جاتا حالانکہ وہ کوئی حظ نہیں پاتا؟

جواب یہ ہے کہ اس کو حظ خاص خدا کی ذات، اس کی رضا اور اس کا دیدار اور اس کا وصال ہے۔ اور یہ عمدہ سعادت حظ ہے جس کو انسان اپنے افعال اختیاریہ کی بدولت حاصل کرتا ہے اور یہ وہ حظ ہے جس کے آگے سب حظ ہیچ ہیں ۔

سوال۔ یہ کیا کہتے ہیں کہ خدا کا عارف جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ تو خدا کی ذات کے سوا اور کوئی غرض اس کو منظور نہیں ہوتی۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ اگر بندہ کا فعل غرض سے خالی ہو نہیں سکتا۔ تو خاص خدا کی خاطر عبادت کرنے والے اور کسی دوسری غرض کے لئے عبادت کرنے والے میں کیا فرق ہے؟

جواب جمہور کے نزدیک حظ وغرض سے مراد لوگوں کے مشہور اغراض ہیں جو شخص ان سے دست بردار ہو جاتا ہے اور اس کا مقصود خدا کی ذات کے سوا اور کوئی شے نہیں رہتی۔ تو کہا جاتا ہے کہ اس نے اغراض کو ترک کر دیا ۔

یہ ایسا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ غلام اپنے آقا کا لحاظ خاص آقا کے لئے نہیں کرتا بلکہ اس انعام واکرام کے لئے کرتا ہے۔ جو اس کو اپنے آقا سے حاصل ہوتا ہے۔ اور آقا اپنے غلام کے ساتھ حسن سلوک کا انعام اس کی ذات کے لئے نہیں کرتا بلکہ اس خدمت گذاری کی خاطر کرتا ہے۔ جو اپنے غلام سے مطلوب ہوتی ہے۔ مگر باپ جو اپنے بیٹے کی پرورش اور اس کے ساتھ ہر طرح حسن سلوک کرتا ہے۔ تو خاص اسی کی ذات کے لئے کرتا ہے کسی غرض کے لئے نہیں جو بیٹے سے مطلوب ہو۔ بلکہ اگر بالکل کوئی فائدہ بیٹے سے حاصل نہ بھی ہوتا ہو۔ تو بھی اس کے حصول میں باپ دو دینار دیتا ہے ۔

۱۔ یہ سوال ایک تنبیہ ہے [illegible] عہدہ [illegible] جو کہ [illegible] سے [illegible] مستحق ہے [illegible] سعادت حاصل [illegible] ۔ مترجم

اور جو شخص کوئی چیز طلب کرے جس سے خاص اس چیز کی ذات مطلوب نہ ہو۔
بلکہ اُس کے ذریعہ سے کوئی اور شے حاصل کرنا منظور ہو۔ تو گویا وہ اس چیز کا طالب نہیں ہے
کیونکہ اس کی طلب کا وہ اصلی مُدعا نہیں ہے۔ بلکہ اصلی مُدعا اور شے ہے جیسے ایک شخص
سونے کی جستجو میں ہے۔ تو سونا اُس کا مطلوب لذاتہٖ نہیں ہے۔ بلکہ اس لئے مطلوب ہے
کہ اُس کے ذریعہ سے پوشاک اور خوراک کا سامان حاصل کرے۔ اور پھر یہ امور بھی مطلوب لذاتہٖ
نہیں ہیں۔ بلکہ اس لئے مطلوب ہیں کہ ان کے ذریعے سے آرام اور دفع تکلیف کا مقصد حاصل ہو
یہ امور البتہ مطلوب لذاتہٖ ہیں۔ ان سے آگے اور کوئی شے حاصل کرنا مقصود نہیں ہے غرض
سونا طعام کا ذریعہ ہے اور طعام آرام کا وسیلہ ہے۔ اور آرام ہی اصلی مقصود ہے۔ یہ
کسی اور چیز کا واسطہ نہیں ہے۔ اسی طرح بیٹا والد کے حق میں واسطہ نہیں ہے۔ بلکہ باپ کو
بیٹے کی سلامتی خاص بیٹے کی خاطر مطلوب ہے۔ کیونکہ بیٹے کی ذات ہی اس کی محبوب و مطلوب ہے
اور اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کی خاطر کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کی
عبادت کو طلب جنت کا واسطہ بنایا ہے۔ اس کا آخری مقصد نہیں بنایا۔ واسطہ کی علامت
یہ ہے کہ اگر مطلوب اس کے بغیر ہی حاصل ہو جائے تو اس واسطہ کو طلب نہیں کیا جاتا۔ جیسے
اگر غذا کے مقاصد سونے کے بغیر حاصل ہو جائیں تو کوئی سونے کا نام بھی نہ لے۔ کیونکہ اصلی غرض
کا حاصل کرنا منظور ہے۔ سونے کا حاصل کرنا منظور نہیں ✦

اگر اس شخص کو جو جنت کی خاطر عبادت کرتا ہے یونہی جنت حاصل ہو سکتی۔ تو وہ کبھی
خدا کی عبادت نہ کرتا۔ کیونکہ اس کی محبوب و مطلوب صرف جنت ہے نہ کہ کوئی اور شے۔
لیکن جس کا اصلی مطلوب و محبوب خاص خدا کی ذات ہے۔ اور کوئی نہیں۔ بلکہ خدا کے دیدار
اُس کے تقرب اور ملاء اعلیٰ کی موافقت سے مسرور رہنا اس کی غرض ہے۔ اس کی نسبت جو کہا
جائیگا کہ وہ خدا کی عبادت خاص خدا ہی کے لئے کرتا ہے۔ تو اس کا یہ معنے نہیں ہوگا۔ کہ وہ
کسی مُدعا کا طالب نہیں ہے۔ بلکہ یہ معنے ہوگا کہ اس کا مُدعا خاص خدا کی ذات ہے۔ اس کے
سوا اور کوئی غرض اس کو مدنظر نہیں ہے۔ اور جو شخص خدا تعالیٰ اور اس کی معرفت اور مشاہدہ
اور تقرب کے سرور کی لذت پر ایمان نہیں رکھتا۔ وہ اس کا مشتاق نہیں ہو سکتا۔ اور جو اس کا
مشتاق نہیں۔ اس کی نسبت یہ تصور ہی نہیں ہو سکتا کہ ذات خداوند اس کی مقصود ہو۔ لہٰذا
اس کی عبادت کی وہی کیفیت ہوگی۔ جیسے کوئی مزدور اجرت کی طمع پر کام کرتا ہے۔ اگر

لوگ اس لذت سے ناآشنا اور اس کے معنے سے ناواقف ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ شاہدِ ذاتِ باری کی کیا لذت ہے۔ وہ زبان ہی زبان سے اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ ان کے دلوں کا میلان صرف بڑی آنکھوں والی پریوں یعنی حوروں کی طرف ہے ۔

اس بیان سے ثابت ہوا کہ اگر رضائی لذت یعنی اس کے دیدار اور قرب کو غرض تمنا کہا جا سکتا ہے۔ تو یہ غرض و مقاصد سے بری ہونا محال ہے۔ اور اگر غرض و مقصد سے وہ معنے مراد ہوں۔ جو عموماً مشہور ہے اور لوگ اس کی طرف مائل ہوتے ہیں تو وہ غرض نہیں ہے اور اگر اس سے مراد وہ شے ہو جس کا حصول بندہ کے حق میں عدم حصول سے بہتر ہو۔ تو اس کی غرض میں شمار کیا جائیگا ۔

(۱۸) اَلرَّزَّاقُ

(روزی پہنچانے والا)

رزاق سے مراد وہ ذات پاک ہے جس نے روزی کی محتاج مخلوقات کو پیدا کر کے اس کو روزی پہنچائی اور اس کے لئے روزی سے فائدہ اٹھانے کے اسباب پیدا کئے ۔

رزق کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ظاہری رزق جس سے مراد غذا و خوراک ہے۔ جو اشیاء ظاہرہ کے لئے ہے۔ اور یہ اشیاء بدن ہیں ۔

دوسرا رزق باطنی ہے۔ اس سے مراد معرفت اور کشف ہے یہ قلب اور روح کے لئے ہے ۔

دوسرا رزق زیادہ قابل عزت ہے کیونکہ اس کا ثمرہ ابدی زندگی ہے۔ اور رزق ظاہری کا ثمرہ یہ کہ ایک خاص محدود مدت تک جسم کی قوت قائم رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ دونوں رزق پیدا کرتا ہے۔ اور دونوں فریقوں کو ان سے بہرہ ور بناتا ہے ولٰکنّہ[1] یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ ۔

تنبیہ۔ اس صفت سے بندہ کا اصل مقصد دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس صفت کی حقیقت دیکھے۔ اور یقین کرے کہ خدا کے سوا اور کوئی اس وصف کا مستحق نہیں ہے لہٰذا ہمیشہ خدا ہی کو روزی رساں سمجھے۔ اور اس کے متعلق خدا ہی پر توکل کرے۔ جیسے کہ

[1] خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ رزق کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کرتا ہے ۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت روایت ہے کہ کسی نے اُن سے پوچھا تم کہاں سے کھاتے ہو۔

حاتم: اُس کے خزانے سے۔

سائل: کیا وہ آسمان سے تمہاری طرف روٹی پھینکتا ہے۔

حاتم: اگر زمین اُس کی اپنی نہ ہوتی۔ تو بیشک اس کو آسمان ہی سے روٹی پھینکنی پڑتی۔

سائل: تم کلام کی تاویل کر لیتے ہو۔

حاتم: اس لئے کہ اس نے آسمان سے کلام ہی نازل فرمایا ہے۔

سائل: معاف کیجئے میں آپ سے بحث کرنے کی تاب نہیں رکھتا۔

حاتم: اس لئے کہ حق کے آگے باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

بندہ کے حصے میں دو امر یہ ہے کہ خدا اُس کو نیک ہدایت کرنے والا قلب اور نیکی کا رستہ دکھانے والی زبان۔ اور صدقہ و خیرات دینے والا ہاتھ عطا کرے۔ اور وہ اپنے نیک اقوال و اعمال کی بدولت لوگوں کے دلوں میں سب سے زیادہ قابل عزت رتبہ پہنچنے کا موجب ہو۔ اور خدا جب اپنے بندے پر رحمت کی نظر کرتا ہے۔ تو اُس کی طرف لوگوں کی حاجات بڑھا دیتا ہے۔ اور جب وہ اللہ اور اللہ کے بندوں کے مابین وصول رزق کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ تو اس وصف سے بخوبی بہرہ یاب ہو جاتا ہے۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْخَازِنُ الْأَمِيْنُ الَّذِيْ يُعْطِيْ مَا أُمِرَ بِهٖ طَيِّبَةً بِهٖ نَفْسُهٗ أَحَدُ الْمُتَصَدِّقِيْنَ یعنی دیانتدار خزانچی کہ جو کچھ اس کے مالک نے فرمایا ہو اس کی خوشی سے دیتا ہے وہ خیرات و صدقہ دینے والا ہے۔

بندوں کے ہاتھ خدا کے خزانے ہیں۔ پس خدا نے جس شخص کے ہاتھوں کو بندوں کے رزق کا خزانہ۔ اور اُس کی زبان کو دلوں کے رزق کا خزانہ بنایا ہو۔ اس نے اس وصف سے بہت بڑا حصہ حاصل کیا ہے۔

(۱۹) اَلْفَتَّاحُ

(مشکل کشا۔ یا بندوں میں حکم کرنیوالا)

فَتَّاح وہ ہے جس کی عنایت سے ہر مغلق کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ اور جس
کی ہدایت سے ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے کبھی وہ اپنے انبیاء کے ہاتھ پر ممالک فتح کر دیتا ہے
اور دشمنوں کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے اور فرماتا ہے اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ
لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ (تحقیق فتح دی ہم نے تجھ کو فتح ظاہر تاکہ بخشے واسطے تیرے خدا)
اور کبھی اپنے اولیاء کے دلوں سے حجاب دور کر کے ان کے لئے عالم ملکوت اور جمال کبریائی کے
دروازے کھول دیتا ہے اور فرماتا ہے مَا یَفْتَحِ اللّٰہُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِکَ لَہَا
یعنی اللہ لوگوں پر جو رحمت کے دروازے کھولتا ہے کوئی ان کو بند نہیں کر سکتا۔ اور جس
کے ہاتھ میں غیب کی کنجیاں اور رزق کی کنجیاں ہوں۔ وہ فَتَّاح کہلانے کا سب سے
بڑا حقدار ہے۔

تنبیہ بندے کو یہ درجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کہ اس کی زبان
کے ساتھ مشکلات الٰہیہ کے نکات حل ہوں۔ اور اس کی معرفت سے وہ دینی و دنیوی امور
آسان ہو جائیں جو لوگوں کے لئے مشکل ہو رہے ہیں۔ تاکہ اس کو اسم اَلْفَتَّاح سے پورا
حصہ مل سکے۔

(۲۰) اَلْعَلِیْمُ

(بہت جاننے والا)

اس کے معنے ظاہر ہیں۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ وہ ظاہر و باطن اور دقیق و جلیل
چیز کا علم ازل سے آخر تک رکھتا ہو۔ اور یہ علم وضوح و کشف کے سبب سے زیادہ مکمل طریقے
سے ہو جس سے زیادہ ظاہر کوئی بھی مشاہدہ اور کشف تصور میں نہیں آ سکتا۔ پھر یہ کہ وہ معلومات
کے ذریعے سے حاصل نہ کیا گیا ہو۔ بلکہ تمام معلومات اس کے ذریعے سے حاصل کئے گئے ہوں۔

تنبیہ۔ بندہ کا عَلِیْم کے اسم سے جو حصہ ہے۔ وہ مخفی نہیں لیکن اس کا
علم خدا کے علم سے تین باتوں میں جدا ہے۔

(۱) ایک تو یہ کہ بندہ کی معلومات گو کتنی ہی زیادہ ہوں۔ مگر وہ ایک محدود مقدار رکھتی ہیں۔ پس ان معلومات کے ساتھ اُن کو کیا نسبت ہو سکتی ہے جو غیر متناہی ہیں۔

(۲) دوم یہ کہ بندہ کا کشف اگرچہ وہ بہت روشن ہو۔ مگر اس حد تک نہیں پہنچ سکتا جس کے بعد وضوح اور روشنی کا درجہ ممکن نہ ہو۔ بلکہ اس کا مشاہدہ ایسا ہوگا۔ جیسے ایک باریک پردہ سے دیکھ رہا ہو۔ اور پردہ ہائے مشاہدہ میں جو فرق ہے اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ باطنی بصیرت کا حال ظاہری بصارت کا سا ہے۔ اور طلوع فجر کے وقت کسی چیز کے دکھائی دینے اور سورج نکلنے کے بعد دکھائی دینے میں بڑا فرق ہے۔

(۳) سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا علم اشیا کے علم سے حاصل نہیں ہے۔ بلکہ اشیا اس کے علم سے مستفاد ہیں۔ اور بندہ کو جو اشیا کا علم ہے۔ وہ اشیا کے تابع اور اشیا ہی سے حاصل ہوتا ہے اگر اس فرق کے سمجھنے سے ابھی تمہارا ذہن قاصر ہو۔ تو شطرنج کی بازی سیکھنے والے کے علم کو واضع شطرنج کے علم سے ملا کر دیکھو۔ اور غور کرو کہ واضع کا علم شطرنج کے وجود کا سبب ہے اور شطرنج کا وجود شطرنج سیکھنے والے کے علم کا سبب ہے۔ اور واضع کا علم شطرنج کے وجود سے مقدم ہے۔ اور سیکھنے والے کا علم مؤخر ہے۔ اسی طرح اشیا کے متعلق اللہ تعالیٰ کا علم سب سے مقدم اور ان سب کا سبب ہے۔ اور ہمارا علم اس کے خلاف ہے۔

علم کی بدولت بندے کا شرف اس لئے ہے کہ وہ اللہ کی صفات سے ہے لیکن سب سے زیادہ شریف علم وہ ہے جس کا موضوع زیادہ شریف ہو۔ اور سب سے زیادہ شریف اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت سب معرفتوں سے زیادہ افضل ہے۔ بلکہ تمام اشیا کی معرفت کو جو شرف حاصل ہے، وہ اسی لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے افعال کی معرفت ہے یا اس طریق کی معرفت ہے۔ جو بندہ کو اللہ سے قریب کر دیتا ہے۔ یا کسی امر کی معرفت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے قرب کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ جو معرفت اس سے خارج ہو۔ اس میں زیادہ بھلائی نہیں ہے۔

(۲۱) اَلْقَابِضُ

(بندوں کی روزی محدود کرنیوالا)

(۲۲) اَلْبَاسِطُ

(بندوں کی روزی فراخ کرنیوالا)

یہ اس ہستی برحق کے نام ہیں جو موت کے وقت جانوں کو جسموں سے قبض کرتا ہے

زندگی کے وقت جسموں میں جانیں ڈالتا ہے۔ اور انہیں سے پھر انہیں بند کر لیتا ہے۔ محتاج
لوگوں کے لئے رزق وافر کر دیتا ہے۔ اور انہیں کے لئے رزق کشادہ کر دیتا ہے۔ یہاں تک
کہ ان کو کبھی فاقہ کرنے کا موقع نہیں پڑتا۔ فقیروں کو تنگدست بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ
بیچارے عاجز آ جاتے ہیں۔ وہ دلوں کو قبض کرتا ہے۔ اور اپنی بے پروائی، بڑائی اور جلال کا
پورا پورا احساس دلا کر تنگی میں ڈال دیتا ہے۔ اور کبھی اپنے لطف، احسان اور جمال کے فیضان
سے ان پر بسط کی حالت طاری کر دیتا ہے۔

تنبیہ بندوں میں قابض و باسط وہ ہے جس کو خدا کی طرف سے
عجیب عجیب حکمتیں اور جامع کلمات عطا ہوئے ہوں۔ پس کبھی تو وہ خدا کی نعمتوں اور عنایتوں
کا حال سنا کر لوگوں کے دل باغ باغ بنا دیتا ہے۔ اور کبھی اس کے جلال اور کبریائی اور اس کے
عذاب و قہر کے تمام اپنے دشمنوں سے اس کے انتقام کا حال سنا کر ڈرائے۔ اور ان کے
دل میں سنسنی ڈالے۔ جیسے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا کہ ایک بار تو یہ بات
سنا کر صحابہ کے دل عبادت سے تنگ کر دیے کہ اللہ تعالیٰ آدم علیہ السلام کو قیامت کے
دن فرمائیگا بعث النار (دوزخی جماعت) بھیج دو۔ حضرت آدم علیہ السلام پوچھیں گے
کہ کتنے دوزخی؟ تو حکم فرمائیگا۔ ہزار میں سے نو سو ننانوے جس سے صحابہ کے دل ٹوٹ گئے
اور وہ عبادت سے سست ہو گئے۔ جب صبح ہوئی۔ تو آپ نے ان کی سستی اور قبض کی حالت
ملاحظہ فرمائی۔ تو ان کے دلوں کو تسلی دی۔ اطمینان دلایا۔ اور یہ فرما کر ان پر بسط کی حالت طاری
کر دی کہ وہ قیامت کے دن تمام سابقہ امتوں میں سے اس طرح ممتاز نظر آئیں گے جس طرح ایک سفید
رنگ کے بیل کے بدن پر سیاہ تل۔

(۲۳) اَلْخَافِضُ
(نافرمانوں کو پست کرنے والا)

(۲۴) اَلرَّافِعُ
(فرمانبرداروں کو بلند کرنے والا)

ان ناموں سے مراد وہ موجود برحق ہے جو کفار کو بدبختی میں مبتلا کر کے پست کر دیتا
ہے۔ اور مومنوں کو کامیابی بخش کر بلند کر دیتا ہے۔ اپنے اولیاء کو قرب کی بلندی بخشتا ہے
اور اپنے دشمنوں کو دوری کے گڑھے میں ڈالتا ہے۔ جو شخص محسوسات اور تخیلات سے
اپنا مشاہدہ دور اور بری خواہشات سے اپنا ارادہ بلند کر لیتا ہے۔ اس کو وہ موجود برحق ملائکہ مقربین

کے مقام تک ترقی عطا کرتا ہے۔ اور جو شخص اپنا مشاہدہ محسوسات پر اور اپنی ہمت کو ان خواہشات نفسانی پر جن میں چوپائے بھی اس کے شریک ہیں مائل رکھتا ہے۔ تو اس کو وہ اسفل السافلین میں گرا دیتا ہے۔ اور یہ کام خاص خداوند تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اللہ ومحتاج فیض ومرئی بود

تنبیہہ۔ ان اصول سے بندہ کو یہ حصہ ہے کہ حق کو بلند اور باطل کو پست کرے۔ اور یہ اس طرح ہو سکتا ہے۔ حق بات کہنے والے کی تائید کرے۔ اور غلط بات بیان کرنے والے کو دھتکارے۔ خدا کے دشمنوں سے دشمنی کرے۔ تاکہ ان کو پست کرے۔ اور خدا کے دوستوں سے دوستی رکھے۔ تاکہ ان کو عالی رتبہ ہونے میں مدد دے۔ اسی لئے اللہ نے اپنے کسی نبی سے فرمایا ہے کہ:۔

"تم نے دنیا میں زہد کیا تھا۔ اس کے عوض میں تم کو راحت مل گئی۔ اور مجھ کو جو یاد کیا تو میرا دیدار بھی حاصل ہوگیا۔ اب یہ بتاؤ کہ تم نے کسی میرے دوست سے دوستی اور کسی دشمن سے دشمنی بھی کی؟"

(۲۵) اَلْمُعِزُّ
(عزت دینے والا)

(۲۶) اَلْمُذِلُّ
(ذلیل کرنے والا)

یہ وہ ذات ہے کہ جس کو چاہے بادشاہی دے جس سے چاہے چھین لے۔ سچی بادشاہی یہ ہے کہ محتاجی کی ذلت اور شہوت کی مجبوری اور نادانی کے عیب سے نجات حاصل ہو۔ پس اس نے جس شخص کے دل سے پردہ اٹھا دیا۔ یہاں تک کہ اس نے اس ذات والا صفات کے جمال کا نظارہ کر لیا۔ اور اس کو قناعت کی توفیق بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اس کی بدولت مخلوق سے بے پرواہ ہوگیا۔ اور اس کو قوت وطاقت بخشی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے نفس کی صفت پر غالب آگیا۔ تو اس کو اس جہان میں بھی عزت اور بادشاہی عطا کی۔ اور پھر آخرت میں بھی قرب کی عزت بخشے گا۔ اور فرمائے گا۔ یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰی رَبِّكِ ۔ یعنی اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف آ۔

اور جو شخص مخلوق پر نظر رکھتا ہے حتیٰ کہ اس کا محتاج بن جاتا ہے۔ اور اس پر حرص غالب ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حد تک قناعت نہیں کرتا اور جہالت کے اندھیرے میں پڑا رہتا ہے۔ اس کو خدا نے بالکل ذلیل کر دیا۔ اور اس سے ملک چھین لیا۔ یہ خدا کے کام ہیں جیسا

کیونکہ وہ تمام مسموعات کا ادراک نہیں کر سکتا۔ بلکہ صرف انہیں آوازوں کو محسوس کر سکتا ہے جو اس کے قریب ہوں۔ پھر یہ کہ اس کا ادراک ایک عضو کے ذریعے سے ہے اور وہ ایک ایسا آلہ ہے جو مختلف آفات میں گھرا ہوا ہے۔ اگر آواز دھیمی ہو۔ تو وہ ادراک کر نہیں سکتا۔ اگر دور ہو تو بھی سن نہیں سکتا۔ اگر آواز بڑی ہو۔ تو شنوائی کا پردہ ہی پھٹ جاتا ہے۔ اور شنوائی باطل ہو جاتی ہے۔

شنوائی سے بندہ کو دینی حصہ دو امر ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اس بات کا یقین رکھے کہ اللہ تعالےٰ سمیع ہے۔ لہذا اپنی زبان کو بُرے کلام اور بیہودہ گوئی سے محفوظ رکھے۔ دوم یاد رکھے کہ اس کو سننے کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ خدا کا کلام سنے جو اس نے نازل فرمایا ہے۔ اور اس کے ذریعے سے خدا کی راہ پر چلنے کی ہدایت حاصل کرے۔ غرض اس کے سوا اور کسی بات میں اپنی شنوائی استعمال نہ کرے۔[1]

(۲۸) اَلْبَصِیْرُ

(بہت دیکھنے والا)

یہ وہ ذات پاک ہے۔ جو ہر چیز کو صاف صاف دیکھتا ہے یہاں تک کہ تحت الثریٰ میں جو چھوٹی چیز ہے وہ بھی اس کی نظر سے مخفی نہیں ہے۔ اس کا دیکھنا بھی پُتلی و آنکھ کے پپوٹے وغیرہ سے پاک ہے۔ اور اس معنے سے منزہ ہے کہ اس کی ذات میں اشیاء کی صورتیں اور رنگ منطبع ہوتے ہوں۔ جیسے انسان کی آنکھ میں منطبع ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ امور ان تاثرات و تغیرات کی قبیل سے ہیں۔ جو تجدد و حدوث کے مقتضی ہیں۔ جب وہ ان امور سے پاک ہے۔ تو اس کا دیکھنا ایک ایسی صفت ہے جس سے دیکھی اشیاء کی ٹھیک ٹھیک صفات منکشف ہو جاتی ہیں۔ اور یہ بینائی اس بینائی سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہے جو آنکھوں کا فعل ہے۔ اور جو اکثر صاف اور ظاہر چیزوں کو محسوس کرنے سے بھی قاصر رہتی ہے۔

[1] شاید ترجمہ عنی کو دیکھ کر کسی کو خیال ہو کہ امام صاحب قرآن ہی سننے رہیں اور دنیا کی کوئی بات وہاں تک نہ پہنچے [illegible] اس کا مطلب نہیں سمجھے مصنف علیہ الرحمۃ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو شنوائی کی طاقت اس لئے دی گئی ہے کہ مختلف معاملات میں ہدایت حاصل کرے ان کے متعلق ہر وقت قرآنی احکام کا پابند رہے۔ جو بات قرآن کے مطابق ہو اس کو سن کر قبول کرے [illegible] کلام الٰہی کے بارہ میں [illegible] کی گئی ہو یا [illegible] کے [illegible]۔ جو بات اس کے خلاف ہو اس کو قبول کرنا تو کجا سننا بھی گوارا نہ کرے۔ مترجم

تنبیہ۔ وصف بصیر بھی حق کی حیثیت سے جو حضرت انسان کو حاصل ہے، وہ کامل ہے

لیکن یہ حیثیت قاصر ہے کیونکہ اس کی طاقت دور تک کام نہیں کرتی۔ اور وہ اشیاء میں

باقی ہے۔ بلکہ صرف ظاہری اشیاء کو محسوس کرتی ہے چھپی ہوئی باتوں سے قاصر ہے۔

بندہ کے حصے دو چیزیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ یقین رکھے کہ اس کی بینائی اس لئے دی گئی ہے

کہ وہ خدا کی نشانیوں اور عجائب ملکوت اور آسمانوں پر نظر کرے تا کہ ان کو عبرت حاصل ہو

کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں سے کوئی شخص آپ جیسا

ہوگا؟ فرمایا، ہاں جس شخص کی نظر عبرت کے لئے ہو اور خاموشی غور و فکر کے لئے اور کلام، خدا

کے ذکر کے لئے، وہ مجھ جیسا ہے۔

دوم یہ سمجھے کہ ہر وقت خدا کی نظر میں ہے۔ لہذا اس کی نظر سے بے پروائی

نہ کرے۔ جو شخص لوگوں سے اپنی باتیں چھپاتا ہے مگر اللہ سے نہیں چھپاتا، وہ گویا خدا

کی نظر سے بے پروائی کرتا ہے۔

اس صفت پر ایمان والے کا ایک فرد مراقبہ ہے۔ پس جو شخص جانتا ہے کہ خدا اُس

کو دیکھ رہا ہے۔ اور پھر بھی گناہ کے قریب جاتا ہے، وہ کیسا دلیر و گستاخ ہے، اور اگر

یہ گمان رکھتا ہے کہ خدا نہیں دیکھتا تو وہ کتنا بڑا کافر ہے!!

(۲۹) اَلْحَکَمُ

(حکومت کا حاکم)

حَکَم وہ حاکم ہے، جو لوگوں کے فیصلے کرتا ہے۔ اور جس کے آگے سب مخلوق

سر تسلیم خم کرتی ہے جس کے حکم کو کوئی نامنظور نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس کے فیصلے کو رد

کر سکتا ہے۔ جس کا بندوں کے حق میں یہ حکم ہے کہ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ

سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی یعنی انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کمایا، اور اس کی کمائی عنقریب

دیکھی جائے گی۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ وَّ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ یعنی بھلے لوگ نعمت

میں ہوں گے۔ اور برے لوگ دوزخ میں ہوں گے۔

بھلے اور برے لوگوں کے متعلق خوش قسمتی اور بدبختی کا حکم دینے کا مطلب یہ ہے

کہ ان سے بھلائی اور برائی کا پیدا ہونا اور برے لوگوں کی سعادت و شقاوت کا سبب ہونا

جیسے کہ دعاؤں اور تدبیروں کو ان کے کرنے والوں کے لئے شفا اور صحت کا باعث بنا دیا
ہے۔ چونکہ حکمت کا معنے اسباب پر مسببات کو مترتب کرنا ہے۔ لہٰذا خدا وند تعالےٰ
حکیم مطلق ہے۔ کیونکہ وہی تمام اسباب مہیا کرتا ہے ۔

حکمت سے قضا و قدر کے معنے پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو اس کا علم یہ ہے کہ وہ
اسباب وضع کرتا ہے تاکہ وہ مسببات تک منتہی ہوں۔ یہاں کلی و اصلی اور ثابت و مستقر
اسباب کو جو زائل ہونے والے اور نہ متغیر ہوتے ہیں نصب کرنا قضا ہے۔ جیسے کہ زمین
آسمان۔ ستارے اور ان کی حرکات جو متناسب اور دائمی ہیں۔ نہ ان میں تغیر آسکتا ہے نہ
وہ ٹوٹ سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کا تحریری حکم اپنی میعاد کو پہنچ جائیگا۔ چنانچہ
فرمایا فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ فِيْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا یعنی پس کر دیا
انہیں دو دن میں سات آسمان اور ہر آسمان کو اس کا امر دیا گیا۔
پھر ان متناسب محدود اور مقدر و محسوب اسباب کو ان مسببات کی طرف متوجہ کرنا قدر
ہے۔ جو ان اسباب سے مختلف حادثے ہوتے ہیں ۔

غرض کہ حکمت وہ اصلی اور کلی تدبیر ہے جو کہ قضا کا امر ہے جو تلک کے پیچھے سے بھی
جلد تر واقع ہوا جاتا ہے اور قضا اسباب کلیہ دائمہ کا اصلی طور پر وضع کرنے کا نام ہے۔
اور قدر سے مراد ان اسباب کلیہ کو ایک متناسب و محسوب مقدار کے ساتھ معین و معلوم
مسببات کی طرف ایسے اندازہ کے ساتھ تحریک دینا ہے۔ جو کم و بیش نہ ہو۔ اس لئے کوئی چیز
اس کی قضا و قدر سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اور یہ بات ذیل کی مثال سے بخوبی سمجھ سکتے ہیں

تم نے کبھی نہ کبھی گھڑی کا صندوق دیکھا ہوگا جس سے اوقات نماز کا پتہ لگتا ہے اگر
نہیں دیکھا تو ہم اس کی کیفیت بتاتے ہیں ۔

ایک آلہ جیکی ستون ہوتا ہے جس میں معین اور خاص مقدار کا پانی ہوتا ہے۔ اس کے
اندر اس پانی کے اوپر ایک اور مجوف آلہ ہوتا ہے۔ جو ایک طرف سے دھاگے کے ساتھ
بندھا ہوتا ہے اور دوسری طرف سے پانی پر تیرتا رہتا ہے۔ اس دھاگے کا دوسرا
ایک چھوٹے سے ظرف کے نیچے پہنچا ہوا ہوتا ہے۔ جو کہ وہ ستون نما آلہ کے اوپر دھرا رہتا
ہے۔ اس ظرف میں ایک گیند اور اس کے نیچے ایک طشتری اس طرح رکھی ہوتی ہے کہ اگر گیند
طشتری میں گر جائے۔ تو اس کی آواز سنائی دے۔ ستون نما آلہ کے نیچے ایک خاص مقدار کا

شوراخ ہوتا ہے جس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی نیچے بہتا رہتا ہے جب سارا پانی نیچے بہ جاتا ہے۔ تو پانی پر تیرنے والا ڈول نیچے لٹک جاتا ہے۔ اور اس کے لٹکنے سے دھاگے کو جو کشش ہوتی ہے تو اس کے دوسرے سرے کی تحریک سے گیند طشتری میں گرتا ہے۔ اور اس کے گرنے کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ خبردار ہو جاتے ہیں۔ ایک گھنٹے کے ختم ہونے پر یہ گیند ایک بار گرتا ہے۔ گیند کے دو بار گرنے کا درمیانی وقفہ پانی کے نکلنے اور بہ جانے کی مقدار سے ہوتا ہے۔ اور یہ بات شوراخ کے مقدار پر موقوف ہے جس سے پانی نکلتا ہے۔ اور یہ امر حسابی طریقے سے معلوم کیا جاتا ہے ◆

غرض کہ پانی کے بہنے کا معلوم کرنا شوراخ کی کشادگی کا اندازہ پر موقوف ہے۔ اور اس اندازہ سے پانی کی بالائی سطح نیچے اترتی ہے جس پر تختے کا معلق ہو کر نیچے لٹک جانا اور دھاگے کا کھچ جانا اور گیند کا نیچے گر کر آواز پیدا کرنا منحصر ہے۔ اور یہ تمام چیزیں اپنے اپنے سبب کے مقدار اور اندازہ پر مقرر کئے جاتے ہیں۔ یہ جو زیادہ ہوتا ہے تو کہ۔ اور ممکن ہے گیند کا طشتری میں گرنا ایک دوسری حرکت کا سبب بنا دیا جائے۔ اور یہ حرکت ایک تیسری حرکت کا سبب ہو۔ اسی طرح بہت سے مراتب تک یہ سلسلہ چلا جائے جس سے عجیب عجیب حرکات وقوع پذیر ہوں۔ جو محدود و مقرر ہوں۔ اور جن کا سبب پانی کا بہنا ہو ◆

جب تم اس صورت کو سمجھ گئے۔ تو اب اس امر پر غور کرو کہ اس آلہ کے واضع کو تین امور کی ضرورت ہوگی ◆

(۱) تدبیر۔ (۱) اس بات کا حکم ہے کہ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کون کون سے آلات و اسباب درکار ہوں گے۔ اور کس کس قسم کی حرکات سے کام لینا پڑے گا۔ اسی کو حکم کہتے ہیں ◆

(۲) ان آلات کو مہیا کرنا جو اس کام کے اصول ہیں یعنی:-

ا۔ ستون نما آلہ جو پانی سے بھر دیا جائے ◆

ب۔ مجوف آلہ جو پانی پر رکھا جائے ◆

ج۔ دھاگہ جو اس کے ساتھ باندھا جائے ◆

د۔ جس میں گیند رکھا جائے ◆

۷۔ طشتری میں گیند گر کر آواز پیدا کرے۔ یہ قضا ہے۔

(ب) وہ سبب ظاہر کرنا۔ جو اس محدود مقدار حرکت کے جاری ہونے کا موجب
اور وہ ستون نما آلہ کے نیچے کا سوراخ ہے۔ جو ایک خاص معین مقدار سے بنایا جاتا ہے۔
جس میں پانی نکلنے سے پانی کی بالائی سطح نیچے اُترے۔ اور اس پر تیرنے والا لوٹا بھی نیچے
پھر وہ کانٹا ہلے۔ اور گیند والے طرف کو حرکت ہو۔ اس کے ساتھ ہی گیند طشتری میں آ گرے
جس سے ایک آواز پیدا ہو۔ حاضرین کے کان کھڑے ہو جائیں اور وہ گھنٹہ ختم ہونا معلوم کر کے
کوئی نماز کو دوڑے۔ کوئی کسی دوسرے کام کی طرف متوجہ ہو جائے۔ اور یہ تمام امور ایک خاص
مقدار پر قائم کئے جاتے ہیں۔ جو پہلی حرکت کے تابع ہوتی ہے۔ اور یہ حرکت پانی کی ہوتی
ہے۔

اب تم بخوبی سمجھ گئے ہو گے کہ یہ تمام آلات محصول ہیں۔ جن کا ہونا مطلوبہ حرکت
کے لئے لازمی ہے۔ اور حرکت کا خاص اندازہ ہونا چاہئے۔ تاکہ اس سے پیدا ہونے والا
نتیجہ خاص اندازے سے اور مقدار پر ہو۔

اسی پر قیاس کر کے تم حوادث کے واقع ہونے کا حال سمجھ سکتے ہو۔ جو اپنے معین
کے آنے پر یعنی اپنے سبب کے موجود ہونے پر اپنے وقت سے مقدم و موخر نہیں ہو
اور یہ تمام حوادث اور ان کی پیدائش ایک معین و محدود مقدار پر ہوتی ہے۔ بیشک اللہ بالغ
امرہ۔ قد جعل اللہ لکل شیء قدرا۔ (بیشک جو خدا کو منظور ہوتا ہے وہ اس کو پورا
کر کے رہتا ہے اور اللہ نے تو ہر چیز کا ایک اندازہ ٹھہرا رکھا ہے) چنانچہ آسمان، ستارے
زمین، سمندر، دریا، اور پہاڑ وغیرہ تمام بڑے بڑے اجسام جو عالم میں موجود ہیں وہ مذکورہ
آلات کی مثل ہیں۔ اور آسمان اور چاند، سورج وغیرہ ستاروں کو مناسب حساب کے
ساتھ حرکت دینے والا سبب اس سوراخ کے مثل ہے جس سے پانی نکلتا تھا۔ پھر سورج
اور چاند وغیرہ کی حرکت کو زمین میں حوادث واقع ہونے کا موجب بنایا گیا ہے۔ جیسے
پانی کی حرکت کو ان حرکات کا موجب بنایا جاتا ہے۔ جن کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ گیند گرتی ہے
جو انقضائے ساعت کی خبر دیتا ہے۔

آسمان کی مختلف حرکت سے زمین میں تغیرات اس طرح واقع کرتی ہیں
کہ مثلاً سورج جب اپنی رفتار کے ساتھ مشرق میں پہنچتا ہے۔ تو عالم میں روشنی

۱۔ سورہ طلاق۔

پھیل جاتی ہے۔ اور لوگوں کو اشیائے عالم کا دیکھنا اور چیزوں کا میسر ہوتا ہے
جس سے اُن کو مختلف مشاغل میں مصروف ہونے اور کاروبار کرنے کا موقع
ملتا ہے۔ اور جب سُورج مغرب میں جا چھپتا ہے تو لوگ کاروبار چھوڑ کر اپنے
اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں۔ جب سُورج خاص موسم میں آسمان کے عین بیچ میں ہوتا
ہے تو ہوا گرم ہو جاتی ہے تپش بڑھ جاتی ہے۔ اور میوے پک جاتے ہیں۔
جب سُورج دوسری فصل میں آسمان کے ایک کنارے پر جا رہتا ہے تو سردی کا
موسم آجاتا ہے۔ اور جاڑا پڑنے لگتا ہے۔ جب سُورج اوسط درجے پر ہوتا ہے
تو موسم معتدل ہو جاتا ہے۔ اور بہار کا موسم آجاتا ہے۔ نباتات پیدا ہوتی ہیں۔
سبزیاں اُگتی ہیں۔ غرض ان مشہور باتوں سے جو تم کو پہلے ہی معلوم ہیں بہت سی
غیر معلوم باتیں دریافت کر سکتے ہو۔

فصلوں کا تمام اختلاف خاص تناسب پر قائم ہے کیونکہ وہ چاند سُورج کی حرکت
سے وابستہ ہے۔ خدا نے فرمایا ہے وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ یعنی سُورج اور چاند کی
حرکتیں حساب کے موافق ہیں۔ پس اس تناسب کو قائم کرنا اور اسباب کلیہ کا بنانا قضا
ہے۔ اور پھر ہر جزئی میں تعدیل کا تمام ہونا ہے، حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان امور کے
لحاظ سے با انصاف حکم دیا ہے۔

جس طرح آرا اور دھاگے اور کیل کی حرکت آرا بنانے والے کے ارادے سے خارج
نہیں ہے۔ بلکہ اس کی مقصود وہی ہے۔ اسی طرح دنیا میں جو اچھے یا بُرے، مفید یا مضر
حوادث واقع ہوتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے خارج نہیں ہوتے۔ وہ اللہ
کی خواہش اور مرضی سے ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے اس نے یہ اسباب بنائے ہیں۔ اور یہی
معنے ہیں اس کے قول کا کہ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ۔

عام مثالوں کے ذریعہ سے امر الٰہیہ کا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن اس قسم کی مثالوں سے
مراد صرف تنبیہ ہوتی ہے۔ تاکہ مثال کے زیادہ درپے نہ پڑو۔ مطلب کی بات کا لحاظ
رکھو۔ تمثیل و تشبیہ سے بچو۔

تنبیہ۔ بندہ کے حصہ میں جو حکمت و تدبیر اور قضا و تقدیر
ہے وہ تم مذکورہ مثال سے سمجھ گئے ہو گے۔ اور یہ ایک معمولی بات ہے۔ بڑی بات جو بندہ

کے قبضے میں ہے۔ وہ ریاضات و مجاہدات کی تدبیر اور سیاسات کی تقدیر ہے۔ جس سے
دین و دنیا کی تمام بہبودی وابستہ ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ خدا نے ہمیں اپنا نائب اور خلیفہ
بنا کر بھیجا۔ اور آزاد کیا۔ تاکہ وہ دیکھے کہ وہ کیسے عمل کرتے ہیں ۔

دینی حصہ جو خدا کے اس وصف کے مشاہدہ سے بندہ کو حاصل ہوتا ہے یہ ہے کہ
وہ یقین رکھے کہ ہر امر پہلے ہی سے انجام ہو چکا ہے۔ اور اس سے گریز کی صورت نہیں
وَقَدْ جَفَّ الْقَلَمُ بِمَا هُوَ كَائِنٌ یعنی "قلم قدرت ہونے والی بات کو لکھ کر خشک
ہو چکا ہے۔" اور یہ سمجھے کہ اسباب اپنے مسببات کی طرف متوجہ ہو چکے ہیں۔ اور ان اسباب
کا مسببات کو زندگی بخشنا اور ایک وقت معین و مقررہ تک قائم و دائم رکھنا واجب الحصول ہے ۔

پس جو چیز وجود میں داخل ہوتی ہے وہ وجوب میں داخل ہو جاتی ہے۔ یعنی
اس کا موجود ہونا واجب ہو جاتا ہے۔ اگرچہ وہ واجب لذاتہ نہیں ہوتی۔ لیکن قضائے الٰہی
کی رو سے جو چیز نہیں ٹل سکتی وہ واجب ہے۔ اس سے بندہ سمجھ جاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں
لکھا گیا ہے وہ ضروری ہونے والا ہے۔ غم و الم محض زائد ہے۔ اور وہ طلب رزق میں
مطمئن، تسلی یافتہ اور غیر مضطرب ہوگا ۔

سوال۔ اس بیان پر دو اعتراض لازم آتے ہیں۔

(۱) ایک تو یہ کہ غم و الم زائد کیونکر ہو سکتا ہے۔ کیا وہ بھی تقدیر میں لکھا ہوا نہیں
ہے؟ اس کا بھی تو سبب ہے۔ جب یہ سبب جاری ہوتا ہے۔ تو غم و الم کا عارض ہونا واجب
ہو جاتا ہے ۔

(۲) یہ کہ جب ہر امر پہلے ہی سر انجام کو پہنچ چکا ہے۔ تو پھر فعل و عمل کس لئے کیا
جاتا ہے۔ وہ سعادت یا شقاوت کے سبب سے فارغ ہو چکا ہے!

جواب پہلے اعتراض کا یہ ہے کہ یہ جو کہا جاتا ہے کہ جو تقدیر میں لکھا ہے ۔۔
ضرور ہوگا۔ اب غم زائد ہے۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تقدیر سے ٹل گیا یا اس سے خارج
ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ فضول اور لغو ہے۔ کچھ فائدہ نہیں دیتا۔ کیونکہ وہ تقدیر کو دفع
نہیں کر سکتا۔ جو امر ہونے والا ہے اس کا غم کرنا خالص جہل پر مبنی ہے۔ کیونکہ اگر اس امر کا
ہونا تقدیر میں لکھا ہے تو اس سے ڈرنا اور غم کرنا اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ اور وہ ایک طرح
مصیبت کے خوف سے قبل از وقت اپنے آپ پر مصیبت نازل کر لینا ہے۔ اور اگر اس کا

کا ہونا مقدر نہیں ہے۔ تو تم کو کیا سمجھے۔ غرض ان دونوں فرقوں سے غلط بات ہے ۔
عمل و فعل کے متعلق تو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول جواب ہے کہ
[اعملوا فکل میسر لما خلق لہ] جس کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص کے لئے سعادت مقدر
ہے وہ کسی سبب کے ساتھ مقدر ہے۔ تو اس کا سبب اس کو میسر ہو جاتا ہے۔ اور وہ
طاعت ہے۔ اور جس شخص کے لئے بدبختی مقدر ہے۔ وہ بھی کسی نہ کسی سبب سے مقدر ہے
اور وہ یہ کہ وہ اسباب سعادت پر کاربند ہونے میں سستی کرتا ہے۔ اور کبھی اس سستی کا باعث
یہ ہوتا ہے کہ اس کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ اگر میں خوش قسمت ہوں تو عمل کی ضرورت
نہیں۔ اور اگر بدبخت ہوں۔ تو عمل سے کوئی فائدہ نہیں۔ اور یہ جہل ہے۔ کیونکہ وہ جانتا نہیں
کہ اگر خوش قسمت ہوا۔ تو اسی لئے خوش قسمت ہوگا کہ وہ خوش قسمتی کے اسباب یعنی
علم و عمل پر چلتا ہے۔ اگر یہ اسباب اس کو میسر نہ ہوئے۔ اور وہ ان پر نہ چلا۔ تو یہ اس کی
بدبختی کی نشانی ہے ۔

اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص فقیہ بننے کی تمنا کرتا ہے۔ یعنی امامت کے درجے کو
پہنچنا چاہتا ہو۔ تو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ علم پڑھو۔ خوب کوشش اور تکرار محنت کئے جاؤ۔ اور
وہ کہے کہ خدا نے ازل میں میری امامت کا درجہ لکھ دیا ہے۔ تو میں اس کوشش کا محتاج نہیں ہوں
اگر اللہ تعالے نے میرے لئے جہل کا فیصلہ کر دیا ہے۔ تو میری کوشش سے کیا ہو سکتا ہے
تو اس کو یہی کہنا پڑے گا کہ تیرے دل میں یہ خیال جاگزین ہو گیا ہے۔ تو یقیناً تیرے لئے
ازل ہی سے جہل کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ کیونکہ جو ازل سے امام لکھا گیا ہے۔ اس کے لئے اسباب
بھی مہیا ہوتے ہیں۔ اور وہ ان اسباب کو کام میں لاتا ہے۔ اور وہ ایسے بیہودہ خیالات اور
وساوس کو دور کرتا رہتا ہے۔ جو اس کو سستی اور کاہلی پر آمادہ کرتے رہتے ہیں۔ بلکہ
جو شخص کوشش نہیں کرتا وہ یقیناً امامت کا درجہ نہیں پاتا۔ اور جو شخص کوشش کرتا
ہے۔ اور اس کے لئے کامیابی کے اسباب میسر ہو جاتے ہیں۔ اس کی حصول غرض کی امید
قوی ہو جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ برابر اپنی کوشش پر قائم رہے۔ اور کوئی مانع ایسا پیش نہ آئے
جو اس کی رفتار کو روک دے ۔

اس لحاظ سے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ سعادت اس شخص کا حصہ ہے۔ جس کو خدا تعالیٰ
نے قلب سلیم عطا کیا ہے۔ اور سلامت قلب ایک ایسی صفت ہے جو کوشش سے حاصل

کی جاتی ہے جس طرح نقد نفس اور نقد بہت کوشش سے حاصل کی جاتی ہے بلکہ یہی فرق
نہیں۔ ان شاہانہ حکموں میں بندوں کے مختلف نتیجے ہیں بعض خاتمہ کو دیکھتے ہیں
کہ ان کا انجام کس حالت پر ہوتا ہے۔ اور بعض ابتدا کا لحاظ کرتے ہیں کہ قضا نے ازل میں کیا
لکھ دیا ہے۔ اور یہ لوگ اعلیٰ درجہ پر ہیں کیونکہ خاتمہ ابتدا کے تابع ہے بعض ماضی و مستقبل
دونوں سے دست بردار ہیں اور ابن الوقت ہیں یہ لوگ موجودہ حالت کا لحاظ کرتے
ہیں اور خدا کی تقدیر کے مواقع پر راضی ہیں۔ وہ پہلے سارے لوگوں سے افضل ہیں۔ بعض
حال و ماضی و استقبال سب سے کنارہ کش ہیں۔ ان کا دل حکم میں مستغرق اور شہود
میں مصروف ہے۔ یہ درجہ سب سے اعلیٰ ہے ✦

(۳۰) اَلْعَدْلُ

(مُنصف یعنی فیصلہ میں ظلم نہ کرنے والا)

عَدْلٌ کے معنے عادل۔ اور یہ وہ ذات ہے جس سے عدل کا فعل صادر ہو
جو ظلم و ستم کے خلاف ہے۔ وہ شخص عادل کو نہیں پہچان سکتا۔ اس کے عدل کو نہیں پہچانتا
نہ ایسا شخص اس وصف کو معلوم کر سکتا ہے۔ اس کو چاہیئے کہ حتی المقدور اللہ تعالیٰ کے
تمام افعال کا جو بالائے آسمان سے لیکر زمین تک تعلق رکھتے ہیں علم حاصل کرے۔
حتیٰ کہ جب وہ خدا کی آفرینش میں باوجود لمبے غور و فکر کے کسی قسم کی کجی یا بے جوڑ
نہ پائے گا۔ تو بارگاہ رب العزت کی شان و عظمت اس کو دم بخود بنا دیگی۔ اور اس کے کاموں کا
اعتدال و انتظام اس کو حیران کر دیگا۔ اس وقت عدل خداوندی کے معانی کا کوئی حصہ اس کے
ذہن میں آ سکتا ہے ✦

اللہ تعالیٰ نے کئی قسم کی جسمانی و روحانی اور کامل و ناقص موجودات بنائی ہیں۔
اور ہر شے کو اس کی آفرینش عطا کی ہے۔ اس لحاظ سے وہ جواد (عالی حوصلہ) ہے اور اس نے
ہر چیز کو اس کی مناسب ترتیب میں رکھا ہے۔ اس لحاظ سے وہ عادل ہے ✦
چنانچہ عالم کے بڑے بڑے اجسام زمین۔ پانی۔ ہوا۔ آسمان اور ستارے ہیں۔
خدا نے ان کو پیدا کر کے ایک مناسب ترتیب دی ہے ✦
زمین کو سب سے نیچے رکھا ہے۔ اس پر پانی کو جگہ دی ہے۔ پھر پانی پر ہوا کا مقام

بنایا ہے۔ اور بھاری چیز ان کے نیچے قائم کئے گئے ہیں۔ اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے۔ تو سارا نظام
باطل ہو جائے۔ شاید یہ عدل و نظام کے لئے اس ترتیب کے مناسب ہونے کی شرح اگر تو پہلا
کی سمجھ میں نہ آئے۔ لہٰذا ہم عام لوگوں کے فہم و ادراک کا لحاظ رکھ کر کہتے ہیں کہ انسان کو چاہئے
کہ اپنے بدن کے متعلق غور کرے، جو مختلف اعضاء سے مرکب ہے۔ جیسے کہ عالم کا بدن مختلف
اجسام سے مرکب ہے۔ انسانی بدن کو پہلے تو خدا نے ہڈی، گوشت اور چمڑے سے مرکب
کیا ہے۔ ہڈیوں کو گویا کہ ستون بنایا ہے۔ اور گوشت کو ان کا غلاف بنایا ہے۔ اور چمڑا
گوشت کا غلاف قرار دیا ہے۔ اگر یہ ترتیب بالعکس ہو جائے۔ اور اندر کی چیز باہر رکھی جائے
تو سلسلہ درہم برہم ہو جائے ۔

اگر یہ بات بھی تمہارے نزدیک باریک ہے۔ تو ایک اور مثال سنو۔ اللہ تعالیٰ نے
انسان کے مختلف اعضاء مثلاً ہاتھ۔ پاؤں، آنکھیں، ناک اور کان پیدا کئے ہیں۔ تو وہ ان اعضاء
کے پیدا کرنے میں تو جواد ہے۔ اور ان کو خاص مقامات پر رکھنے میں عادل ہے۔
مثلاً آنکھ کو ایسے مقام پر رکھا ہے جو اس کے لئے بدن میں تمام مقامات کی بہ نسبت زیادہ
مناسب ہے کیونکہ اگر اس کو گدی پر۔ یا پاؤں پر۔ یا ہاتھ پر یا کھوپڑی پر بنایا ہوتا۔ تو
جس قدر اس کے نقصان کا اندیشہ تھا، وہ مخفی نہیں۔ اور اسی طرح اس نے ہاتھوں کو کندھوں
سے متعلق کیا ہے۔ اگر ان کو سر کے ساتھ یا گھٹنوں میں۔ یا گھٹنوں پر لگا دیتا۔ تو اس سے
خلل آتا۔ وہ محتاج دلیل نہیں۔ اسی طرح اس نے تمام حواس سر میں جمع کئے ہیں۔ کیونکہ وہ
جاسوس ہیں۔ ان کا تمام بدن سے بلند مقام پر ہونا ضروری تھا۔ اگر ان کو پاؤں پر رکھا ہوتا تو
قطعاً ان کا نظام خلل پذیر ہو جاتا۔ اور اگر اس کی تفصیل ہر عضو کے متعلق کی جائے۔ تو یہ بیان
بہت لمبا ہو جائیگا۔ اجمالاً اتنا سمجھ لینا چاہئے کہ اس نے ہر چیز جس مقام پر پیدا کی ہے
وہ اسی جگہ کے لئے مناسب ہے۔ اگر اس جگہ سے دائیں طرف یا بائیں طرف یا اوپر یا نیچے
ہٹائی جاتی۔ تو ناقص یا باطل یا خراب یا بدنما اور غیر مناسب ہوتی۔ ناک کو چہرے کے وسط
میں پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو ماتھے میں یا ایک رخسار میں بنایا ہوتا۔ تو اس کے موجودہ فوائد
میں ضرور کمی آجاتی۔ اور سمجھو اس کی حکمت کا تجربہ تم کو ہو سکتا ہے ۔

اور یہ جو کہ سورج کو جو خدا نے چوتھے آسمان پر بنایا ہے۔ تو یہ کوئی لغو بات نہیں ہے
بلکہ اس نے سچا کیا ہے۔ اور اس کو ایسے مقام پر رکھا ہے۔ جو اس کے مقاصد کا حامل ہونے

کے لئے مناسب ہے۔ مگر تم اس کی حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ کیونکہ تم کو عالم بالا اور عالم سفل میں غور و فکر کرنے کی کم استعداد ہے۔ اگر تم ان میں نظر کرو۔ تو ایسے عجائبات ملاحظہ کرو جن کے آگے تمہارے بدن کے عجائبات ہیچ ہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ جب کہ آسمان و زمین کی آفرینش لوگوں کی آفرینش سے بڑی ہے۔ کاش کہ تم کو اتنی توفیق ہوتی کہ اپنے نفس کی عجائبات کو سمجھتے اور اس میں اور اس کے اردگرد کے اجسام میں غور کرنے سے فرصت پاتے۔ تاکہ اس زمرہ میں شریک ہو جاتے جن کے بارہ میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ یعنی عنقریب ہم ان کو اپنے نشان زمانے میں اور خود ان کے نفسوں میں دکھائینگے ۔

یہ مرتبہ تم کو کہاں نصیب ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں شامل ہو جن کے بارہ میں تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ وَكَذَٰلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ یعنی اس طرح ہم ابراہیم کو آسمان و زمین کے عجائبات دکھاتے ہیں تاکہ وہ اہل یقین میں شامل ہو جائے۔ اور ہر شخص کے لئے آسمانوں کے دروازے کیونکر کھولے جائینگے جس کو دنیا کے فکر و تردد نے اپنے دھندوں میں غرق کر رکھا ہو۔ اور حرص و ہوا نے اپنا غلام بنا لیا ہو ۔

الغرض یہ بیان اس اکیلے اسم کی راہ معرفت کی پہلی منزل دکھانے کے لئے ایک اشارہ تھا۔ اس کی پوری پوری شرح کے لئے کئی بڑے دفتر درکار ہونگے۔ اور اسی طرح ہر اسم کے معنے کی شرح۔ کیونکہ تمام اسماء افعال سے مشتق ہیں۔ جن کا سمجھنا افعال اور ان اشیاء کے سمجھنے پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالےٰ کے افعال سے موجود ہیں۔ اور جو شخص ان کا مجمل یا مفصل علم نہیں رکھتا۔ پس اس کے پاس ان کے متعلق محض تفسیر و لغت کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور مفصل علم تو حاصل ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی کوئی انتہا نہیں۔ ہاں بالاجمال علم ہو سو وہ مقدور بھر حاصل ہو سکتا ہے۔ اور اسی پیمانہ پر بندہ کو رسائی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور اتنی نسبت بھی تمام علوم کو حاوی ہے۔ اس قسم کی کتاب سے مدعا یہ ہے کہ اس کی ابتدائی اور اصولی باتوں کی طرف اشارہ کیا جائے۔ بس ۔

تنبیہ۔ عادل سے بندہ کا جو حصہ ہے وہ مخفی نہیں۔ اپنی صفات کو اعتدال پر لانے کا پہلا حق یہ ہے کہ شہوت اور غضب کو عقل و دین کے ارشاد کا پابند بنائے۔ اور اگر ایسا

نے عقل کو شہوت اور غضب کا خادم بنا دیا تو وہ ظلم کا مرتکب ہوگا۔ یہ تو اپنے نفس کے متعلق
عدل کا خلاصہ تھا۔ اور اس کی تفصیل تمام حدود شرع کی رعایت ہے۔ اور ہر عضو کے
متعلق عدل یہ ہے کہ ان کو ایسے کاموں میں استعمال کرے جن کی شریعت نے اجازت
دی ہے۔ اور اپنے عیال و اولاد کے متعلق اور اگر رئیس ہے تو اپنی رعیت کے متعلق جو
عدل چاہئے وہ ظاہر ہے ✦

لوگ جاہل کہا کرتے ہیں کہ ظلم برا ہے اور عدل لوگوں کے حق میں نفع رساں ہے۔
لیکن حقیقت میں یہ درست نہیں۔ بلکہ اگر کوئی بادشاہ ہتھیار اور کتابیں۔ اور اموال سے
بھرا ہوا خزانہ کھولے۔ اور اموال تو بخشش لوگوں کو عطیہ دے ڈالے۔ ہتھیار اہل علم کے حوالہ کرے
اور ان کو قلعوں کی کنجیاں دیدے۔ کتابیں فوجی لوگوں کو بخش دے۔ اور ساتھ ہی مسجدیں ان کے
حوالہ کر دے۔ تو اس نے نفع تو پہنچایا۔ لیکن اس نے ظلم ہی کیا۔ اور عدل یہ تھا کہ وہ کسی کی چیز
ہر ایک چیز کو اس کے غیر مناسب مقام میں استعمال کیا۔ اور اگر مریض کو دوا نہ پلانے، پچھنے لگانے
تو فصد کھولنے میں پابندی اور جبر کیا۔ اور مجرموں کو معاف کے ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور قتل
کر ڈالنے کی سزا دی تو وہ عادل سمجھا جائیگا۔ کیونکہ ہر امر کو اس کے مناسب مقام میں رکھا ہے ✦

دین کی بہت سے لوگ صفت کے مشاہدہ میں بندہ کا حصہ اس بات کا ایمان ہے
کہ اللہ تعالےٰ عادل ہے اس کی تدبیر و حکم اور تمام افعال کے متعلق اس پر اعتراض نہیں کیا
جا سکتا۔ خواہ وہ بندہ کی مراد کے موافق ہوں یا نہ ہوں۔ کیونکہ یہ ساری باتیں انصاف ہیں۔
اور جیسی ہیں ایسی ہی ہونی چاہئیں۔ اگر وہ اس کام کو ترک کرتا جو اس نے کیا ہے۔ تو اس سے کوئی اور
خرابی پیدا ہو جاتی۔ جو اس سے بھی زیادہ ضرر رساں ہوتی۔ جیسے کہ اگر مریض کو پچھنے نہ لگوائے
جائیں تو ایسا نقصان پہنچے۔ جو پچھنوں کی رو سے زیادہ تکلیف دہ ہو۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ
عادل ہے۔ اور اس بات پر ایمان لانا تمام ظاہری و باطنی انکار و اعتراض کی جڑ کاٹ
ڈالتا ہے ✦

زمانہ کو برا بھلا نہ کہنا چاہئے۔ اور نہ اشیاء کو فلک سے منسوب کرنا چاہئے۔ اور
نہ اس پر اعتراض کرنا چاہئے۔ جیسے عام لوگوں کی عادت ہے۔ بلکہ یہ سمجھے کہ یہ تمام اسباب
خدا کے حکم کے تابع ہیں۔ اور یہ سب ایک مناسب ترتیب سے اپنے مسببات کے ساتھ مرتب
ہیں۔ اور ان کی ترتیب انتہا درجہ کے عدل و لطف پر مبنی ہے ✦

(۳۱) اَللَّطِیْفُ

(باریک بین)

اس اسم کی مستحق وہ ذات ہے جو مصلحتوں کی باریک باریک باتیں جانے۔ اور ان کو ان کے مستحق کی طرف سختی سے نہیں بلکہ نرمی سے پہنچائے۔ جب فعل میں نرمی اور علم میں باریک بینی جمع ہو جائے۔ تو لطیف کے معنے پورے ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا کمال علم و عمل میں خاص خدا کے لئے متصور ہے۔

خدا کا باریک اور دقیق باتوں پر جس قدر احاطہ ہے۔ اس کی تفصیل ہو نہیں سکتی بلکہ ہر مخفی بات اس کے علم میں ایسی ہی ظاہر ہے، جیسے کھلی بات۔ کچھ بھی فرق نہیں افعال میں اس کی نرمی اور مہربانی بھی شمار میں نہیں آسکتی۔ کیونکہ فعل کی مہربانی کو وہی سمجھ سکتا ہے جو اس کے تمام افعال کی تفصیل بھی جانتا ہو۔ اور اس میں مہربانی کے نکتے سمجھتا ہو جس قدر وہ ان کو جانتا ہوگا۔ اسی قدر وہ اسم لطیف کے معنے سمجھتا ہوگا۔ اس بات کی شرح بڑا طول چاہتی ہے۔ اور امید نہیں کہ کئی دفتر اس کے دسویں حصے کو بھی کافی ہو سکیں۔ ہاں کچھ کی بعض باتوں کا اشارہ کیا جا سکتا ہے۔

خدا کے بے انتہا لطفوں میں سے ایک لطف یہ ہے کہ وہ جنین کو ماں کے پیٹ میں پیدا کرتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرتا ہے۔ اور ناف کے ذریعے غذا پہنچاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ متولد ہوتا ہے۔ تو منہ سے کھانے لگتا ہے۔ تولد کے وقت خدا اس کو سکھا دیتا ہے کہ پستان کو منہ میں پکڑے اور چوسے۔ خواہ رات کا اندھیرا ہو۔ نہ کوئی اس کو سکھاتا ہے۔ اور نہ وہ کسی کو اس طرح کرتے دیکھتا ہے۔ بلکہ وہ انڈے کو توڑ کر خود نکلتا ہے۔ اور اس کو دانے چگنے سکھاتا ہے۔ پھر یہ کہ وہ اس کے پیدا ہوتے وقت دانت نہیں بناتا۔ کیونکہ ابھی دودھ پینے کی عمر میں دانتوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ پھر جب اس کے بعد طعام چبانے کے لئے دانتوں کی ضرورت پڑتی ہے، تو دانت اگاتا ہے۔ وہ یہ کہ وہ کئی طرح کے دانت بناتا ہے۔ ایک ڈاڑھیں ہیں جو طعام کو پیسنے کے لئے ہیں۔ اور ایک کچلیاں ہیں جو توڑنے کی غرض سے ہیں۔ اور ایک سامنے کے دانت ہیں۔ جو کاٹنے کی خاطر ہیں۔ پھر یہ کہ وہ زبان کو جس سے ظاہری غرض کلام ہے طعام کو دانتوں کی چکی میں ڈالنے کے کام

پیدا ہوا کرتا ہے ٭

ایک لقمہ کے میسر ہونے کے متعلق خدا کی مہربانی کا مفصل ذکر کیا جائے۔ جو بندہ کو بلا مشقت مل جاتا ہے۔ اور جس کی اصلاح اور تکمیل میں ایک مخلوق نے جس کا شمار نہیں ہو سکتا مدد دی ہے۔ کسی نے زمین کو درست کیا۔ کسی نے بیج بویا۔ کسی نے سینچا۔ کسی نے فصل کو کاٹا کسی نے کھلیان سے غلہ نکالا۔ کسی نے اس کو پیسا۔ کسی نے گوندھا۔ کسی نے پکایا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو اس کی تفصیل ختم نہ ہو سکتی ٭

الغرض باری تعالیٰ اس حیثیت سے کہ اس نے امور کی تدبیر کی ہے حکیم ہے اور اس حیثیت سے کہ ان کو ایجاد کیا جواد ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ان کو ترتیب دی مصور ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ ہر چیز کو اس کے مقام مناسب میں رکھا ہے عدل ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ اس میں رفق کے وجوہ کی کوئی باریکی نہیں چھوڑی لطیف ہے۔ اور جو شخص ان افعال کی حقیقت نہیں سمجھتا وہ ان اسماء کی حقیقت بھی نہیں سمجھ سکتا ٭

بندوں پر اس کا ایک لطف یہ ہے کہ اس نے ان کو کفایت سے زیادہ توفیق دی ہے۔ اور طاقت سے کم مکلف کیا ہے ٭

ایک لطف یہ ہے کہ تھوڑی سی بہت قلیل دنیوی عمر میں تھوڑی کوشش کرنے پر ان کو ابدی سعادت حاصل کرنے کی توفیق دی ہے۔ کیونکہ اس عمر کو ابد کے ساتھ کچھ بھی نسبت نہیں ٭

ایک لطف یہ ہے کہ وہ لید اور خون میں سے صاف دودھ۔ اور سخت پتھر سے نفیس جواہر۔ اور مکھی سے شہد۔ اور کیڑے سے ریشم اور سیپ سے موتی پیدا کرتا ہے۔ ان سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ وہ انسان کو گندے نطفے سے پیدا کر کے اس کو اپنی معرفت کا خزانہ۔ اپنی امانت کا حامل۔ اور آسمانوں کے عجائبات کا نظارہ دیکھنے والا بناتا ہے۔ اور یہ بھی وہ لطف ہے جو شمار نہیں ہو سکتا ٭

تنبیہ اس وصف سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئے۔ خدا کی طرف بلانے۔ اور سعادت آخرت کی ہدایت کرنے میں ان کے ساتھ ملاطفت کرے۔ بلا اس کے کہ تحقیر۔ سختی۔ لڑائی اور تعصب کرے ٭

سب سے اچھا لطف جس میں قبول حق کی ایک کشش موجود ہوتی ہے۔ وہ پاک ذات

اچھے خصائل اور نیک اعمال ہیں۔ کیونکہ چکنی چپڑی باتوں کی نسبت یہ امور زیادہ مؤثر اور پرلطف ہوتے ہیں ۔

(۳۲) اَلْخَبِیْرُ

(آگاہ۔ دانا۔ عالم۔ عارف)

خَبِیْرُ وہ ہے جس سے کوئی باطنی خبر مخفی نہیں۔ عالم سفلی اور عالم بالا میں کوئی بات ہو۔ کوئی ذرہ حرکت کرے۔ یا ساکن رہے۔ کوئی جان بیقرار رہے۔ یا مطمئن ہو۔ اس کو ہر بات کی خبر ہوتی ہے۔ اور معنے کے رُو سے علیم ہے۔ لیکن علم کو جب باطنی بھیدوں سے منسوب کیا جائے تو وہ خبرۃ کہلاتا ہے۔ خبرۃ والے کو خبیر کہتے ہیں ۔

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ وہ ہر بات سے جو اس کے اپنے بدن اور قلب کے عالم میں جاری ہوتی ہو خبر رکھتا ہو۔ قلب جن چھپی ڈھکی برائیوں سے متصف ہو جاتا ہے مثلاً باطنی خیانت دنیائے دوں کے لئے ہر وقت مارے مارے پھرنا۔ برائی کی نیت رکھنا اور بھلائی ظاہر کرنا۔ اخلاص ظاہر کرنے میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دینا۔ اور اندر کچھ بھی نہ ہونا۔ ان کو پوری تجربہ والا آدمی ہی معلوم کرتا ہے۔ جو اپنے نفس کا خوب امتحان لیتا رہا ہو۔ اور اس کے مکر و تلبیس اور فریب کو اچھی طرح تاڑتا رہا ہو۔ اور اس کے مقابلہ اور مخالفت کے لئے کمربستہ ہو جائے۔ اور اس سے بچنے لگے۔ ایسا بندہ خبیر کہلانے کا پورا مستحق ہے ۔

(۳۳) اَلْحَلِیْمُ

(بردبار)

حَلِیْمُ وہ ذات ہے جو نافرمان لوگوں کی نافرمانی اور اپنے حکم کی مخالفت ہوتے دیکھے۔ پھر بھی وہ غضب میں بیقرار نہ ہو۔ نہ اس کو غصہ عارض ہو۔ اور باوجود پوری قدرت کے وہ بے چینی کے ساتھ انتقام لینے میں جلدی نہ کرے۔ جیسے کہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَابَّةٍ یعنی اور اگر خدا لوگوں کی بد اعمالیوں پر گرفت کرنے لگے۔ تو روئے زمین پر کسی جاندار کو

زندہ نہ چھوڑے ۔

تنبیہ ۔ حلیم کے وصف سے بندہ کا حصہ ظاہر ہی ہے۔ اتنا سمجھ لو کہ حلم بندوں کے اچھے فضائل میں سے ہے۔ جو شرح و تفصیل کا محتاج نہیں ۔

(۳۴) اَلْعَظِیْمُ

بزرگ ۔ بڑا

واضح ہو کہ عظیم کا اسم ابتدائی وضع اول میں اجسام پر بولا جاتا ہے چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ یہ جسم عظیم ہے۔ اور جب ایک جسم دوسرے جسم سے طول عرض اور عمق میں زیادہ بڑا ہو تو کہتے ہیں یہ جسم اس جسم سے اعظم ہے ۔

اسم عظیم دو قسم کی اشیاء پر بولا جاتا ہے۔ ایک تو وہ شے جو ساری کی ساری نظر آجاتی ہے۔ دوسری وہ جس پر پورے طور سے نگاہ کا محیط اور حاوی ہونا متصور نہ ہو سکے جیسے زمین، آسمان وغیرہ۔ دیکھو ہاتھی ایک عظیم مخلوق ہے۔ پہاڑ بھی ایک عظیم شے ہے لیکن یہ چیزیں نگاہ میں پوری کی پوری سما سکتی ہیں۔ لہذا وہ دوسری چھوٹی اشیاء کے مقابلہ میں عظیم ہیں۔ اور زمین کی نسبت یہ امر متصور ہی نہیں ہو سکتا کہ نگاہ ہر سمت سے اس پر حاوی ہو سکے یہی حال آسمان کا ہے۔ پس یہ چیزیں مدرکات بصر میں مطلقاً عظیم ہیں ۔

مدرکات بصیرت جو باتیں عقل میں آ سکتی ہیں ان میں بڑا تفاوت ہے۔ بعض کی کنہ و حقیقت پر عقل محیط ہو سکتی ہے۔ اور بعض پر محیط ہونے سے قاصر ہے۔ جن اشیاء کی حقیقت پر محیط ہونے سے عقل قاصر ہے۔ ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن پر بعض عقول کا حاوی ہونا متصور ہو سکے۔ اگرچہ اکثر عقول ان سے قاصر ہوں ۔

دوم وہ جن کا عقل کے احاطہ میں آنا حقیقتاً کسی طرح متصور ہو ہی نہ سکے۔ اور یہ وہ عظیم مطلق ہے جو تمام عقول کی حد سے بڑھا ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی حقیقت اور کنہ کو پانا تصور میں آ سکتا ہی نہیں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا بیان فن اول میں گذر چکا ہے ۔

تنبیہ ۔ بندوں میں سے عظیم انبیاء و علماء ہیں جن کی تھوڑی سی صفات کا بھی اگر کوئی عقلمند تصور کرتا ہے۔ تو ہیبت و رعب سے اس کا سینہ بھر جاتا ہے

اور دل میں ان کی عظمت کے خیال کے سوا اور کسی بات کی گنجائش نہیں رہتی۔ اس لحاظ سے
ہر ایک اپنی امت کے حق میں اور شیخ اپنے مرید کے حق میں اور استاد اپنے شاگرد کے حق میں
عظیم ہے۔ کیونکہ عقل اس کی صفات کے احاطہ سے قاصر ہے۔ تو اگر وہ اس کے برابر ہو
یا اس سے بڑھ جائے تو پھر اس کی طرف اضافت کرنے سے عظیم نہیں کہلائیگا ۔

جو عظیم خدا کے سوا کسی اور چیز کے لئے فرض کیا جائے وہ ناقص ہے۔ ایسا
عظیم، عظیم مطلق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کی عظمت ایک شے چھوڑ کر دوسری
شے کی طرف اضافت کرنے سے ظاہر ہوتی ہے۔ بخلاف خدا کی عظمت کے کیونکہ عظیم
مطلق ہے۔ بطریق اضافت عظیم نہیں ۔

(۳۵) اَلْغَفُوْرُ

(بہت بخشنے والا)

یہ اسم غفّار کا ہم معنے ہے۔ لیکن اس میں ایک قسم کا مبالغہ پایا جاتا ہے جو
غفّار میں نہیں کیونکہ غفار کا مبالغہ تکرار مغفرت کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ فعّال کا
صیغہ کثرت فعل پر دال ہے۔ اور فعول کا صیغہ فعل کی عمدگی اور کمال اور وسعت پر دلالت
کرتا ہے۔ پس وہ غفور ہے۔ اس معنے کہ وہ پوری اور کامل غفران والا ہے حتیٰ کہ وہ
مغفرت کے انتہائی درجوں کو پہنچا ہوا ہے۔ اس کے متعلق بھی پیچھے ذکر ہو چکا ہے ۔

(۳۶) اَلشَّکُوْرُ

شکور وہ ہے، جو تھوڑی سی طاعات کے عوض میں بہت سے درجے عطا
فرماتا ہے۔ اور چند روزہ عملوں کے بدلے آخرت میں بے حد و لا نعمتیں دیتا ہے۔ اور جو کوئی
نیکی کا کسی کو عوض میں دے اس کی نسبت کہا کرتے ہیں کہ اس نے اس نیکی کا شکر کیا۔ اور جو کوئی
محسن کی تعریف کرے اس کی نسبت یہ کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنے محسن کا شکریہ ادا کیا ۔
اگر عوض درجہ کی زیادتی کے معنے کا لحاظ کرو۔ تو اللہ تعالیٰ کے سوا شکور
مطلق کوئی نہیں۔ کیونکہ وہ عوض میں جس قدر زیادہ دیتا ہے۔ اس کا شمار و حصر نہیں ہے۔
دیکھو بہشت کی نعمتیں کبھی ختم ہونے والی نہیں ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کُلُوْا وَاشْرَبُوْا

هَنِيْئًا بِمَا أَسْلَفْتُمْ فِي الْأَيَّامِ الْخَالِيَةِ یعنی خوب مزے کے ساتھ کھاؤ پیو۔ بعوض
ان عملوں کے جو تم نے گذشتہ دنوں میں کئے تھے۔ اور اگر تعریف کے معنے کا لحاظ کرو تو
خدا کے سوا کسی چیز کی تعریف کرنے والے کی تعریف خدا ہی کی تعریف ہو جاتی ہے۔ اور
پروردگار عالم جب اپنے بندوں کے عملوں کی تعریف کرتا ہے۔ تو اپنے ہی فعل کی تعریف
کرتا ہے کیونکہ ان کے اعمال اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اگر وہ شخص شکور کہلا سکتا ہے
جس کو کچھ ملے اور شکر کرے۔ تو وہ ذات جو بندہ کو عطا بھی کرے اور بندہ ہی کا شکر بھی ادا
ادا کرے۔ وہ تو شکور کہلانے کی نہایت ہی حقدار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی
جو تعریف کی ہے۔ وہ اس قسم کی ہے۔ جیسے وَالذَّاكِرِينَ اللَّهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ
(اور یاد کرنے والے اللہ کو بہت اور یاد کرنے والیاں) اور جیسے نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ
أَوَّابٌ (کیا اچھے بندے تھے کہ بات بات میں خدا کی طرف رجوع کرتے تھے) وغیرہ۔ اور
یہ تمام خدا کا عطیہ ہے ✦

تنبیہ۔ بندہ دوسرے بندے کے حق میں شاکر یوں ہو سکتا ہے کہ کبھی اس کے
احسان پر اس کی تعریف کرے۔ اور کبھی اس کی نیکی کا کچھ عوض دے۔ اور یہ اچھی
خصلتوں میں سے ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ
لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ (جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر بھی کب ادا کرے گا)

خدا کے حق میں اس کا شکر بصورت مجاز اور توسع کی قسم سے ہوگا۔ کیونکہ اگر وہ
تعریف کریگا۔ تو اس کی پوری تعریف نہ ہو سکیگی۔ اگر اس کی اطاعت کریگا۔ تو اس کی یہ توفیق
خود اللہ کی ایک دوسری نعمت ہے۔ بلکہ قابل شکر نعمت کے علاوہ عین اس کا شکر بھی ایک
دوسری نعمت ہے ✦

اللہ کی نعمتوں کے شکر کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ ان کو اس کی نافرمانی میں
استعمال نہ کرے۔ بلکہ اس کی اطاعت کے کام میں لائے۔ اور یہ بھی خدا کی توفیق اور مہربانی
کے ساتھ ہے ✦

بندہ کے شاکر ہونے میں اور اس بات کے تصور میں ایک باریک نکتہ ہے جس کو
ہم نے کتاب احیاء علوم الدین کی کتاب الشکر میں بیان کیا ہے۔ وہاں دیکھو۔
یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ✦

(۳۷) اَلْعَلِیُّ

(بہت اونچا)

عَلِیُّ وہ ہے جس کے رتبہ سے بڑا کوئی رتبہ نہیں۔ اور اس کے مرتبہ سے تمام مراتب نیچے ہوں۔ اور یہ اس لئے کہ عَلِیُّ، عُلُوّ سے مشتق ہے۔ اور یہ اس عُلُوّ (بلندی) سے ماخوذ ہے جو سفل (پستی) کا مقابل ہے۔ اور وہ یا تو محسوس درجوں میں ہوتا ہے جیسے سیڑھیاں اور زینوں میں یا وہ ان تمام اجسام میں جو ایک دوسرے سے نیچے اوپر ہوں۔ اور یا موجودات کے عقلی مراتب میں ہوں۔ جو ایک قسم کی عقلی ترتیب سے مرتب ہوں۔ پس جس چیز کو مکان کی فوقیت ہو اس کو علو مکانی ہے۔ اور جس کو رتبہ فوقیت ہے اس کو رتبہ کا علو ہے۔ اور عقلی درجات حسی درجات۔ درجات عقلیہ کی مثال وہ تفاوت ہے۔ جو سبب مسبّب، علت و معلول اور فاعل مفعول اور قابل مقبول اور کامل و ناقص کے مابین ہوتا ہے ٭

چنانچہ تم ایک سبب فرض کرو تو وہ دوسری شے کا سبب ہو۔ اور دوسری شے تیسری کی سبب ہو۔ اور تیسری چوتھی کی۔ اور مثلاً یہ سلسلہ دس درجوں تک چلا جائے۔ تو دسویں شے آخری رتبے میں واقع ہوگی۔ لہٰذا وہ سب سے اسفل ہے۔ اور پہلا سبب پہلے درجے میں واقع ہے۔ لہٰذا وہ سب سے اعلیٰ ہے۔ اور پہلا جو دوسرے سے اوپر ہے تو یہ فوقیت معنوی ہے مکانی نہیں۔ اور علو سے مراد فوقیت ہے ٭

ترتیب عقلی کے معنے سمجھنے کے بعد واضح ہو کہ موجودات کی تقسیم متفاوت درجوں میں عقل کی رو سے جس طرح بھی کی جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام اقسام کے درجوں سے بالاتر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے بڑھ کر کوئی درجہ تصور میں بھی نہیں آ سکتا۔ وہ علی مطلق ہے۔ اور جو اس کے سوا ہیں۔ وہ اپنے سے نیچے والوں کی طرف سے نسبت کرنے سے علی ہیں اور اوپر والوں کے مقابلے میں سافل اور گھٹیا ہیں ٭

عقلی کی تقسیم کی مثال یہ ہے کہ موجودات سبب اور مسبب پر منقسم ہیں۔ سبب مسبب سے ایک درجہ اوپر ہے۔ پس مطلق فوقیت صرف مسبب الاسباب کا حصہ ہے۔ اسی طرح موجودات مردہ اور زندہ میں منقسم ہے۔ اور زندہ مخلوقات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جن کو صرف حسی ادراک حاصل ہے۔ اور وہ حیوانات ہیں۔ دوسرے وہ جن کو حسی ادراک کے ساتھ

عقلی ادراک بھی حاصل ہے۔ اور ادراک عقلی والی موجودات کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کے معلومات میں شہوت و غضب کا دخل ڈالیں اور وہ انسان ہے۔ دوسرے وہ جن کا ادراک کدورات کے معارضے سے پاک ہے۔ اس آخری قسم کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا ان کدورات میں مبتلا ہونا ممکن ہے، لیکن ہمیشہ سلامتی ہی حاصل رہی ہو، جیسے کہ ملائک۔ دوسری قسم میں وہ ذات ہے جس کے حق میں ایسی باتیں محال ہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اس تقسیم میں تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ فرشتہ انسان سے اوپر ہے۔ اور انسان حیوان سے اوپر اور اللہ تعالیٰ سب کے اوپر۔ پس وہ علی مطلق ہے۔ کیونکہ وہ خود زندہ اور حیوان کو زندہ کرنے والا ہے۔ اور علما کے علوم کو پیدا کرنے والا۔ اور پاک اور ہر قسم کے عیوب سے منزہ ہے۔ اور مردہ جان چیز درجات کمال میں سب سے نیچے کے درجے میں واقع ہوئی ہے۔ انتہائی رتبے میں خدا کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ غرض اسی طرح اس کی فوقیت اور علو کو سمجھنا چاہیے، کیونکہ یہ نام پہلا ادراک بصر کے لحاظ سے مقرر کئے گئے ہیں۔ اور عوام کا درجہ ہے۔ پھر جب خواص لوگ عقلی ادراکات سے بہرہ ور ہوئے اور ان کو حکم کے ادراک اور عقل کے ادراک میں موازنہ محسوس ہوا۔ تو اس سے مطلق الفاظ بطور استعارہ اخذ کر لئے جن کو خواص نے سمجھ لیا۔ اور عوام نے نہیں سمجھا جن کا ادراک حواس ظاہری سے آگے ترقی نہیں کر سکتا جو جانوروں کا درجہ ہے۔ چنانچہ وہ کسی عظمت کا تصور بجز طول و مقدار کی رو سے، اور علو کا تصور ظرف مکانی کی رو سے۔ اسی طرح فوقیت کا تصور بھی ظرف مکانی کی رو سے سمجھتے ہیں۔

اس بیان سے تم خدا کے عرش کے اوپر ہونے کا مطلب سمجھ گئے ہو گے، کیونکہ تمام اجسام سے بڑا ہے۔ گویا وہ تمام اجسام کے اوپر ہے۔ اور وہ ذات موجود جو اجسام کی حدود سے محدود ہونے اور مقادیر کے ساتھ متقدر ہونے سے منزہ ہے۔ وہ رتبے کے سبب اجسام کے اوپر ہے، لیکن اس فوقیت کو عرش کے ساتھ جو ذکر کیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ کہ عرش تمام اجسام سے بالا ہے۔ پس جو عرش سے بھی بالا ہوگا۔ وہ سب سے بالا ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے کہ خلیفہ سلطان کے اوپر ہے۔ جس سے بتانا مقصود ہو کہ جب وہ سلطان سے بالا ہے۔ تو ان تمام لوگوں سے بھی بالا ہوگا جو سلطان سے نیچے ہیں۔ یا وہ آدمی جو فوق کے معنے صرف فوقیت مکان سمجھتا ہے درحقیقت حس کے ماتحت ہے یا ایشمہ

اگر اس سے پوچھا جائے کہ فلاں دو معزز شخص مجلس میں کس کس جگہ پر بیٹھتے ہیں تو اس کو کہنا پڑے
کہ فلاں شخص اس شخص کے اوپر بیٹھتا ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ اس کے داہنی جانب بیٹھتا ہے۔
اور یہ بھی صحیح ہے کہ اس شخص کا اس شخص کے اوپر بیٹھنا یوں ہو سکتا تھا کہ اس کے سر پر بیٹھتا یا ایک
جگہ پر بیٹھتا جو اس کے سر پر بنی ہوئی ہوتی۔ پھر اگر اس کو کہا جائے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔ وہ نہ
اس کے اوپر بیٹھتا ہے نہ اس کے نیچے بلکہ اس کے پہلو پر بیٹھتا ہوگا۔ تو وہ اس اعتراض سے
ذرا گھبرا کر کہیگا کہ تم کیا آدمی ہو کہ بچوں کی سی سمجھ رکھتے ہو۔ میری اس فوقیت سے مراد رتبہ
کی فوقیت اور صدر کا قرب تھا۔ ذکر سر پر بیٹھنا اور نیچے بیٹھنا۔ دیکھو صدر ہی مجلس کا حصہ
ہوتا ہے۔ جو شخص صدر سے قریب ہے وہ اس شخص کے اوپر ہے۔ جو صدر سے دور ہے۔

اس بیان سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ جس ترتیب کی دو طرفیں ہوں۔ اس میں بالتعیین
ایک طرف کو فوق اور علو سے اور دوسری کو اس کے مقابل کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں۔

تنبیہ۔ بندہ کا علی ہونا ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ جو درجہ حاصل کر سکتا ہے اس سے
اوپر کوئی نہ کوئی درجہ ضرور ہوتا ہے۔ اور وہ انبیاء و ملائکہ کے درجے ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے
کہ بندہ کوئی ایسا درجہ حاصل کرے جو انسان کی جنس سے سب سے اونچا ہو۔ اس کے اوپر کوئی درجہ
نہ ہو۔ یہ درجہ جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ لیکن وہ علو مطلق کے مقابلہ میں ناقص ہے
کیونکہ ایک تو وہ صرف بعض موجودات کے لحاظ سے علو ہے۔ نہ کل کے لحاظ سے۔ دوسرے
وجود کے اور واقع کے لحاظ سے علو ہے نہ بطریق وجوب۔ بلکہ یہ امکان اس کے مقارن
ہے کہ کوئی ایسا انسان پایا جائے جو اس سے بھی بالا ہو۔

پس علی مطلق وہ ہے جس کو بسبب وجوب فوقیت حاصل ہو۔ نہ کہ بالاضافت
اور نہ بسبب وجود جس کے ساتھ نقیض کا امکان متقارن ہو۔

(۳۸) اَلْکَبِیْرُ

کبیر سے مراد صاحب کبریا۔ اور کبریا سے مراد ذات کا کمال ہے۔ اور کمال ذات
کے معنے کمال وجود۔ اور کمال وجود میں دو باتیں شامل ہیں۔

پہلی بات اس کا ازلی ابدی ہونا ہے۔ یعنی جس وجود کے شروع میں عدم یا
آخر میں عدم ہو وہ ناقص ہے۔ اور اسی لئے جب کسی انسان کی عمر دراز ہو جاتی ہے۔ تو اس کو کبیر

کہتے ہیں جس سے مراد کبیر السن یا لمبی عمر والا ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے اس کو عظیم السن نہیں کہتے۔ کبیر اس مقام میں استعمال ہوتا ہے جہاں عظیم استعمال نہیں کیا جاتا۔ پس جب وہ شخص کبیر کہلاتا ہے جس کے وجود کی مدت ایک محدود درجے تک لمبی ہوگئی ہو تو وہ ذات جو ازل سے ابد تک قائم و دائم ہے اور جس پر عدم کا طاری ہونا محال ہے وہ تو بطریق اولیٰ کبیر ہے ٭

دوسری بات یہ کہ اس کا وجود وہ ہے جس سے ہر موجود کا وجود ہے۔ پس جبکہ ہر شے کا وجود فی نفسہٖ مکمل ہو۔ جب وہ کامل اور کبیر ہو۔ تو وہ ذات جس سے تمام موجودات کا وجود ہو۔ سب سے پہلے کامل اور کبیر ہے ٭

تنبیہ۔ بندوں میں سے کبیر وہ کامل شخص ہے جس کی صفات کمال صرف اسی پر بند نہ ہوں بلکہ دوسروں پر بھی اثر کریں۔ پس جس شخص کو اس کے پاس بیٹھنے کا موقع ملے اس کو کچھ نہ کچھ اس کے کمال کا فیض پہنچے ٭

بندہ کا کمال اس کی عقل، پرہیزگاری اور علم میں ہوتا ہے۔ پس کبیر وہ عالم اور پرہیزگار شخص ہے۔ جو لوگوں کو ہدایت کرے اور اس قابل ہو کہ لوگوں کا پیشوا ہو۔ جس کے نور اور علم سے لوگ روشنی حاصل کریں۔ اسی لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "جو شخص صاحب علم ہو کر عمل بھی کرے وہ عالم بالا میں عظیم کہلاتا ہے ٭

(۳۹) اَلْحَفِیْظُ

(نگہبان)

حفیظ بہت بڑی نگہبانی کرنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ معنے حفظ کے معنے کو سمجھ ہی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ اور حفظ دو طرح پر ہے:۔

ایک تو موجودات کے وجود کو ہمیشہ قائم رکھنا۔ اس کے مقابلہ میں عدم ہے۔ پس اللہ تعالیٰ آسمان۔ زمین۔ ملائکہ وغیرہ لمبی زندگی والی موجودات۔ اور حیوانات و نباتات وغیرہ چھوٹی عمر والی موجودات کا حافظ ہے ٭

دوم۔ جو حفظ کے زیادہ تر ظاہر معنے ہیں وہ متضاد یا متعدی یعنی متضاد چیزوں کو ایک دوسری سے بچانا ہے۔ اور اس متعدی سے وہ متعدی مراد ہے جو پانی اور آگ کے درمیان ہے

کیونکہ وہ دونوں طبعاً ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ اور ایک دوسرے پر تعدی کرنے والے ہیں۔
یا تو پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ اور یا آگ پانی کو بخار کی صورت میں بدل کر ہوا بنا دیتی ہے۔
اور حرارت و برودت کا باہمی تضاد اور منافرت ظاہر ہے۔ جو ایک دوسرے کو باقی رہتی
ہیں۔ اسی طرح رطوبت اور یبوست میں جو مخالفت ہے۔ ظاہر ہے۔ اور تمام اجسام ارضی
انہیں مخالف ارکان سے مرکب ہیں۔ کیونکہ جاندار کے لئے حرارت غریزی کا ہونا ضروری
ہے۔ اگر وہ نہ ہے تو زندگی نہ رہے۔ اور رطوبت بھی ضروری ہے۔ اجزاء اس کے بدن کی
غذا ہوتی ہے۔ جیسے خون وغیرہ۔ اور یبوست لازم ہے۔ جس کے ساتھ اس کے اعضا منضبط
اور باہم پیوست و چسپاں رہتے ہیں۔ خصوصاً وہ اجزا جو سخت ہیں۔ جیسے ہڈی۔ اور برودت
بھی ضروری ہے۔ جو حرارت کی تیزی کو کم کرے تاکہ وہ مستقل رہے۔ اور باطنی رطوبتوں کو نہ
جلانے اور تحلیل کرنے نہ پائے۔

یہ چاروں ارکان باہم متضاد اور متنازع ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ نے ان کو انسان کے
چڑے اور جانور کے بدن اور نباتات کے جسم میں اور تمام مرکبات میں جمع کر دیا ہے۔ اگر
وہ ان کی حفاظت نہ کرتا تو وہ باہم لڑ بھڑ کے ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے۔ اور ان کی
باہمی ترکیب و امتزاج باطل ہو جاتا۔ اور وہ منافع باطل ہو جاتے جن کو ترکیب و مزاج کے
ساتھ قبول کرنے کے لئے وہ مستعد ہوا تھا۔

اللہ تعالےٰ اس کی حفاظت پہلے تو تعدیل قوت سے و پھر امداد مغلوب سے
کرتا ہے۔

تعدیل یہ ہے کہ مثلاً قوت بارد کا درجہ قوت حار کے برابر ہو۔ تاکہ جب دونوں
جمع ہوں تو ایک دوسری پر غالب نہ ہو سکیں۔ بلکہ ایک دوسری کی مدافعت کریں۔ کیونکہ
جب ان میں سے کوئی غالب نہیں ہوتی تو مغلوب کون ہو۔ پس وہ ایک دوسری کا مقابلہ
کریں۔ اور ان کے مقابلے اور برابری کے ساتھ ساتھ بدن کا قوام باقی رہے۔ اسی سے
مراد اعتدال مزاج ہے۔

دوم مغلوب کو اس چیز کے ساتھ امداد دینا جس سے وہ اپنی طاقت تازہ کر کے
غالب کا مقابلہ کرے۔ مثلاً حرارت برودت کو فنا کرتی اور سکھاتی ہے۔ پس جب غالب
آتی ہے تو برودت اور رطوبت کم ہو جاتی ہے۔ اور حرارت اور یبوست غالب آ جاتی

اور ضعیف کی امداد سرد تر جسم کے ساتھ پہنچتی ہے۔ اور وہ پانی ہے جیسا ان کا مطلب یہی ہے کہ سرد و تر چیز کی ضرورت پیش آتی ہے۔ پس خداتعالیٰ نے سرد تر اشیاء برودت اور رطوبت کی مدد کے لئے بنائی ہیں کہ جب ایک ان میں سے غالب ہو۔ تو اس کی مخالف چیز کو مقابلے میں کھڑا کر دیا جائے جس سے وہ دب جائے۔ اور یہ امداد ہے۔ اور یہ غذا و دوا کے بنانے سے اور ایسے آلات و اوقات پیدا کرنے سے جو اس میں کام دیتے ہیں۔ اور ان کو استعمال کی توفیق عطا فرمانے سے یہ امداد تکمیل کو پہنچتی ہے۔ اور یہ تمام امور حیوانات اور متضاد اجزا کے مرکبات کے بدنوں کی حفاظت کے لئے ہیں۔ اور یہی اسباب ہیں جن کی بدولت انسان اپنے جسم کی داخلی آفتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اور وہ بعض خارجی اسباب سے بھی ہلاکت کا نشانہ بنا رہتا ہے۔ جیسے خونخوار درندے اور جانی دشمن۔ پس ان سے محفوظ رکھنے کیلئے چند ایسے جاسوس پیدا کئے ہیں۔ جو دشمن کے قریب آنے کی اطلاع دیتے ہیں۔ اور وہ اس کے متعدد حواس ہیں۔ جیسے آنکھ کان وغیرہ۔ پھر اس کے لئے طاقتور ہاتھ۔ اور ہتھیار عطا کئے ہیں جن میں سے بعض مدافعانہ کام دیتے ہیں۔ جیسے زرہ اور ڈھال۔ اور بعض جارحانہ جیسے تلوار، چھری، بندوق وغیرہ۔ پھر بسا اوقات انسان دفع آفت سے عاجز آ جاتا ہے۔ اس کو آلہ گریز سے مدد دی ہے۔ اور پاؤں سے چلنے والے جانداروں کے لئے پاؤں ہیں۔ اور پرندے کے لئے بازو ہیں ✦

اسی طرح خداتعالیٰ جل شانہٗ کی حفاظت عالم علوی و عالم سفلی کے ذرے ذرے اور چپے چپے پر حاوی ہے۔ یہاں تک کہ میوے کے گودے کو سخت چھلکا اور پودے کی طراوت کو رطوبت کے ساتھ محفوظ رکھتا ہے۔ اور جو میوہ صرف چھلکے سے محفوظ نہ ہو۔ اس کی حفاظت کانٹوں کے ساتھ کرتا ہے۔ جو اسی کے ساتھ پیدا ہوئے ہیں تاکہ اس سے بعض تلف کرنے والے جانداروں کا دفیعہ ہوتا ہے۔ پس کانٹے نباتات کے ہتھیار ہیں۔ جیسے حیوانات کے ہتھیار سینگ۔ پنجے اور کچلیاں ہیں۔ بلکہ پانی کے قطرہ قطرہ کے ساتھ حفاظت کے اسباب ہیں۔ جو ان کو مخالف ہواؤں سے بچاتے ہیں ✦

دیکھو اگر پانی کو کسی برتن میں مدت تک پڑا رہنے دیا جائے۔ تو وہ ہوا بن جاتا ہے اور ہوا اس سے تری کی صفت دور کر دیتی ہے ✦

اگر تم پانی کے کسی برتن میں انگلی ڈبو دو۔ اور پھر اس کو نکال کر الٹی کر دو تو اس سے

ایک قطرہ نیچے کو ڈھلک آئیگا۔ لیکن پتّی کے سرے پر آکر رہ جائیگا۔ ٹہنی سے جدا نہ ہوگا کیونکہ
پتّی کی طرف جذب اس کا طبعی خاصہ ہے۔ اگر وہ بہ جانے تو چھوٹا ہونے کے باعث ہوا کے غلبہ
سے فنا ہو جائیگا۔ اسی لئے وہ برابر چپکا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کے ساتھ باقی تری بھی شامل
ہو جاتی ہے جس سے وہ ایک بڑا قطرہ بن جاتا ہے۔ اور قوی ہوا کو جیتا ہوا نیچے گر جاتا ہے
ہوا اس کو اپنی جنس میں ملا لینے پر قادر نہیں ہو سکتی۔ اور یہ اس کی حفاظت کی ایک صورت ہے
جب کہ وہ کمزور اور اس کا مخالف (یعنی ہوا) طاقتور ہوتا ہے۔ اور اس کو باقی تری کی امداد
کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حفاظت ایک فرشتے کی طرف سے ہوتی ہے۔ جو اس پر مقرر ہے ◆

حدیث شریف میں وارد ہوا ہے کہ مینہ کی ہر بوند کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے
جو اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ بوند زمین میں اپنی قرارگاہ پر جا پہنچتی ہے ◆

اور حق یہ ہے کہ اربابِ بصائر کا باطنی مشاہدہ اس پر دلالت کرتا ہے۔ غرض اس حدیث
پر صرف تقلید کی رو سے یقین کرنا چاہئے۔ بلکہ از روئے عقل بھی اس کو درست ماننا چاہئے ◆

خدا کا آسمان و زمین اور ان کی درمیان کی اشیاء کو پیدا کرنا ایک ایسا مسئلہ ہے۔
جس کے متعلق بحث کا سلسلہ بڑا طویل ہے۔ جیسے کہ باقی تمام افعال کے متعلق ہے۔ اور اسی
سے اس اسم کے معنے معلوم کئے جا سکتے ہیں نہ صرف لغوی اشتقاق کے سمجھنے سے۔ اوپر بالکل
طور پر حفیظ کے معنے معلوم ہو چکے ◆

تنبیہ۔ بندوں میں سے حفیظ وہ ہے۔ جو اپنے اعضاء اور دل کی حفاظت
کرتا ہے۔ اور اپنے دین کو غضب کے حملے۔ شہوت کے فریب۔ نفس کے مکر اور شیطان کے
وسوسے سے محفوظ رکھے۔ کیونکہ وہ تباہی کے گڑھے کے قریب ہے۔ اور ان برباد کن چیزوں نے
اس کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے ◆

(۴۰) اَلْمُقِیْتُ

(مخلوق کو قوت یا روزی پہنچانے والا)

اس کے معنے ہیں غذاؤں کا پیدا کرنے والا۔ اور بدنوں کی غذا یعنی کھانے کی
چیزیں بدنوں تک پہنچانے والا۔ اور دلوں کی غذا یعنی معرفت دلوں تک پہنچانے والا۔ پس
مُقِیت، رازق کا ہم معنے ہے۔ لیکن اس کی نسبت خاص ہے۔ کیونکہ رزق غذا اور غیر غذا

کے سوا دوسری چیزوں کو شامل ہے۔ اور غذا وہ چیز ہے جو صرف قوام بدن کو کافی ہو سکے ۔

مُقِیْت: مستولے (غالب) اور قادر کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ یہ تیلا قدرت اور علم کے ساتھ پورا ہوتا ہے۔ ان معنوں پر خداوند تعالیٰ کا یہ کلام دلالت کرتا ہے کہ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقِیْتًا یعنی اور اللہ ہر چیز پر مطلع اور قادر ہے ۔

غرض اس لحاظ سے مُقِیْت کے معنے میں قدرت اور علم کا مفہوم داخل ہے علم کا بیان تو گذر چکا۔ قدرت کا بیان آگے آئیگا۔ اس معنے کی رُو سے خدا کی صفت مُقِیْت صرف صفت قادر کی نسبت اور صرف صفت عالم کی نسبت زیادہ مکمل ہے کیونکہ وہ انکے ان دونوں معنوں پر دال ہے۔ اور اس جہت سے یہ اسم ترادف سے نکل گیا ۔

(۴۱) اَلْحَسِیْبُ

(کافی)

حَسِیْبُ سے مراد ہے کافی۔ اور یہ وہ ہے کہ جو کوئی اس کا ہو جائے۔ وہ اس کے لئے کافی ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سب کے لئے حَسِیْب اور کافی ہے۔ اس صفت کی حقیقت خدا کے سوا اور کسی کے لئے متصور نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ کفایت کے محتاج کو جو اس کی حاجت ہوگی۔ تو اپنے وجود۔ اور دوام وجود اور کمال وجود کے لئے ہوگی۔ اور خدا کے سوا ایسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے لئے کافی ہے نہ کہ صرف اشیاء کے لئے یعنی وہ اکیلا ہی کافی ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا وجود متحصل ہو۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود ہمیشہ ہے۔ اور اس کے ساتھ ان کا وجود مکمل ہو۔ اور تم کو یہ گمان ہرگز نہیں کرنا چاہئے کہ جب تم کو کھانے پینے کی۔ اور زمین آسمان اور سورج وغیرہ کی ضرورت ہوگی۔ تو تم اس کے سوا کسی اور کے محتاج ہوگے۔ اور وہ تمہارے لئے کافی نہ تھا۔ کیونکہ اسی نے کھانے پینے کی چیزیں اور زمین و آسمان اور سورج وغیرہ چیزیں بنائی ہیں۔ وہی تمہارے لئے کافی ہیں۔ اور یہ بھی خیال ہرگز نہ کرو کہ جو بچہ ماں کا محتاج ہے جو اس کو دودھ پلاتی ہے۔ اور پرورش کرتی ہے۔ اللہ اس کا حَسِیْب اور کافی ہے۔ بلکہ اللہ ہی اس کے لئے کافی ہے جس نے اس کی ماں کو پیدا کیا۔ اور اس کے پستانوں میں دودھ بنایا۔ اور بچے کو دودھ پینے کی ہدایت کی۔ اور ماں کے دل میں شفقت اور محبت ڈال دی۔

یہاں تک کہ اس نے بچے کو دودھ پینے دیا۔ پس نہیں ایسا بچے کو کفایت حاصل ہوئی ہے۔ اور شیر
اکیلا بچے کے لئے اس کو پیدا کرنے والا ہے۔

اگر تجھے کہا جائے کہ اکیلی ماں بچے کے لئے کافی ہے۔ تو تم فرض کرو کہ ماں میں ماں کا دودھ
اتنا کھانے کی توفیق نہ ہوگی کہ ماں اس کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ وہ دودھ کا محتاج ہے۔
اور جب دودھ ہو تو ماں کہاں کافی ہوئی۔ اگر کہو گے کہ ماں بچہ اور دودھ کا محتاج تو
ہے۔ مگر دودھ بھی تو ماں ہی سے پیدا ہوتا ہے پس وہ ماں کے سوا اور کسی کا محتاج نہ ہوا۔
مگر تم کو یاد رکھنا چاہئے کہ دودھ ماں کی طرف سے نہیں ہے بلکہ یہ ماں اور بچہ اور دودھ دونوں خدا کی
طرف سے ہیں۔ اور خدا کے فضل و کرم سے ہیں۔ پس وہ اکیلا ہر شخص کے لئے کافی ہے۔ اور اس
کے سوا اور کوئی ایسی شے نہیں ہے جو تنہا کسی چیز کے لئے کافی ہو۔ بلکہ اشیاء ایک دوسری سے
متعلق ہوتی ہیں۔ اور سب کی سب خدا کی قدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔

تنبیہ۔ بندہ کو اس صفت میں کوئی دخل نہیں ہے۔ مگر بطریق مجاز جیسا اور بطور
سرسری نظر اور عرف عام کے۔ مجاز ہونا اس لحاظ سے ہے کہ گو وہ اپنے بچے کی تعلیم و تربیت کو
ہے۔ لیکن دونوں حقیقت کافی نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی حقیقت کافی ہو سکتی ہے
کیونکہ غلبہ تو خود اس کا اپنا وجود بھی قائم نہیں ہے اور نہ بنفسہ اپنے آپ کے لئے کافی ہے
تو غیر کے لئے کب کافی ہو سکتا ہے۔

بندہ کا کافی ہونا عرف عام کے لحاظ سے اس لئے ہے کہ اگر فرض کیا جائے کہ وہ مستقل
بالکفایت ہے۔ تو بھی وہ اکیلا کافی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ ایسے محل کا محتاج ہے۔ جو اس کے
فعل و کفایت کو قبول کر سکتا ہو۔ کم از کم ایک کا محتاج ہوگا۔ جو محل علم ہے۔ تاکہ وہ تعلیم میں
کافی ہو سکے۔ اور ایک معدہ چاہئے۔ جو کھانا پہنچنے کی جگہ ہوتا ہے۔ تاکہ وہ بدن میں کھانا
پہنچانے کے لئے کافی ہو سکے۔ علاوہ ان کے وہ اور بہت سی اشیاء کا محتاج ہوتا ہے جن کا کوئی
شمار نہیں ہے۔ اور ان میں سے کوئی شے بھی اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اور خدا کا کافی
ہونا اس لئے صحیح ہے کہ وہ خالق محض ہے۔ اور خالق کل ہے۔ وہ ہر ایک چیز کا خالق ہے۔

بندہ کا کافی کہلانا سرسری نظر سے اس لئے ہے کہ بسا اوقات ایک دل پر نظر
پڑتی ہے۔ اور اس کے سوا اور کسی کا خیال بھی دل میں نہیں گزرتا۔ پس وہ دیکھتا ہے کہ فاعل
ہی کافی ہے حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔

کافی بندہ کا حصہ جو اس اسم سے ہو سکتا ہے - وہ یہ ہے کہ اس کی ہمت وارادہ میں فقط اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہو - یعنی اللہ کے سوا کسی کا ارادہ نہ کرے - نہ جنت کی خواہش رکھے - نہ اس کا دل دوزخ سے بچنے کی تدبیر کرنے میں مصروف رہے - بلکہ خاص خدا کے خیال میں ڈوبا رہے - اور جب اس کے جلال کا پرتو اس پر پڑے تو کہے "بس یہی مجھے کافی ہے - اس کے سوا مجھے اور کچھ درکار نہیں - باقی اشیاء خواہ ہاتھ سے جائیں یا رہیں ٭

(۴۲) اَلْجَلِیْلُ

(بزرگ قدر)

جلیل کے معنے جلال کی صفتوں سے موصوف - اور جلال کی صفتیں ہیں - غنی، مُلک، تقدس، علم، قدرت وغیرہ - جو پیچھے مذکور ہو چکیں ٭

پس ان سب صفات کا جامع جلیل مطلق ہے - اور جو ان میں سے بعض کے ساتھ موصوف ہو - اس کی جلالت اسی قدر ہے جتنی صفتوں سے وہ موصوف ہو ٭

جلیل مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے - گویا کبیر کا مطلب کمال ذات ہے اور جلیل کا کمال صفات ہے - اور یہ صفات سب کی سب ادراک بصیرت کی طرف منسوب ہیں باین حیثیت کہ وہ بصیرت پر ظاہر ہو جاتی ہیں - اور بصیرت ان پر حاوی نہیں ہو سکتی - صفات جلال جب اس بصیرت کی طرف منسوب کی جائیں جو ان کو دریافت کرتی ہے - تو ان کو جمال کہتے ہیں اور ان سے متصف ہونے والا جمیل کہلاتا ہے ٭

اسم جمیل اصل میں صورت ظاہری کے لئے موضوع ہے - جو نظر سے محسوس ہوتی ہے - جب کہ وہ اس طرز کی ہو کہ نگاہ کو پسند کرے - پھر وہ صورت باطنی کے لئے منقول کیا گیا جو بصیرت اور عقل کی نگاہ سے ادراک کی جاتی ہے - یہاں تک کہ کہا جاتا ہے - فلاں شخص سیرت جمیلہ رکھتا ہے - اس میں خلق جمیل ہے - اور یہ صورت نظر عقل سے ادراک کی جاتی ہے نہ کہ ظاہری نظر سے - غرض کہ باطنی صورت جب کہ کامل و متناسب - اور ان تمام کمالات کی جامع ہو جو اس کے لائق ہوں - اور جیسی چاہئیں - تو وہ صورت بصیرت باطن کے لئے جو ادراک کرتی ہے پسندیدہ اور دلکش ہے جس کے نظارے سے ایک ایسی لذت، لطف اور سرور حاصل ہوتا ہے - جو بصارت ظاہری کے ذریعے سے ظاہری حسین و جمیل شکلوں کا نظارہ

کرنے والے کو حاصل نہیں ہوتا ۔

جمیل مطلق تو حق تعالیٰ ہے ۔ کیونکہ دنیا میں جو جمال و کمال اور حسن و زیبائی ہے ۔ وہ اسی کی ذات کے انوار و صفات کے آثار سے ہے ۔ اور ایسا موجود اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے ۔ جس کو کمال مطلق حاصل ہو ۔ اور اس کا کوئی ثانی وجوداً یا امکاناً نہ ہو ۔ اسی لئے اس کا عارف ۔ اور اس کے جمال کا مشاہدہ کرنے والا ۔ اس قسم کی لذت و سرور حاصل کرتا ہے ۔ جس کے آگے جنت کی نعمتیں اور ظاہری صورتوں کی خوش نمائیاں ہیچ ہیں ۔ بلکہ صورت ظاہری کے جمال کو معانی باطنہ کے جمال سے جو کہ بصیرت کے ذریعہ سے ادراک میں آسکتا ہے کوئی مناسبت نہیں ہے ۔ اس امر کو ہم نے احیاء العلوم کی کتاب المحبۃ میں بیان کیا ہے ۔

پس ثابت ہوا کہ وہ جلیل اور جمیل ہے ۔ اور ہر جمیل دیدار کرنے والے کے لئے محبوب و معشوق ہوتا ہے ۔ تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ وہ محبوب ہو ۔ مگر ان لوگوں کے نزدیک جو اس کی معرفت سے بہرہ رکھتے ہیں ۔ جیسے ظاہری دلپسند صورتیں محبوب ہوتی ہیں مگر ان لوگوں کے نزدیک جو آنکھیں رکھتے ہیں ۔ نہ کہ اندھوں کے نزدیک ۔

تنبیہ ۔ بندوں میں سے جلیل اور جمیل وہ ہے جس کی باطنی صفات اچھی ہوں جن سے ارباب بصیرت کے دل لذت پائیں ۔ رہا جمال ظاہری ۔ سو وہ ایک کم قدر چیز ہے ۔

(۴۳) اَلْکَرِیْمُ

(بزرگ)

کریم ۔ وہ ہے کہ جب قدرت پائے ۔ تو معاف کرے ۔ اور جب وعدہ کرے تو اس کو پورا کر دکھائے ۔ اور جب دینے لگے تو توقع سے بڑھ کر دے ۔ یہ نہ دیکھے کہ کس کو دیتا ہے اور کتنا دیتا ہے ۔ جب اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کے سامنے حاجت پیش کی جائے تو اس کو منظور نہ کرے ۔ جو شخص اس سے التجا کرے ۔ اس کو یوں ہی نہ ٹالے ۔ بلکہ اس کو وسیلوں اور سفارشوں کا بھی محتاج نہ رکھے ۔ پس جس میں یہ تمام صفات بے تکلف جمع ہوں ۔ بناوٹی نہ ہوں ۔ وہ کریم ہے ۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے ۔

تنبیہ - ان صفات سے مزین ہونے کا فخر کبھی کبھی بندہ بھی حاصل کر لیتا ہے۔
لیکن صرف بعض امور میں۔ اور ایک قسم کی کیفیت سے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے کبھی کبھی کریم
کی صفت سے موصوف کیا جاتا ہے۔ لیکن کریم مطلق کی نسبت سے وہ ناقص ہے۔
اور بندہ اس صفت سے کیوں نہ موصوف ہو جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ "انگور کی بیل کو کرم نہ کہو۔ کیونکہ کرم مسلمان آدمی ہو سکتا ہے"۔
کہتے ہیں کہ انگور کی بیل کو کرم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ایک پاکیزہ اور اچھے پھل والا
درخت ہے۔ جس کا پھل قریب ہی سے بآسانی ہاتھ آ جاتا ہے اور کھاتے ہیں۔ اور بندہ کو زیادہ
موزوں یہاں چیز ہے۔ بخلاف کھجور کے۔

(۴۴) اَلرَّقِیْبُ

(نگہبان)

رقیب کے معنے علیم و حفیظ یعنی ہر شے کی حالت سے بخوبی واقف
اور اس کا نگہبان۔ پس جو ذات کسی شے کی ایسی نگہبان ہو کہ اس سے کسی وقت بھی غافل نہ ہو
اور اس پر لازمی طور سے ہمیشہ نظر رکھے، اس کو رقیب کہتے ہیں۔ گویا اس صفت کے مفہوم
میں علیم اور حفیظ داخل ہیں۔ لیکن اس اعتبار سے کہ وہ لازم و دائم ہیں اور اس شے
سے نسبت رکھتے ہیں جس سے خطرات کو دفع کرتا ہے۔

تنبیہ - بندہ کے لئے مراقبہ کا وصف اس وقت محمود ہے۔ جب کہ وہ خدا کے
لئے اور اپنے دل کے لئے ہو۔ اور یہ اس طرح ہے کہ مراقبہ کرنے والا یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ
ہر لحظہ اس کا رقیب اور شاہد ہے۔ اور یقین رکھے کہ نفس بھی میرا دشمن ہے اور شیطان
بھی۔ اور یہ دونوں موقع کے منتظر ہیں کہ اس کو غفلت اور دین کی مخالفت پر آمادہ کریں
لہٰذا وہ ان سے بچنے کی تدبیر کرے کہ ان کی گھاتوں، مکروں اور حملہ کرنے کے موقعوں کی
تاک میں رہے۔ حتیٰ کہ ان کے تمام راستے اور سوراخ بند کر دے۔ یہ مراقبہ ہے۔

(۴۵) اَلْمُجِیْبُ

(دُعا قبول کرنے والا)

مُجِیْب وہ ہے، جو سائل کے سوال کو پورا کرے۔ دُعا کرنے والے کی دُعا کو قبول فرمائے۔ لاچار لوگوں کی ضرورت پورا کرے۔ بلکہ التجا سے پہلے انعام دے۔ اور دُعا سے پہلے بخشش کرے۔ اور وہ صرف خداوند تعالیٰ ہے۔ کیونکہ وہی حاجتمندوں کی حاجت کو ان کے سوال سے پہلے جانتا ہے۔ بلکہ ازل ہی سے اس کو اس کا علم ہے۔ مخلوقات کی حاجت روائی کے لئے کھانے۔ اور غذائیں بنائی ہیں۔ اور تمام مہمات کے تیسیر کے لئے اسباب و آلات مُیسّر کرتے ◆

تنبیہ۔ بندہ کو چاہئے کہ سب سے پہلے خدا کے امر و نہی کے لئے مُجِیْب بنے۔ پھر بندوں کے لئے مُجِیْب بنے۔ یعنی خدا نے جن کو نعمتیں عطا کی ہیں۔ ان میں سے سائل کا سوال پورا کرے۔ اپنے مقدور بھر سائل کی مدد کرے۔ یا اگر کچھ بھی مقدور نہ ہو۔ تو نرمی سے جواب دے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ (اور سائل کو نہ جھڑکو) اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے لَوْ دُعِيْتُ اِلٰى كُرَاعٍ لَاَجَبْتُ وَلَوْ اُهْدِيَ اِلَيَّ ذِرَاعٌ لَقَبِلْتُ یعنی اگر بکری کے پائے پر بھی مجھے دعوت دی جائے۔ تو میں قبول کروں۔ اور اگر ایک ذراع (جانور کی پنڈلی) بھی مجھے ہدیہ میں دی جائے۔ تو میں خوشی سے لوں ◆

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوتوں میں تشریف لیجانا اور ہدیے قبول فرمانا محض دلداری کی غرض سے تھی۔ بعض لئیم اور متکبر لوگ جو ہر قسم کے ہدیے کے قبول کرنے اور دعوت کے منظور کرنے سے اپنی شان کو برتر سمجھتے ہیں۔ اور اپنی شان و عظمت کو اس سے بچانا چاہتے ہیں۔ اور التجا کرنے والے کے دل کی کوئی پروا نہیں کرتے۔ خواہ اس کو کتنا صدمہ پہنچے۔ ایسے لوگوں کا اس اسم کے معنے میں کوئی حصہ نہیں ہے ؎

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

(۴۶) اَلْوَاسِعُ

(وسیع المعلومات و وسیع العطا)

واسِعُ، سَعَۃٌ (وسعت) سے مشتق ہے۔ اور وسعت کبھی علم میں ملحوظ ہوتی ہے، جب کہ علم وسیع ہو۔ اور صاحب علم معلومات کثیرہ پر حاوی ہو۔ اور کبھی احسان و بسط نعمت سے منسوب کی جاتی ہے۔ خواہ کوئی لحاظ کرو۔ اور کبھی تقدیر کرو۔ بہرحال واسع مطلق اللہ تعالےٰ ہے۔ کیونکہ اگر اس کے علم کو لو۔ تو اس کی معلومات کے سمندر کا کوئی کنارہ نہیں بلکہ اس کے کلمات لکھنے کے لئے سمندروں کو سیاہی کی جگہ استعمال کیا جائے۔ تو سب ختم ہو جائیں۔ اور اگر اس کے احسان اور نعمت کو دیکھا جائے۔ تو اس کی مقدورات کی کوئی انتہا نہیں۔ ہر وسعت تو کیسی ہی بڑی ہو۔ وہ ایک نہ ایک طرف تک منتہی ہو کر اختتام کو پہنچے گی۔ اور جو وسعت کسی طرف بھی اختتام پذیر نہیں ہے۔ وہ وسعت کے اسم کی زیادہ مستحق ہے۔ لہذا اللہ تعالےٰ ہی واسع مطلق ہے۔ کیونکہ ہر واسع اپنے سے زیادہ واسع کے مقابلہ میں غیر واسع یعنی تنگ ہے۔ اور جو وسعت نہ کسی طرف پر منتہی ہو جائے۔ ممکن ہے کوئی اور وسعت اس سے بھی زیادہ بڑی ہو۔ لیکن جس ذات کی نہ کوئی نہایت ہو۔ اور نہ کوئی طرف ہو۔ اس سے زیادہ وسعت تصور ہی میں نہیں آسکتی۔

تنبیہ۔ بندے کی وسعت علوم اور اخلاق میں ہوتی ہے۔ پس اگر اس کے علوم بکثرت ہوں۔ تو اپنے وسعت علم کے موافق وہ واسع ہے۔ اور اگر اس کے اخلاق وسیع ہوں گے۔ جنہیں کہ تنگدستی کا خوف اس کو تنگدل کر سکے۔ نہ حاسد کا غصہ۔ اور نہ حرص کا غلبہ تو وہ بھی واسع ہے۔ مگر یہ سب وسعتیں کسی نہ کسی حد پر ختم ہو جاتی ہیں۔ حقیقی واسع اللہ تعالےٰ ہی ہے۔

(۴۷) اَلْحَکِیْمُ

(حقائق اشیاء کا عالم)

حَکِیْمُ کے معنے صاحب حکمت۔ اور حکمت سے مراد ہے۔ افضل چیز کو افضل علم سے جاننا۔ اور تمام اشیاء سے بزرگ اللہ تعالےٰ ہے۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ وہ۔

"خدا کی باتیں خدا ہی جانے"

لہٰذا وہی حقیقی حکیم ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی شے کو افضل علم کے ساتھ جانتا ہے یعنی سب سے بڑی ذات خدا کی ہے۔ اور افضل علم وہی ہے جو ازلی دائمی ہو جس کا زوال متصور نہ ہو۔ واقع کے ایسا مطابق ہو کہ اس میں کسی قسم کے خفا اور شبہ کو دخل نہ ہو۔ ایسے علم کے ساتھ خاص خداوند تعالیٰ متصف ہے۔

اس شخص کو بھی حکیم کہہ دیا کرتے ہیں۔ جو عجیب عجیب صنعتی اشیا بنائے۔ اور ان کی بناوٹ میں خوبیاں اور استحکام پیدا کرے۔ اس صفت کا کمال بھی خاص خدا کے لئے ہے۔ لہٰذا وہ حکیم مطلق ہے۔

تنبیہ۔ جو شخص تمام اشیا کو جانتا ہو۔ مگر خدا کو نہ جانتا ہو۔ وہ حکیم کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سب سے بڑی اور سب سے زیادہ افضل شے کو نہیں جانتا اور حکمت کے تمام علوم سے زیادہ افضل علم ہے۔ اور علم کی بزرگی اس چیز کی بزرگی پر موقوف ہے۔ جس کی نسبت علم ہو۔ اور خدا سے بڑھ کر کوئی شے بزرگ نہیں ہے۔ لہٰذا جو شخص خدا کو پہچانتا ہے۔ وہ حکیم ہے۔ گو باقی تمام مروجہ علوم سے بے بہرہ ہو۔ اور ان کے متعلق کچھ بیان کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔

یاد رکھو کہ خدا کی حکمت اور بندے کی حکمت میں فرق ہے۔ جو خدا کی ذات بندے کے علم اور خود خدا کے علم میں فرق ہے۔ خیال کرو ان دونوں علموں میں کس قدر فرق ہے۔ اور اس سے سمجھ سکتے ہو کہ ان دونوں حکمتوں میں کس قدر فرق ہے۔ تاہم یہ علم تمام علوم سے زیادہ نفیس اور زیادہ موجب خیر ہے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا یعنی جس کو حکمت دی گئی۔ اس کو خیر کثیر دی گئی۔

جو شخص خدا کو پہچان لیتا ہے۔ تو اس کا طرز کلام دوسرے لوگوں سے ممتاز ہو جاتا ہے۔ وہ جزئیات اور گھٹیا باتوں میں بہت کم خوض کرتا ہے۔ بلکہ اس کا ہر کلام مجمل اور کلی اور معنے خیز ہوتا ہے۔ وہ دنیوی فوائد کا کم خیال کرتا ہے۔ جو کچھ کہتا ہے عاقبت میں نفع دینے والی بات کہتا ہے۔ اور چونکہ اس کی یہ حالت لوگوں کے نزدیک اس کی معرفت الٰہی کی نسبت زیادہ ظاہر ہوتی ہے۔ لہٰذا لوگ اس کے کلمات کلیہ کو اکثر حکمت کہا کرتے ہیں۔ اور ان کے قائل کو حکیم کا خطاب دیتے ہیں۔ اس کی مثال آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم

کے یہ اقوال ہیں:-

(۱) رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ ۔

(۱) سب سے بڑی حکمت خدا کا خوف ہے ۔

(۲) اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ وَالْعَاجِزُ مَنْ اَتْبَعَ نَفْسَهُ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ الْاَمَانِيَّ ۔

(۲) دانا وہ ہے جس نے اپنے نفس کی قابو میں رکھا اور آخرت کے لئے نیک کام کئے۔ عاجز وہ ہے جو اپنے نفس کے تابع رہا۔ اور اللہ سے بیہودہ تمنائیں کرتا رہا ۔

(۳) مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى ۔

(۳) تھوڑی اور کافی چیز اس چیز سے اچھی ہے۔ جو زیادہ ہو اور بیہودگی میں ڈالے ۔

(۴) مَنْ اَصْبَحَ مُعَافًى فِيْ بَدَنِهِ ، اٰمِنًا فِيْ سِرْبِهِ ، عِنْدَهُ قُوْتُ يَوْمِهِ ، فَكَاَنَّمَا حِيْزَتْ لَهُ الدُّنْيَا بِحَذَافِيْرِهَا ۔

(۴) جو شخص تندرست ہے اور اپنے گھر میں امن سے ہے، اس کے پاس دن بھر کی خوراک ہو گویا دنیا ساری کی ساری اس کے کام آ رہی ہے ۔

(۵) كُنْ وَرِعًا تَكُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ ، وَكُنْ قَنِعًا تَكُنْ اَشْكَرَ النَّاسِ ۔

(۵) پرہیزگار بنو تاکہ سب سے بڑے عابد قرار پاؤ۔ قناعت کرو تاکہ سب سے زیادہ شاکر بنو ۔

(۶) اَلْبَلَاءُ مُوَكَّلٌ بِالْمَنْطِقِ ۔

(۶) مصیبت زبان کھولنے پر منحصر ہے ۔

(۷) مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيْهِ ۔

(۷) بندہ کی اچھی مسلمانی یہ ہے کہ جو امر مفید اس کا نہ ہو اس کو چھوڑ دے ۔

(۸) اَلسَّعِيْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ ۔

(۸) نیک بخت وہ ہے جو دوسروں سے عبرت پکڑے ۔

(۹) اَلصَّمْتُ حِكْمَةٌ وَقَلِيْلٌ فَاعِلُهُ ۔

(۹) خاموشی حکمت ہے جس پر چلنے والے کم ہیں ۔

(۱۰) اَلْقَنَاعَةُ مَالٌ لَا يَنْفَدُ ۔

(۱۰) قناعت وہ مال ہے جو کم نہیں ہوتا ۔

(۱۱) اَلصَّبْرُ نِصْفُ الْاِيْمَانِ وَالْيَقِيْنُ الْاِيْمَانُ كُلُّهُ ۔

(۱۱) صبر نصف ایمان ہے۔ اور یقین پورا ایمان ہے ۔

غرض اس قسم کے کلمات کو حکمت اور ان کے قائل کو حکیم کہتے ہیں ۔

(۴۸) اَلْوَدُوْد

(نیک بندوں کو دوست رکھنے والا)

وَدُوْد: وہ ہے جو تمام مخلوق کے لئے بہتری چاہتا ہو۔ لہٰذا ان کے ساتھ بھلائی کرے۔ اور ان کی تعریف بھی کیا کرے۔ یہ اسم رحیم کے معنے کے قریب قریب ہے۔ لیکن رحمت کی نسبت مرحوم کی طرف ہوتی ہے۔ اور مرحوم وہ ہوتا ہے جو محتاج اور لاچار ہو۔ رحیم کے افعال تو مرحوم کو ضعیف چاہتے ہیں۔ ودود کے افعال نہیں چاہتے۔ بلکہ وُدّ (دوستی) کا نتیجہ یہ ہے کہ ابتداءً آپ ہی نعمت بخشی جائے۔ پس جس طرح خدا کی رحمت کے معنے یہ ہیں کہ وہ مرحوم کے لئے بھلائی اور حاجت روائی کا ارادہ کرتا ہے۔ اور رحم کے باعث رو دل کے عارض ہونے سے وہ منزہ ہے۔ اسی طرح اس کی مَوَدَّت (دوستی) یہ ہے کہ وہ بخشش، نعمت، احسان اور انعام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ دوستی کے بے اختیاری میلان سے مبرا ہے۔ اس کی رحمت و مودت جو مرحوم و مودود کے حق میں صادر ہوتی ہے۔ تو رقت یا دوستی کے میلان کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ صرف اس کے فرد ور فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔ پس فائدہ ہی رحمت و مودت کا نچوڑ ہے اور یہ خاص خدا کا حق ہے۔ مرحوم و مودود کا نہیں۔ خدا تک فائدہ رسائی کا ذرہ نہیں ہے۔

تنبیہ: اللہ کے بندوں میں سے وَدُوْد وہ ہے جو مخلوق کے لئے وہی چاہے جو اپنے لئے چاہتا ہے۔ اور اس سے بھی اعلیٰ وہ شخص ہے۔ جو ان کو اپنے پر مقدم سمجھے چنانچہ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ کاش میں دوزخ کا پل بن جاتا۔ تاکہ لوگ مجھ پر سے صحیح و سالم گزر جاتے۔ اس صفت کا کمال یہ ہے کہ غصہ، کینہ اور جو تکلیف پہنچی ہو۔ وہ اس ایثار و رحم کا مانع نہ ہو۔ جیسے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جنگ میں جب کہ کسی کافر کے پتھر مارنے سے آپ کا اگلا دانت ٹوٹ گیا تھا۔ اور چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا۔ فرمایا تھا کہ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی الٰہی میری قوم کو ہدایت دے۔ کیونکہ وہ کچھ جانتے نہیں۔ پس ان لوگوں کی بدسلوکی آپ کو اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکی۔ جو آپ ان کی فائدہ رسانی کے متعلق رکھتے تھے۔ اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ارشاد فرمایا تھا کہ "اگر تو یہ چاہے کہ مقربین میں سبقت لے جاؤ

تو بدسلوکی کرنے والے سے نیک سلوک کر۔ نہ دینے والے کو دے۔ ظلم کرنے والے کو بخش دے۔

(۴۹) اَلْمَجِیْدُ

(شریف۔ بزرگ)

مَجِیْدٌ، وہ ہے جس کی ذات شریف جس کے افعال پسندیدہ۔ اور جس کی عطا گراں قدر ہو۔ غرض جس کے شرف ذات کے ساتھ حسن افعال شامل ہو۔ اس کو مجید کہتے ہیں۔ اور ماجد بھی اسی کو کہتے ہیں۔ مگر مقدم الذکر اسم مبالغہ پر دلالت کرتا ہے۔ اور گویا وہ الجلیل اور الوہاب اور الکریم کے معنوں کا جامع ہے۔ ان دونوں کے متعلق پیچھے ذکر گذر چکا ہے۔

(۵۰) اَلْبَاعِثُ

(مُردوں کو مرنے کے پیچھے اٹھا کھڑا کرنے والا)

باعِثٌ، وہ ہے جو قیامت کے دن خلقت کو زندہ کریگا۔ اور قبروں سے اٹھا کھڑا کریگا۔ بعث آخرت میں اٹھائے جانے کو کہتے ہیں۔ اور اس اسم کو سمجھنا بعث کی حقیقت سمجھنے پر موقوف ہے۔ اور یہ علمی باتوں میں سب سے زیادہ باریک بات ہے۔ اکثر لوگ اس کے متعلق مجمل توہمات اور مبہم تخیلات میں مبتلا ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو یہ ہے کہ موت تو ایک عدم ہے۔ اور بعث از سرنو ایجاد ہے جو عدم کے بعد ہوتی ہے۔ اور یہ ایجاد ویسے ہی ہے جیسے پہلی ایجاد تھی۔ مگر ان کا یہ خیال کہ موت عدم ہے، غلط ہے۔ اور اسی طرح یہ خیال بھی غلط ہے کہ دوسری ایجاد پہلی ایجاد جیسی ہے۔ موت عدم محض نہیں بلکہ موت کی قبر یا تو آگ کا گڑھا ہوتی ہے یا گلستان جنت کا ایک چمن ہوتی ہے۔ اور مردے یا تو خوش قسمت اور سعادت یافتہ ہوتے ہیں۔ یا بدنصیب اور زیر عذاب گرفتار۔ غرض مرنے والا معدوم نہیں ہے۔ خدا فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْیَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ یُرْزَقُوْنَ فَرِحِیْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ہیں ان کو مردے نہ سمجھو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس رزق پاتے ہیں۔ خدا نے جو اپنا فضل ان پر کیا ہے اس سے خوش ہیں۔

دوسرا گروہ بھی زندہ ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کافر مقتولوں کو پکار کر فرمایا تھا: "میں نے پا لیا جو مجھ سے وعدہ کیا گیا تھا، میں نے اس کو درست پایا۔ تم سے جو وعدہ خدا نے کیا تھا کیا تم نے بھی اس کو درست پایا؟"

آپ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ آپ ان لوگوں کو کیونکر پکارتے ہیں جو مر چکے ہیں۔ فرمایا: "تم میری بات کو ان کی نسبت کچھ زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ وہ بھی سنتے ہیں، مگر جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے"۔

باطنی مشاہدہ ارباب بصائر کو بتلاتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ عدم اس پر طاری نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک بار اس کا تعرف جسم سے بند ہو جاتا ہے۔ دیکھنے والے کہتے ہیں مر گیا۔ جب وہی تعرف پھر جاری ہو جاتا ہے، تو کہا جاتا ہے زندہ ہو گیا۔ اور اس بھید کی پوری تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔

ان لوگوں کا یہ خیال بھی بالکل بے سود ہے کہ مردے کو زندہ کرنا دوسری ایجاد ہے جو پہلی ایجاد جیسی ہے۔ بلکہ مردہ کا زندہ ہونا ایک دوسری پیدائش ہے۔ جو پہلی پیدائش سے بالکل مناسبت نہیں رکھتی۔ انسان کی صرف دو پیدائشیں نہیں ہیں۔ بلکہ بہت سی پیدائشیں ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے وَنُنْشِئَكُمْ فِيْمَا لَا تَعْلَمُوْنَ یعنی ہم تم کو ایسی حالت میں پیدا کریں گے کہ تمہیں معلوم نہیں ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالےٰ نے انسانی پیدائش میں خون بستہ اور مضغہ وغیرہ کے ذکر کے بعد فرمایا ہے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ یعنی پھر ہم نے اس کو دوسری پیدائش میں پیدا کیا۔ بلکہ نطفہ کی ایک پیدائش ہے۔ اور جما ہوا خون نطفہ کی ایک پیدائش ہے۔ اور روح کی پیدائش کے شرف جلالت اور اس کے ایک امر ربانی ہونے کی وجہ سے اس مقام پر خدا نے فرمایا۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (پھر آخرکار ہم ہی نے اس کو گویا بالکل دوسری ہی مخلوق کی صورت میں لا کھڑا کیا تو سبحان اللہ خدا بڑا ہی بابرکت ہے جو سب بنانے والوں میں بہتر بنانے والا ہے") اور فرمایا وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ یعنی تم سے روح کے متعلق سوال کرتے ہیں کہو کہ وہ میرے پروردگار کا ایک امر ہے۔ پھر اصل روح کو پیدا کرنے کے بعد ادراکات حسیہ کا پیدا کرنا ایک علیحدہ پیدائش ہے۔ پھر تمیز کا پیدا ہونا، جو سات برس کی عمر میں ظاہر ہوتی ہے۔ ایک پیدائش ہے۔ پھر چند سال کی عمر کے

کہ جنین کی صورت میں عقل کا پیدا ہونا ایک اور پیدائش ہے۔ یہ ہر پیدائش ایک طور ہے۔ کیونکہ وَقَدْ خَلَقَكُمْ أَطْوَارًا اللہ تعالیٰ نے تم کو کئی طرح کے طور میں بنایا ہے ◆

پھر کسی شخص میں ولایت کی خاصیت کا ظاہر ہونا بھی ایک جدا پیدائش ہے۔ اس کے بعد نبوت کی خاصیت کا ظاہر ہونا ایک اور ہی جداگانہ پیدائش ہے۔ اور وہ ایک طرح کا بعث ہے۔ اللہ تعالیٰ باعث الرسل ہے۔ جیسے کہ باعث یوم النشور بھی ہے۔ اور جس طرح شیر خوار بچے کو تمیز حاصل کرنے سے پہلے چیزوں کی حقیقت کا سمجھنا مشکل ہے۔ اسی طرح تمیز والے کو عقل حاصل کرنے سے پہلے اس کی حقیقت اور اس کے عجائبات کا جاننا دشوار ہے۔ اسی طرح عقل کی منزل میں ولایت اور نبوت کا سمجھنا مشکل ہے۔ کیونکہ ولایت، پیدائش عقل کے اوپر ایک خاص طور کا کمال ہے۔ جس طرح عقل، پیدائش تمیز سے اوپر ایک جدا طور کا کمال ہے۔ اور تمیز پیدائش حواس سے اوپر ایک الگ طور کا کمال ہے ◆

چونکہ لوگوں کا یہ طبعی خاصہ ہے کہ جو مرتبہ خود ان کو حاصل نہ ہو جائے۔ وہ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ جیسے کہ ہر شخص کسی امر کو ماننے یا سچ سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ جب تک کہ اس کو دیکھ نہ لے اور خود حاصل نہ کر لے۔ اور کبھی بھی اور غائب بات پر یقین نہیں کرتا۔ اس لئے لوگ طبعاً ولایت و نبوت اور ان کے عجائبات بلکہ ان کی اصلیت سے منکر ہوتے ہیں۔ اور دوسری پیدائش بعد فطرت کی زندگی کو نہیں مانتے۔ کیونکہ انہوں نے اب تک ان امور کو دیکھا اور برتا نہیں ہے۔ اگر صرف تمیز کے درجہ تک پہنچنے والے کے سامنے عالم عقل اور اس کے عجائبات کا نقشہ پیش کریں۔ تو وہ اس کو ماننے کے لئے کبھی تیار نہ ہوگا۔ پس جو شخص بغیر حاصل کئے ایمان لائے۔ وہ گویا غیب پر ایمان لایا۔ اور یہی تمام سعادتوں کی کنجی ہے ◆

جب طور عقل اور اس کے امکانات اور اس کی پیدائش سابقہ اور اس کے حالات سے کچھ مناسبت نہیں رکھتے۔ تو فطرت کی پیدائش تو نہایت ہی بعید ہے۔ لہذا دوسری پیدائش کو پہلی پیدائش پر قیاس کرنا چاہئے ◆

یہ تمام پیدائشیں ایک ہی ذات کے مختلف اطوار اور اس کے مدارج کمال طے کرنے کے نتیجے ہیں۔ جن سے کہ وہ اس بارگاہ احدیت کا قرب حاصل کرتا ہے۔ جہاں تمام کمالات کی انتہا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ مقبول اور صاحب منزل

مریض ہو رہتا ہے۔ اگر مقبول ہو جائے تو اعلیٰ علیین پر ترقی کر جاتا ہے۔ ورنہ اسفل سافلین میں گر جاتا ہے ۔

مطلب یہ کہ ان دونوں پیدائشوں میں لفظی مناسبت کے سوا اور کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور جو شخص نشأۃ (پیدائش) اور بعث کے معنے نہیں جانتا۔ وہ اسم الباعث کے معنے نہیں سمجھ سکتا۔ اور ان کی شرح طویل ہے۔ چھوڑ دیتے ہیں ۔

تنبیہ۔ بعث کی حقیقت کا مطلب یہ ہے۔ مردوں کو دوسری پیدائش میں پیدا کر کے زندہ کرنا۔ اور جہل سب سے بڑی موت ہے۔ اور علم سب سے پاکیزہ زندگی ہے۔ اللہ نے قرآن مجید میں علم و جہل کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کو حیات و موت سے موسوم کیا ہے ۔

جو شخص کسی دوسرے انسان کو جہل سے علم تک ترقی دیتا ہے۔ گویا وہ اس کو موت سے نئی پیدائش میں لاتا ہے۔ اور ایک پاکیزہ زندگی بخشتا ہے۔ پس اگر بندہ لوگوں کو علم پڑھائے اور سیدھی راہ دکھائے۔ تو ان کو گویا ایک طرح سے زندہ کرتا ہے۔ اور یہ انبیاء اور اُن کے وارث علما کا کام ہے ۔

(۵۱) اَلشَّهِيْدُ

(حاضر)

اس اسم کے معنے علیم کے معنوں سے ملتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اضافت کی خصوصیت بھی ملحوظ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہے۔ یعنی غیب اور شہادت کو جانتا ہے۔ غیب سے مراد چھپی باتیں ہیں اور شہادت سے مراد ظاہر باتیں۔ پس اگر مطلق علم کا لحاظ کیا جائے۔ تو وہ علیم ہے اور اگر غیب یعنی چھپی باتوں سے نسبت دیکھی جائے۔ تو وہ خبیر ہے۔ اور اگر امور ظاہرہ سے نسبت دی جائے تو وہ شہید ہے ۔

کبھی اس کے ساتھ یہ بھی لحاظ کیا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے دن لوگوں کے کاموں کے متعلق شہادت دیگا جن کو وہ جانتا اور دیکھتا ہے۔ اس اسم کی بحث علیم اور خبیر کی بحث کے قریب قریب ہے۔ اس کو ہم دوبارہ لکھنا نہیں چاہتے ۔

الحق (۵۲)

(ثابت)

یہ باطل کے مقابلے میں ہے۔ اور تمام اشیاء اپنی اضداد کے مقابلے میں ظاہر ہوتی ہیں۔

جس چیز کی نسبت خبر دی جاتی ہے وہ یا تو مطلقاً باطل ہوگی یا مطلقاً حق ہوگی یا ایک وجہ سے حق اور ایک وجہ سے باطل ہوگی۔ پس بذاتہٖ ممتنع وہی ہے جو مطلقاً باطل ہو۔ اور واجب بذاتہٖ وہی ہے جو مطلقاً حق ہو۔ اور ممکن بذاتہٖ واجب بغیرہٖ وہ ہے جو ایک جہت سے باطل اور ایک وجہ سے حق ہو۔ پس چونکہ اپنی ذات کی حیثیت سے اس کا وجود نہیں ہے۔ اس لئے وہ باطل ہے اور غیر کی جہت سے وجود کا استفادہ کرتا ہے۔ اس لئے وہ اس جہت سے جو وجود کا افادہ کرنے والے سے متصل ہے، موجود ہے۔ لہٰذا وہ اس وجہ سے حق ہے اور اپنے نفس و ذات کی جہت سے باطل ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اس کی ذات کے سوا باقی ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔ اور وہ اسی طرح ازلاً و ابداً ایک ہی حال پر ہے۔ مختلف حالات قبول نہیں کرتی۔ کیونکہ اس کے سوا ہر شے ازل سے ابد تک اپنی ذات کی رو سے وجود کی مستحق نہیں ہے۔ اور اپنے غیر کی جہت سے مستحق ہے۔ لہٰذا وہ بذاتہٖ باطل ہے اور بغیرہٖ حق ہے۔ اب صاف ظاہر ہے کہ حق مطلق وہ ہے جو موجود حقیقی بذاتہٖ ہے اور جس سے ہر حق اپنی حقیقت اخذ کرتا ہے۔

حق کے ایک اور معنے بھی ہیں یعنی وہ امر معقول جس کی عقل تصدیق کرے لہٰذا وہ موجود ذہنی ہے جس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ وہ حق ہے۔ پس وہ اپنی ذاتی حیثیت سے امر موجود کہلاتا ہے۔ اور جب عقل سے اس کی نسبت دیکھا جائے جس نے اس کی جانب معلوم کی ہے تو اس کو حق کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی تمام موجودات میں سے حق کہلانے کا زیادہ حقدار اللہ تعالیٰ ہے۔ اور معلومات میں سے حق کہلانے کی زیادہ حقدار خدا کی معرفت ہے کیونکہ وہ فی نفسہٖ حق ہے۔ یعنی ازلاً و ابداً معلوم کے مطابق ہے۔ اور اس کی مطابقت لذاتہٖ ہے۔ بغیرہٖ نہیں ہے۔ اس کا علم ایسا نہیں ہے

جیسے اس کے فیصلے کے وجود کا علم۔ کیونکہ غیر کے وجود کا علم اسی وقت تک رہتا ہے جب تک
کہ وہ غیر موجود رہتا ہے۔ جب وہ معلوم ہو گیا۔ تو اس کے وجود کا اعتقاد بھی باطل ہو گیا ۔

اقوال کو بھی حق کہتے ہیں۔ چنانچہ کہا کرتے ہیں کہ فلاں قول حق ہے۔ اور فلاں
قول باطل ہے۔ اس لحاظ سے تمام اقوال سے زیادہ حق لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہے۔ کیونکہ
وہ ذاتًا اور ابدًا لذاتہٖ صادق ہے نہ کہ لغیرہٖ ۔

غرض کہ خارجی موجودات کو حق کہیں یا ذہنی موجودات کو حق کو معرفت کہتے
ہیں۔ خواہ زبانی موجود کو حق کہیں جس کو نطق کہتے ہیں۔ بہرحال حق کہلانے کی زیادہ
حقدار وہی شے ہے جس کا وجود ازلًا ابدًا لذاتہٖ ثابت ہو۔ اور اس کی معرفت ازلًا ابدًا
لذاتہٖ حق ہو۔ اور اس کی شہادت ازلًا ابدًا لذاتہٖ حق ہو۔ اور یہ تمام امور موجود حقیقی
کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کسی سے نہیں ۔

تنبیہ۔ اس نام سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو باطل سمجھے۔ خدا کے سوا
اور کسی کو حق نہ جانے۔ بندہ اگرچہ حق ہے۔ مگر بنفسہٖ حق نہیں ہے۔ بلکہ خدا کے ساتھ
حق ہے۔ کیونکہ وہ اسی کے ساتھ موجود ہے۔ بذاتہٖ موجود نہیں ہے۔ بلکہ بذاتہٖ باطل ہے
اگر حق تعالیٰ نے اس کو نہ بنایا ہوتا۔ تو اس کو موجود بن جانے کا کوئی حق نہ تھا ۔

اس لحاظ سے ان اولیاء میں سے جو شخص اَنَا الْحَقّ ۔ میں حق ہوں کا دعوے
کرتا ہے وہ سخت خطا پر ہے ۔

پہلی تاویل یہ ہے کہ اَنَا الْحَقّ سے مراد اَنَا بِالْحَقّ ہے۔ یعنی میں حق تعالیٰ
کے ساتھ ہوں۔ یہ تاویل بعید ہے۔ اس لئے کہ لفظوں میں اس معنے کا کوئی قرینہ موجود نہیں ہے
اور اس لئے یہ حرف اس قائل سے مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ حق کے سوا جو شے ہے۔ وہ
بالحق ہے ۔

دوسری تاویل یہ کہ وہ حق تعالیٰ میں مستغرق ہے۔ حتیٰ کہ اس کے دل میں حق
کے سوا اور کسی کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ اور جو چیز کسی چیز کی کلیت کو حاوی ہو اور اس میں
مستغرق ہو تو کہا جاتا ہے یہ چیز وہ ہے۔ جیسے کہ کسی شاعر نے کہا ہے ع

اَنَا مَنْ اَهْوٰی وَمَنْ اَهْوٰی اَنَا

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جان شدی ‌ ‌ ‌ تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

اس سے مراد استغراق ہے۔

چونکہ اہل تصوف پر بحیثیت الذات اپنے نفس کی فنا کا مشاہدہ غالب ہوتا ہے اس لئے ان کی زبان پر بالعموم اس سلسلے یا پھیلانے میں سے هُوَ الْحَقُّ جاری رہتا ہے۔ کیونکہ وہ حقیقی ذات کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ نہ کہ اس ذات کو جو فی نفسہ ہلاک ہونے والی ہے۔ اور اہل کلام چونکہ خدا کے ساتھ دلیل کی ہستی کے عادی ہیں اس لئے ان کے منہ پر اکثر اسم الباری ہی جاری رہتا ہے جس کے معنے خالق کے ہیں۔ اور اکثر لوگ خدا کے سوا ہر چیز کو دیکھتے ہیں پس اپنے مشاہدات سے اس کے متعلق شہادت قائم کرتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مخاطب ہیں۔ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ[1] (کیا ان لوگوں نے آسمانوں اور زمین کے انتظام اور خدا کی پیدا کی ہوئی کسی چیز پر بھی نظر نہیں کی) صدیقین اس کے سوا اور کسی چیز کو نہیں دیکھتے لہٰذا وہ اس کے متعلق اسی سے دلیل قائم کرتے ہیں۔ اور وہ خدا کے اس قول کے مخاطب ہیں کہ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّهٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ (کیا تمہاری تسلی کے لئے یہ بات کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار ہر چیز کا شاہد (حاضر) ہے۔

(۵۴) اَلْوَکِیْلُ

(کارساز)

وکیل وہ ہے جس کے سپرد امور کئے جائیں۔ لیکن اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جس کے سپرد بعض امور ہوں۔ اور وہ ناقص ہے۔ دوسرا جس کے سپرد تمام امور ہوں۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں۔

ایک اور طریق سے بھی اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو بذات خود موکول الیہ جس کے سپرد کیا جانے کا ہونے کا مستحق نہ ہو بلکہ وہ موکول الیہ بنانے سے بنا ہو۔ اور یہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ اس بات کا محتاج ہے کہ امور اس کے سپرد کئے جائیں۔ اور اس کو مقرر کیا جائے۔

دوسرا وہ جو بذاتہ اس بات کا مستحق ہے کہ امور اس کے سپرد ہوں۔ اور دل اس پر اعتماد رکھتے ہوں۔ کسی دوسرے کے بنا دینے اور سپرد کرنے سے نہیں بلکہ خود بخود

۱؎ [illegible] حم السجدہ ع ۶۔

اور جو تاجر وکیل ہو، وہ وکیل مطلق ہے ۔

الغرض اس لحاظ سے وکیل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ وکیل جو سپرد شدہ امور کو بلا کسی قسم کی کمی کے پورا کرے۔ دوسرا وہ جو پورا نہ کرے ۔

وکیل مطلق وہ ہے۔ جس کے سپرد تمام اشیاء ہیں۔ اور وہ تمام کے اہتمام میں لگا ہوا ہے۔ اور سب کو اپنی اپنی جگہ پورا کر رہا ہے۔ اور وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے! اس سے تم خود دیکھ سکتے ہو کہ بندہ کو اس اسم کے معنی میں کس قدر دخل حاصل ہے ۔

(۵۴) اَلْقَوِیُّ
(توانا)

(۵۵) اَلْمَتِیْنُ
(استوار)

قوت پوری قدرت پر اور متانت سخت قوت پر دلالت کرتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ اس حیثیت سے کہ وہ پوری قدرت والا ہے قوی ہے۔ اور اس حیثیت سے کہ وہ سخت قوت والا ہے متین ہے۔ اور یہ بیان قدرت کے معنی سمجھنے پر موقوف ہے جس کا ذکر آئندہ آئیگا ۔

(۵۶) اَلْوَلِیُّ
(محب۔ مددگار)

ولی۔ محب و مددگار ہے۔ اس کی محبت و دوستی کے معنی بیان ہو چکے اب اس کی مددگاری کے معنی ظاہر ہیں کہ وہ دین کے دشمنوں کو پامال کرتا ہے۔ اور دین کے خیر خواہوں کی مدد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یعنی اللہ مومنوں کا محب و مددگار ہے" اور فرمایا ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ مَوْلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْکٰفِرِیْنَ لَا مَوْلٰی لَھُمْ یعنی ایسا اس لئے ہے کہ اللہ مومنوں کا مولیٰ یعنی ناصر و مددگار ہے۔ اور کافروں کا کوئی مولیٰ نہیں ہے" اور فرمایا کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ یعنی اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب آئینگے ۔

تنبیہ: بندوں میں سے ولی وہ ہے۔ جو اللہ اور اس کے دوستوں سے پیار کرے۔ ان کو مدد دے اور اللہ کے دشمنوں سے بغض رکھے۔ اللہ کے دشمن نفس اور

شیطان ہیں۔ پس جو شخص ان دونوں سے تعلق توڑ لے۔ اور اللہ کے کام میں مدد دے
اور اس کے اولیاء کو دوست رکھے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھے۔ وہی بندوں
میں سے ولی ہے۔

(۵۷) اَلْحَمِیْدُ

(مستحق حمد)

حمید، وہ ہے جو تعریف کے لائق ہو۔ اور جس کی ثنا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ
ازل سے خود اپنی تعریف کے ساتھ حمید ہے۔ اور ابد تک اپنے بندوں کی تعریف کے
ساتھ حمید رہیگا۔ اور یہ معنے جلال و کمال کی صفتوں سے ذکر کرنے والوں کے ذکر کے لحاظ
سے پیدا ہوتے ہیں۔ کیونکہ حمد اسی کو کہتے ہیں کہ اوصاف کمال کا اس حیثیت سے کہ وہ
کمال ہیں ذکر کیا جائے۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے حمید وہ ہے جس کے عقاید و اخلاق اور اعمال و
اقوال سب کے سب بلا استثنا قابل تعریف ہوں۔ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اور ان سے قریب کے انبیاء اور ان کے سوا اولیاء و علماء ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے
عقاید و اخلاق اور اعمال و اقوال کی خوبی کے موافق حمید ہے۔ چونکہ کوئی شخص بھی اپنے
محامد کتنے ہی بکثرت ہوں۔ مذمت اور نقص سے خالی نہیں ہے۔ لہذا حمید مطلق خاص
اللہ تعالیٰ ہے۔

(۵۸) اَلْمُحْصِیْ

(ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرنے والا)

محصی کے معنے عالم کے ہیں۔ لیکن جب علم کو معلومات کے ساتھ اس لحاظ
سے منسوب کیا جائے کہ وہ معلومات کو محیط ہوتا ہے۔ اور ان کو گنتی اور شمار میں لا سکتا ہے
تو اس کو احصا کہا جاتا ہے۔ اور محصی مطلق وہ ہے جس کے علم میں ہر معلوم کی
حد اور اس کی تعداد اور مبلغ ظاہر ہو۔ بندہ اگرچہ اپنے علم سے بعض معلومات کا
احصا کر سکتا ہے۔ مگر وہ اکثر حصر سے عاجز ہو جاتا ہے۔ پس اس اسم میں اس کا دخل اسی طرح

کم ہے جتنی طرح علم کی پہلی صفت میں کم ہے ٭

(۵۹) اَلْمُبْدِئُ
(ابتداءً پیدا کرنے والا)

(۶۰) اَلْمُعِیْدُ
(دوبارہ پیدا کرنے والا)

ان ناموں کا معنے ہے موجد۔ لیکن اگر اس ایجاد سے پہلے ویسی ایجاد نہ گذری ہو تو اس کو ابداء کہتے ہیں۔ اور اگر اس سے پہلے بھی ویسی ایجاد گذر چکی ہو تو اس کو اعادہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی نے لوگوں کو ابتداء سے پیدا کیا ہے۔ اور وہی ان کو دوبارہ پیدا کرےگا۔ اور تمام اشیا کا اسی سے آغاز ہوا اور اسی تک انجام ہوگا ٭

(۶۱) اَلْمُحْیِیْ
(مخلوق کو زندہ کرنے والا)

(۶۲) اَلْمُمِیْتُ
(مارنے والا)

ان دونوں ناموں کا مطلب بھی ایجاد ہے۔ لیکن موجود اگر حیات ہو تو اس کے فعل کو احیاء (زندہ کرنا) کہتے ہیں۔ اور اگر موت ہو تو اس کے فعل کو اماتت (مار ڈالنا) کہتے ہیں۔ اور موت و حیات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اسی لئے سوائے اس کے اور کوئی مُحْیِیْ اور مُمِیْتُ نہیں ہے۔ ہم اَلْبَاعِثُ کے بیان میں حیات کے معنے کی طرف اشارہ کر چکے ہیں، اعادہ کی ضرورت نہیں ٭

(۶۳) اَلْحَیُّ
(زندہ)

حی وہ ہے جو فعل کی لئے طاقت رکھنے والا اور اعلیٰ درجہ کا صاحب ادراک ہو۔ سو جتنے کہ جن میں بالکل فعل و ادراک نہیں ہے وہ میت (مردہ) ہے۔ اور ادراک کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ صاحب ادراک اپنے آپ کو جانتا ہو۔ پس جو شے اپنے آپ کو نہ جانتی ہو وہ جماد اور میت ہے۔ حی کامل و مطلق وہ ہے جس کے ادراک کے تحت میں تمام مدرکات اور اس کے فعل کے تحت میں تمام موجودات درج ہوں۔ یہاں تک کہ کوئی ادراک اس کے علم سے اور کوئی فعل اس کے فعل سے خارج نہ [illegible]

ساری باتیں خاص اللہ کے لئے ہیں۔ لہٰذا وہ حی مطلق ہے۔ اور اس کے سوا جو شے حی ہے وہ اس کی حیات اس کے ادراک اور فعل کے موافق ہے۔ اور یہی تمام اشیا قلت میں محصور ہیں۔ واضح ہو کہ احیاء (زندہ چیزیں) متفاوت ہیں پس ان کے مراتب ان کے تفاوت کے موافق ہیں۔ جیسے کہ ملائکہ۔ انسان۔ اور چوپاؤں کے مراتب میں اشارہ کیا جا چکا ہے۔

(۶۴) اَلْقَیُّوْمُ

(دنیا و عالم کو سنبھالنے والا)

واضح ہو کہ تمام اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو کسی محل کی محتاج ہیں جیسے اعراض اور اوصاف پس ان کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہٖ قائم نہیں ہیں۔

دوم وہ جو کسی محل کی محتاج نہیں ہیں۔ پس کہا جاتا ہے کہ وہ بنفسہٖ قائم ہیں۔ جیسے جواہر۔ لیکن جوہر گو قائم بنفسہٖ اور اپنے قیام کے محل سے مستغنی ہے۔ تاہم ایسے امور سے مستغنی نہیں ہے جو اس کے وجود کے لئے لازم ہیں۔ پس وہ قائم بنفسہٖ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنے قیام میں گو محل کی محتاج نہیں ہیں۔ مگر کسی اور شے کے وجود کی محتاج ہیں۔ پس اگر کوئی ایسا موجود پایا جاتا ہے جس کی ذات بذاتہٖ مستغنی ہے۔ اور اس کا قیام کسی اور شے کے ساتھ نہیں ہے۔ اور نہ اس کے سوا کسی اور چیز کا وجود اس کے وجود کے دوام کے لئے شرط ہو وہ مطلقاً قائم بنفسہٖ ہے۔ اگر اس کے ساتھ ہی تمام موجودات اس کے ساتھ قائم ہوں۔ یہاں تک کہ تمام اشیا کا وجود اور دوام وجود اسی کے ساتھ ہو۔ تو قیوم ہے۔ کیونکہ اس کا اپنا قیام بذاتہٖ ہے۔ اور ہر شے کا قیام اس کے ساتھ ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندہ کا دخل اس وصف میں اتنا ہوتا ہے جتنا وہ غیر اللہ سے مستغنی ہے۔

(۶۵) اَلْوَاجِدُ

(غنی)

وَاجِدُ وہ ہے جس کے لئے کوئی شے غائب ہو۔ اور وہ فاقد (نادار) کا مقابل ہے۔ غالب یہ ہے کہ جس کو وہ شے حاصل نہ ہو جو اس کے وجود کے لئے ضروری نہیں۔ اس کو فاقد نہیں کہا جاتا۔ اور جس کو وہ شے حاصل ہو سکتی ہے جو اس کی ذات کے

اور اس کی ذات کے کمال سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں ان کو واجد (غنی) نہیں کہتے
بلکہ واجد وہ ہے جس کے لئے کوئی بھی ضروری شے کمیاب نہ ہو۔ اور جو امر صفات الٰہیہ
اور ان کے کمال کے لئے لازمی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے لئے موجود ہے۔ پس وہ اس لحاظ
سے واجد ہے۔ اور واجد مطلق ہے۔ اور اس کے سوا دوسری موجودات
اگر صفات کمال و سامان کے اسباب میں سے کسی شے کے لحاظ سے واجد ہیں۔ تو
بہت سی اشیاء کے لحاظ سے فاقد ہیں۔ اس لئے وہ صرف اضافی طور پر واجد کہلا
سکتی ہیں ◆

(٦٦) اَلْمَاجِدُ

(بزرگی والا)

یہ اسم مجید کا ہم معنے ہے۔ جیسے عالم، علیم کے معنے میں آتا ہے
لیکن فعیل کے صیغے میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ اور مجید کے معنے بیان ہو چکے ◆

(٦٧) اَلْوَاحِدُ

(تنہا۔ یگانہ۔ ایک)

یہ وہ ہے جو نہ تقسیم ہو۔ نہ دوہرا ہو سکے تقسیم نہ ہونے والی چیز کی مثال جیسے
جوہر فاحد (جزو لا یتجزے) اور جو تقسیم نہ ہو۔ اس کو واحد کہتے ہیں جس کا
مطلب یہ کہ اس کا کوئی جزو نہیں۔ اسی طرح نقطہ کا کوئی جزو نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے
واحد ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی ذات کا انقسام محال ہے۔ اور جو چیز دوہرا نہ ہو
یہ وہ ہے جس کی نظیر نہیں ہے جیسا سورج۔ کیونکہ وہ اگرچہ جسم کی قبیل سے ہونے کے
باعث وہم میں منقسم ہو سکتا ہے لیکن اس کی نظیر نہیں ہے۔ مگر ممکن ہے کہ اس کی نظیر
بن جائے اگر کوئی ایسا موجود پایا جائے۔ جو اپنے وجود کی خصوصیت میں اس طرح منفرد ہو کہ کسی
اور کا اس میں شریک ہونا متصور ہی نہ ہو سکے وہ ازلاً و ابداً واحد مطلق ہے ◆
بندہ اس وقت واحد سمجھا جاتا ہے کہ اس کے ابنائے جنس میں کسی خاص پسندیدہ
خصلت کے اندر کوئی اس کی نظیر نہ ہو۔ اور یہ یگانگی بھی صرف اس کے ابنائے جنس کے لحاظ

سے ہو گی۔ اور نیز خاص زمانہ کے لحاظ سے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے زمانہ میں اس کی نظیر پیدا ہو جائے۔ نیز یکتائی بعض خصائل کی رُو سے ہو گی۔ تمام کی رُو سے نہیں پس پوری وحدانیت (یکتائی) خاص خدا کے لئے ہے۔

(۴۸) اَلصَّمَدُ

(بے نیاز)

صَمَدُ وہ ہے۔ جس کی طرف حاجتوں میں رجوع کیا جاتا ہے۔ اور ضروریات کے لئے جس کی درگاہ کا قصد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ پیشوائی کے مراتب اس پر ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو دینی و دنیوی حاجات میں اپنے بندوں کا مرجع بنا دیتا ہے اور اس کی زبان اور ہاتھوں سے اپنے بندوں کی حاجتیں پوری کراتا ہے۔ تو اس کو اس نام کے معنے سے اُس نے حصہ بخشا ہے۔ لیکن صَمَدِ مطلق وہ ہے کہ تمام حوائج میں اس کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ اور وہ خاص اللہ تعالیٰ ہے۔

(۴۹) اَلْقَادِرُ | (۵۰) اَلْمُقْتَدِرُ

(قدرت والا) | (صاحبِ قدرت)

ان دونوں اسموں کے معنے ہیں "صاحبِ قدرت"۔ لیکن مقتدر میں زیادہ مبالغہ ہے۔ قدرت سے مراد وہ معنے ہے۔ جس سے کوئی چیز ارادہ اور علم کی تقدیر سے اختراع ہو کر ارادہ کے مقتضا کے موافق موجود کی جا سکے۔ اور قادر وہ ہے جو اگر چاہے کرے۔ اگر چاہے نہ کرے۔ اور اُس کے لئے یہ شرط نہیں کہ ضرور کرنا ہی چاہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اسی وقت قیامت برپا کرنے پر قادر ہے۔ اگر وہ چاہے ابھی برپا کر دے۔ اگر برپا نہیں کرتا تو اس لئے کہ وہ برپا کرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ پہلے ہی اس کے علم میں اس کی میعاد اور وقت مقرر ہو چکے ہیں۔ پس اس سے قدرت میں کوئی نقص نہیں آتا۔ اور قادرِ مطلق وہ ہے۔ جو ہر موجود کو اپنے زور سے بناتا ہے۔ اور اس میں کسی دوسرے کی امداد سے مستغنی ہوتا ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

بندہ کو بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے۔ لیکن وہ ناقص ہے۔ کیونکہ وہ صرف بعض ممکنات

کو حادث ہوتی ہے۔ اور کسی چیز کو پیدا کرنے کی اس میں صلاحیت نہیں ہے۔ بلکہ بندہ کے مقدور
میں جو امور ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے۔ جب کہ اس کے مقدور کے
تمام اسباب موجود مہیا ہو جاتے ہیں۔ یہ مقام ایک باریک بحث چاہتا ہے۔ جس کی گنجائش
اس کتاب میں نہیں ہے۔

(۷۱) اَلْمُقَدِّمُ | (۷۲) اَلْمُؤَخِّرُ

(اپنے دوستوں کو بارگاہ قرب کی طرف بڑھانے والا) (اپنے دشمنوں کو اپنے قرب سے پیچھے ہٹانے والا)

مُقَدِّم، مُؤَخِّر وہ ہے، جو قریب و بعید کرتا ہے جس کو قریب کرتا ہے
اس کو مقدم کرتا ہے جس کو دور ہٹاتا ہے اس کو مُؤَخِّر کرتا ہے۔ وہ انبیاء و اولیاء
کو قرب بخشنے اور راہ راست پر چلانے کے لئے مُقَدَّم کرتا ہے۔ اور اپنے دشمنوں
کو دور ہٹا کر اور اپنے اور ان کے درمیان پردہ ڈال کر مؤخر کر دیتا ہے۔

مثلاً جب ایک بادشاہ جب دو شخصوں کو اپنا قرب بخشے۔ لیکن ان میں سے
ایک کو اپنی طرف زیادہ قریب کرے تو کہا جاتا ہے کہ اس کو مقدم کیا یعنی اس کو دوسرے
شخص کے آگے رکھا۔

یہ تقدیم کبھی مکان میں ہوتی ہے اور کبھی رتبہ میں۔ اور بہر حال پیچھے رہنے والے
کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اور ایک ایسے مقصد کا ہونا بھی لابدی ہے، جو اصل غرض و غایت
ہو مقدم ہوتا ہے اسی کے لحاظ سے، اور جو متاخر ہوتا ہے اسی کی طرف سے۔

مقصد اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اللہ کی طرف اس کے مقرب ہیں۔ چنانچہ اس نے
پہلے ملائکہ کو تقدیم بخشی ہے۔ پھر انبیاء کو۔ پھر اولیاء کو۔ پھر علماء کو۔ اور ہر ایک اپنے ماقبل کے
لحاظ سے مؤخر ہوتا ہے۔ اور اپنے مابعد کی نسبت سے مقدم ہوتا ہے۔ اور
اللہ تعالیٰ ہی یہ تقدیم و تاخیر دینے والا ہے۔ کیونکہ اگر آپ ان کے تقدم و تأخر کو ان کے
فضائل کی کثرت و قلت اور ان کی صفات کے کمال و نقصان پر موقوف سمجھو۔ تو آخر وہ
ذات بھی کوئی ہے جس نے ان کو علم و عبادت کی ترقی کے لئے اُکسایا ہے۔ یا جس نے
صراطِ مستقیم کے برخلاف چلنے پر ان کو آمادہ کیا ہے۔ اور یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ ہی کے
بس کی ہیں لہٰذا وہ مُقَدِّم اور مُؤَخِّر ہے۔ اور اس میں رتبہ کی تقدیم و تاخیر مراد ہے۔

اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جو شخص علم و عمل میں سبقت کر جائے۔ وہ صرف اسی سے متقدم نہیں ہو سکتا۔ بلکہ خدا اس کو تقدیم بخشے تو وہ متقدم ہو سکتا ہے یہی حال متاخر کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ دو قول اس امر کی تصدیق کرتے ہیں:۔

(۱) إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ یعنی جن لوگوں کے لئے ہماری خیر خواہی سے قدم بڑھایا وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔

(۲) وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا وَلَٰكِنْ حَقَّ الْقَوْلُ مِنِّي لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ یعنی اگر ہم چاہتے تو ہر نفس کو اس کی ہدایت پر چلاتے۔ مگر ان کی نسبت میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ ضرور دوزخ کو پُر کروں گا۔

تنبیہ صفات فعال سے بندے کا حصہ ظاہری ہے۔ اس لئے ہم بخوف تطویل ہر اسم کے بیان میں اس کا اعادہ کرنا نہیں چاہتے۔ کیونکہ بیانات سابقہ سے اس بات کا بخوبی پتہ مل سکتا ہے۔

(۷۳) اَلْاَوَّلُ (سب سے پہلا) | (۷۴) اَلْاٰخِرُ (سب سے پچھلا)

واضح ہو کہ اوّل کسی شے کی نسبت سے اوّل ہوتا ہے۔ اور آخر بھی کسی شے کی نسبت سے آخر ہوتا ہے۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے متناقض ہیں۔ پس ایک ہی چیز ایک ہی جہت سے ایک ہی چیز کی نسبت سے اوّل اور آخر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جب تم وجود کی ترتیب پر نظر کرو۔ اور موجودات کے باترتیب سلسلہ کو غور سے دیکھو۔ تو اللہ تعالیٰ وجود کے لحاظ سے اوّل ہے کیونکہ تمام موجودات نے اس سے وجود حاصل کیا ہے اور وہ خود موجود بذاتہ ہے۔ اور اس نے کسی سے وجود حاصل نہیں کیا۔ اور جب ترتیب سلوک پر نظر کی جائے۔ اور خدا کی طرف سیر کرنے والوں کی منزلوں کو دیکھا جائے۔ تو وہ آخر ہے کیونکہ اس کی درگاہ عارفین کے مدارج ترقی کی سب سے آخری منزل ہے۔ اور اس کی معرفت سے جو معرفت حاصل ہوتی ہے۔ وہ اس کی معرفت کا زینہ ہے۔ اور آخری منزل اللہ تعالیٰ کی معرفت ہے۔ اس لئے وہ اولیاء کے سیر و سلوک کے لحاظ سے آخر ہے اور موجودات کے وجود کے لحاظ سے ازل ہے۔ پس اوّل اس کی طرف سے آغاز ہے

اور آخر یاشی کی طرف انجام اور انتہا ہے۔

(۷۵) اَلظَّاهِرُ | (۷۶) اَلْبَاطِنُ

(آشکارا بلحاظ قدرت) (پوشیدہ بلحاظ ذات)

یہ دونوں وصف بھی اضافی ہیں کیونکہ ظاہر ایک شے کے لئے ظاہر اور دوسری شے کے لئے باطن ہوتا ہے۔ اور ایک ہی جہت سے ظاہر و باطن نہیں ہوتا۔ بلکہ ادراک کی طرف نسبت کرنے سے ایک جہت سے ظاہر اور دوسری جہت سے باطن ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ ظاہر و باطن ہونا ادراکات کی طرف نسبت کرنے سے ہوا کرتا ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کو اگر حواس کے ادراک سے طلب کیا جائے۔ تو وہ باطن ہے۔ اور اگر عقل سے بطریق استدلال معلوم کرنے کی کوشش کی جائے۔ تو وہ ظاہر ہے۔

سوال۔ اللہ تعالےٰ کا ادراک حواس کی نسبت سے باطن ہونا تو ظاہر ہے لیکن عقل کی جہت سے ظاہر ہونا ذرا باریک بات ہے۔ کیونکہ ظاہر تو وہ بات ہوتی ہے جس کے ادراک میں لوگ اختلاف نہ کرتے ہوں۔ بخلاف اس کے خدا کی ذات کو معلوم کرنے میں بہت سے لوگ شک میں گرفتار ہیں۔ پس اس کو کیونکر ظاہر کہا جا سکتا ہے۔

جواب۔ اللہ تعالےٰ کا مخفی ہونا اس کے شدت کے ظہور کے باعث ہے۔ اس کا ظہور اس کے باطن ہونے کا موجب ہے۔ گویا اس کا نور ہی اس کے نور کا حجاب ہے۔ شاید تم اس کلام سے تعجب ظاہر کرو۔ لہٰذا ہم ایک مثال سے تم کو سمجھاتے ہیں۔ دیکھو اگر تم کسی حرف پر نظر ڈالو جو کسی کاتب نے لکھا ہو۔ تو اس سے تم کو ایک ایسے کاتب کے وجود کا پتہ ملیگا جو عالم۔ قادر۔ سمیع اور بصیر ہے۔ اور اس سے تم کو کاتب کی ان صفات کا یقین کامل ہو جائیگا۔ اور جس طرح اس ایک حرف نے کاتب کے اوصاف کی فیصلہ کن شہادت دی ہے۔ اسی طرح آسمان و زمین کی ہر چیز ستارے۔ حیوان۔ جماد۔ جوہر اور عرض اور صفت و موصوف وغیرہ ہے۔ وہ تو دیکھو اپنے ایک ایسے مدبر کا پتہ دے رہی ہے جس نے اس کا اہتمام کیا ہے اور اس کو خاص اندازے پر اور خاص صفات کے ساتھ بنایا ہے۔ بلکہ انسان اپنے جس عضو اور جس ظاہر یا باطن جزو پر نظر کرے وہ تمہارے لئے ایسی ہی صفات کی

کو دیکھتا ہے۔ وہ چلا چلا کر اپنے خالق۔ اپنے مالک۔ مختار اور اپنے مدبر کا پتہ بتا رہی ہے اسی
طرح ہر چیز اس کی شہادت دیتی ہے جس کو انسان اپنی ذات سے ظاہر دیکھتا ہے۔ اگرچہ
ان اشیا کی شہادتوں میں اختلاف ہو۔ بعض شہادتیں مبہم ہوں اور بعض روشن ہوں
تاہم سب کو ان شہادتوں سے یقین کامل ہو سکتا ہے لیکن چونکہ یہ شہادتیں بکثرت ہیں جن
کی کوئی انتہا نہیں۔ اس لئے وہ امر شدت ظہور کے باعث مخفی اور باریک بن گیا ہے جس کی
مثال یہ ہے کہ جو اشیا حس کے ذریعے محسوس کی جاتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ ظاہر وہ
چیزیں ہیں جو آنکھ سے محسوس ہوں۔ اور آنکھ کی محسوسات میں سے بھی زیادہ روشن اور ظاہر سورج
کا نور ہے۔ جو تمام اشیا پر منعکس ہو کر ان کو روشن کر رہا ہے۔ اور جو شے دوسری اشیا کو ظاہر
کر رہی ہے وہ خود کیوں نہ روشن ہو گی۔ مگر اس کا روشن ہونا بہت سے لوگوں پر مخفی ہے
حتیٰ کہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ رنگدار اشیا میں صرف سرخ و سیاہ رنگ ہے اور کچھ
نہیں۔ وہ اس بات کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے کہ رنگ کے ساتھ روشنی اور نور بھی شامل ہے اور
یہ لوگ رنگین اشیا کے ساتھ روشنی کا قیام ہونا اس وقت تسلیم کرتے ہیں۔ جب ان کو سایہ اور
اندھیرے میں اور روشنی میں اشیا کی مختلف حالتوں کا فرق دکھا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ رات کے
وقت جب سورج چھپ جاتا ہے اور اس کی روشنی رنگین چیزوں سے منقطع ہو جاتی ہے
تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت ان چیزوں کی کیا صورت ہے اور دن میں کیا تھی۔ گویا
نور کی غیر موجودگی میں نور کے وجود کا پتہ لگتا ہے۔ اور نور کے وجود و عدم میں صاف فرق معلوم
ہو جاتا ہے +

فرض کرو کہ ایک شخص سورج کی روشنی تمام اشیا کے عالم پر پڑتی دیکھتا ہے۔ اور
سورج اس کی زندگی کے اندر اندر کبھی غروب نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ کبھی اس کو یہ موقع نہیں ملا
کہ ان اشیا کو اندھیرے میں دیکھے۔ اور روشنی اور اندھیرے میں فرق کرے۔ اس شخص کے
لئے محال ہے کہ نور کو کوئی خاص چیز سمجھے۔ جو موجودہ اشیا کی رنگت سے زائد ہے۔
تمام اشیا سے زیادہ ظاہر وہی چیز ہے۔ بلکہ وہی تمام اشیا کو ظاہر کرتی ہے۔ اور اگر خدا کا معنی
عدم کے لئے اعاذ اللہ معدوم یا غائب ہونا فرض کیا جائے۔ تو آسمان و زمین اور ہر چیز
جس سے وہ بے تعلق ہے منعدم ہو جائیگی۔ اور پھر ان دونوں حالتوں کا فرق کچھ کچھ معلوم
ہو جائیگا۔ اور اس کا وجود قطعی طور پر معلوم ہو جائیگا۔ لیکن چونکہ تمام اشیا شہادت اور علامات

میں متعلق نہیں رہتا۔ اور جب ایک سری نظر سے ظہور تجلیاتِ ذات اظہار ہی میں ، اس لئے وہ تمام نگاہوں سے مخفی ہے ۔

قرآن مجید میں آیاتِ پاک کے جھلکنے نور ہی کے باعث مخلوق کی نظر دل سے نہاں ہے اور اپنے شدتِ ظہور کے سبب سے مخفی ہے۔ وہ ایسا ظاہر ہے جس سے بڑھ کر کوئی شے ظاہر نہیں۔ وہ ایسا باطن ہے جس سے زیادہ کوئی چیز باطن نہیں ہو سکتی ۔

تنبیہ۔ اوپر کی باتوں سے اگر خدا کی صفات کے متعلق تعجب میں پیدا ہو جاتا ہے کیونکہ خود انسان جس امر کی بدولت انسان کہلاتا ہے۔ وہ ظاہر بھی ہے باطن بھی۔ اگر اس کو اس کے مناسب صورت افعال کے ذریعے سے سمجھا جائے۔ تو وہ ظاہر ہے۔ اور اگر حس کے ادراک کے ذریعے سے طلب کیا جائے۔ تو وہ باطن ہے۔ کیونکہ حس صرف اس کے ظاہری بشرہ کو محسوس کر سکتی ہے۔ اور انسان صرف ظاہری بشرہ سے انسان نہیں کہلاتا۔ بلکہ اگر یہ بشرہ بلکہ اس کے تمام اجزا بدل جائیں۔ تو بھی وہ وہی انسان رہیگا۔ جو پہلے تھا۔ اور تعجب نہیں کہ انسان کے بدنی اجزا بچپن میں اور ہوتے ہوں۔ اور پھر بڑھاپے میں اور ہوتے ہوں۔ کیونکہ وہ طول زمانہ سے گھستے گھٹتے جاتے ہیں۔ اور ان کی بجائے نئے اجزا بذریعہ غذا کے پیدا کئے جاتے ہیں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ تاہم انسان کی سابقہ ہویت نہیں بدلتی۔ پس یہ ہویت حواس سے باطن ہے اور عقل کے لئے ظاہر ہے۔ جو اس کو اس کے آثار و افعال سے سمجھ لیتی ہے ۔

(۷۸) اَلْبَرُّ

(اپنے لطف سے بندوں کے ساتھ نیکی کرنیوالا)

بَرّ کے معنے محسن۔ اور بر مطلق وہی ہے جس کی طرف سے تمام نیکیاں اور احسانات ظہور میں آتے ہیں۔ اور بندہ اسی قدر بر ہے جس قدر کہ نیکی کرتا ہے خصوصاً اپنے والدین اُستاد اور اپنے شیخ کے ساتھ ۔

روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار سے بات چیت کی تو انہوں نے پایۂ عرش کے سامنے ایک شخص کو کھڑے ہوئے پایا۔ موسیٰ علیہ السلام اس شخص کی بلندی منزلت سے متعجب ہوئے۔ اور عرض کیا الٰہی! یہ بندہ کونسے عمل کی

بدولت اس وجہ تک ترقی کر گیا۔ فرمایا یہ شخص میرے کسی بیٹے کے حق میں میری دی ہوئی نعمتوں پر حسد نہیں کرتا تھا۔ اور اپنے ماں باپ کے ساتھ نیکی کرتا تھا۔

یہ تو بندے کی نیکی کی تفصیل ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنی مخلوق کے ساتھ جو احسان بے پایاں کرتا ہے۔ اس کی تفصیل کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ اگر غور کرو تو ہمارے بعض گذشتہ بیانات میں اس کے متعلق اشارات پاؤ گے۔

(۷۸) اَلتَّوَّابُ

(گناہ گاروں کی توبہ قبول کرنے والا)

تَوَّاب وہ ہے، جو بندوں کے لئے ایسے اسباب مہیا کرتا ہے کہ وہ اُنکی نشانیاں دیکھ کر بار بار اس کی طرف رجوع اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اور جو ان کو طرح طرح کی تنبیہات سے خبردار کرتا۔ اور ڈرا دھمکا کر اپنے عذاب سے بچاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کو پہچان کر اپنی تقصیرات اور گناہوں کا احساس کرتے ہیں۔ تو دل میں اُس سے خوف کھاتے ہیں۔ اور توبہ کرنے لگتے ہیں۔ اور خدا اپنے فضل سے ان کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔

تنبیہ۔ جو حاکم اپنی مجرم رعایا کی درخواست رحم کو منظور کرتا ہے۔ اور جو دوست اپنے خطاکار رفیق کا عذر قبول کرتا ہے۔ وہ اس اسم سے بہرہ یاب ہے۔

(۷۹) اَلْمُنْتَقِمُ

(نافرمانوں سے بدلہ لینے والا)

مُنْتَقِم وہ ہے جو سرکشوں کی کمر میں توڑتا اور باغیوں کو عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ اور اس کی یہ صفت کچھ مہلت کے بعد ظاہر ہوتی ہے۔ جب وہ اتمام حجت کر چکتا ہے اور نافرمانوں کو باز آنے کے لئے مہلت قدرت دے چکتا ہے۔ ایسا انتقام فوری عذاب کی نسبت زیادہ سخت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر فی الفور عذاب نازل کیا جائے۔ تو نافرمان پورے طور پر گناہ میں غرق نہ ہوگا۔ اور اس لئے وہ انتہائی عذاب کا مستوجب قرار نہ پائیگا۔

تنبیہ۔ بندہ کا پسندیدہ انتقام یہ ہے کہ اللہ کے دشمنوں سے انتقام لے اور تمام دشمنوں میں سے زیادہ سخت دشمن نفس ہے۔ جب وہ کسی گناہ کے قریب جائے

یا کسی عبادت کے کام میں سستی کرے تو اس کو عقوبت دیتا ہے۔ جیسے کہ ابو یزید سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ:

ایک رات میرے نفس نے بعض ذکروں اور اوراد و وظائف میں سستی کی تو میں نے اس کو یہ سزا دی کہ سال بھر اس کو پانی نہ پینے دیا۔[1]

(۸۰) اَلْعَفُوُّ

(بخشنے والا)

عَفُوٌّ وہ ہے جو گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور تقصیرات سے درگذر کرتا ہے۔ اور غفور کے قریب ہے لیکن عفو میں زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ غفران میں پردہ ڈالنے کے معنے شامل ہیں اور عفو میں مٹا دینے کے معنے داخل ہیں اور مٹا دینا پردہ ڈالنے کی بہ نسبت ابلغ ہے۔

تنبیہ۔ اس اسم سے بندہ کا حصہ مخفی نہیں ہے اور وہ یہ کہ جو شخص اس پر ظلم کرے وہ اس کو معاف کرے بلکہ اس کے ساتھ احسان کرے جس طرح اللہ تعالیٰ دنیا میں سرکشوں اور کافروں کے ساتھ احسان کرتا ہے اور ان پر فی الفور عذاب نازل نہیں کرتا۔ بلکہ کبھی ان کو توبہ پر لگا دیتا ہے۔ اور جب وہ لوگ توبہ کر لیتے ہیں تو ان کے گناہ مٹا دیتا ہے کیونکہ اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے کہ اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔ اور گناہ معاف کرنے کا یہ انتہائی درجہ ہے۔

(۸۱) اَلرَّءُوْفُ

(بہت شفقت کرنے والا)

رَءُوْفٌ کے معنے صاحب رافت۔ اور رافت سخت رحمت کو کہتے ہیں۔ پس وہ رحیم کا ہم معنے ہے۔ مگر اس میں کسی قدر مبالغہ زیادہ ہے۔ اور رحیم کا ذکر گذر چکا۔

[1] غالباً مطلب یہ ہے کہ طعام کے بعد معمولی جو گھونٹ پانی پینے کے علاوہ دوسرے وقتوں میں پانی نہ پیتے تھے۔ اور صحت کی حالت میں جیتے رہتے تھے ۱۲ مترجم

(۸۲) مَالِكُ الْمُلْكِ

(مُلک کا مالک)

مَالِكُ الْمُلْكِ وہ ہے، جو اپنے ملک میں جس طرح چاہتا ہے حکم جاری کرتا ہے، جسے چاہتا ہے جلاتا ہے۔ جسے چاہتا ہے مارتا ہے۔

اس اسم میں مُلک کے معنے مملکت کے ہیں۔ اور مالک کے معنے پوری قدرت والا۔ اور تمام موجودات ایک مملکت ہیں جن کا وہ مالک اور سب پر قادر ہے۔ موجودات سب کی سب ایک مملکت ہے کیونکہ وہ ایک دوسری کے ساتھ پیوستہ ہیں۔ گو ایک جہت سے وہ اشیاء بکثرت ہیں مگر دوسری جہت سے ان میں وحدت پائی جاتی ہے اور اس کی مثال بدن انسانی ہے۔ جو انسان کی ایک مملکت ہے اور اس میں بہت سے مختلف اعضاء پائے جاتے ہیں لیکن وہ سب کے سب مرتب اپنے ایک مدبر کی غرض پوری کرنے میں ایک دوسرے کی مدد و اعانت میں مصروف ہیں۔ لہٰذا ان سب کا مجموعہ گویا ایک مملکت ہے اسی طرح تمام عالم گویا ایک ہی وجود ہے۔ اور عالم کے اجزاء اس کے اعضاء ہیں۔ جو ایک ہی مقصود پر ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ جود الٰہی کے موافق جس خیر کا حاصل ہونا ممکن ہو وہ حاصل ہو جائے۔ اور وہ ایک ہی مملکت اس لئے ہے کہ اس کے تمام کاروبار ایک ہی نظم و نسق کے سلسلے میں مرتبط رہیں۔ اور صرف اللہ اس مملکت کا مالک ہے۔ اور ہر چند وہ کل مملکت اس کا وجود ہے۔ اور چونکہ صفات غلب اور رواج میں اس کا حکم جاری رہتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی قدرت حاصلہ کے موافق اس اپنی مملکت کا مالک ہے۔

(۸۳) ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ

(بزرگی اور عزت والا)

یہ وہ ذات ہے۔ جو تمام جلال و کمال کی واحد سزاوار ہو۔ اور تمام کرامت و عزت اسی سے صادر ہو۔ پس وہ جلال کی سزاوار اس کی ذات ہے۔ اور کرامت اس کی طرف سے خلقت کو پہنچتی ہے خلقت کے حق میں اس کی جو کرامت ہے۔ وہ شمار نہیں کی جا سکتی۔ اس کا یہ ارشاد اس کرامت پر دلالت کرتا ہے۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ یعنی اور ہم نے

بنی آدم کو معزز کیا ۔

(۸۴) اَلْوَالِیُ

(تمام امور کا متولی)

یہ وہ ہے جو تمام خلقت کے ہر قسم کے امور کا مدبر اور متولی ہے ۔ اور ولایت تدبیر اور قدرت اور فعل چاہتی ہے ۔ اور جب تک اس کے لئے یہ تمام اوصاف جمع نہ ہوں ۔ اس پر اسم والی صادق نہیں آ سکتا ۔ اور تمام امور کا والی خاص اللہ تعالیٰ ہے ۔ کیونکہ پہلے وہ اکیلا تدبیر کرتا ہے ۔ اور پھر اکیلا ہی اس تدبیر کو جاری کرتا ہے ۔ اس کے بعد خود ہی اس کو جاری رکھتا ہے ۔

(۸۵) اَلْمُتَعَالِیُ

(مخلوقات کی صفات سے منزہ)

یہ اسم علی کا ہم معنے ہے ۔ مگر اس میں اس سے کسی قدر مبالغہ شامل ہے ۔

(۸۶) اَلْمُقْسِطُ

(عادل و منصف)

مُقْسِطُ وہ ہے جو مظلوم کو ظالم سے داد دلاتا ہے ۔ اور اس کا کمال یہ ہے کہ مظلوم کی خوشنودی کے ساتھ ظالم کی خوشنودی بھی شامل کر دے ۔ اور یہ اعلیٰ درجہ کمال انصاف ہے ۔ جس پر خدا کے سوا اور کوئی قادر نہیں ۔ مثال اس کی یہ روایت ہے کہ :۔

ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھے بیٹھے ہنس پڑے ۔ یہاں تک کہ آپ کے سامنے کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے ۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں ۔ آپ کس بات سے ہنسے ۔ فرمایا میری امت میں سے دو آدمی خدا کے سامنے دو زانو بیٹھے ہوں گے ۔ ایک کہے گا یا رب اس شخص سے میرا بدلہ دلا دیجئے ۔ اللہ دوسرے کو فرمائے گا ۔ اپنے بھائی کو بدلہ دے ۔ وہ عرض کرے گا ۔ اے رب العزت ! میری کوئی بھی نیکی نہ رہی ۔ خدا مدعی کو فرمائے گا ۔ اب تو اپنے بھائی کے ساتھ

کیا سلوک کرنا چاہتا ہے۔ اب تو اس کے پاس کوئی بھی نیکی نہ تھی۔ وہ عرض کریگا۔ اب میرے
گناہ اس پر لاد دئے ◆

اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آب دیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ یہ دن
بڑا خطرناک ہوگا جب کہ لوگ یہی چاہتے ہونگے کہ کوئی ان کے گناہ اٹھالے ◆

آپ نے فرمایا، پھر خدا کہیگا، جنت کی طرف دیکھ۔ اپنی نظر اٹھا کر دیکھ۔ وہ کہیگا۔ اے میرے پروردگار
میں چاندی کے شہر اور سونے کی عمارتیں دیکھ رہا ہوں، جن پر موتیوں کے ہار جڑے ہیں۔
یہ کس نبی یا کس ولی یا کس شہید کے لئے ہے۔ اللہ فرمائیگا جو اس کی قیمت ادا کرے۔ وہ
عرض کریگا۔ اے پروردگار! اتنی قیمت کس کے پاس ہوگی۔ اللہ فرمائیگا۔ تیرے پاس ہے
وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار! میں کس چیز کے عوض میں اس کو خرید سکتا ہوں۔ اللہ فرمائیگا۔
اپنے بھائی کو عفو کرنے کے عوض میں۔ وہ عرض کریگا۔ اے پروردگار! میں نے معاف کیا۔
اللہ کہیگا! اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑ اور اس کو جنت میں لیجا ◆

پھر حضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا، خدا سے ڈرو، اور اپنے باہمی تعلقات
کی اصلاح کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز مومنوں کے درمیان صلح کرا دیگا۔ عدل
و انصاف کا اصلی راستہ یہی ہے جس پر رب الارباب کے سوا کوئی قادر نہیں ◆

اس اسم میں سے بندہ کا حصہ یہ ہے کہ پہلے اپنے نفس سے انصاف دلائے
پھر کسی دوسرے شخص سے کسی اور شخص کو انصاف دلائے۔ اور اپنے نفس کو کسی ذات سے
انصاف نہ دلائے ◆

(۸۷) اَلْجَامِعُ

(تمام مخلوقات کو جمع کرنیوالا)

جَامِع وہ ہے جو ملتی جلتی چیزوں، جدا جدا چیزوں۔ اور ایک دوسرے
کی مخالف چیزوں کو باہم ملائے ◆

ملتی جلتی چیزوں کو جمع کرنے کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے انسان
زمین پر جمع کئے ہیں۔ اور پھر سب کو حشر کے میدان میں جمع کریگا ◆

جدا جدا چیزوں کو جمع کرنے کی مثال جیسے کہ اس نے آسمانوں، ستاروں، ہوا، زمین

دریا، حیوانات، نباتات اور مختلف معادن کو جمع کیا ہے۔ اور یہ تمام اشیا شکل میں، رنگ میں، ذائقہ میں اور دیگر تمام اوصاف میں ایک دوسرے سے متباین ہیں۔ اسی طرح اس نے ہڈی، پٹھے، رگ، گوشت، مغز، جلد، خون اور تمام اخلاط کو حیوان کے بدن میں جمع کیا ہے یہ چیزیں بھی سب کی سب باہم متباین ہیں۔

ایک دوسری کے مخالف اشیا کو باہم ملانے کی مثال جیسے اس نے حرارت، برودت، رطوبت اور یبوست کو حیوانات کے مزاج میں جمع کیا ہے۔ حالانکہ یہ اشیا باہم متنافر اور ایک دوسری پر غلبہ کرنے والی ہیں۔ اور جمع کرنے کی صورتوں میں سے یہ سب سے عجیب تر ہے۔ خدا کے جمع کرنے کی تفصیل وہی شخص معلوم کر سکتا ہے جو اس کی پیدا کردہ اشیا کی تفصیل جانتا ہو۔ اور اس بات کی شرح طویل ہے۔

تنبیہ۔ بندوں میں سے جامع وہ ہے، جو نشست و برخاست وغیرہ کے ظاہری آداب کے ساتھ قلب کے باطنی حقائق کو جمع کرے۔ پس جس شخص کی معرفت کامل اور سیرت پسندیدہ ہو، وہ جامع ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ کامل وہ ہے جس کا نورِ معرفت اس کے تقوے کے نور کو بجھا نہ دے۔

صبر اور بصیرت کو جمع کرنا تقریباً محال ہے۔ اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ جس شخص کو زہد و تقوے پر صبر حاصل ہے۔ اس میں باطنی روشنی نہیں ہے۔ اور جس میں باطنی روشنی ہے اس میں صبر نہیں۔ جامع وہ ہے جو اپنے آپ میں صبر اور بصیرت دونوں جمع کر لے۔

(۸۸) اَلْغَنِیُّ
(بے پرواہ)

(۸۹) اَلْمُغْنِیُّ
(لوگوں کو بے پرواہ کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو اپنی ذات و صفات میں کسی غیر سے تعلق نہیں ہے۔ بلکہ اغیار کے ساتھ تعلق رکھنے سے وہ پاک ہے۔ پس جس شے کی ذات یا صفات کسی ایسے امر سے متعلق ہوں جو اس کی ذات سے خارج ہو۔ اس شے کا وجود یا کمال اس خارجی امر پر موقوف ہے۔ پس وہ محتاج اور فقیر ہے جس کو طلب و کسب کی ضرورت ہے۔ ایسی بے تعلقی اللہ تعالےٰ کے سوا اور کسی کے لئے ممکن نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ ہی مُغنی بھی ہے۔ یعنی غنی بھی کر دیتا ہے۔ مگر جس کو وہ غنی بناتا ہے۔ مگر مخلوق کا غنی بن جانا متصور نہیں

ہو سکتا۔ مگر اگر وہ مُغنی کا محتاج ہوا۔ پس غنی مطلق کہاں ہوا۔ بلکہ غیر اللہ سے بھی
مستغنی ہوتا ہے تو اس لحاظ سے کہ اس کی تمام ضروریات مہیا کر دیتا ہے۔ نہ ایں معنے
کہ اس کو کوئی حاجت ہی نہیں رہتی۔ اور غنی حقیقی تو وہ ہوتا ہے جس کو کسی کی حاجت قطعاً
نہیں ہوتی۔ اور جو شے محتاج ہے۔ اور اپنی حاجت کی چیزیں حاصل کر رہی ہے وہ مجازاً
غنی ہے۔ غیر اللہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ جو صورت تسلیم کی جا سکتی ہے۔ وہ صرف
یہی ہے تاہم جب اس کو خدا کے سوا اور کسی کی حاجت نہیں رہتی تو اس کو غنی کہا
جاتا ہے۔ اگر یہ ہو سکتا کہ اصل حاجت بھی اس کے ساتھ متعلق نہ رہے۔ تو خدا کا یہ فرمان
معاذ اللہ صحیح نہ ہوتا کہ اَللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ یعنی اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو
اور اگر یہ تصور کرنا صحیح نہ ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام اشیاء سے مستغنی ہو سکتے ہیں۔
تو خدا کے لیے مُغنی کا وصف معاذ اللہ درست نہ ہوتا۔

(۹۰) اَلْمَانِعُ

(اپنے دوستوں کو تکلیف سے روکنے والا)

مانع وہ ہے۔ جو مخلوق کے خاص خاص اسباب مہیا کر کے ادیان اور ابدان
سے نقصان اور ہلاکت کے اسباب دور کرتا ہے۔ اور حفیظ کے معنے بیان ہو چکے۔
حفظ کے لئے منع اور دفع ضروری ہے۔ پس جو شخص حفیظ کے معنے سمجھتا ہے
وہ مانع کے معنے بھی سمجھ سکتا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ منع سبب ہلاک کی طرف نسبت
کرنے سے مستفاد ہے۔ اور حفظ اس چیز کی طرف نسبت کرنے سے جو ہلاک سے
محفوظ ہے۔ اور وہ منع سے مقصود ہے۔

خلاصہ یہ کہ چونکہ منع کا فعل حفظ کے لئے کیا جاتا ہے اور حفظ کا فعل منع
کے لئے نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا ہر حافظ دافع اور مانع ہے۔ لیکن ہر مانع کا حافظ ہونا ضروری
نہیں۔ مگر اس وقت جب کہ وہ تمام اسباب ہلاک و نقص کا مانع مطلق ہو جس سے
حفظ کا حاصل ہونا لازمی ہو جاتا ہے۔

(۹۱) اَلضَّارُّ

(ضرر و شر کا خالق)

(۹۲) اَلنَّافِعُ

(نفع وغیرہ کا پیدا کرنیوالا)

یہ وہ ہے جس سے خیر و شر اور نفع و ضرر صادر ہوتے ہیں۔ اور یہ تمام امور اسی کی طرف منسوب ہیں۔ یا تو وہ ان امور کا اجرا ملائکہ، انسان اور جمادات کے ذریعے سے کرتا ہے۔ یا بلا واسطہ خود کرتا ہے۔ پس یہ نہ سمجھنا کہ زہر خود بخود مار ڈالتا ہے۔ اور طعام خود بخود سیر کر دیتا ہے۔ اور دیکھ بھال کرتا ہے فرشتے۔ انسان، شیطان یا کوئی اور مخلوق۔ مثلاً فلک۔ ستارہ یا دوسری چیز خود بخود نفع یا نقصان پہنچا سکتی ہے۔ بلکہ یہ تمام اشیاء اسباب مسخر ہیں جو صرف وہی کام کر سکتے ہیں۔ جن پر وہ مامور ہیں۔ اور یہ تمام امور قدرت ازلیہ کے تعلق سے ہیں۔ جیسے عام لوگوں کے اعتقاد میں قلم کاتب کے ساتھ تعلق رکھنے کی حیثیت سے ہے۔ مثلاً سلطان جب کسی انعام یا سزا کے حکم نامہ پر دستخط کرتا ہے۔ تو اس کا ضرر یا نفع قلم کی طرف سے نہیں سمجھا جاتا۔ بلکہ ان لوگوں کی طرف سے سمجھا جاتا ہے جن کے قبضے میں قلم ہے۔ اسی طرح تمام وسائط و اسباب کا حال ہے۔ ہم نے عام لوگوں کے خیال میں اس لئے کہا کہ جاہل آدمی ہی قلم کو کاتب کا مسخر سمجھتا ہے۔ اور عارف جانتا ہے کہ قلم خدا کا مسخر ہے جس کی تسخیر میں خود کاتب بھی ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے کاتب کو پیدا کیا اور اس کو لکھنے کی قدرت دی۔ اور ساتھ ہی اس کے دل میں لکھنے کی ایسی پکی خواہش بھی ڈال دی جس میں کوئی تردد نہیں۔ تو خواہ مخواہ اس کی انگلیوں اور قلم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ اس کے خلاف ہرگز نہیں کر سکتا۔ پس درحقیقت کاتب خدا ہے۔ جو انسان کے قلم اور اس کے ہاتھ کے ذریعے لکھتا ہے۔ جب تم انسان کے متعلق یہ بات سمجھ چکے۔ تو جمادات کے متعلق خود بخود سمجھ سکتے ہو۔

(۹۳) اَلنُّوْرُ

(روشن کرنے والا)

یہ وہ ذات ظاہر ہے جس سے تمام اشیاء کا ظہور ہے۔ کیونکہ جو چیز بذاتہٖ خود ظاہر ہو۔ اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرنے والی ہو۔ اس کا نام نور ہے۔ اور جب عدم کا مقابلہ

عدم سے کیا جائے۔ تو یقیناً وجود ہی میں پورا ظہور پایا جائیگا۔ اور عدم سے بڑھکر کوئی اندھیرا نہیں ہوسکتا۔ پس جو عدم کی تاریکی سے بلکہ عدم کے امکان سے بھی بری ہے اور تمام اشیاء کو عدم کی تاریکی سے نکالکر وجود کی روشنی میں لاتا ہے۔ وہ سب سے زیادہ نور کہلانیکا مستحق ہے۔

وجود ایک نور ہے۔ جو اس کی ذات کے نور سے تمام اشیاء کو حاصل ہے پس وہ آسمان و زمین کا نور ہے[1]۔ اور جیسے زمین کا ذرہ ذرہ سورج کے وجود پر دال ہے اسی طرح آسمان و زمین کی موجودات میں سے ذرہ ذرہ اپنے وجود کے جواز سے اپنے موجد کے وجود کے وجوب پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ ہم اسم ظاہر کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔ اس سے نور کے معنے بخوبی سمجھ میں آسکتے ہیں۔ اور اس کے معنوں کے بیان میں جو فضول موشگافیاں کی گئی ہیں۔ پھر ان کی ضرورت نہ رہیگی۔

(۹۴) اَلْهَادِیْ

(ہدایت کرنے والا)

هَادِیْ وہ ہے۔ جو اپنے خاص خاص بندوں کو اپنی ذات کی شناخت کا راستہ بتاتا ہے۔ حتٰے کہ وہ اس کی ذات سے اشیاء پر دلیل قائم کرتے ہیں۔ اور عام بندوں کو مخلوقات کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ حتٰے کہ وہ مخلوقات سے اس کی ذات پر دلیل ٹھیراتے ہیں۔ اور ہر مخلوق کو اپنی ضروری حاجتوں کے پوری کرنے کی سمجھ دیتا ہے چنانچہ بچے کو پیدا ہوتے ہی پستان کو منہ میں لینے کا ڈھنگ بتا دیتا ہے۔ اور پھر چوزے کو اس کے انڈے سے نکلتے ہی دانہ چگنے کا طریقہ سکھا دیتا ہے۔ شہد کی مکھی کو ایسے مسدس خانوں کے گھر بنانے کا طریقہ سکھاتا ہے جو اس کے جسم کے اس طرح سما جانے کے لئے کہ اور گرد کچھ خالی جگہ نہ رہے تمام صورتوں سے زیادہ مناسب ہے۔ یہ تفصیل بڑی لمبی ہے۔ خدا کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے اَلَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى یعنی وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کی بناوٹ عطا فرمائی پھر اس کو راہ دکھائی۔ اور

[1] چنانچہ فرمایا ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی اللہ آسمان و زمین کا نور ہے ۱۲ مترجم

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی یعنی اور جس نے ہر چیز کا اندازہ کیا پھر ہدایت کی ۔

بندوں میں ھادی وہ انبیاء اولیاء ہیں جو مخلوقات کو سعادت اخرویہ کی طرف لے جاتے ہیں۔ اور صراط مستقیم پر چلاتے ہیں۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ ان کی زبانی ہدایت کرتا ہے۔ اور وہ اس کی قدرت و تدبیر کی تحت میں کام کرتے ہیں ۔

(۹۵) اَلْبَدِیْعُ

(موجد)

بدیع وہ ہے جس کی کوئی مثال نہ گذری ہو۔ پس اگر ذات صفات افعال میں وہ اس کے متعلقہ امور میں اس کی کوئی مثل نہ گذری ہو۔ تو وہ بدیع مطلق ہے اور اگر کوئی اس قسم کی شے گذر چکی ہو۔ تو وہ بدیع مطلق نہیں رہیگا۔ یہ اسم مطلقاً خدا سے خاص ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ قبل (پہلے) کا معنے کوئی بھی نسبت نہیں رکھتا پس کوئی اس جیسی شے اس سے پہلے کیونکر ہو سکتی ہے۔ اور اس کے بعد جو چیز موجود ہوئی ہے۔ وہ اس کی ایجاد سے بنی ہے۔ اور وہ اپنے موجد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ پس وہ ازلاً ابداً بدیع ہے ۔

بندوں میں سے جو شخص نبوت۔ یا ولایت یا علم میں ایسی فوقیت حاصل کرے کہ اس کی نظیر سابق میں نہ گذری ہو۔ یا اس کے زمانہ میں کوئی اس کی نظیر موجود نہ ہو۔ تو اپنے مخصوص اوصاف میں خاص زمانہ کا بدیع ہے ۔

(۹۶) اَلْبَاقِیْ

(باقی رہنے والا)

یہ وہ موجود ہے جو لذاتہٖ واجب الوجود ہے لیکن جب اس کو ذہن میں زمانہ مستقبل کی طرف منسوب کیا جائے۔ تو وہ باقی کہلائیگا۔ اور جب زمانہ ماضی سے نسبت دیجائے۔ تو اس کو قدیم کہا جائیگا ۔

باقی مطلق وہ ہے جس کے وجود کی انتہا زمانہ مستقبل میں کسی آخری حد تک منتہی نہ ہو۔ جس کے لئے یہ الفاظ تعبیر کئے گئے ہیں کہ وہ ابدی ہے۔ اور قدیم مطلق وہ ہے ۔

جس کے زمانہ میں وجود کی درازی کا ماضی میں کوئی آغاز نہیں۔ تو اس کے لئے یہ لفظ مقرر کیا گیا کہ وہ ازل ہے ◆

جب تم تسلیم کر چکے ہو کہ وہ لذاتہ واجب الوجود ہے۔ تو یہ تمام معنے اس کی جانب ہیں۔ یہ سارا جو مقرر کئے گئے ہیں۔ تو ذہن میں یہ بات جو اس کو ماضی و مستقبل کی طرف منسوب کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ماضی و مستقبل کے مفہوم میں تغیرات کا معنے شامل ہے اس لئے کہ وہ دونوں زمانے ہیں۔ اور زمانہ میں حرکت و تغیر ہی داخل ہیں۔ کیونکہ حرکت بنفسہا ماضی اور مستقبل کی طرف ہے۔ اور متغیر تغیر کے واسطے سے زمانہ میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن ذات تغیر اور حرکت سے پاک تر ہے۔ وہ زمانہ میں ست نہیں ہے۔ اور نہ اس میں ماضی و استقبال ہے۔ یہ امور تو ہمارے ہی لئے ہیں۔ ہمیں پر زمانہ گذرتا ہے۔ اب کچھ اور حالت ہے جو کچھ گذر ہوگی۔ اس کے بعد کچھ اور ہو جائیگی۔ یہاں تک کہ جو حالت گذر چکی ہے وہ ماضی۔ جو موجود ہے وہ حال۔ اور جو آنے والی ہے مستقبل کہلاتی ہے۔ اور جہاں ذات ازلی ہے نہ انجام والی نہ اس ہی نہیں۔ اور کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالٰے ہی نے تو زمانہ کو پیدا کیا ہے۔ پس وہ زمانہ سے پیشتر ہے۔ اور زمانہ کے بعد بھی ہمیشہ رہیگا ◆

کسی کا یہ خیال بالکل دور از عقل ہے کہ بقا کی صفت باقی کی ذات سے زائد ہو اور اس سے بھی زیادہ بعید خیال یہ ہے کہ قدامت کی صفت قدیم کی ذات سے زائد ہو ان خیالوں کی بیہودگی اس سے ظاہر ہے کہ اس بنا پر بقا کی بقا اور صفات کی بقا اور قدامت کی قدامت اور صفات کی قدامت کا خبط لازم آتا ہے ◆

(۹۷) اَلْوَارِثُ

(خلقت کے پیچھے باقی رہنے)

وارث وہ ہے جو مالکوں کے فنا ہونے کے بعد املاک کا مالک رہ جاتا ہے اور وہ اللہ تعالےٰ ہے۔ جو خلقت کے فنا ہو جانے کے بعد باقی رہتا ہے۔ اور آخر ہر شے کا مرجع وہی ہے۔ اس وقت وہ یوں فرمائیگا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ آج کس کی بادشاہی ہے۔ پھر خود ہی یوں جواب دیگا۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اللہ واحد و قہار کی بادشاہی ہے۔ یہ بات اس لحاظ سے اکثر لوگوں کے گمان کو دور کرنے کی غرض سے کی جائیگی۔ جو خود

بادشاہ اور صاحب ملک ہونے کا گھمنڈ رکھتے ہیں۔ اس وقت اصل معاملہ ان پر ظاہر ہو جائے گا
لیکن وہ لوگ صاحب بصیرت ہیں۔ وہ ہمیشہ سے خود بخود اس ندا کا مضمون سمجھے ہوئے ہیں۔ بلکہ
یہی ندا بلا حرف و آواز ہر وقت سنتے رہتے ہیں اور دل سے یقین رکھتے ہیں کہ ہر وقت اور ہر
میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہی ہے۔ اسی لئے وہ ازلی و ابدی ہے۔ اس بات کو وہی
شخص سمجھ سکتا ہے جو توحید فی الفعل کی حقیقت جانتا ہے۔ اور یہ بھی سمجھتا ہے کہ زمین و
آسمان کی قلمرو میں فاعل اصلی وہی واحد یکتا ہے۔

اس بات کو ہم نے احیاء العلوم کے باب توکل کے آغاز میں بیان کیا ہے۔
شوق ہو تو اس میں مطالعہ کرو کیونکہ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ہے۔

(۹۸) اَلرَّشِیْدُ

(صاحب رشد)

یہ وہ ذات پاک ہے جس کی تدبیریں ٹھیک ٹھیک اپنے مقاصد پر فائز ہوں بلا
اس کے کہ کوئی صلاح کار ان کی اعانت کرے۔ یا کوئی رہنما ان کو راہ پر قائم رکھے۔ اور وہ
اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر بندے کو جتنی جتنی دینی و دنیوی تدبیرات کی ہدایت
بخشی ہے۔ اتنی ہی تدبیرات کی ٹھیک راہ پر چلنے اور ان سے صحیح مقصد حاصل کرنے کی
توفیق بھی دی ہے۔

(۹۹) اَلصَّبُوْرُ

(بڑا صبر کرنے والا)

یہ وہ ہے جس کو کوئی تیزی اور تندی کسی کام کو جلد اور قبل از وقت کرنے پر
مجبور نہیں کرتی۔ بلکہ وہ تمام امور کو خاص اندازے پر قائم کر کے محدود معیاد پر چلاتا ہے۔
اور ان کو نہ کسی سست کاہل کی طرح مقررہ وقت سے پیچھے ڈالتا ہے۔ اور نہ کسی جلدباز
کی طرح قبل از وقت کرنے لگتا ہے۔ بلکہ وہ ہر کام کو اس کے مقررہ وقت پر مناسب طریقے
سے کرتا ہے۔ یہ تمام امور بلا کسی مخالف کی مخالفت کے انجام پاتے ہیں۔

بخلاف اس کے بندے کا صبر مخالف کے مقابلے سے خالی نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے

فصل اوّل

واضح ہو کہ مذکورہ اسما و صفات میں سے ہر اسم کے بعد تنبیہات لکھنے کا خیال مجھے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان دو قولوں کی بنا پر سوجھا:۔

(۱) تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی خدا کے اخلاق کی پیروی کرو۔

(۲) اِنَّ لِلّٰہِ تَعَالٰی کَذَا وَکَذَا خُلُقًا مَنْ تَخَلَّقَ بِوَاحِدٍ مِّنْہَا دَخَلَ الْجَنَّۃَ یعنی اللہ تعالیٰ کے فلاں فلاں اخلاق ہیں، جو شخص ان میں سے ایک خلق بھی پیدا کرلے، وہ جنت میں جائیگا۔

صوفیہ کے کلام کا ماحصل یہی ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں لیکن ان کا سیاق و سباق بھی اس قسم کا ہے جس سے حلول و اتحاد کا وہم پیدا ہوتا ہے۔ مگر عقلمند آدمی ایسا گمان بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ وہ حضرات جو مکاشفات کے فضائل سے ممتاز ہیں۔

میں نے شیخ ابو علی فارمدی سے سُنا ہے جو اپنے شیخ ابو القاسم کرکانی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے فرمایا کہ ننانوے نام بندہ سالک کے اوصاف بن سکتے ہیں۔

اگر اس سے کوئی ایسی صورت مراد ہے جو ہماری مذکورہ تنبیہات سے مناسبت رکھتی ہو، تو صحیح ہے۔ اور اس کے سوا اور کوئی صورت خیال میں نہیں آسکتی۔ اور یہ کہا جائے کہ مذکورہ الفاظ میں ایک قسم کا توسع اور استعارہ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ اسمائے حسنیٰ کے معانی باری تعالیٰ کی صفات ہیں۔ اور اس کی صفات کسی غیر کی صفت نہیں بن سکتیں۔

۱؎ صوفیہ میں سے جو حضرات وحدت الوجود کے قائل ہیں۔ ان پر بعض علمائے شریعت کی طرف سے یہ الزام لگایا گیا ہے کہ وہ خالق و مخلوق کو وجود میں متحد مانتے ہیں یا خالق کا مخلوق میں حلول تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ دونوں خیال کفر آمیز ہیں۔ مصنف اپنے خیال کی توضیح میں کہتے ہیں کہ اتحاد و حلول کا گمان بالکل بیہودہ ہے۔ مگر ہم یہ خیال رکھتے ہیں۔ [illegible] قرآن و سنت [illegible]

اس کے یہ معنے ہو سکتے ہیں کہ غیر خدا ایسی صفات سے موصوف ہو سکتا ہے جو خدا کی صفات سے مناسبت رکھتی ہوں جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے اپنے استاد کا علم حاصل کیا ہے حالانکہ استاد کا علم شاگرد کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ایک اور علم اس کے علم کی مثل حاصل ہوتا ہے ❖

اگر کسی کا یہ گمان ہو کہ اس سے مراد مذکورہ صورت نہیں ہے۔ تو یہ غلط باطل ہے کیونکہ قائل کے اس قول میں کہ سالک کے لئے باریتعالےٰ کے معانی غیر اللہ کے اوصاف بن کر ہیں۔ یا تو ان اوصاف سے عین خدا کے اوصاف مراد ہیں یا ان کی مثل۔ اگر مثل مراد ہیں۔ تو ضرور یا تو مثل مطلق اور من کل الوجوہ ان کی مثل مراد ہو گی یا ان کی مثل من حیث الاسم ہوگی اور عموم صفات میں شاکت ہوگی۔ مذکورہ دو احتمالی ہیں۔ پس یہ دو قسمیں ہو گئیں۔ اور اگر عین صفات باریتعالےٰ مراد ہیں۔ تو ضرور یا تو یہ صفات باریتعالےٰ کی صفات میں سے بندے کی طرف منتقل ہو کر آئی ہونگی یا نہیں۔ اگر منتقل ہو کر نہیں آئیں تو پھر ضرور یا تو بندے اور باریتعالےٰ کی ذات متحد ہو گئی ہوگی۔ لہذا جو صفت اس کی ہے وہی اس کی ہے۔ یا اندر حلول ہوگا۔ پس یہ پانچ احتمال ہوئے یعنی:۔

(١) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل مطلق ہونا ❖
(٢) بندے کی صفات کا خدا کی صفات کے مثل من حیث الاسم ہونا ❖
(٣) خدا کی صفات کا بندے میں منتقل ہو جانا ❖
(٤) خدا کی ذات اور بندے کی ذات کا متحد ہو جانا ❖
(٥) حلول ❖

ان پانچوں صورتوں میں سے صرف دوسری صورت صحیح ہے کہ بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل من حیث الاسم ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان صفات میں سے بندے کے لئے وہ امور ثابت ہوتے ہیں۔ جو ان صفات کے مناسب ہوتے ہیں۔ اور ان کے ساتھ صرف نام کی شرکت رکھتے ہیں۔ پوری پوری مماثلت نہیں رکھتے جیسے کہ ہم تنبیہات میں بیان کرتے آئے ہیں ❖

پہلی صورت یعنی بندے کی صفات خدا کی صفات کی مثل مطلق ہیں، محال ہے کیونکہ ان میں سے ایک یہ صفت بھی لازم ہے کہ بندے کا علم تمام معلومات پر محیط ہو۔۔

یہاں تک کہ آسمان و زمین میں کوئی ذرہ بھی اس کے علم سے خارج نہ ہے۔ اور یہ کہ اس کو ایک ایسی قدرت کامل ہو، جو تمام مخلوقات پر شامل ہو۔ یہاں تک کہ وہ اس کے ذریعے سے آسمان زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب کا خالق کہلاتا ہو۔ یہ باتیں غیر اللہ کے لئے بھلا کیونکر ثابت ہوسکتی ہیں۔ اور بندہ کیونکر زمین و آسمان اور ان کی درمیان کی چیزوں کا خالق ہوسکتا ہے۔ حالانکہ وہ خود ان اشیاء میں سے ہے۔ تو اپنے آپ کا خالق وہ کیونکر ہوسکتا ہے اگر یہ صفات دو بندوں کے لئے ثابت ہوں جو ایک دوسرے کے خالق ہوں۔ تو گویا ہر ایک اپنے خالق کو پیدا کرنے والا ہے۔ اور یہ سب بیہودہ اور محال باتیں ہیں ٭

تیسری صورت یعنی یہ کہ صفات ربوبیت منتقل ہو کر بندہ میں آجاتی ہیں۔ یہ بھی محال ہے۔ کیونکہ اول تو صفات کا اپنے موصوف سے جدا ہونا محال ہے۔ اور یہ محال ذات قدیم سے مخصوص نہیں۔ بلکہ اشخاص حادثہ میں بھی ایسا ہونا محال ہے۔ چنانچہ یہ ممکن نہیں کہ زید کا علم بعینہ عمرو میں منتقل ہوجائے۔ بلکہ صفات کا قیام صرف موصوف کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسرے اگر یہ صفات منتقل ہوتی ہوں، تو لازم ہے کہ جس میں سے منتقل ہوں وہ ان سے خالی ہوجائے۔ پس ذات باری جاتی رہے گی ربوبیت اور صفات ربوبیت سے خالی ہو جائے گی۔ اور یہ بھی صاف طور پر محال ہے ٭

چوتھی صورت یعنی اتحاد بھی بالکل محال ہے۔ کیونکہ قائل کا یہ قول کہ بندہ رب بن گیا اپنی نفس میں متناقض ہے۔ بلکہ اس قسم کے محال احتمالوں کو خدا کے حق میں کرنا خلاف ادب ہے۔ ہم ایک عام قول پیش کرتے ہیں کہ قائل کا یہ قول کہ شے فلاں شے بن گئی مطلقاً محال ہے۔ کیونکہ مثلاً جب زید کو علیحدہ اور عمرو کو علیحدہ عقل تسلیم کرتی ہے۔ پھر جب کہا جائے کہ زید عمرو بن گیا اور اس کے ساتھ متحد ہوگیا۔ تو پھر یا تو دونوں موجود ہونگے یا دونوں معدوم ہوگئے۔ یا زید موجود اور عمرو معدوم ہوگا یا عمرو موجود اور زید معدوم ہوگا۔ اور یہ چاروں صورتیں غیر ممکن ہیں۔ کیونکہ اگر دونوں موجود ہونگے۔ تو ایک دوسرے کا عین نہ ہوئے ہوں گے۔ بلکہ ان میں سے ہر ایک کا عین موجود ہے۔ اور غایت صرف یہ کہ دونوں کا مکان متحد ہوجائے۔ مگر یہ بھی صفات کے اتحاد کا موجب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ علم، ارادہ، قدرت وغیرہ مختلف اوصاف ایک ذات میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان کا محل بھی تباین نہیں ہوتا۔ تاہم قدرت علم نہیں بن جاتی اور نہ علم ارادہ ہوجاتا ہے

اگر دونوں معدوم ہونگے تو وہ دونوں متحد کہاں ہونگے۔ بلکہ دونوں کا وجود ہی نہ ہوگا۔ اور اگر ایک معدوم
دوسرا موجود ہو تو بھی اتحاد نہیں کیونکہ موجود معدوم کے ساتھ متحد نہیں ہو سکتا ٭

خلاصہ یہ کہ دو چیزوں کا مطلقاً متحد ہونا محال ہے۔ اور یہ حکم نہ صرف ان اشیاء میں
جاری ہے جو ایک دوسری سے مختلف ہیں۔ بلکہ ان اشیاء میں بھی جو ایک دوسری کی
مثل ہیں۔ چنانچہ اس سیاہی کا دوسری سیاہی بن جانا ایسے ہی محال ہے۔ جیسے اس سیاہی کا
سفیدی بن جانا یا وہ علم بن جانا محال ہے ٭

بچے اور مربی کے درمیان جو تباین ہے۔ وہ سیاہی اور علم کے تباین سے
زیادہ ہے۔ پس صریحاً اتحاد ہی باطل ہے۔ اور اتحاد جو عموماً مشہور ہے اور کہہ دیا
کرتے ہیں کہ یہ چیز وہ بن گئی۔ یہ محض بطور توسع اور مجاز کے کہا کرتے ہیں۔ جو صوفیوں اور شعراء
کی عادت ہے کیونکہ یہ لوگ اپنی بات کو دلچسپ بنانے اور خوبصورتی کے ساتھ سمجھانے
کے لئے استعارہ کا طریق اختیار کرتے ہیں جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ع

تو من شدی من تو شدم من تن شدم تو جاں شدی

اور یہ قول دو شاعر کے خیال ہی تک محدود ہے۔ کیونکہ اس کا یہ دعوے ہرگز نہیں کہ عاشق
حقیقتاً معشوق بن گیا۔ بلکہ یہ مراد ہے کہ عاشق کی حالت معشوق کی سی اور معشوق کی حالت عاشق
کی سی ہے کیونکہ وہ معشوق کی خاطر اسی طرح مصروف فکر و غم ہے جس طرح اپنی جان کی خاطر
ہوتا ہے۔ اور معشوق اس کو ویسے ہی محبوب ہے۔ پس اس حالت کو مجازاً اتحاد قرار دے دیا ٭

انہیں معنوں پر ابویزید کا یہ قول حمل کیا جا سکتا ہے کہ "میں اپنی ہستی سے اس
طرح نکل گیا جس طرح سانپ کینچلی سے نکل آتا ہے۔ اب جو دیکھتا ہوں۔ تو میں وہ (یعنی حق)
ہوں" مطلب اس کا یہ ہے کہ جو شخص اپنی نفسانی خواہشات اور ارادوں سے قطع تعلق کر لیتا
ہے۔ تو اس کے دل میں خدا کے سوا اور کسی کا خیال نہیں رہتا۔ اور اس کے دل میں خدا کا جلال و کمال
اس قدر سما جاتا ہے کہ وہ اسی میں مستغرق ہو جاتا ہے۔ بعینہ وہی نہیں بنتا۔ اور اس سے مشابہ
ہونے اور بالکل وہی بن جانے میں بڑا فرق ہے۔ لیکن بعض اوقات کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شے
بالکل فلاں شے ہے۔ لیکن مراد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شے فلاں شے جیسی ہے۔ جیسے کہ شاعر
کبھی تو کہتا ہے "تو من شدی من تو شدم" اور کبھی کہتا ہے ع

تو شال من شدی و من شال تو شدم

اس مقام پر بغیر علم کے قدم ٹھہرنا مشکل ہے۔ کیونکہ جس شخص کو معقولات میں پوری مہارت نہیں ہے۔ وہ ان دونوں صورتوں میں تمیز نہیں کرسکتا۔ چنانچہ وہ اپنے کمال ذات پر نظر کرتا ہے جس میں حقانیت سے کچھ جھلکتے ہوتے ہیں۔ تو اس کو گمان ہوتا ہے کہ میں حق ہوں۔ اور اَنَا الحق کی صدا بلند کرنے لگتا ہے۔ یہ شخص درحقیقت نصاریٰ کی سی غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو یہی خیال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق رکھتے ہیں۔ اور ان کو خدا سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس شخص کی سی غلطی کر رہا ہے جو آئینہ میں کوئی رنگدار صورت دیکھ کر سمجھتا ہے کہ یہ صورت اور رنگ آئینہ کا ہے۔ حالانکہ خود آئینہ کی نہ صورت ہے اور نہ رنگ ہے۔ بلکہ اس کا یہ خاصہ ہے کہ اس میں رنگین صورتیں اس طرح منقش ہوتی ہیں کہ ظاہری امور کی طرف دیکھنے والے کو خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت آئینہ کی ہے۔ حتیٰ کہ بچہ جب انسان کی صورت آئینہ میں دیکھتا ہے۔ تو اس کو شک ہوتا ہے کہ آئینہ میں انسان موجود ہے۔ اسی طرح قلب فی نفسہٖ صورت اور ہیئت سے خالی ہے۔ اور اس کی ہیئات صرف یہ ہے کہ وہ ہیئات اور صورت کے معنوں اور حقائق کو قبول کرتا ہے۔ پس جو چیز اس میں حلول کرتی ہے۔ وہ اس کے ساتھ متحد ہو جانے والی چیز کے مثل ہوتی ہے، تحقیقاً متحد نہیں ہوتی اور جو شخص بوتل میں شراب دیکھے۔ اور وہ بوتل و شراب کی جدا جدا حقیقتوں کا علم نہ رکھتا ہو تو وہ کبھی تو کہیگا بوتل کوئی چیز نہیں ہو کچھ ہے شراب ہے۔ اور کبھی کہیگا شراب کوئی شے نہیں جو کچھ ہے بوتل ہے۔ چنانچہ اس خیال کو ایک شاعر نے یوں باندھا ہے ؎

رَقَّ الزُّجَاجُ وَرَاقَتِ الْخَمْرُ	کانچ کا پیالہ صاف ہے اور شراب شفاف
فَتَشَابَهَا فَتَشَاكَلَ الْاَمْرُ	دونوں یکساں نظر آتے ہیں کچھ فرق معلوم نہیں
فَكَاَنَّمَا خَمْرٌ وَلَا قَدَحٌ	ہوتا گویا پیالا اور شراب موجود شراب ہی
وَكَاَنَّمَا قَدَحٌ وَلَا خَمْرُ	ہے۔ اور پیالہ نہیں۔ اور گویا یہ موجود پیالہ

ہی ہے۔ اور شراب نہیں ✦

جو شخص اَنَا الحق کا دعوے دار ہے یا تو اس کا وہی مطلب ہے۔ جو کوئی شاعر بطور تشبیہ کہتا ہے۔ یا اس امر میں اسی غلطی کا مرتکب ہو رہا ہے جس میں نصاریٰ گرفتار ہیں کہ لاہوت اور ناسوت باہم متحد ہیں ✦

ابو یزید کا قول سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اگر ان سے ثابت ہے۔ تو یا تو

نے اللہ کی طرف سے بطور حکایت کہا ہوگا چنانچہ اگر وہ یہ کہتے سنا جاتا کہ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (نہیں کوئی معبود میرے سوا پس میری عبادت کر) تو ہم اسے کہا جاتا کہ وہ ان کلمات کو جو قرآن مجید میں سے ہیں بطور حکایت ادا کرتے ہیں۔ اور یا انہوں نے صفت تقدس میں سے اپنے حصے کا مشاہدہ کیا ہوگا۔ اس لئے اپنے نفس کی تقدیس کی تعریف کرنے کے لئے سُبحانی کہہ دیا۔ اور مخلوق کے مقابلہ میں اپنی شان کی عظمت کا اندازہ لگا کر مَا اَعْظَمُ شَانِیْ کہہ دیا۔ اور ساتھ ہی وہ جانتے ہوں گے کہ میرا تقدس اور عظمت مخلوق کے مقابلے میں ہے ورنہ اس تقدس اور عظمت کو خدا کے تقدس اور عظمت سے کوئی نسبت نہیں۔ اور یہ الفاظ بھی سُکر اور غلبہ کے حال میں ان کی زبان پر جاری ہو گئے ہوں گے۔ کیونکہ ہوشیاری اور اعتدال حال میں ایسے توہم خیز اور مشتبہ الفاظ سے اپنی زبان کو بچانا لازم ہے۔ سُکر کی حالت میں یہ خیال نہیں رہتا +

ان دونوں تاویلوں کی صحت کے بعد تم اتحاد ' والوں میں پاؤ گے (وہ قطعی محال ہے۔ بزرگان دین کے منصب عالی سے دور ' اور یہیں سے محال کے قائل نہ ہو جاؤ۔ بلکہ چاہئے کہ لوگوں کو خدا کے ذریعے سے شناخت کرو۔ نہ کہ خدا کو لوگوں کی تعبیر سے +

پانچویں صورت یعنی حلول بھی محال ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً کہا جائے کہ رب نے بندہ میں حلول کیا ہے یا بندہ نے رب میں حلول کیا ہے۔ تعالی اللہ عما ہو عن قول الظالمین +

بفرض محال اگر اس کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس سے بندہ اور رب کا اتحاد لازم نہیں آتا۔ اور نہ بندہ کا رب کی صفات سے متصف ہونا لازم آتا ہے۔ کیونکہ حال (حلول کنندہ) کی صفات محل (جائے حلول) کی صفت نہیں بن سکتیں۔ بلکہ حال کی صفات محل کی نہیں بنتی ہیں +

حلول کا محال ہونا (اس وقت سمجھ میں آئیگا جب کہ حلول کے معنے روشن کر دئیے جائیں) کیونکہ معانی مفردہ جب تک بطریق تصور ذہن میں منقش نہ ہوں۔ ان کی نفی و اثبات کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ پس جو شخص حلول کے معنے نہیں سمجھتا۔ وہ اس بات کو کیونکر سمجھ سکتا ہے کہ حلول ثابت ہے۔ یا محال ہے +

واضح ہو کہ حلول سے دو نسبتیں سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو وہ نسبت جو جسم اور اس کے

مکان میں حلول ہے جس میں شے موجود ہوتی ہے۔ یہ نسبت ہمیشہ دو جسموں کے مابین ہوتی ہے تو
جو ذات حق جسمیت سے بری ہے۔ اس کے حق میں اس قسم کی نسبت محال ہے۔

دوسری وہ نسبت جو عرض اور جوہر کے مابین ہوتی ہے کیونکہ عرض کا قیام
جوہر کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ جوہر میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اور
یہ امر اس ذات کے حق میں محال ہے جو بذاتہٖ قائم ہے۔

اس بحث میں خدا کا ذکر تو خود بے ادبی ہے۔ خدا کے سوا جو چیز قائم بالذات ہو
اُسے کسی دوسری چیز قائم بالذات میں حلول کرنا محال ہے۔ پس دو بندوں میں بھی حلول کا پایا
جانا محال ہے۔ تو بندہ اور رب کے مابین حلول کیونکر پایا جا سکتا ہے۔

جب حلول، انتقال، اتحاد، اور اتصاف بالشکل صفات اللہ محال قرار پایا۔
تو اہل تصوف کے مذکورہ قول کا وہی مطلب ہوگا جو ہم تنبیہات میں بیان کر چکے ہیں۔ اور
اس سے صاف ہو سکتے ہیں کہ مطلق یہ کہنا کہ اسمائے باری تعالیٰ کے معانی بندے کے اوصاف
ہو سکتے ہیں جائز نہیں۔ ہاں کسی ایسی تقیید اور شرط کے ساتھ جائز ہو سکتا ہے۔ جو توہم اور
اشتباہ سے خالی ہو۔ ورنہ یہ مطلق الفاظ توہم پیدا کرتے ہیں۔

سوال اس قول کا کیا مطلب ہے کہ بندہ ان تمام معانی کے متصف ہونے
کے باعث سالک ہے واصل نہیں۔ سلوک اور وصول کے کیا معنے ہیں؟

جواب واضح ہو کہ سلوک سے مراد اخلاق، اعمال اور علوم کی درستی ہے۔ اور
یہ ظاہری اور باطنی حالات کی اصلاح کی وابستگی ہے۔ بندہ جب اس حالت میں مشغول ہوتا
ہے۔ تو گویا خدا کو چھوڑ کر اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مگر وہ اس لئے اپنے باطن کو
تصفیہ کرتا ہے کہ وصول کی استعداد پیدا ہو جائے۔ اور وصول یہ ہے کہ حق اس کے سامنے
جلوہ گر ہو۔ اور وہ اس نور میں مستغرق ہو جائے۔ اور اسی پہچان کو لیجئے۔ تو اللہ تعالیٰ
کے سوا اور کسی کو نہ پہچانے۔ اور اگر اپنے قصد کو دیکھے تو اللہ کے سوا اور کوئی اس کا مقصد
نہ ہو۔ پس وہ بالکل خدا ہی کے مشاہدہ اور قصد میں مشغول ہو جائے۔ اور اس بار وہ میں اپنے
آپ پر نظر کرے تا کہ اس کا ظاہر عبادت کے ساتھ اور باطن تہذیب اخلاق کے ساتھ
آباد و آراستہ ہو جائے۔ اس تمام کیفیت کا نام طہارت ہے۔ اور یہ ابتداء ہے۔ مگر انجام
اس کا یہ ہے کہ وہ بالکلیہ اپنے نفس سے تعلق قطع کر لے۔ اور محض خدا کا ہو جائے۔ اس وقت

وہ گویا وہی بن جائیگا۔ یہ حلول ہے۔

سوال۔ صوفیہ کے کلمات سے ایسے اشارات کا مطلب مفہوم ہوتا ہے جو ان کو طریق ولایت میں میسر ہوتے ہیں۔ اور عقل و روایت کا مطلب سمجھنے سے قاصر ہے اور جو کچھ آپ نے بیان کیا ہے۔ وہ محض عقلی بحث ہے؟

جواب۔ واضح ہو کہ طریق ولایت میں کسی ایسے امر کا واقع ہونا جائز نہیں جو عقل کے نزدیک محال ہو۔ ہاں ایسی بات کا ظہور پذیر ہونا جائز ہے جس سے عقل قاصر ہو۔ مثلاً ولی کو بذریعہ کشف معلوم ہو جانا جائز ہے کہ کل فلاں شخص مر جائیگا۔ اور کوئی دوسرا شخص عقل کے ذریعہ سے یہ بات معلوم نہیں کر سکتا۔ بلکہ عقل ایسی بات کے معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ اور یہ معلوم ہو جانا جائز نہیں کہ اللہ کل اپنا ایک شریک پیدا کریگا۔ کیونکہ عقل اس کو محال قرار دیتی ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس کے ادراک سے قاصر ہے۔

اس سے زیادہ بعید یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنی مثل بنا لیگا۔ پھر اس سے زیادہ دور از امکان یہ امر ہے کہ کوئی کہے اللہ مجھ کو اپنا آپ بنا لیگا۔ یعنی میں خود ہی بن جاؤنگا۔ کیونکہ اس کا معنے یہ ہے کہ میں حادث ہوں اور اللہ مجھ کو قدیم بنا دیگا۔ میں آسمان و زمین کا خالق نہیں ہوں اللہ مجھ کو ان سب اشیاء کا خالق بنا لیگا۔ اور یہ قول مشہور ہے کہ نظرت فاذا انا ھو یعنی میں کیا دیکھتا ہوں کہ میں خدا ہوں۔

اگر اس کی تاویل نہ کی جائے۔ اور ظاہری معنوں پر اس کو محمول کیا جائے۔ تو اس کا یہی مطلب ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کی محال بات کی تصدیق کرے۔ اس کو عقل کا ادنے سا ذرہ بھی نہیں ملا۔ اور وہ معلوم اور غیر معلوم میں تمیز نہیں کر سکتا۔ تعجب نہیں کہ وہ اس بات کی بھی تصدیق کرے کہ ولی کو بذریعہ کشف یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ شریعت باطل ہے۔ اور اگر وہ حق ہے۔ تو خدا اس کو باطل کر دیگا۔ اور اس نے انبیاء کی تمام باتوں کو جھوٹی بنا دیا۔

جو شخص یہ کہے کہ سچ کا جھوٹ بنانا محال ہے۔ وہ صرف عقل کے بھروسہ پر ایسا کہتا ہے کیونکہ سچ کا جھوٹ بنانا حادث کے قدیم بنانے اور بندہ کے رب بنانے سے زیادہ بعید نہیں اور جو شخص ایسی بات میں جو عقلاً محال ہو اور ایسی بات میں جس سے عقل قاصر ہو فرق نہیں کرتا۔ وہ مخاطب ہونے کے بھی قابل نہیں ہے۔ وہ جانے اور اس کا جہل جانے۔

فصل دوم

مقاصد اور غایات میں

اس فصل میں بیان کیا جائیگا کہ اہل سنت کے مذہب پر اسماء کثیر ایک ذات اور سات صفات کی طرف کیونکر راجع ہوتے ہیں۔ غالباً تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ اسماء بکثرت ہیں جن میں ترادف نہیں ہے۔ اور ہر اسم کے معنے دوسرے اسم کے معنے میں شامل نہیں۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ تمام اسماء سات صفتوں پر منقسم ہو جاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ صفات تو سات ہیں۔ مگر افعال اور اضافتیں اور سلب بہت ہیں، جو حصر سے نا ید ہیں۔ پھر ان تینوں قسموں میں سے دو دو قسموں کی ترکیب ہو سکتی ہے یعنی صفت اور اضافت کی صفت اور سلب کی سلب اور اضافت کی۔ اور ہر ایک مجموعہ کے مقابلہ میں اسم وضع ہو سکتا ہے۔ اور اس طرح بہت سے نام پیدا ہو سکتے ہیں جن میں سے بعض ذات پر دلالت کرتے ہیں بعض ذات مع سلب پر۔ بعض ذات مع اضافت پر بعض ذات مع سلب و اضافت پر۔ بعض سات صفتوں میں سے ایک صفت پر بعض صفت اور سلب پر بعض صفت اور اضافت پر۔ بعض صفت افعل پر بعض صفت فعل اور اضافت پر بعض جلب یہ دس قسمیں ہوئیں۔

(۱) جو اسم ذات پر دلالت کرتا ہے وہ اللہ ہے۔ اور اس کے قریب قریب اسم الحق ہے جبکہ اس سے ذات واجب الوجود ہونے کی حیثیت سے مراد ہو۔

(۲) جو اسماء کہ ذات مع سلب پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْقُدُّوْسُ اور اَلسَّلَامُ اور اَلْغَنِیُّ اور اَلْاَحَدُ وغیرہ ہیں چنانچہ القدوس وہ ہے جو تمام خیالات اور توہمات کی نسبت سے پاک اور مسلوب ہے۔ السلام وہ ہے جس سے عیوب مسلوب ہیں۔ الغنی وہ ہے جس سے حاجت مسلوب ہے۔ الاحد وہ ہے جس سے نظیر اور تقسیم مسلوب ہے۔

(۳) جو اسماء ذات مع اضافت پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی مثال اَلْعَلِیُّ

اور اَلْعَظِیْمُ اور اَلْاَوَّلُ اور اَلْاٰخِرُ اور اَلظَّاهِرُ اور اَلْبَاطِنُ وغیرہ ہیں۔ علی
وہ ذات ہے، جو تمام ذاتوں سے بہ رتبہ میں برتر ہے۔ اس کو اضافت کہتے ہیں۔ عظیم
خدا کی ذات پر اس حیثیت سے دلالت کرتا ہے کہ وہ ادراکات کی حدود سے متجاوز ہے
اوّل وہ ہے جو موجودات سے سابق ہے۔ آخر وہ ہے جس کی طرف موجودات کا
انجام ہے۔ ظاہر خدا کی ذات دلائل عقل کی نسبت سے ہے۔ باطن خدا کی ذات
حس و وہم کے ادراک کی نسبت سے ہے، وقس علیٰ ہٰذا غیرہ۔

(۴) جو اسمائے ذات مع سلب و اضافت کے معنے رکھتے ہیں۔ ان کی مثال
اَلْمَلِکُ اور اَلْعَزِیْزُ ہے کیونکہ مالک اس ذات پر دلالت کرتا ہے۔ جو کسی کی
محتاج نہ ہو اور سب اس کی محتاج ہر چیز ہو۔ اور عزیز وہ ہے جس کی نظیر نہ ہو اور اس کا
حاصل کرنا اور اس تک پہنچنا دشوار ہو۔

(۵) جو اسماء کسی صفت کے معنے میں ہیں ان کی مثال اَلْعَلِیْمُ اور اَلْقَادِرُ
اور اَلْحَیُّ اور اَلسَّمِیْعُ اور اَلْبَصِیْرُ ہے۔

(۶) جن اسماء کا مطلب علم مع اضافت ہو۔ ان کی مثال اَلْخَبِیْرُ اور اَلْحَکِیْمُ
اور اَلشَّهِیْدُ اور اَلْمُحْصِیْ ہے۔ خبیر کی دلالت علم پر باطنی امور کے لحاظ سے ہے
اور شہید کی دلالت علم پر مشاہدات کے لحاظ سے ہے اور حکیم کی دلالت
اشرف المعلومات کے لحاظ سے ہے۔ محصی کی دلالت اس حیثیت سے ہے کہ وہ
معلومات محصورہ و معدودہ پر محیط ہے۔

(۷) جو اسماء قدرت مع اضافت کا مفہوم رکھتے ہیں ان کی مثال اَلْقَهَّارُ اور
اَلْقَوِیُّ اور اَلْمُقْتَدِرُ اور اَلْمَتِیْنُ ہیں کیونکہ قوت کمال قدرت ہے۔ اور متانت
شدت قدرت ہے۔ اور قہر تاثیر قدرت ہے۔

(۸) جن اسماء کا مفہوم ارادہ مع اضافت یا مع فعل ہے۔ ان کی مثال اَلرَّحْمٰنُ
اور اَلرَّحِیْمُ اور اَلرَّؤُفُ اور اَلْوَدُوْدُ ہے۔ کیونکہ رحمت کا مفہوم وہ ارادہ ہے
جو کسی محتاج ضعیف کی حاجت روائی سے متعلق ہو۔ رأفت سے مراد شدت رحمت
ہے اور یہ لفظ رحمت کا مفہوم مبالغہ کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ وُدّ کے معنے وہ ارادہ
احسان و انعام سے متعلق ہو۔ رحیم بنفس محتاج کا مستدعی ہے۔ ودود کا فعل ابتدا

کسی شے کا اثبات نہیں کرتے۔ تاہم وہ افعال کثیرہ سلب اور کثرت اضافات کا انکار نہیں
کرتے۔ چنانچہ ہم جو ان صفات کو ان اقسام میں منضبط کرتے ہیں۔ تو وہ بھی اس میں ہمارے ساتھ ہیں ✦
ثبوتی صفات یعنی حیات۔ علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر اور کلام ان کے
نزدیک سب کی سب علم میں جمع ہو جاتی ہیں۔ پھر علم ذات کی طرف راجع ہوتا ہے۔ تفصیل
اس کی یہ ہے کہ سمع سے ان کے نزدیک خدا کا وہ علم تام مراد ہے جو آوازوں سے تعلق
رکھتا ہے۔ اور بصر سے وہ علم جو رنگوں سے اور تمام اشیاء دیدنی سے متعلق ہے۔ اور
کلام معتزلہ کے نزدیک اس کے فعل کی طرف راجع ہے۔ اور یہ وہ کلام ہے۔ جو وہ جمادات
میں سے کسی جسم کے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اور فلاسفہ کے نزدیک اطلاع و استماع کی طرف راجع ہے۔
جس کو وہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں پیدا کر دیتا ہے۔ حتّی کہ وہ ایک مجرّد کلام لفظی
کو سنتا ہے۔ اور یہ کلام خدا سے منسوب ہوتا ہے جس کا مطلب یہ کہ وہ کلام اس نبی کو نفسانی
فعل اور انسانی آواز کے ساتھ حاصل نہیں ہے۔ حیات سے مراد اس کا علم بذاتہ ہے۔ کیونکہ جس
چیز کو اپنی ذات کا شعور حاصل ہو۔ اس کو حی کہا جاتا ہے۔ اور جس کو اپنی ذات کا شعور نہ ہو۔
اس کو حی نہیں کہتے ✦

باقی رہے ارادہ اور قدرت۔ ارادہ کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہے کہ
خیر کی وجہ اور اس کے نظام کا علم رکھتا ہے پس اپنے علم کے موافق ایجاد کرتا ہے۔ اور اس کا
کسی چیز کا علم ہونا اس چیز کے وجود کا سبب ہوتا ہے۔ اور جب اس کو کسی چیز کا علم حاصل
ہوتا ہے۔ تو اس کو حاصل کرتا ہے۔ اور اس میں کسی قسم کی کراہیت نہیں ہوتی۔ بلکہ وہ
اس پر راضی ہوتا ہے۔ اور راضی کو بھی ارادہ کرنے والا بھی کہا کرتے ہیں۔ پس اس لحاظ سے ارادہ
کا مفہوم علم ہے جس کے ساتھ عدم کراہیت شامل ہو ✦

قدرت کے یہ معنے ہیں کہ وہ جب چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور جب نہیں چاہتا نہیں کرتا
اور جو کچھ وہ کرتا ہے اس کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کی مشیّت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو وجہ
خیر کا علم ہے۔ اور اس کے معنے یہ ہیں کہ وہ جس کے وجود میں خیر جانتا ہے۔ اس کو موجود کرتا ہے
اور جس چیز کے موجود نہ ہونے میں خیر جانتا ہے اس کو موجود نہیں کرتا۔ اور نظام خیر کا وجود صرف
اس بات کا محتاج ہے کہ خدا کو اس کا علم ہو۔ اور غیر موجود چیز اپنی غیر موجودگی میں صرف اس
امر کی محتاج ہے کہ اس میں کسی خیر کے پائے جانے کا علم نہ ہو۔ پس نظامِ معقول نظام موجود کا

سبب ہے۔ اور نظام موجودات معقول ہوتا ہے ✦

ان لوگوں کا خیال ہے کہ ہمارا علم معقولات کی شکلوں میں صورت کا مستلزم ہے کیونکہ
ہمارا فعل ہمارے کسی موثر کے ذریعہ سے ہوگا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہوگا کہ وہ موثر
کا صحیح و سالم اور ہماری طاقت والا ہو۔ مگر خدا کسی آلہ کے ذریعہ سے فعل نہیں کرتا۔ بلکہ اس کا
علم ہی معلوم کے وجود کے لئے کافی ہے۔ پس قدرت بھی علم کی طرف راجع ہے ✦

اس سے آگے فلاسفہ متاخرین کا عقیدہ ہے کہ علم بھی اس کی ذات کی طرف راجع
ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو پہچانتا ہے۔ پس اس صورت میں علم بھی ہے۔ عالم بھی۔ اور معلوم
بھی۔ اور غیر کو بھی اپنی ہی ذات سے جانتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو جانتا ہے۔ جو کل
موجودات کی مبدء ہے۔ لہذا وہ تمام موجودات کو علی سبیل التبعیت اپنی ذات ہی سے
جانتا ہے۔ پس بایں اس کی ذات میں کثرت پائے جانے کا موجب نہیں ہے۔ ان لوگوں کا
زعم ہے کہ ذات واحد کے علم کی نسبت بکثرت معلومات کے ساتھ ویسی ہی ہے۔ جیسے کہ
محاسب کے علم کی نسبت ہے۔ جب کہ اس سے سوال کیا جائے کہ ۲ × ۲ × ۲ کتنے ہیں
اور ۲ × ۲ × ۲ × ۲ × ۲ کتنے۔ اور ۲ × ۲ × ۲ × ۲ × ۲ × ۲ × ۲ × ۲ کتنے۔ اسی طرح ہشتاد دس درجے تک سوال کیا
جائے۔ تو قبل اس کے کہ وہ اس سوال کا جواب دینے کے لئے عمل ضرب کا سلسلہ پھیلائے
اس کو یقین ہے کہ میں اس کے جواب کا علم رکھتا ہوں۔ اور یقین ہی اس کے عمل کی پہلی کڑی
ہے۔ یہ یقین گویا حاسب کا ایک اجمالی خطرہ ہے جس کو حساب کی تمام تفاصیل یعنی ان کے
غیر متناہی سلسلے کے ساتھ بالتفصیل تمام نسبت ہے۔ باوجودیکہ ۲ × ۲ کا سلسلہ تدریجی کثرت
کی طرف چلا جاتا ہے۔ اسی طرح ان کے نزدیک موجودات میں بھی ترتیب ہے۔ اور ان کے
اجمال میں کثرت نہیں ہے۔ پھر تدریجی کثرت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اور اس دعوے کی
شرح اور اس کی تردید بڑا طول چاہتی ہے۔ جس کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ وہ گویا
مقصود کتاب سے خارج ہے۔ اگر اس کا شوق ہی ہے۔ تو ہم نے کتاب "تہافۃ الفلاسفہ"
میں جو کچھ لکھا ہے اس سے تم کو رہنمائی ملے گی ✦

تیسرا فن لواحق و تتمہ جات میں

پہلی فصل

اس امر کا بیان کہ اللہ تعالیٰ کے نام صرف ننانوے نہیں ہیں

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے پاک صرف ننانوے کی تعداد میں محصور نہیں ہیں بلکہ ان کے سوا بھی اسما آئے ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ان میں سے بعض مثل بجائے ایسے اسما کے ہیں جو ان کے قریب قریب ہیں۔ اور ایسے اسما بھی ہیں جو ان سے قریب المعنے نہیں۔

پہلے اسما کی مثال اَلْاَحَدُ بجائے اَلْوَاحِدُ کے۔ اور اَلْقَاهِرُ بجائے اَلْقَهَّارُ کے۔ اور اَلشَّاكِرُ بجائے اَلشَّكُورُ کے۔

دوسرے اسما جو قریب المعنے نہیں ہیں ان کی مثال اَلْهَادِي اور اَلْكَافِي اور اَلدَّائِمُ اور اَلْبَصِيرُ اور اَلْمُنِيرُ اور اَلْمُبِينُ اور اَلْجَمِيلُ اور اَلصَّادِقُ اور اَلْمُحِيطُ اور اَلْقَرِيبُ اور اَلْقَدِيمُ اور اَلْوِتْرُ اور اَلْفَاطِرُ اور اَلْعَلَّامُ اور اَلْمَلِيكُ اور اَلْاَكْرَمُ اور اَلْمُدَبِّرُ اور اَلرَّفِيعُ اور ذُوالطَّوْلِ اور ذُوالْمَعَارِجِ اور ذُوالْفَضْلِ اور اَلْخَلَّاقُ۔

قرآن مجید میں بھی ایسے اسما آئے ہیں جو روایت مذکورہ میں نہیں ہیں جیسے اَلْمَوْلَىٰ اور اَلنَّصِيرُ اور اَلْغَالِبُ اور اَلْقَرِيبُ اور اَلرَّبُّ اور اَلنَّاصِرُ اور بااضافت اسما بھی آئے ہیں جیسے شَدِيدُ الْعِقَابِ اور قَابِلُ التَّوْبِ اور غَافِرُ الذَّنْبِ اور مُولِجُ اللَّيْلِ فِي النَّهَارِ وَمُولِجُ النَّهَارِ فِي اللَّيْلِ اور مُخْرِجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ۔

حدیث شریف میں ایک اسم اَلسَّیِّدُ بھی آیا ہے۔ روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا یا سیّد، تو آپ نے فرمایا سیّد، اللہ تعالیٰ ہے۔ غالباً آپ کا مقصود یہ ہوگا کہ منہ پر مدح کرنے سے منع فرمائیں۔ ورنہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخْرَ یعنی میں بنی آدم کا سردار ہوں اور کوئی فخر کی بات نہیں"۔

احادیث میں اسم اَلدَّیَّانُ بھی وارد ہوا ہے۔ اسی طرح اَلْحَنَّانُ اور اَلْمَنَّانُ بھی آئے ہیں۔ اور بھی ایسے اسماء ہیں جو احادیث کی تلاش سے مل سکتے ہیں۔

اگر افعال سے اسماء کا اشتقاق جائز قرار دیا جائے۔ تو ایسے افعال بہت سے ہیں جو قرآن مجید میں خدا تعالیٰ سے منسوب ہیں۔ جیسے یَکْشِفُ السُّوْءَ وہ مصیبت دور کرتا ہے وَیَقْذِفُ بِالْحَقِّ اور وہ حق کو ظاہر کرتا ہے وَیَفْصِلُ بَیْنَهُمْ اور ان کے مابین فیصلہ کرتا ہے وَقَضَیْنَا اِلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اور ہم نے بنی اسرائیل کے بارہ میں فیصلہ کر دیا۔

پس ان افعال سے جو اسماء مشتق ہو سکتے ہیں وہ اَلْکَاشِفُ اور اَلْقَاذِفُ بِالْحَقِّ اور اَلْفَاصِلُ اور اَلْقَاضِیْ ہیں۔ ایسے اسماء کا حصر ہو سکتا نہیں۔ یہاں ایک اعتراض وارد ہوتا ہے جس کا بیان آگے آئیگا۔

الغرض یہ بات ظاہر ہوگئی کہ اسمائے باری تعالیٰ صرف یہی ننانوے نہیں ہیں جن کی ہم نے شرح لکھی ہے۔ بلکہ ہم نے شرح اسمائے باری تعالیٰ کے متعلق عام عادت کو مدنظر رکھ کر ان پر اقتصار کیا ہے۔ کیونکہ ایک مشہور روایت میں اسی قدر تعداد مروی ہے۔ یہ شمار شدہ اسماء اور تفصیلات جو حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں۔ صحیحین[1] میں نہیں آئی ہیں۔

صحیحین میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا صرف یہ قول آیا ہے کہ "اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ جو شخص ان سب کو پڑھے وہ جنت میں جائیگا"۔ ان اسماء کا بیان اور تفصیل ان میں مذکور نہیں۔

فقہاء و علماء کا جن اسماء پر اتفاق واقع ہوا ہے ان میں اَلْمُرِیْدُ اور اَلْمُتَکَلِّمُ اور اَلْمَوْجُوْدُ اور اَلشَّیْءُ اور اَلذَّاتُ اور اَلْاَزَلِیُّ اور اَلْاَبَدِیُّ بھی شامل ہیں۔ ان پر خدا کا اطلاق کرنا جائز ہے۔

---

[1] صحیحین حدیث کی دو کتابیں یا مستند ترین کتب حدیث ہیں یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو کہتے ہیں۔ مترجم

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ "یوں نہ کہو کہ رمضان آیا کیونکہ رمضان اللہ کے اسماء میں سے ایک اسم ہے۔ ہاں یوں کہو کہ ماہ رمضان آیا"۔

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا آپ نے جو شخص کسی رنج یا غم میں مبتلا ہو، اور وہ پڑھے:-

اللّٰھم انی عبدک وابن عبدک وابن امتک ناصیتی بیدک ماض فی حکمک عدل فی قضاؤک اسئلک بکل اسم ھو لک سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استأثرت بہ فی علم الغیب عندک ان تجعل القرآن ربیع قلبی ونور صدری وجلاء حزنی وذھاب ھمی۔

یعنی الٰہی میں تیرا بندہ ہوں اور تیرے بندے اور تیری لونڈی کا بیٹا ہوں، میری پیشانی تیرے اختیار میں ہے، تیرا حکم مجھ پر جاری ہے، تیرا قضا مجھ پر عادلانہ ہے، میں تجھ سے اس ہر نام کے ساتھ سوال کرتا ہوں جو تیرا ہے، جس کے ساتھ تو نے اپنا نام مقرر کیا ہے یا تو نے اپنی کتاب میں اتارا ہے یا اپنی کسی مخلوق کو سکھایا ہے یا اپنے علم غیب میں جو تیرے نزدیک ہے اس کو پسند کیا ہے، یہ سوال کرتا ہوں کہ قرآن کو میرے دل کی بہار، میرے سینہ کا نور، میرے غم کی جلا، میری فکر کا دفع کرنے والا کر دے۔

تو اللہ اس کا غم و رنج دور کر دیگا، اور بجائے اس کے خوشی اور فراخ بالی عطا کریگا۔

استأثرت بہ فی علم الغیب عندک کے الفاظ بتاتے ہیں کہ اللہ کے نام صرف وہی نہیں جو مشہور روایات میں آ گئے ہیں۔

اب تمہارے دل میں سوال پیدا ہوگا کہ پھر ننانوے کی تعداد میں ان کے بتانے اور محصور کرنے کا کیا فائدہ ہے، اور اس میں نکتہ کا بیان کرنا ضروری امر ہے۔ چنانچہ آئندہ فصل میں اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔

دوسری فصل

اسمائے باری تعالیٰ میں سے ننانویں کی تخصیص کا فائدہ

اس فصل میں چند غور و فکر کی باتیں درج ہیں جن کو ہم سوال و جواب کے طور پر بیان کرتے ہیں ۔

سوال کیا اسمائے باری تعالیٰ ننانوے سے زیادہ ہیں یا نہیں اگر زیادہ ہیں تو ننانوے کی تخصیص کا کیا مطلب ہے ۔ مثلاً جو شخص ایک ہزار درہم کا مالک ہے تو اس کے حق میں یہ کہنا کب جائز ہو سکتا ہے کہ اس کے پاس صرف ننانوے درہم ہیں ۔ گو ہزار میں ننانوے بھی آجاتے ہیں ۔ لیکن ایک خاص تعداد کے ذکر سے یہی وجہ ہے کہ اس سے ماسوا کی نفی کی گئی ہے ۔ اگر اسماء ننانوے سے زائد نہیں ہیں ۔ تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول کا کیا مطلب ہے کہ اسئلک بکل اسم سمیت بہ نفسک او انزلتہ فی کتابک او علمتہ احدا من خلقک او استاثرت بہ فی علم الغیب عندک ۔ اس سے تو صریحاً یہ پایا جاتا ہے کہ بعض اسماء خاص اسی کے علم میں ہیں ۔ اور اسی طرح بزرگان سلف کہا کرتے تھے کہ فلاں شخص کو اسم اعظم معلوم ہے ۔ اور یہ امر انبیاء اور اولیاء کی طرف منسوب کیا جاتا تھا جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ اسم ننانوے اسماء سے خارج ہے ؟

جواب ۔ قرین قیاس تو یہ بات ہے کہ مذکورہ احادیث و اخبار کی رو سے اسمائے باری ننانوے سے زائد ہیں ۔ اور جس حدیث میں ان اسماء کا حصر کیا گیا ہے وہ ایک قضیہ پر نہیں بلکہ دو قضیوں پر مشتمل ہے ۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ کے پاس ایک ہزار نوکر ہیں ۔ اب کوئی شخص کہتا ہے کہ حضور والا کے ننانوے نوکر ہیں جو شخص ان سے مدد حاصل کرے تو دشمن اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ۔ تو یہاں پر تخصیص ان نوکروں کی مدد حاصل کرنے کے لحاظ سے ہے ۔ یا تو اس وجہ سے کہ وہ ننانوے نوکر زیادہ طاقت ور ہیں اور یا اس لئے کہ ننانوے کی تعداد دفع اعدا کے لئے کافی ہے جس میں کسی مزید اضافہ کی ضرورت نہیں ۔ یہ تخصیص اس لحاظ سے نہیں کہ صرف یہی نوکر موجود ہیں ۔

یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسماء اس تعداد سے نامحدود ہوں۔ اور حدیث کے الفاظ
دو قضیوں پر مشتمل ہوں :۔

ایک قضیہ، یہ کہ اللہ کے ننانویں نام ہیں۔

دوسرا قضیہ، یہ کہ جو کوئی ان سب کو یاد کریگا وہ جنت میں جائیگا۔ مثلاً کہ اگر صرف
ایک پہلے قضیہ پر بس کریں تو وہ مکمل کلام ہوگا۔ بخلاف اس کے پہلی صورت میں صرف ایک
پہلے قضیہ پر بس نہیں ہو سکتی تھی۔

یہ دوسرا احتمال اس حصر کے ظاہری مفہوم کا لحاظ کرتے ہوئے جلد سمجھ میں آنے والا
ہے۔ لیکن دو وجہ سے بعید از قیاس ہے :۔

ایک یہ تو یہ کہ اس سے اس امر کی نفی ہوتی ہے کہ بعض اسماء ایسے بھی ہو سکتے ہیں
جن کو اللہ تعالٰے نے علم غیب میں اپنے لئے اختیار کیا ہے۔ حالانکہ حدیث میں اس کا ثبوت
موجود ہے۔

دوم یہ کہ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان سب اسماء کو یاد کرنے کی فضیلت صرف نبی یا کسی
ولی کو حاصل ہوتی ہے جس کو اسم اعظم آتا ہو۔ تا کہ اسماء کی تعداد پوری ہو سکے۔ ورنہ اس کے بغیر
تعداد ناقص رہیگی۔ اور دخول جنت کے لئے سب کے سب اسماء یعنی ان کی مکمل تعداد شرط
ہے۔ پس حصر باطل ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عام لوگوں کو سارے
اسماء پڑھنے کی ترغیب کیلئے یہ حصر بیان کیا ہے۔ اور اسم اعظم کو عام لوگ نہیں جانتے۔

سوال۔ جب زیادہ قرین قیاس یہ امر ہے کہ اللہ کے اسماء ننانویں سے زائد ہیں تو
اگر ہم فرض کر لیں کہ یہ اسماء مثلاً ہزار ہونگے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہے کہ ان میں سے ننانویں
اسماء کے یاد کرنے سے آدمی بہشت میں داخل ہو جاتا ہے۔ تو یہ ننانویں نام مخصوص اسماء ہیں۔ یا
جو نسے ننانویں اسماء کوئی لیں۔ وہی کافی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً کیا ان کو پڑھنے والا بھی بہشت میں
داخل ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اور مثلاً کہ اگر کوئی شخص ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک
روایت والے تمام اسماء کو پڑھے۔ تو وہ داخل بہشت ہو جاتا ہے۔ اور اگر ان اسماء کو
پڑھے جو دوسری روایت میں آئے ہیں تو بھی بہشت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ جبکہ ہم دونوں
روایتوں کے اسماء کو اسماء باری تعالے کہتے ہیں۔

جواب۔ بظاہر یہی بات درست ہے کہ اس سے مراد وہ معین اسماء ہیں

کیونکہ جب مشتقین دو ہونگے تو ضعف تعیین کا فائدہ حاصل ہو گا۔ چنانچہ اگر کوئی کہے کہ "بادشاہ کے ایک سو ترکی سپاہی ہیں کوئی شخص ان کا مقابلہ کر سکتا ہے، دشمن ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے" تو یہ کہنا بھی درست ہو سکتا ہے کہ بادشاہ کے بہت سے نوکر ہوں اور ان میں سے خاص نوکر جن کی تعداد ایک سو ہو۔ قوت و شوکت میں مستثنیٰ ہوں۔ اور اگر تمام شاہی نوکروں میں سے خواہ کوئی نوکر ایک سو سے زیادہ ہوں ان سے یہ بات حاصل ہو سکتی۔ تو کہنے والے کا مذکورہ قول اپنے مدعا کے لحاظ سے پورا نہیں اترے گا۔

سوال۔ صرف ۹۹ اسمائے الٰہی کی تخصیص سے کیا خصوصیت ہے۔ باقی اسماء بھی تو خدا ہی کے ہیں؟

جواب۔ چونکہ اسماء معنی جلالت کے لحاظ سے باہم متفاوت ہیں اس لئے ممکن ہے کہ فضیلت میں بھی ایک دوسرے سے متفاوت ہوں۔ اور ہو سکتا ہے کہ ۹۹ اسماء اس قسم کے بے مثال معنوں پر مشتمل ہوں۔ جن پر دوسرے اسماء نہ ہوں۔ اس لئے وہ سب سے برتر ہوں۔

سوال۔ کیا اسم اعظم ان میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل نہیں۔ تو پھر یہ کیونکر اسم اعظم ہو سکتا ہے جو ان اسماء سے خارج ہے۔ اور اگر داخل ہے تو یہ کیونکر ہو سکتا ہے جبکہ اسم اعظم صرف نبیوں اور ولیوں کو معلوم ہوتا ہے۔ اور ۹۹ نام مشہور ہیں۔ سنتے ہیں کہ آصف بن برخیا جو بلقیس کے تخت کو لے آئے تھے۔ وہ اسم اعظم جانتے تھے۔ اور جو شخص اس کو جانتا ہے۔ وہ بڑی بڑی کرامات رکھتا ہے؟

جواب۔ یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم اس تعداد سے جو حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے، خارج ہو۔ اور ان اسماء کی نسبت تمام مشہور و معروف اسماء کے مقابلہ میں ہو لیکن ان اسماء کے مقابلہ میں جو انبیاء و اولیاء کو معلوم ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ اسم اعظم انہیں اسماء میں شامل ہو لیکن عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کونسا اسم ہے چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اسم اعظم ان دو آیتوں میں ہے۔ وَإِلٰهُكُمْ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيمُ پ ۲ ع ۳

اور تمہارا معبود (تو) ایک (ہی) معبود ہے وہ ہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں بڑا رحم

گئے ہیں۔ نہ اس حیثیت سے کہ صفات شریف صرف انہی میں منحصر ہیں۔ کیونکہ ایسا ماننا تو
ہوگا کہ نہ با ارادہ و سادہ کوئی یقین کر سکتا کہ اللہ کی صفات اس لئے سات ہیں کہ وہ طاق
ہے اور طاق ہی کو دوست رکھتا ہے۔ بلکہ یہ اس کی ذات واحدیت کے تقاضے سے
ہے۔ نہ کہ طاق ہونے کی وجہ سے۔ اور اس میں عدد غیر مقصود ہے۔ بلکہ وہ کسی قصد کرنے
والے کے قصد پر موقوف نہیں۔ جو جفت کو چھوڑ کر طاق کا قصد کرے۔ یہ بات اس
احتمال کی تائید کر سکتی ہے۔ جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن اسماء کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے
آپ کو موسوم کیا ہے۔ وہ صرف ۹۹ ہیں۔ زیادہ نہیں۔ اور اس نے ان کو سوا اس لئے
نہیں بنایا کہ وہ طاق عدد کو پسند کرتا ہے۔ آئندہ ہم اس احتمال کی تائید کرنے والے امر
کی طرف اشارہ کریں گے۔

سوال۔ یہ ۹۹ اسماء سب کے سب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
جمع کرانے کی غرض سے بیان کئے ہیں۔ یا یہ کام اس شخص کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ جو قرآن
وحدیث اور آثار سے ان کو جمع کر سکتا ہو؟

جواب ظاہر بات جو مشہور تر بھی ہے۔ یہ ہے کہ ان تمام اسماء کو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے جمع کرنے کی غرض سے بیان کر دیا ہے چنانچہ ان کو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ
نے نقل کیا ہے۔ کیونکہ حدیث کے ظاہر الفاظ سے ان تمام کو پڑھنے کی ترغیب ثابت ہوتی
ہے۔ اور اگر ان تمام کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور جمع بیان نہ کر دیتے۔ تو لوگوں کو
ان کا معلوم کرنا مشکل تھا۔

مذکورہ دلیل سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا
ہے۔ اور جمہور نے ان کی اس مشہور روایت کو تسلیم کیا ہے۔ جس کے مطابق ہم نے اسماء
کی یہ شرح لکھی ہے۔

امام احمد اور بیہقی رحمہما اللہ نے اس روایت کے متعلق خوب بحث کی ہے اور
کہا ہے کہ اس روایت میں ضعف ہے۔

اور ابو عیسےٰ ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اس کے متعلق ایسی بات ظاہر
کی ہے جس سے اس روایت کے ضعف کا احساس پایا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں محدثین نے اس کے متعلق تین خاص امور کا ذکر کیا ہے:-

اس اجتہاد میں یقیناً حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑھ گئے۔ ایسا شخص یا داخل جنت میں جانے کے باوجود
بخلاف اس کے ان اسماء کو کیا اس کی زبانی یاد کر لینا سہل ہے۔ جو شخص روایت میں کسے ہیں
ان صحیح احادیث کے بعض الفاظ میں یوں بھی وارد ہوا ہے کہ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ
جو شخص ان کو حفظ کرے وہ جنت میں جائیگا۔ اور حفظ کے لئے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں
پڑتی۔

یہ وہ احتمالات ہیں۔ جو اس حدیث کے متعلق سمجھے ہیں۔ جن میں سے بعض باتیں
ایسی ہیں جو پہلے کسی کو نہیں سوجھیں۔ اور وہ اجتہادی امور ہیں۔ جو ذوق سلیم کے ذریعہ معلوم کئے
جاسکتے ہیں۔ کیونکہ وہ بڑی عقل سے باہر ہیں۔ واللہ اعلم۔

تیسری فصل

اس امر کا بیان کہ اسمائے باری تعالیٰ توقیف پر موقوف ہیں یا بطریق عقل جائز ہیں

قاضی ابوبکر رحمی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بطریق عقل جائز ہے۔ گو یہ نام جائز نہیں
جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ یا اس کے معنے خدا کی نسبت سے محال ہوں۔ جس نام کو کوئی
مانع نہیں وہ جائز ہے۔

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مذہب ہے۔ یہ توقیف پر موقوف ہے یعنی
خدا کے حق میں ایسے ہر اسم کا اطلاق جائز نہیں ہو سکتا۔ جس کے معنے سے وہ موصوف ہے۔
مگر جب کہ اس کی اجازت آگئی ہو۔

ہمارے نزدیک مختار یہ ہے کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ جو لفظ
اسم بن سکتا ہے۔ وہ اذن شریعت پر موقوف ہے۔ اور جو وصف بن سکتا ہے وہ اذن پر
موقوف نہیں ہے۔ بلکہ اگر وہ صادق آتا ہے تو مباح ہے۔ اگر کاذب و غیر صادق ہے تو نہیں۔
اس بات کے سمجھنے کے لئے اسم و وصف کا فرق معلوم کرنا ضروری ہے۔

واضح ہو کہ اسم وہ لفظ ہے۔ جو معنی کی دلالت کے لئے موضوع ہوا ہو۔ چنانچہ

زید کا اسم فقط زید ہے۔ اور اس شخص کی نعت سفید اور لمبا بھی ہے۔ اور کوئی شخص اس کو
یوں پکارے کہ "اے لمبا و سفید" یا "اے لمبے" تو گویا اس نے اس کو وصف کے ساتھ پکارا
اور اس کا پکارنا درست تھا۔ لیکن اس نے اسم کے ساتھ پکارنے سے چشم پوشی کی۔ کیونکہ اس کا
اسم زید تھا۔ سفید اور لمبا نہیں تھا۔ اور اس کا نعت سفید اور لمبا ہونا اس امر پر دال نہیں ہے
کہ یہ اس کے اسم ہیں۔ بلکہ ہم اپنے بیٹے کا نام ہوتا اسمہ دوجا میں رکھ دیتے ہیں۔ تو اسما
کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ان اسماء کے معنوں سے موصوف ہے۔ بلکہ ان اسماء کی دلالت تو
معنوی ہی ہے۔ ایسی ہے۔ جیسے زید اور عیسیٰ کی دلالت ہے۔ بلکہ جب ہم کسی کا نام
عبد الملک رکھتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ بادشاہ کا غلام ہے۔ اور اسی
لئے ہم کہتے ہیں کہ عبد الملک، عیسیٰ اور زید کی طرح ایک مفرد اسم ہے۔ اور
جب اس کو مضاف الیہ میں ذکر کریں تو وہ مرکب کہلائیگا۔ یہی حال عبد اللہ کے اسم کا ہے
اسی لئے اسم عبد اللہ کی جمع عبادلہ آتی ہے نہ کہ عباد اللہ +

جب اسم کے معنے تم سمجھ چکے، تو اب واضح ہو گیا ہر شے کا اسم وہ ہے جس کے ساتھ
وہ خود اپنے آپ کو موسوم کرے یا اسکے ولی یا "والدین" یا "مالک" موسوم کریں۔ اور
تسمیہ یعنی اسم مقرر کرنا معنے کے حق میں تصرف ہے۔ اور یہ تصرف ولایت کا مستدعی ہے
اور انسان کی ولایت یا تو اپنے آپ پر ہوتی ہے۔ یا اپنے غلام پر یا بیٹے پر۔ اس لئے
انہیں کا نام رکھنے کا حق ہو سکتا ہے۔ اور اسی لئے اگر ان کے سوا کسی اور شخص کا نام رکھ دیا
تو وہ اسے ناپسند کرتا ہے اور خفا ہوتا ہے۔ جب ہم انسانوں کے نام رکھنے کا حق نہیں
رکھتے۔ تو اللہ کا نام رکھنے کا ہمیں کیا حق حاصل ہے +

اسی طرح رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام مبارک شمار میں آئے ہوئے ہیں
جن کو خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شمار کیا ہے۔ اور فرمایا کہ میرے بہت سے
نام ہیں احمد اور محمد اور المقفی اور الماحی اور العاقب اور نبی التوبہ
اور نبی الرحمت اور نبی الملحمہ۔ ہمیں اختیار نہیں ہے کہ تسمیہ کے طور پر ان ناموں پر
کوئی اضافہ کریں۔ ہاں آپ کے وصف کا ذکر کرنے کے طور پر کوئی اسم بول سکتے ہیں۔ یعنی یہ
کہنا جائز ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم ہیں۔ مرشد ہیں۔ رشید ہیں۔
ہادی ہیں وغیرہ۔ جیسے کہ ہم زید کو کہتے ہیں کہ وہ سفید ہے۔ لمبا ہے۔ نہ کہ بطور تسمیہ

یا مُعِزُّ یا مُذِلُّ کہو کہ جب یہ دونوں ہم جمع کئے جائینگے۔ تو وصفِ مدح بن جائینگے اس
کی وجہ یہ ہے کہ اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تمام امور کی باگ ڈور اسی کے قبضہ میں ہیں۔
اسی طرح دعا میں اللہ کو اس کے اسماء حسنے کے ساتھ پکار سکتے ہیں۔ جیسے کہ
اس نے حکم دیا ہے۔ اور جب اسماء حسنے آگے پڑھیں تو صرف قبول و حق کی صفات سے
اس کو پکار سکیں گے۔ پس یوں نہیں کہہ سکتے کہ یا مُتَوَجِّعُ، یا مُحْتَرِقُ، یا مُسْتَمْكِنُ، بلکہ
یوں کہیں گے کہ یا مُقِیلَ العَثَرات، یا مُنْزِلَ البَرَکات، یا مُفِیضَ الخَیْرات
جیسے ہم کسی انسان کو بلانا چاہیں۔ تو یا تو اس کو اس کے نام سے پکاریں گے۔ یا اس کی صفت
مدح سے پکاریں گے۔ مثلاً یا شریف، یا فقیہ، لیکن یوں نہ کہیں گے کہ "اے لمبے"! "اے
سفید رنگ والے"! ہاں جب اس کی تحقیر منظور ہو۔ تو ایسا کہہ سکتے ہیں۔ اور جب ہم اس کی
صفات کا ذکر کرنا چاہیں۔ تو یوں کہیں گے۔ کہ وہ سفید رنگ والا، دبلا پتلا اور بالوں والا ہے۔ اور
اس کی ایسی صفت کا ذکر کریں گے جس کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ اور وہ کسی ایسی صفت کو
ناپسند کرتا جس میں نقص کے معنے پائے جائیں۔ اور جب یہ پوچھا جائے کہ ہشیار کو
حرکت دینے والا، ساکن کرنے والا، سیاہ و سفید بنانے والا کون ہے؟ تو ہم کہیں گے اللہ تعالیٰ
ہے۔ اور اس کی طرف افعال و اوصاف کو منسوب کرنے کے لئے ہم کسی شرعی اذن کے
منتظر نہ ہوں گے۔ بلکہ یہ صادق آجانے والی صفت کے متعلق اذن وارد ہو چکا ہے۔ سوا
ان اوصاف کے جو کہ اس میں برے معنے ہیں۔ مثلاً موجود ہے، مُوجِد ہے،
مُظْهِر ہے، مُحَقِّق ہے، مُشْتَهِی ہے، مُشْتَق ہے، مُبْقِی ہے، مُغْنِی ہے
ان سب کا اطلاق جائز ہے۔ گو ان کے متعلق توقیف وارد نہیں ہوئی۔

سوال۔ تو پھر ہم خدا کو عارف، عاقل، فطِن، ذکی وغیرہ کیوں
نہیں کہہ سکتے؟

جواب۔ ان اسماء اور جیسے دیگر اسماء کے اطلاق میں مانع صرف یہ ہے کہ ایہام
پایا جاتا ہے۔ اور جن اسماء میں ایہام پایا جاتا ہو۔ ان کا اطلاق شرعی اذن کے بغیر جائز
نہیں۔ جیسے الصبور، الرحیم، الحلیم وغیرہ میں ایہام ہے۔ مگر ان کے
متعلق اذن وارد ہو چکا ہے۔ اور مذکورہ اسماء کے متعلق اذن وارد نہیں ہوا۔ یہاں ایہام
یہ ہے کہ مثلاً عاقل سے مراد وہ شخص ہے جس کی سمجھ اس کو غلطی سے باز رکھے۔ کیونکہ عقل

کے معنی باندھنے کے ہیں۔ چنانچہ کہا جاتا ہے عَقَلَہٗ عَقْلًا یعنی اس کی عقل نے اس کو باندھا
اور فطنت و ذکاوت سے مراد سرعت ادراک ہے۔ جب کہ معاملہ یوں ہی ہو جیسا کہ ہم نے بیان کیا
باقی رہا۔ پس اس قسم کے الفاظ کے اطلاق کا مانع صرف یہی ہے جو مذکور ہو چکا اگر کوئی لفظ
حقیقۃً کسی پر چل جائے۔ تو پھر دونوں مفہوموں میں کوئی ایسا امر واقع نہیں ہوتا اور شرع اس کی
مانع ہے اور ہم بھی اس کا اطلاق قطعاً جائز
سمجھتے ہیں

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَاِلَیْہِ الْمَرْجَعُ وَالْمَاٰبُ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام فرخندہ فرجام کتاب مستطاب مقصد اسنیٰ ترجمہ
از تصنیف زبدۃ العارفین پیشوائے سالکین حجۃ الاسلام امام عالی مقام

ابو حامد امام محمد الغزالی علیہ الرحمۃ

بوقت سعید باختتام رسید
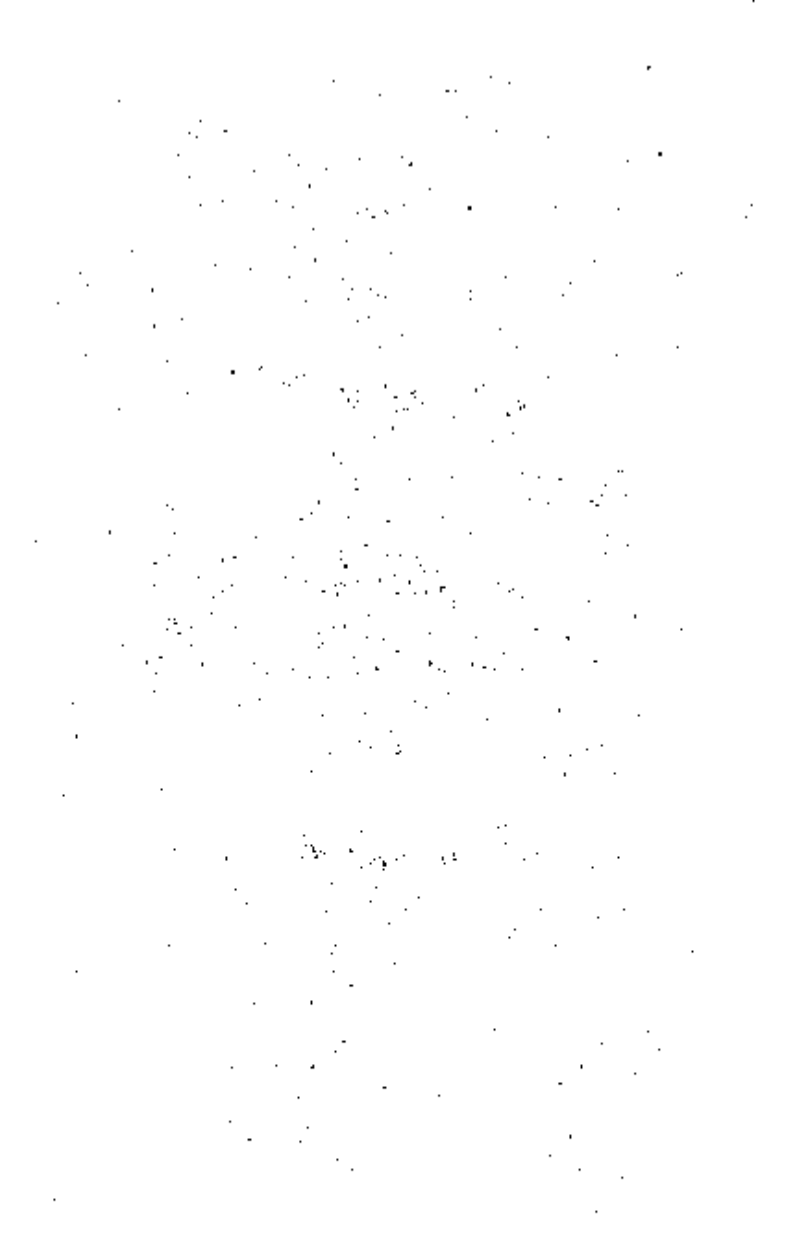
مشکوٰۃ الانوار

امام غزالیؒ

مترجمہ

(حافظ) حبیب الرحمٰن صدیقی کاندھلوی

(فارغ درس نظامی۔ مولوی فاضل منشی فاضل)

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تمام تعریفیں اس خدا کے لیے ہیں جو انوار برسانے والا، نگاہیں کھولنے والا، اسرار ظاہر کرنے والا اور حجابات دور کرنے والا ہے۔ اور ان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سراپا نور اور اخلاق و صفات حسنہ کے مالک، زبردست اور تمام جہانوں کے پالنے والے اس خدا کی جانب سے خوشخبری سنانے والے جو سب سے زیادہ مغفرت کرنے والا، اور اس ذات سے ڈرانے والے جو سب سے بڑا قہار ہے۔ ان پر درود نازل ہو جو کفار کو توڑ ڈالنے والا اور فساق کو قہر بار کر ذلیل و خوار کرنے والے ہیں۔ اور ان کی پسندیدہ آل و اصحاب پر بھی درود نازل ہو۔

اما بعد، اے مکرم بھائی اللہ تعالیٰ تجھے طلب سعادت کی توفیق عطا فرمائے، بلند سعادت و نیک بختی کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے تیری رفتار تیز فرمائے، تیری بینائی کو حقیقی نور سے سرمگین کرے اور تیرے دل کو ما سوا اللہ سے پاک کرے۔

تم نے مجھ سے جو سوال کیا ہے کہ میں تمہیں انوار ربانی کے وہ راز بتا دوں کہ جن کی طرف ظاہر آیات قرآنیہ اور احادیث مرویہ اشارہ کرتی ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (یعنی اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا نور ہے) آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ نور خداوندی کو شیشہ، طاق، چراغ اور زیتون کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خدا کے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں۔ اگر وہ انہیں کھول دے تو اس کے چہرے کے انوار ہر اس شخص کو جلا دیں جو ان پر نظر کرے یا آنکھوں سے دیکھے۔

تم نے مجھے اپنے سوال سے اتنی سخت اور دشوار گزار گھاٹی پر چڑھا دیا ہے کہ جس کی بلندی کی جانب دیکھنے والوں کی نگاہیں بھی جھک جاتی ہیں تم نے اپنے سوال سے اس راز کو کھولنے کی کوشش کی ہے کہ جسے فاضل علماء اور راسخین فی العلم کے علاوہ کوئی کھول نہیں سکتا۔ نیز یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ ہر راز کھولنے اور بیان کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور ہر حقیقت دوسروں کے سامنے کھولی جا سکتی ہے اور نہ بیان کی جا سکتی ہے۔ صرف عارفوں کے قلوب ایسے ہیں جو رازوں کو مخفی رکھ سکتے ہیں۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ ربوبیت کے اسرار ظاہر کرنا کفر ہے۔ حتیٰ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بعض اہل علم ایسے ہوتے ہیں جیسے مخفی خزانہ انہیں علمائے ربانی ہی جانتے ہیں۔ ان کی بات کا وہی شخص انکار کر سکتا ہے جو معرفت خداوندی سے بے بہرہ ہو۔ اور جب ایسے نادانوں کی کثرت ہو جائے تو اس وقت ایسے شہروں سے اسرار کو مخفی رکھنا ضروری ہے۔

لیکن میرا خیال ہے کہ تیرا سینہ نور سے معمور اور تیرا دل غرور اور ظلمات سے پاک ہے اس لئے میں صرف انوار کے پرتو کی جانب اشارہ کر کے سمجھاؤں گا اور تمام قسم کے حقائق و دقائق صرف رمز و کنایہ ہی میں ظاہر کروں گا کیونکہ اہل علم سے علم کو چھپانا اتنا ہی بڑا ظلم ہے جتنا کہ نااہل کے سامنے علم کے اسرار ظاہر کرنا۔ شاعر کا قول ہے

فَمَنْ مَنَحَ الْجُهَّالَ عِلْمًا أَضَاعَهُ   وَمَنْ مَنَعَ الْمُسْتَوْجِبِيْنَ فَقَدْ ظَلَمْ

جس نے جاہلوں کے سامنے علم ظاہر کیا اس نے علم ضائع کیا   اور جس نے مستحقین سے علم روکا اس نے ظلم کیا۔

اب تم مختصر بات و اشارات ہی پر اکتفا کرو کیونکہ اس کی تحقیق ایک اصول کی تمہید اور بہت سی فصول کی شرح کی متقاضی ہے جس کے لئے یہ وقت قطعاً ناکافی ہے اور نہ اس وقت اس جانب میرا ذہن متوجہ ہے۔ کیونکہ دلوں کی چابیاں تو خدا کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ چاہتا ہے اور جس کے ذریعے چاہتا ہے انہیں کھول دیتا ہے۔ اس وقت میں صرف تین ابواب پر اکتفا کروں گا۔

باب اوّل

اقسام انوار فی الواقع تو اصل نور صرف اللہ تعالیٰ ہے اور دوسروں کی جانب جو اس کی نسبت کی جاتی ہے وہ محض مجازاً ہے ورنہ فی الواقع اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

اولاً تم اس طور کے معنی سمجھو جو عوام کے نزدیک ہیں۔ دوسرے معنی وہ ہیں جو خواص کے نزدیک ہیں اور تیسرے معنی وہ ہیں جو کہ اخص الخواص قائل ہیں۔ اس کے بعد خواص جس نور کے قائل ہیں اس کے درجات وحقائق بھی ذہن نشین کر لو تاکہ درجات کے اظہار کے وقت ہم یہ وضاحت کر سکیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی نور اعلیٰ ہے۔ نیز اظہار حقائق کے ساتھ یہ بھی بیان کر دیں کہ وہی سچا اور حقیقی نور ہے جس میں وہ یکتا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔

نور عامی عوام کے نزدیک نور کی حقیقت یہ ہے کہ نور ظہور کا اشارہ ہے اور ظہور بھی ایک نسبتی امر ہے کیونکہ ہر شے اپنے غیر کے لئے ظاہر بھی ہوتی اور اس سے چھپتی بھی ہے۔ اس لحاظ سے وہ نسبتہً ظاہر ہوتی اور نسبتہً باطن۔ اس کے ظہور کو ادراکات سے منسوب کرنا ضروری ہے۔ اور عوام کے نزدیک تمام ادراکات میں سب سے زیادہ قوی حواس خمسہ ہیں اور ان میں سب سے زیادہ قوی حاسہ بصر ہے۔

بلحاظ حس اشیاء کی تین قسمیں ہیں، اوّل وہ اشیاء جو بالذات دیکھی نہ جا سکتی ہوں جیسے سیاہ جسم۔ ثانیاً وہ اشیاء جو بالذات تو دیکھی جا سکتی ہیں لیکن ان کے ذریعہ کوئی اور شے نہیں دیکھی جا سکتی۔ مثلاً روشن جسم ستارے، غیر روشن شدہ آگ۔ اور تیسری قسم کی وہ اشیاء ہیں جو خود بالذات بھی دیکھی جا سکتی ہیں اور ان کے ذریعہ دیگر اشیاء کو بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً چاند سورج، شعلہ زن آگ اور چراغ وغیرہ، نور اسی تیسری قسم کا نام ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان شعاعوں پر بھی ہوتا ہے جو روشن اجسام سے کثیف اجسام پر پڑتی ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ زمین روشن ہو گئی، یا جیسا کہ آفتاب کا نور زمین کو روشن کرتا یا چراغ کا نور صحن اور دیوار کو روشن کرتا ہے۔ ان سب کو نور کہا جاتا ہے۔

کبھی نور کا اطلاق ان اشیاء پر بھی ہوتا ہے جو فی نفسہٖ روشن ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نور سے مراد وہ شئ ہے جو خود بھی دیکھی جا سکے اور جس کے ذریعہ دوسری چیز کو بھی دیکھ سکیں جیسا کہ آفتاب۔ نور کی یہ تعریف وضع اول کے لحاظ سے ہے۔

نکتہ: نور کی اصل حقیقت ظہور وادراک ہے۔ اور وجود نور کا ادراک دیکھنے والی آنکھ پر موقوف ہے۔ کیونکہ نور کا فعل ظاہر ہونا اور ظاہر کرنا ہے۔ لیکن نابینا کے حق میں نہ کوئی نور ظاہر ہے

کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کون ان تمام عیوب سے پاک ہے۔ پس وہی اسم نور کے زیادہ لائق ہے۔

اب معلوم ہوا کہ انسان کے دل میں ایک آنکھ ہے جس میں یہ کمال صفت ہے اور وہی آنکھ ہے جسے عقل و روح اور نفس سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام تاویلات کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ جب تاویلات بڑھ جاتی ہیں تو ضعیف العقل اس وہم میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ ان کے معانی بہت ہیں اس لئے ہم وہی معنی مراد لیتے ہیں جس سے عاقل مرد شیر خوار بچے، دیوانہ اور چوپائے سے ممتاز ہو جاتے، اور جسے جمہور کی اصطلاح میں عقل کہا جاتا ہے اور اسی لئے ہم اس بات کے قائل ہیں کہ عقل کا نام نور رکھنا ظاہری آنکھ کی بہ نسبت زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ساتوں نقص سے پاک ہے۔

فرق مراتب

۱- آنکھ خود کو نہیں دیکھ سکتی لیکن عقل جیسے دوسروں کو دیکھتی ہے خود کو بھی دیکھ سکتی ہے۔ اپنی صفات بھی معلوم کر لیتی ہے۔ کیونکہ خود کو عالم و قادر سمجھتی ہے۔ وہ اپنے نفس کے علم کو بھی جانتی ہے اور علم کے علم کو بھی الی غیر النہایہ۔ اور یہ خاصیت ان میں موجود نہیں جن کا ادراک حواس سے ہوتا ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسرار ہیں جن کی شرح طویل ہے ۲- جو حد سے زیادہ قریب ہو یا حد سے زیادہ بعید نگاہ اسے معلوم کرنے سے قاصر ہے لیکن عقل کے نزدیک قریب و بعید یکساں ہیں، وہ ایک پل میں تمام آسمانوں کی سیر کر لی اور ایک دم میں زمین کی تہ تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ فی الواقع اجسام میں جو قرب و بعد ہے وہ اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتا کیونکہ وہ خدا کے [illegible] کا ایک نشان اور نمونہ ہے اور نمونہ اپنے اصل کے مشابہ ہوتا ہے گو اس کے مساوی نہ ہو۔ اسی سے اس حدیث کا راز عیاں ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ (اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا) ہماری اس تقریر پر مزید غور و فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔

نوٹ:- حدیث مذکور میں علماء نے صورت سے صفات مراد لی ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ صورت سے منزہ ہے۔ نیز یہ بھی غور طلب ہے کہ صُوْرَتِہٖ کی ضمیر کس جانب راجع ہے اللہ کی جانب یا آدم کی جانب۔ اور یہ قاعدہ کہ اسم ضمیر قریب کے جانب راجع ہوتا ہے اور قریب آدم واقع ہے نہ کہ اللہ تو اس صورت میں حدیث مذکور کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو انہی کی صورت پر پیدا کیا۔ یعنی وہ اپنی صورت میں یکتا ہیں اور کوئی دوسری مخلوق بلحاظ صورت انسان کے

مقابلہ نہیں۔ ۳۔ دوسرا یہ ہے کہ آنکھ بہت سی چیزوں کو نہیں دیکھ سکتی اور عقل آسمانوں کے پردوں کو پار کر کے عالم علوی اور ملکوت میں اس طرح تصرف کرتی ہے جیسے وہ اپنے خاص اور نہایت قریب میں یعنی جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ بلکہ کوئی حقیقت بھی عقل سے پردہ میں نہیں رہتی، ہاں عقل کا حجاب اس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی صفت مستعارہ کے باعث خود سے پردے میں ہو جائے۔ خود اس صفت مستعارہ سے عقل کا حجاب اس قسم کا ہوتا ہے جیسا کہ پلکوں کو بند کر دیا جائے۔ اس کی تفصیل ان شاء اللہ تیسرے باب میں بیان کریں گے۔ ۴۔ آنکھ اشیاء کے ظاہری اور باہری حصے کو معلوم کر سکتی ہے لیکن اندرونی حصے کو معلوم نہیں کر سکتی۔ جسم کا قالب اور صورت تو معلوم کرتی ہے لیکن اس کے حقائق معلوم کرنے سے قاصر ہے۔ عقل اشیاء کا اندرونی حصہ اور اس کے حقائق و کیفیات معلوم کرتی ہے اس کے اسباب و علل معلوم کر لیتی اور اس پر حکم لگاتی ہے۔ اور یہ معلوم کرتی ہے کہ یہ شے کس چیز سے پیدا ہوئی اور کیونکر پیدا ہوئی، کتنی اشیاء سے مرکب ہے اس کا وجود میں کیا مرتبہ ہے اور دیگر مخلوقات کی جانب اس کی کیا نسبت ہے۔ اسی طرح لاتعداد مباحث کو جانتی ہے جن کی شرح طویل ہے۔ اس کا اختصار ہی بہتر ہے۔ ۵۔ آنکھ بعض موجودات کو دیکھتی ہے لیکن تمام معقولات و محسوسات کی دریافت سے قاصر ہے۔ وہ آواز، خوشبو، ذائقہ، حرارت و برودت اور قوائے مدرکہ یعنی سونگھنے، سننے اور چکھنے کی قوتوں کو نہیں جانتی۔ بلکہ صفات باطنہ جیسے فرحت و سرور، رنج و غم، درد و لذت، عشق و شہوت، قدرت و ارادہ اور علم و جہل وغیرہ بے شمار موجودات اس کے احاطہ علم سے باہر ہیں۔ آنکھوں کی معلومات کا میدان نہایت محدود ہے اس میں رنگوں اور شکلوں کے جہاں کا گزر نہیں ہو سکتا اور یہ دونوں عالم موجودات میں ادنیٰ ترین ہیں اور اعراض اجسام میں سب سے زیادہ خسیس رنگ و شکل ہے لیکن یہ تمام موجودات عقل کی جولان گاہ ہیں۔ کیونکہ وہ ان موجودات کو بھی معلوم کر لیتی ہے جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ تعداد میں مذکورہ موجودات سے بہت زیادہ ہیں۔ وہ ان تمام موجودات میں تصرف کرتی اور ان سب پر یقینی اور سچا حکم لگاتی ہے۔ اسرار باطنہ اور مخفی معانی اس کے نزدیک ظاہر ہیں۔

اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ آنکھ عقل کے مساوی نہیں ہو سکتی جو اس پر نور کا اطلاق کیا جاتا ہے وہ غیر کی نسبت سے نور ہے۔ لیکن عقل کی نسبت سے ظلمت ہے بلکہ آنکھ عقل کے مخبروں میں ہے۔

ایک تجربہ ہے اور یہ سب اس کے خزانوں میں سے ایک معمولی سا خزانہ ہے اور رنگ و صورت کا
خزانہ ہے تاکہ عقل کے حضور میں شکل تصویریں پہنچائے اور پھر عقل ان میں جو چاہے حکم لگائے اس کے
سوا اور بھی جو اس عقل کے جز ہیں یعنی خیال، وہم، فکر، ذکر اور حفظ، اور ان کے علاوہ جتنے مدرکات ہیں
وہ عقل کے خادم ہیں اور اسی عالم کے گروہ میں اس کے متعین ہیں۔ وہ انہیں اس طرح اپنے تابع میں رکھتی
ہے جس طرح بادشاہ اپنے غلاموں کو مسخر کرتا ہے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کی خرچ بھی طرح یا ہے
ہم نے اس کی تفصیل احیاء العلوم کی کتاب عجائب القلب میں کی ہے۔

۵۔ آنکھ غیر متناہی شے کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ وہ معلوم اجسام کی صفات دیکھتی ہے اور
اجسام متناہیہ ہی متصور ہو سکتے ہیں لیکن عقل معقولات کو معلوم کرتی ہے اور معقولات لا متناہی
ہیں لیکن جب وہ علوم متحصلہ کا ادراک کرتی ہے تو اس سے جو علم حاضر حاصل ہوتا ہے وہ متناہی
ہوتا ہے لیکن اس کی قوت میں غیر متناہی کا ادراک موجود ہے۔ غیر متناہی سے مراد وہ شئی ہے جسے
عقل انسانی غیر متناہی تصور کرے ورنہ شرعاً خدا کے علاوہ کوئی شے غیر متناہی نہیں۔ یہ دوسری
بات ہے کہ عقل اس کی انتہا کو معلوم نہ کر سکے۔ اور یہ خود عقل کے نقصان کی دلیل ہے۔ مثلاً علم
حساب کو دیکھو کہ وہ اعداد معلوم کرتا ہے لیکن ان کی کوئی انتہا نہیں اور نہایت نہ ہونا اور شے ہے اور
ان کا علم نہ ہونا اور شے ہے اگر انتہا نہ ہو تو تسلسل لازم آئے گا اور تسلسل محال ہے پھر دو تین اور باقی
اعداد کے اضعاف کو معلوم کر لیتی ہے جن کی نہایت متصور نہیں۔ اعداد انسان کے وضع کردہ ہیں
اور جب وہ خود لا متناہی نہیں تو اس کی وضع کردہ شے کیسے لا متناہی ہو سکتی ہے؟ عقل اپنی کسی
شے کے علم کو بھی معلوم کرتی ہے اور اس امر کو بھی کہ اس کا علم کسی شے کا علم رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا اس کے
علم کے علم کو بھی جانتی ہے۔ اور اس منزل پر پہنچ کر اس کی قوت کسی انتہا پر نہیں ٹھہرتی (اہل علم
اس کے قائل ہیں کہ ہر شے کی ایک حد ایک انتہا ہے۔ اور اگر اس کی انتہا نہ ہو تو عقل انتہا مقرر کرے
کیونکہ عقل کے نزدیک یہ ایک مسلمہ ہے کہ ہر شے کی انتہا ہے)

۶۔ آنکھ بڑی چیز کو چھوٹا محسوس کرتی ہے جیسا کہ آفتاب کو ڈھال کے برابر اور فرش
فلک پر بکھرے ستاروں کو دینار کے برابر۔ لیکن عقل جانتی ہے کہ ستارے اور آفتاب زمین سے
کئی گنا بڑے ہیں۔ ۷۔ آنکھ ستاروں کو بلکہ اپنے سامنے سایہ کو بھی ساکن دیکھتی ہے بلکہ اپنی مقدار

میں ساکن دیکھتی ہے لیکن عقل جانتی ہے کہ بچہ بڑھنے میں حرکت کرتا اور بڑھتا رہتا ہے۔ سایہ حرکت کرتا ہے تارے ایک لحظہ میں بہت سے میل طے کر جاتے ہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ کیا سورج ڈھل گیا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اور ہاں! آپ نے فرمایا کہ اس جواب کا کیا مقصد ہے جبرئیل نے کہا کہ میرے ہاں اور نہیں کہنے تک سورج پانچ سو سال کا راستہ طے کر گیا۔ آنکھوں کی غلطیوں کی بہت سی قسمیں ہیں اور عقل اس سے پاک ہے۔

اگر تم یہ سوال کرو کہ ہم بہت سے عقلاء کو دیکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے میں غلطی کرتے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کے خیالات و وہم کبھی اعتقادات کا حکم لگاتے ہیں اور وہ گمان کر لیتے ہیں کہ ان کے یہ احکام عقل کے احکام ہیں۔ حالانکہ دراصل یہاں کے خیالات کی غلطی ہے۔ ہم نے اس کی شرح معیار العلم اور محک النظر میں کی ہے اور عقل جبکہ وہم و خیال سے مجرد ہو تو اس میں غلطی متصور نہیں ہو سکتی بلکہ وہ تمام اشیاء کو اصل حالت پر دیکھتی ہے لیکن اس کا تنہا ہونا دشوار ہے ہاں موت کے بعد ان جھگڑوں سے پاک ہوگی اس وقت پردہ کھل جائے گا اور تمام اسرار ظاہر ہو جائیں گے (اور جب تک عقل جزو وجود میں مدغم ہے اس وقت تک کسی پر اسرار کا ظہور بھی نہیں ہو سکتا) اور ہر شخص اپنی بھلائی اور برائی کو جسے وہ آگے بھیج چکا ہوگا حاضر دیکھے گا۔ اپنا اعمال نامہ بھی دیکھے گا۔ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا (نہیں چھوڑا اس نے چھوٹی بات اور نہ بڑی بات جو اس میں نہیں آگئی) اس حال میں اس سے کہا جائے گا۔ فَكَشَفْنَا عَنكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ۔ (اور ہم نے تجھ سے تیرا پردہ اٹھا دیا ہے آج تیری آنکھ تیز ہے) اور یہ خیالات و توہمات بھٹکے پڑے ہیں۔ اس وقت جو اپنے توہمات فاسد اعتقادات اور باطل تخیلات میں مغرور ہو چکا ہوگا کہے گا اے ہمارے پروردگار ہم نے دیکھ لیا اور سن لیا اب ہمیں پھر دنیا میں لوٹا دیجئے کہ اچھے عمل کریں اب ہمیں یقین آگیا ہے۔

عقل کی رویت یکساں نہیں | یہ بھی ذہن نشین کر لو کہ گو عقل دیکھنے والی ہے۔ لیکن وہ تمام اشیاء جنہیں وہ دیکھتی ہے یکساں نہیں۔ بلکہ بعض تو اس کے نزدیک گویا حاضر ہیں جیسے علوم ضروریہ۔ مثلاً اس کا یہ علم کہ ایک شے قدیم اور حادث نہیں ہو سکتی کوئی شے معدوم و موجود نہیں ہو سکتی اور ایک بات سچی اور جھوٹی نہیں ہو سکتی اور جب بھی کسی شے کے لیے حکم ثابت ہوگا تو اس کے

شکل کے لیے بھی اور نا ثابت ہوگا اور جہاں عام پایا جائیگا وہاں عام ضرور پایا جائے گا جب بھی سیاہی پائی جائے گی تو رنگ ضرور پایا جائے گا جب بھی انسان کا وجود ہوگا تو حیوان کا وجود ضرور ہوگا لیکن اس کا عکس ضروری نہیں اس لئے ضروری نہیں کہ جب بھی رنگ کا وجود ہو تو سیاہی بھی پائی جائے جیسا کہ یہ ضروری نہیں کہ جب بھی حیوان پایا جائے تو انسان بھی موجود ہو۔

بعض وہ امور ہیں جو ہر وقت عقل کے پیش نظر نہیں رہتے بلکہ وہ اس بات کی محتاج ہوتی ہے کہ اسے بیدار کیا جائے اور اسے روشنی دکھائی جائے جیسے امور نظریہ۔ اس کی جانب عقل کو حکماء کا کلام متوجہ کرتا ہے۔ پس نور حکمت کی روشنی کے وقت انسان بالفعل بینا ہوتا ہے اور اس سے قبل اس کی بینائی بالقوہ تھی۔

سب سے بڑی حکمت اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کے کلام میں علی الخصوص قرآن مجید عقل کی آنکھ کے نزدیک آیات قرآنیہ کا وہی رتبہ ہے جیسا کہ نور آفتاب کا ظاہری آنکھ کے نور کے بالمقابل، کیونکہ آنکھیں صحیح کام اس کے ساتھ کرتی ہیں اس لحاظ سے یہ زیادہ مناسب ہے کہ قرآن مجید کو نور کہا جائے۔ جس طرح آفتاب کے نور کو نور کہا جاتا ہے۔

قرآن آفتاب کی طرح ہے اور عقل آنکھ کے نور کی طرح ہے اس سے اللہ تعالیٰ کے اس کلام کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے۔ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلْنَا (اللہ اور اس کے رسول اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کیا ہے) اور خدا تعالیٰ کے اس ارشاد کے معنی بھی ظاہر ہو جاتے ہیں۔ قَدْ جَاءَكُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا (تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے پاس سے دلیل آچکی اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر نور نازل کیا)

تنبیہ اس تقریر سے جب یہ ظاہر ہو گیا کہ آنکھیں دو ہیں۔ ظاہری اور باطنی نگاہ ظاہر کا تعلق عالم محسوسات و مشاہدہ سے ہے اور نگاہ باطن کا تعلق عالم آخر سے، اور عالم آخر عالم ملکوت ہے اور دونوں آنکھوں میں سے ہر ایک کے لئے آفتاب اور نور ہے جس کے باعث آنکھ کی بینائی کامل ہوتی ہے آفتاب بھی دو ہیں ایک ظاہر اور ایک باطن۔ ظاہری آفتاب تو وہ ہے جو نظر آتا ہے اور باطنی آفتاب قرآن اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں ہیں۔

جب یہ بات تمہارے ذہن نشین ہو گئی تو تم پر گویا عالم ملکوت کا ایک در کھل گیا۔ اور عالم

ملکوت میں ایسے عجائبات ہیں کہ عالم ظاہری ان کے سامنے ایک حقیر سی شے ہے اور جس شخص نے اس جہاں
کا سفر نہ کیا ہو اور تا منزل وہ اسی جہان سفلی کی پستی میں مبتلا ہو تو وہ ایک چارپایہ ہے جو انسانی خاصیت سے
محروم ہے۔ بلکہ حیوانات سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ حیوانات کو تو اس جہان کی طرف اڑنے کی
قدرت ہی نہیں دی گئی۔ بخلاف انسان کے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۔　　　یہ چوپایوں کی طرح بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں

یہ بات بھی ذہن نشین کر لو کہ ظاہر عالم، عالم ملکوت کے مقابلے میں ایسا ہی ہے جیسا
کہ مغز کے مقابلے میں چھلکا یا روح کے مقابلہ میں صورت و شکل۔ نور کے مقابلہ میں ظلمت اور بلندی
کے مقابلہ میں پستی۔ اسی لئے عالم ملکوت کو عالم روحانی، عالم نورانی اور عالم علوی بھی کہتے ہیں۔ اس
کے بالمقابل عالم سفلی کو عالم جسمانی اور عالم ظلمانی کہا جاتا ہے۔ یہ تصور نہ کرنا کہ عالم علوی سے ہماری
مراد آسمان ہیں کیونکہ وہ تو عالم شہادت و حس کے مقابلے میں بلند ہیں ان کے دریافت کرنے میں تو
حیوانات بھی شریک ہیں لیکن خدا کے بندہ کا یہ حال ہے کہ اس کے لئے ملکوت کے دروازے اس
وقت کھول دیے جاتے ہیں اور وہ اسی وقت ملکوتی بنتا ہے جب کہ اس کے حق میں اس زمین کے بدلے
اور زمین اور اس آسمان کے بدلے اور آسمان ہوتا ہے جو تمہیں کہ رہے تھے اس کے حس و خیال کے
نیچے ہے وہ زمین ہے اور جو اس سے بلند ہے وہ آسمان ہے بلکہ جو شے حس سے بالاتر ہو وہ اس کا
آسمان ہے اور جو شخص قرب خداوندی کی تلاش میں اس راہ پر گامزن ہوتا ہے تو اس کی یہ پہلی معراج
ہے۔ انسان اسفل سافلین میں گرا پڑا ہے اور اس سے عالم اعلیٰ کی جانب ترقی کرتا ہے۔ لیکن فرشتے
عالم ملکوت میں داخل ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق درگاہ خداوندی سے ہے۔ ان میں سے بعض عالم اسفل
کی جانب بھی جھانکتے ہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات
کو ظلمت میں پیدا کیا پھر اس پر اپنا نور ڈالا۔ اور فرمایا اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ہیں جو لوگوں کے اعمال
سے لوگوں کی بہ نسبت زیادہ واقف ہیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی عالم ملکوت تک معراج ہوئی ہے
تو وہ اعلیٰ درجہ پر فیضیاب ہو جاتے ہیں۔ اور عالم غیب پر مطلع ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ جو بھی عالم ملکوت
میں ہوگا اسے قرب خداوندی حاصل ہوگا اور خدا کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں۔ یعنی ان کے پاس
سے عالم شہادت میں موجودات کے اسباب نازل ہوتے ہیں کیونکہ عالم شہادت اس عالم کے ثمر

دنیا میں اس ترتیب کی مثال کو اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ چاند کی روشنی کو کسی گھر کے سوراخ
میں سے ایسے آئینہ پر پڑتے ہوئے دیکھئے جو دیوار پر رکھا ہوا ہے اور جس کی روشنی دوسری دیوار پر پڑتی
ہو جو اس آئینہ کے مد مقابل ہو پھر وہ روشنی اس سے زمین پر پڑے جس سے زمین روشن ہو جائے
تو زمین پر جو نور ہے وہ زمین کے نور کے تابع ہے اور دیوار کا نور آئینہ کے نور کے تابع اور آئینہ
کا نور چاند کے نور کے اور چاند کا نور آفتاب کے نور کے۔ کیونکہ چاند آفتاب سے نور حاصل کرتا ہے
اور یہ چاروں نور ترتیب وار ہیں۔ بعض بعض سے اعلیٰ و اکمل ہیں اور ہر ایک کے لئے ایک
مقام و درجہ ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتا۔

یہ بھی جان لو کہ دل کی آنکھ والوں پر یہ امر ظاہر ہوا ہے کہ انوار ملکوتیہ اسی ترتیب پر
پائے جاتے ہیں اور مقرب ہی نور اعلیٰ کے زیادہ قریب ہے تو کچھ بعید نہیں کہ اسرافیل علیہ السلام
کا رتبہ جبرئیل علیہ السلام سے بڑھ کر ہو اور اعلیٰ فرشتوں میں کوئی اتنا قریب ہو جس کا رتبہ حضرت ربوبیت
سے جو منبع الانوار ہے قریب ہو اور فرشتوں میں ادنیٰ درجے کے بھی ہیں۔ ان میں بہت سے
درجات ہیں جو مشکل سے شمار میں آ سکتے ہیں۔ ان کا صرف اتنا حال معلوم ہے کہ وہ کثیر التعداد
ہیں اور ان کی ترتیب ان کی صفوف میں ہے جیسا کہ خود انہوں نے اپنی زبان سے بیان کیا ہے:

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَّعْلُومٌ — ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کا معین مقام

وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُّونَ — اور ہم ہی صفیں باندھے ہوئے ہیں۔

وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ — اور ہم تسبیح کرنے والے ہیں۔

جب یہ بات معلوم ہو چکی کہ انوار کے لئے ترتیب ہے تو یہ بھی سمجھ لو کہ یہ سلسلہ غیر
متناہی نہیں بلکہ وہ پہلے منبع تک ہے جو اپنی ذات کے لئے ہے اور اپنی ذات سے قائم ہے
اس کا نور غیر کی جانب سے نہیں آتا۔ اسی سے تمام انوار اپنی ترتیب پر روشن ہوتے ہیں اس
سے یہ ظاہر ہو گیا کہ اس شے کو نور کہنا جس نے اپنا نور غیر سے مانگا ہے زیادہ مناسب ہے یا اس
ذات کو نور کہنا زیادہ مناسب ہے جو اپنی ذات میں روشن ہے اور اپنے علاوہ سب کو روشن کرنے والا ہے
اب بھی اگر تجھ پر حق مخفی ہے تو میرے کہنے کی حاجت نہیں اور اسی سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ نور
کا اسم ایسے نور پر بولنا زیادہ مناسب ہے جو نور اول ہے اور اس کے اوپر کوئی نور نہیں بلکہ اسی کی

جانب سے اوروں پر نور کرتا ہے۔

حقیقت بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں اور کسی کی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ نور کا لفظ نور اول کے علاوہ اوروں پر بالکل مجازی ہے۔ کیونکہ جب اس کے ماسوا کی ذات کا لحاظ کیا جائے گا تو وہ اپنی ذات کے لحاظ سے بے نور ہوگا۔ بلکہ اس کا نور غیر کا دیا ہوا ہوگا اور اس کی نورانیت مستعارہ کا بالذات کوئی وجود نہ ہوگا بلکہ وہ اپنے نور میں غیر کا محتاج ہوگا اور مستعیر کی مستعار شے سے نسبت مجازی ہوتی ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے کپڑے، گھوڑا اور زین وغیرہ عاریتاً لے لے اور اسی وقت سوار ہو جس وقت کہ عاریت دینے والا سوار ہوتا تھا اور اسی طریقہ سے جو اس کی عادت تھی تو کیا وہ فی الواقع یا مجازی طور پر غنی ہو جائے گا۔ ہرگز نہیں بلکہ عاریت دینے والا غنی ہوگا اور یہ اب بھی اسی طرح فقیر ہوگا جیسا کہ پہلے تھا۔ غنی تو صرف وہ عاریت دینے والا ہوگا جس سے وہ شے عاریتاً لی گئی ہے۔ اور اسی کی جانب رجوع ہے اور اسی سے ابتدا ہے۔

اس تقریر کے بعد یہ سمجھو کہ نور الحقیقت نور اللہ ہے جس کے ہاتھ میں پیدائش اور امر ہے اور اسی سے نور اول ہے۔ اور اس اسم کی حقیقت اور اس کے استحقاق میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ یہ صرف شرکت لفظی ہے اور یہ نام رکھنے میں اس کو ایسی فضیلت حاصل ہے جیسے مالک کو اپنے غلام پر ہوتی ہے۔ جس وقت کہ مالک غلام کو ملک دے کر اس کا نام مالک رکھ دے۔ لیکن جب غلام کو اصل حقیقت معلوم ہو جائے تو وہ یقیناً سمجھے گا کہ اس کا یہ مال صرف مالک کی ملک میں ہے اور اس کا اس میں کوئی قطعی شریک نہیں۔

جب تم نے یہ بات پہچان لی کہ نور ظہور و اظہار کے مراتب کی جانب راجع ہوتا ہے تو یہ بھی سمجھو کہ عدم کی ظلمت سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ کیونکہ تاریک شے والے کو اسی باعث مظلم کہا جاتا ہے کہ وہ دیکھنے والے کے لئے ظاہر نہیں ہوتا۔ اور نہ آنکھ کے لئے موجود ہوتا ہے حالانکہ وہ بالذات موجود ہے۔ اب جو شے نہ اپنے لئے موجود ہو اور نہ غیر کیلئے تو وہ اس امر کی کیسے مستحق نہ ہوگی کہ وہ انتہائے ظلمت ہے۔ اور اس کے بالمقابل وجود ہے اور وہی نور ہے۔ کیونکہ جو شے اپنی ذات میں ظاہر نہ ہوگی وہ غیر کے لئے بھی ظاہر نہ ہوگی۔ وجود بذاتہ بھی دو قسم کا ہے۔ اول یہ کہ اس کا وجود ذاتی ہو۔ ثانیاً یہ کہ اس کا وجود غیر سے آیا ہو۔

جس کا وجود غیر سے آیا ہے وہ مانگا ہوا وجود ہے اور اسے اپنی ذات میں کوئی قیام حاصل نہیں۔ بلکہ جب اس کی ذات پر من حیث الذات غور کیا جائے تو وہ محض عدم ہوگا۔ کیونکہ اس کا وجود غیر کی نسبت سے ہے اور یہ حقیقی وجود نہیں جیسا کہ کپڑے اور قرض کی مثال سے تم نے سمجھ لیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حقیقی موجود صرف اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ حقیقی نور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

حقیقت حقائق اس حقیقت سے عارفین مجاز کی پستی سے حقیقت کی بلندی تک پہنچ گئے اور انہوں نے نگاہوں سے مشاہدہ کر لیا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں اور یہ کہ اللہ کے علاوہ ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ کسی وقت فنا ہونے والی ہو بلکہ وہ ازلاً اور ابداً ہلاک ہونے والی ہے۔ کیونکہ اس کا تصور اسی طرح ممکن ہے۔ اس لئے کہ جو شے اللہ کے علاوہ ہے جب اس کی ذات کا من حیث الذات لحاظ کیا جائے گا تو وہ عدم محض ہوگی اور جب اس کا اس لحاظ سے اعتبار کیا جائے گا کہ اس کی طرف پہلے وجود سے وجود سرایت کرتا ہے تو وہ موجود نظر آئے گا۔ لیکن بالذات نہیں بلکہ وہ اپنے موجود کرنے والے سے ملا ہوا ہے اس لحاظ سے موجود صرف ذات خداوندی ہوگی۔

ہر شے میں دو قسم کی تجلیاں ہوتی ہیں۔ ایک نسبت اس کی ذات کی جانب ہوتی ہے اور دوسری اس کے پیدا کرنے والے کی جانب۔ تو اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہے اور اللہ کی نسبت سے موجود ہے اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ کی ذات کے علاوہ کوئی موجود نہیں۔ اللہ کے علاوہ ہر شے ازلاً و ابداً میں ہلاک ہونے والی ہے۔

عارفین تمام قیامت کے محتاج نہیں کہ خداوند تعالیٰ کی یہ آواز سنیں کہ آج ملک کس کا ہے؟ اللہ واحد قہار کا ہے۔ بلکہ یہ ندا ان کے کانوں سے کسی وقت بھی جدا نہیں ہوتی۔ انہوں نے لفظ اللہ اکبر سے یہ تصور نہیں کیا کہ وہ اپنے غیر سے بڑا ہے۔ پناہ بخدا وجود میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں جس سے وہ بڑا ہو۔ بلکہ غیر کے لئے اس کے ساتھ ہونے کا کوئی رتبہ نہیں۔ غیر کو تو اس کے تابع ہونے کا رتبہ حاصل ہے۔ بلکہ غیر کو وجود بھی اسی باعث حاصل ہے کہ وہ اس سے متصل ہے۔ اور فقط اس کی ذات موجود ہے۔ اور یہ محال ہے کہ وہ اس وجہ سے بڑا ہو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس سے بھی بڑا ہے کہ اسے نسبتاً اور قیاساً بھی بڑا کہا جائے اور اس سے بھی بڑا ہے کہ اس کا غیر

اس کی کبریائی کی ماہیت کر سکے خواہ وہ نبی ہو یا فرشتہ بلکہ خدا کی ماہیت کو اس کے علاوہ کوئی پہچان ہی نہیں سکتا کیونکہ ہر وہ پہچانی ہونے والی شے عارف کے سلطان و تحت میں داخل ہوتی ہے اور یہ بات اس کے جلال و کبریا کے منافی ہے ہم نے اس کی تحقیق کتاب المقصد الاسنیٰ فی الاسماء الحسنیٰ میں کی ہے

عارفان خدا حقیقت پر پہنچنے کے بعد اس پر متفق ہیں کہ انہوں نے وجود میں سوائے ایک ذات کے کوئی نہیں دیکھا ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کی یہ حالت عرفانی اور علمی ہوتی ہے اور بعض کی یہ حالت ذوقی و حالی ہوتی ہے۔ ان سے کثرت بالکل جاتی رہتی ہے وہ محض فردانیت میں غرق ہوتے ہیں ان کی عقلیں جاتی رہتی ہیں اور مبہوت ہو جاتے ہیں ان میں غیر اللہ کے ذکر کی گنجائش نہیں رہتی حتیٰ کہ اپنے ذکر کی بھی۔ ان کے نزدیک اللہ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہتا ان پر ایسا نشہ چھا جاتا ہے کہ ان کی عقلیں جواب دے جاتی ہیں حتیٰ کہ بعض نے انا الحق (میں خدا ہوں) تک کہہ دیا۔ اور ایک نے کہا سُبْحَانِیْ مَآ اَعْظَمَ شَانِیْ (میں پاک ہوں میری کیا ہی شان ہے) ایک نے کہا مَا فِی الْجُبَّۃِ اِلَّا اللّٰہُ (میرے جبہ میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں) عشاق جب سکر کی حالت میں کلام کرتے ہیں تو اس پر سکوت اختیار کیا جاتا ہے اسے نقل نہیں کیا جاتا اور جب عقل پر قابو پاتے ہیں جو زمین میں اللہ کی ترازو ہے تو سمجھ جاتے ہیں کہ یہ حقیقتاً اتحاد نہیں بلکہ اتحاد کے مشابہ تھی جیسا کہ ایک عاشق نے غلبہ عشق میں کہا ہے۔ اَنَا مَنْ اَھْوٰی وَمَنْ اَھْوٰی اَنَا (میں وہ ہوں جسے میں چاہتا ہوں اور جسے میں چاہتا ہوں وہ میں ہوں) نَحْنُ رُوْحَانِ حَلَلْنَا بَدَنَا (ہم دو روحیں ہیں جو ایک بدن میں داخل ہیں) یہ کچھ بعید نہیں کہ انسان اچانک آئینہ کی جانب دیکھے تو اپنی صورت نظر آئے اور اس نے آئینہ کبھی نہ دیکھا ہو اور وہ یہ تصور کرے کہ جو شکل اس نے آئینہ میں دیکھی ہے وہ آئینہ ہی کی شکل ہے جو اس سے متحد ہے۔ اسی طرح شراب کو کانچ کے گلاس میں دیکھ کر خیال کرے کہ شراب کا رنگ اس گلاس کا ہے اور جب یہ عادت بن جاتی ہے اور یہ خیال پختہ ہو جاتا ہے تو وہ اس میں غرق ہو جاتا ہے اور کہتا ہے۔

رق الزجاج ورقت الخمر   وتشابها فتشاکل الامر

فکانما خمر ولا قدح   وکانما قدح ولا خمر

گلاس پتلا ہے اور شراب بھی رقیق ہے دونوں ایک جیسے ہو گئے اور معاملہ مشتبہ ہو گیا گویا شراب ہے اور گلاس نہیں اور گویا گلاس ہے اور شراب نہیں۔

رہے انوار عقلیہ اور سفلیہ تو ان سے عالم علوی مملو ہے اور وہ جواہر ملائکہ ہیں۔ اور عالم سفلی بھی انہی سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے بعد حیات حیوانیہ اور انسانیہ ہے۔ انسانی سفلی کے نور سے عالم سفلی کا نظام ظاہر ہوتا ہے جیسا کہ نور ملکی سے عالم اعلیٰ کا نظام ظہور پذیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مفہوم یہی ہے۔ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا (اور وہ ذات ہے جس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور تمہیں زمین میں آباد کیا) اور فرمایا۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا) ایک مقام پر ارشاد ہے۔ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَاءَ الْأَرْضِ (اور وہ تمہیں زمین کا خلیفہ بناتا ہے) ایک اور مقام پر ارشاد ہے إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں) جب تمہیں یہ بات معلوم ہو گئی تو یہ امر بھی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ تمام عالم انوار ظاہرہ بصریہ اور باطنہ عقلیہ سے معمور ہے اور یہ بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ سفلیہ ایک دوسرے سے فیضان حاصل کرتے ہیں اور وہ انہی کے اجزاء ہیں جس طرح کہ چراغ سے نور کا فیضان ہوتا ہے اور چراغ واصل نور نبوی اور ارواح قدسیہ بشریہ ارواح علویہ سے اس طرح نور حاصل کرتی ہے جس طرح کہ چراغ تیل سے نور حاصل کرتا ہے پھر علویات بھی ایک دوسرے سے نور حاصل کرتے اور ان کی ترتیب مقامات کی ترتیب سے واقع ہے اور پھر یہ سب انوار اصل معدن منبع سے نور حاصل کرتے ہیں اور یہ وہی وحدہ لاشریک ہے صرف اسی کا نور حقیقی ہے بقیہ تمام انوار اس سے مانگے ہوئے ہیں اور اس کے نور سے ماخوذ ہیں اس لئے یہی کل ہے جو دیکھا ہے اور غیر کے لئے مجاز کے علاوہ کچھ نہیں صرف اسی کا نور ہے اور انوار اسی کا باعث نور ہیں کہ وہ اس سے متصل ہیں۔ اپنی ذات سے وہ قطعاً منور نہیں۔ اب ہر شخص کے متوجہ ہونے کے لئے اسی کی ذات کافی ہو اور جدھر بھی منہ کرو اسی کی ذات ہے۔ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ۔

اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں کیونکہ معبود اسی کو کہا جاتا ہے جس کی جانب عبادت کے لئے تمام چہرے پھرتے ہوں اور اسی کے تابع ہوں چہروں سے مراد دلوں کے چہرے ہیں کیونکہ وہ نور و ارواح ہیں بلکہ اس کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں اسی طرح اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کیونکہ وہ اسے کہتے ہیں۔ جس کی جانب اشارہ کیا جائے وہ جیسا بھی ہو اور اس کے علاوہ

کسی کی جانب اشارہ نہیں بلکہ جب بھی تو اشارہ کرے گا تو فی الواقع اسی کی جانب اشارہ ہوگا
اگرچہ تو اپنے ان اشیاء مذکورہ کے حقائق کی حقیقت سے غفلت کے باعث نہیں سمجھتا کہ جیسے
نور آفتاب کی جانب اشارہ نہیں ہوتا بلکہ آفتاب کی جانب اشارہ ہوتا ہے۔ جتنی اشیاء موجود
ہیں ان کی اس کی طرف نسبت ظاہر مثال میں ایسی ہی ہے جیسا کہ روشنی کی آفتاب کی طرف
لا الٰہ الا اللہ عوام کی توحید ہے اور لا ھو الا ھو (نہیں مگر وہ) خواص کی توحید ہے کیونکہ
وہ عام ہے اور یہ خاص۔ اور یہ زیادہ شامل، زیادہ لائق، زیادہ دقیق ہے اور اس کے ماننے والے
کو فردانیت میں زیادہ داخل کرنے والی ہے۔

مخلوقات کے معراج کی انتہا فردانیت ہے اور اس کے علاوہ اور کوئی سیڑھی نہیں کیونکہ
کثرت کے بغیر چڑھنا بھی ممکن نہیں۔ اس لئے کہ وہ ایک قسم کی نسبت ہے جو اس بات کو چاہتی
ہے کہ اس سے چڑھا جائے اور جب کثرت اٹھ جاتی ہے تو وحدت ثابت ہو جاتی ہے اور اضافت
ختم ہو جاتی ہے اور اشارہ بھی ختم ہو جاتا ہے پھر بلندی ہے نہ پستی نہ اترنے والا اور نہ چڑھنے
والا۔ ترقی محال ہو جاتی ہے اور چڑھنا دشوار۔ اعلیٰ سے اوپر کوئی بلندی نہیں وحدت کے ساتھ
کثرت نہیں اور کثرت ختم ہو جانے کے بعد سیڑھی کا بھی وجود باقی نہیں رہتا۔ پھر اگر وہاں
کسی حالت کا تغیر ہے تو دنیاوی آسمان کی جانب اترنے کے باعث ہے۔ یعنی بلندی سے پستی
کی طرف جھکنے کی وجہ سے۔ کیونکہ اعلیٰ کے لئے اگرچہ کوئی اوپر والا نہیں لیکن اسفل ضرور ہے۔ یہی
تمام غایات اور مطلوبات کی انتہا ہے جو اسے جانتا ہے سو وہ جانتا ہے اور جو جاہل ہے وہ انکار
کرتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جسے علمائے ربانیین کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ اور جب وہ اسے بیان
کرتے ہیں تو ان لوگوں کے سوا جو خدا کی جانب سے دھوکہ میں مبتلا ہیں کوئی انکار نہیں کرتا اور
یہ بعید از عقل نہیں کہ علماء یہ کہیں کہ آسمان دنیا کی طرف فرشتہ کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے کہ
بعض عارفین نے اس سے زیادہ کا وہم کیا ہے اس لئے کہ اس فردانیت کے متعلق ان کے قریب
ہے کہ اس کے لئے زیادہ آسمان کی طرف نزول ہے۔ اور اس کا یہ نزول مستقل حواس یا تحریک
اعضاء کی جانب ہے اور اسی کی جانب حدیث قدسی میں اشارہ کیا گیا ہے کہ میں اس کے کان بن جاتا
ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ آنکھیں بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ زبان بن جاتا ہوں

جس سے وہ گفتگو کرتا ہے۔ اور جب کہ خدا اس کے کان اور آنکھ بن جاتا ہے تو اس کو کوئی نہیں ہوتا اور اسی کی طرف اشارہ اس حدیث قدسی میں ہے جو موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ الحدیث۔

پس اس مرد کی آسمان دنیا سے حرکات ہیں۔ اور اس کے محسوسات وہ آسمان ہیں جو اس کے اوپر ہیں اور اس کی مخیلات سے بھی بالا ہے وہ آسمان عقل سے حقائق کی معراج کی انتہا تک ترقی کرتی ہے۔

فردانیت کی مملکت کے سات طبقے ہیں۔ اس کے بعد عقل عرش وحدانیت پر مستوی ہوتی ہے اور وہاں سے حکم کی تدبیر آسمانوں کے تمام طبقات تک کرتی ہے اور اکثر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا ہے حتیٰ کہ اس پر گہری نگاہ ڈالنے کے بعد محسوس کرتا ہے کہ اس کی تاویل ہے جیسا کہ عارف کا یہ قول کہ میں خدا ہوں اور پاک ہوں اور جیسا کہ حدیث میں ہے کہ میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی۔ اور میں اس کے کان آنکھ اور زبان بن جاتا ہوں۔ مناسب یہ ہے کہ اب کلام کو زیادہ طول نہ دیا جائے اس لئے کہ اس سے زیادہ تم سمجھنے کی طاقت نہیں رکھتے ممکن ہے کہ تم اس کلام کے مفہوم کو نہ سمجھ سکو بلکہ اس مفہوم کو حاصل کرنے سے قبل ہی تمہاری ہمت جواب دے جائے۔ ویسے اب تم ایسا کلام سنو جو تمہاری سمجھ کے زیادہ قریب ہو۔

شاید تم خدا کے آسمانوں اور زمین کے نور ہونے کے معنی ظاہری نور لیتے ہو۔ یعنی آنکھوں والا نور۔ مثلاً جب فصل ربیع کی سبزی اور رنگوں کو دن میں دیکھتے ہو تو بسا اوقات تمہیں یہ وہم ہوتا ہے کہ تو رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا۔

گویا تو یہ بات کہتا ہے کہ میں سبزی کے علاوہ اور کچھ نہیں دیکھتا ایک قوم نے اسی پر اصرار کیا ہے اور یہ گمان کیا ہے کہ نور کے کوئی معنی نہیں۔ اور یہ رنگوں کے ساتھ رنگوں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس طرح انہوں نے نور کے وجود کا انکار کیا حالانکہ تمام اشیاء میں سب سے زیادہ عیاں ہے اور کیوں نہ عیاں ہو اس کے باعث اشیاء کا ظہور ہے وہ اپنی ذات کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے ساتھ غیر کو بھی دیکھتا ہے۔ جیسا کہ اس کی تشریح پہلے کی جا چکی ہے۔ لیکن غروب آفتاب کے وقت چراغ گل ہونے کے وقت اور سایہ ڈھل جانے کے وقت، دن کی سایہ اور روشنی

کے درمیان تفریق محسوس کرتے ہیں۔ مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ نور ایک ایسی شے ہے کہ جو رنگوں کے
علاوہ ہے اور رنگوں کے ذریعہ اس کا ادراک ہوتا ہے حتیٰ کہ ان سے زیادتی اتحاد کے باعث محسوس
نہیں ہوتا۔ اور زیادتی ظہور کے سبب مخفی ہوتا ہے۔ کیونکہ کبھی نور کی شدت خفا کا سبب ہوتی ہے
اور جب کوئی شے حد سے بڑھ جاتی ہے تو اپنی ضد پر لوٹ آتی ہے۔

جب یہ امر ذہن نشین ہو گیا تو یہ بھی جان لو کہ عاقلوں نے جس شے کو دیکھا ہے تو اس کے
ساتھ خدا کو دیکھا ہے اور بعض اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کسی
شے کو نہیں دیکھا مگر اس سے قبل اللہ کو دیکھا ہے۔ کیونکہ بعض عارفین خدا کے ساتھ اشیاء کو دیکھتے
ہیں۔ اور بعض اولاً اشیاء کو دیکھتے ہیں اور پھر ان کے ساتھ خدا کو دیکھتے ہیں۔ قسمِ اول کی جانب
اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اَوَلَمْ یَکْفِ بِرَبِّکَ اَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ ۝ کیا تیرا
رب ہر شے پر گواہی کے لئے کافی نہیں؟ اور دوسری قسم کی جانب اس آیت میں اشارہ ہے۔
سَنُرِیْہِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِہِمْ ۔ عنقریب ہم انہیں اپنی نشانیاں آفاق اور ان کی جانوں میں
دکھا دیں گے۔ پہلا شخص صاحب مشاہدہ ہے اور دوسرا اس کی آیات کے ساتھ صاحب استدلال ہے
اول درجہ صدیقین کا ہے۔ دوسرا علمائے راسخین کا اور ان دونوں کے بعد غافلین کے علاوہ کوئی درجہ نہیں۔

جب تم نے یہ چیز سمجھ لی تو یہ بھی جان لو کہ جس طرح ہر شے آنکھ کے لئے نور ظاہری سے
ظاہر ہوتی ہے اسی طرح عقل باطنی کے لئے ہر شے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ظاہر ہوتی ہے یہاں ہر شے
کے ساتھ ہے اس سے جدا نہیں۔ اور اس سے ہر شے ظاہر ہوتی ہے لیکن ایک فرق ہے وہ یہ کہ نور ظاہر
ظاہر کا غروب آفتاب سے غائب ہونا ممکن ہے کیونکہ وہ پردہ میں ہو جاتا ہے حتیٰ کہ سایہ ظاہر ہوتا
ہے لیکن نور الٰہی کا غائب ہونا متصور نہیں بلکہ اس کا غروب محال ہے وہ تمام اشیاء کے ساتھ ہمیشہ
باقی رہتا ہے۔

گویا طریقہ استدلال تفرقہ سے منقطع ہوا اور اگر اس کا غائب ہونا ممکن ہو تو زمین و آسمان تباہ و برباد
ہو جائیں اور اس کے سبب ایسی تفریق معلوم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ اس چیز کی معرفت کی جانب مجبور
ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ساتھ اشیاء کا ظہور ہوا ہے۔ لیکن تمام اشیاء ایک ہی طریقہ پر ظاہر ہیں کیونکہ
کا خالق ایک ہے۔ اور ہر شے اس کی حمد و تسبیح کرتی ہے نہ کہ بعض اشیاء اور تمام اوقات میں کرتی ہیں

یہ بیان کرنے کی وجہ کیا ہے اور عالم شہادت کہ جس سے مثالیں پیش کی جاتی ہیں اور عالم ملکوت یعنی کہ جس سے معانی کا نزول ہوتا ہے ان کی باہم مناسبت کیا ہے اور اس موازنہ کی کیا حقیقت ہے؟

قطب دوم | اس میں روح انسانی بشریہ اور اس کے مدارج کے طبقات کا بیان ہوگا۔ کیونکہ یہ تمثیل اسی کے بیان کرنے کے لئے وارد کی گئی ہے۔ اور ابن مسعود کی قراءت یوں ہے مثل نورہ فی قلب المؤمن کمشکوٰۃ یعنی مومن کے دل میں اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسا کہ اس کے دل میں چراغ ہو۔ ابی بن کعب نے اسے اس طرح تلاوت کیا ہے۔ مَثَلُ نُورِ قَلْبِ مَنْ آمَنَ کَمِشْکٰوۃٍ یعنی مومن کے دل کے نور کی مثال چراغ دان کی طرح ہے۔

قطب اوّل

تمثیل اور طرزِ تمثیل کا راز | عالم کی دو قسمیں ہیں روحانی اور جسمانی یا اسے حسی اور عقلی سے تعبیر کرو اور خواہ اسے علوی اور سفلی کہو۔ یہ تمام الفاظ قریب المعنی ہیں۔ صرف عبارات مختلف ہیں۔ اگر ان کا اپنی ذات کے لحاظ سے اعتبار کیا جائے تو یہ جسمانی و روحانی ہیں۔ اور اگر آنکھ کے اعتبار سے ان کا لحاظ کیا جائے کیونکہ وہ انہیں دیکھتی ہے تو یہ عقلی و حسی ہیں۔ اور اگر ان کا ایک دوسرے کے اعتبار سے لحاظ کیا جائے تو یہ علوی اور سفلی ہیں۔ بعض اوقات ایک کو عالم الملک والشہادۃ اور دوسرے کو عالم الغیب والملکوت بھی کہتے ہیں جو شخص حقیقت الفاظ پر نظر رکھتا ہے وہ الفاظ کی کثرت سے حیران ہوتا ہے اور جس شخص پر حقائق عیاں ہو جاتے ہیں وہ معانی کو اصل اور الفاظ کو ان کے تابع سمجھتا ہے لیکن کمزور شخص کا حال اس کے برعکس ہوتا ہے وہ حقائق کو الفاظ سے تلاش کرتا ہے۔ ان ہر دو فریق کی جانب اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ کیا وہ شخص جو اوندھے منہ گرا ہوا ہو وہ زیادہ ہدایت پر ہو سکتا ہے یا وہ شخص جو سیدھا راہ پر چل رہا ہے

جب ہر دو جہاں کے معنی ظاہر ہو گئے تو یہ بھی جان لو کہ عالم ملکوت (علوی) کو عالم غیب کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اکثر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہے اور عالم حسی کو عالم شہادت [illegible] کہتے ہیں کیونکہ اسے تمام لوگ دیکھتے ہیں۔

عالم حسی عالم عقلی کی سیڑھی ہے اور اگر ان میں باہم مناسبت اور اتصال نہ ہوتا تو اس کی طرف ترقی کی راہ مسدود ہو جاتی اور اگر یہ دشوار ہوتا تو خدا کا قرب دشوار ہوتا بلکہ اس سے کسی کو بھی ہرگز قرب حاصل نہ ہوتا تا وقتیکہ وہ عالم قدس کے بیچ بڑے میدان طے نہ کر لے۔ جو عالم ادراک اور حس اور خیالات سے بلند و برتر ہے اسے عالم قدس کہتے ہیں اور جب اس کے مجموعے کا لحاظ کیا جاتا ہے یعنی وہ عالم جس سے کوئی شے باہر نہ نکلے اور نہ اس میں کوئی نئی شے داخل ہو جو اس سے اجنبی ہو تو اسے حظیرۃ القدس یعنی بہشت کہا جاتا ہے۔ اور بسا اوقات ہم اس روح بشری کو جو قدس کی روشنیوں کی گذرگاہ ہو ہم اسے وادی مقدس سے تعبیر کرتے ہیں۔ پھر ان میں بہت سے بہشت ہیں کہ ان میں بعض معانی قدس میں زیادہ دخیل ہیں لیکن حظیرہ کا لفظ تمام طبقات کو شامل ہے

یہ وہم نہ کرنا کہ یہ تمام الفاظ عقلاء کے نزدیک بے فائدہ اور غیر معقول ہیں۔ اس وقت ان الفاظ کی شرح کرنے سے مقصد دور ہو جاتا ہے۔ اس لئے تم الفاظ کے سمجھنے سے اعراض کرو اور اصل غرض کی جانب متوجہ رہو۔

جب عالم شہادت عالم ملکوت کی سیڑھی ہے تو اس ترقی سے مقصود صراط مستقیم پر چلنا ہے اسی کو دین اور منازل ہدایت کہا جاتا ہے اگر ان دونوں میں کوئی مناسبت نہ ہوتی تو ایک سے دوسرے کی جانب ترقی کرنا متصور بھی نہ ہوتا۔ پھر رحمت خداوندی نے عالم شہادت کو عالم ملکوت کے بالمقابل بنایا ہے اس لحاظ سے اس جہان میں کوئی شے ایسی نہیں جو اس عالم کی کسی شے کی مثال نہ ہو۔ اور بعض اوقات ایک ہی شے عالم ملکوت کی چند اشیاء کی مثال ہوتی ہے اور بعض اوقات عالم ملکوت کی ایک شے کے لئے عالم شہادت میں بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ اور مثال اسی وقت ہوتی ہے جب کہ دونوں میں باہم کسی قسم کی مشابہت اور مطابقت ہو۔ ان مثالوں کا شمار ایسا ہی دشوار ہے جیسا کہ تمام موجودات کو شمار کرنا اور یہ نسبت انسانیت سے باہر ہے اور قوت بشریہ اس کا ادراک نہیں کر سکتی اور مختصر عمریں اس کے لئے کافی نہیں ہیں میرا منشاء یہ ہے کہ تمہیں یہ بات مختصر طور پر سمجھا دوں تاکہ یہ مختصر امر بقیہ امور کے لئے دلیل بن سکیں اور اس طرح تم پر اسرار کے سمجھنے کا دروازہ کھل جائے۔

مگر عالم ملکوت جو جواہر نورانیہ ہیں انہیں ملائکہ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور انہی سے ارواح

وہاں پر معترض تھا کہ موسیٰ حقیقت کے جواب سے کیوں عدول کر گئے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا بھی رب ہے۔ اس پر فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو جنون کی جانب منسوب کیا۔ اس لئے کہ فرعون کا مطلب حقیقت و تمثیل سے آگاہی تھی اور آپ افعال کے ساتھ جواب دے رہے تھے۔ اس باعث فرعون نے کہا تھا کہ تمہاری جانب جو رسول بھیجا گیا ہے وہ دیوانہ ہے۔

آٹھواں سر مطلب۔ علم تعبیر سے تمہیں تمثیل کی کیفیت معلوم ہو جائے گی۔ اس لئے خواب نبوت کا ایک جزو ہے۔

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خواب میں آفتاب دیکھنے کی تعبیر بادشاہ کو دیکھنا ہے کیونکہ ان دونوں کے روحانی معنی میں شرکت و مشابہت ہے وہ سب پر مقتدر ہے اور اس کا انوار و آثار کا سب پر فیضان ہوتا ہے۔ اور چاند دیکھنے کی تعبیر وزیر ہوتا ہے۔ کیونکہ غروب آفتاب کے بعد آفتاب کا نور چاندنی کے ذریعہ زمین پر گرتا ہے جیسا کہ بادشاہ اپنے آثار کے فیض اس شخص پر جو بادشاہ سے غائب ہوتا ہے وزیر ہی کے ذریعہ پہنچاتا ہے۔ یا مثلاً خواب میں یہ دیکھے کہ اس کے پاس مہر ہے اور وہ اس سے لوگوں کے چہروں اور عورتوں کی پیشاب گاہوں پر لگا رہا ہے تو اس کی تعبیر رمضان میں صبح صادق سے قبل اذان دینا ہے۔ اور جو شخص یہ دیکھے کہ وہ روغن زیتون کو زیتون میں ڈال رہا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے نیچے ایسی لونڈی ہے جو اس کی ماں ہے اور جس کے ماں ہونے سے یہ واقف نہیں۔

تعبیر کی تمام اقسام کی اس قسم کی تمثیلات میں شمار کرنا ناممکن ہے کم از کم یہ میرے احاطہ قدرت سے باہر ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ جیسے موجودات عالیہ روحانیہ میں ایسی اشیاء پائی جاتی ہیں جن کی مثال آفتاب، چاند اور ستارے ہیں۔ اسی طرح ان میں سے بعض وہ ہیں جن کی مثالیں اور ہیں اور عقل مقصود ہیں جب کہ ان اشیاء کے ساتھ دیگر اوصاف کے علاوہ اور اعتبارات کا لحاظ کیا جائے۔

پس اگر ان موجودات میں کوئی ایسی شے موجود ہے جو کہ ثابت ہے اور متغیر نہیں، بڑی سے چھوٹی نہیں اور اس سے معارف و مکاشفات کے چشمے پھوٹ پھوٹ کر دلوں کی جانب

جاری ہے ہوں تو اس کی مثال طور بر حق ہے۔ اور اگر ایسے موجودات ہیں جن کا ان نفائس سے تعلق ہے اور ان میں سے بعض بعض سے بہتر ہیں تو ان کی مثال وادی ہے اور اگر یہ نفائس انسانی قلوب کے باہم ملنے کے بعد ایک دل سے دوسرے دل کی جانب جاری ہوتے ہوں تو یہ دل بھی جنگل کی طرح ہیں جو کہ پہلے دلوں کے علاوہ ہیں اور بعض ان میں سے موجزن ہیں

مناسب یہ ہے کہ اول وادی ایمن ہو کیونکہ وہ بہت بابرکت ہے اور اس کا درجہ بہت بلند ہے اور اگر وادی کم درجہ کی جو وادی ایمن کے انتہائی درجات سے متعلق ہے تو وہ شخص وادی ایمن کے کنارے پر موجزن ہے ایسا شخص وادی کے درمیان اور بعض دور ہیں موجزن نہیں۔ اگر نبی کی روح روشن چراغ ہے اور یہ روح وحی سے فیض حاصل کرتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔
اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (ہم نے روح کو اپنا حکم دے کر آپ کے پاس بھیجا)

پس جس سے اقتباس کیا جاتا ہے اس کی مثال آگ کی مانند ہے اور اگر اخذ کرنے والے انبیاء علیہم السلام ہیں تو ان میں سے بعض تقلید پر ہیں کہ وہ اس وحی کو سن لیتے ہیں اور بصیرت یافتہ ہیں۔ اس مقلد کی مثال جو بصیرت نہیں رکھتا انگار اور چنگاری کی سی ہے اور صاحب ذوق بعض احوال میں نبی کا شریک ہوتا ہے۔ اس مشارکت کا مقصود سینکنا ہے اور آگ وہی سینکتا ہے جس کے پاس آگ ہوتی ہے اور نہ وہ اس کی خبر ہی سنتا۔ اگر انبیاء کی پہلی جماعت کدورت حسی خیالی سے عالم قدس کی جانب ترقی کرتی ہے تو اس کی مثال منزل وادی مقدس ہے۔ اور اس وادی مقدس کا طے کرنا دونوں جہاں کو ترک کئے بغیر اور ایک خدا کی جانب متوجہ ہوئے بغیر طے کرنا ممکن نہیں اور دنیا و آخرت دونوں باہم بالمقابل ہیں۔ وہ دونوں دنیا و آخرت کے عوارض ہیں۔ ان دونوں کا کبھی تو چھوڑنا ممکن ہے اور کبھی ان سے ملنا ان کے چھوڑنے کی مثال احرام باندھنے اور کعبہ تک کی جانب توجہ کے وقت جوتے اتارنے کی ہے۔ بلکہ ہم حضرت خداوندی کی جانب ترقی کرتے کہتے ہیں کہ اگر اس درگاہ میں کوئی ایسی شے ہے کہ جس کے ذریعہ علوم مفصل جواہر قابلیہ نقش پذیر ہوتے ہوں تو اس کی مثال قلم ہے اور اگر ان میں ایسے جواہر ہیں جن میں یہ قابلیت پائی جاتی ہے کہ وہ نقوش علم سے متصل ہو سکیں تو ان کی مثال لوح، کتاب اور رقِ منشور یعنی صحیفہ روشن ہے اور اگر علوم کے نقوش سے بڑھ کر کوئی اور شے ہے تو وہ اس کے ساتھ متعلق

تو اس کی مثال ہاتھ ہے اور اگر اس ہاتھ کی جو کہ ہاتھ اور قلم اور کاتب پر مشتمل ہے کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو اس کی مثال صورت ہے اور اگر اس مشابہت پر صورت انسانی کی کوئی باقاعدہ ترتیب ہے تو وہ صورت رحمٰن پر ہے اور اس بات میں کہ وہ مثل صورت کے ہے بہت فرق ہے۔ کیونکہ وہ رحمت الٰہی جو صورت الٰہی پر ہے وہ اسی صورت کے ساتھ مخصوص ہے۔

خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر مہربانی فرمائی اور انہیں وہ مختصر کی جامع صورت دی جو عالم کی تمام اقسام کو شامل ہے گویا وہ تمام جہان کا مجموعہ ہے یا ایک مختصر سے جہان کا نسخہ ہے اور آدم کی صورت صورت اللہ کے خط سے لکھی ہوئی ہے اور وہ ایسا خط الٰہی ہے جس کو حروف سے نہیں لکھا جاتا۔ کیونکہ اس کا خط تحریر و حروف سے پاک ہے۔ جیسا کہ اس کا کلام آواز و حروف سے پاک ہے اور اس کا قلم اس سے پاک ہے کہ وہ سرکنڈہ یا لوہے سے بنا ہو۔ اور اس کا ہاتھ اس سے پاک ہے کہ وہ گوشت اور ہڈی کا ہو اور اگر یہ رحمت الٰہی نہ ہوتی تو انسان معرفت خداوندی سے عاجز ہوتا۔ اس لئے کہ اپنے رب کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا ہو اور جب رحمت کے یہ آثار ہیں تو وہ صورت رحمٰن پر ہوا نہ کہ اللہ کی صورت پر

پس حضرت الٰہی حضرت رحمٰن کے غیر ہے اور بادشاہت و ربوبیت سے بھی غیر ہے اسی لئے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ ان تمام حضرات سے پناہ مانگو۔ ارشاد ہے۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِکِ النَّاسِ ان پر غور کیجئے کہ یہ لوگوں کے پروردگار لوگوں کے بادشاہ سے پناہ مانگنا ہوا۔ اور اگر یہ معنی نہ ہوتے تو اس طرح کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو رحمٰن کی صورت پر پیدا کیا لفظاً درست نہ ہوتا بلکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا اور جو لفظ صحیح حدیث میں ہے وہ علیٰ صورۃ الرحمٰن ہے اور حدیث صحیح تو کجا حدیث ضعیف میں بھی یہ لفظ نہیں بلکہ یہ تو مصنف کی اختراع ہے)

حضرت بادشاہ کو حضرت ربوبیت سے تمیز کرنے کے لئے طویل شرح کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ہم اس سے کنارہ کشی کرتے ہیں بطور اختصار تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ کیونکہ یہ ایک ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں۔ اگر تمہارے دل میں ان خیالات سے کوئی شبہ پیدا ہوا ہو تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر غور کرو۔

أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا۔ — اس نے آسمان سے پانی برسایا پھر نالے اپنی اپنی سمائی کے مطابق بہہ نکلے۔

کیونکہ تفسیر میں آیا ہے کہ پانی معرفت ہے اور جنگل دل ہے۔

ظاہر و باطن

اس قسم اور ضرب الامثال سے یہ گمان نہ کرنا کہ میری جانب سے تم کو یہ رخصت ہے کہ آیت کے ظاہری معنی کو ترک کر دیا جائے اور ان کے بطلان کا عقیدہ قائم کیا جائے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جوتے تھے اور انہوں نے خدا کے اس حکم کو کہ اپنے جوتے اتار دو نہیں سنا تھا۔ خدا کی پناہ میں یہ کیسے کہہ سکتا ہوں۔ کیونکہ ظواہر کو باطل کرنا ان باطنیوں کی رائے ہے جنہوں نے اپنے بھینگے پن کی وجہ سے دونوں جہانوں میں سے صرف ایک جہان کو دیکھا اور دونوں کے تقابل میں جہالت سے کام لیا اور اس کی وجہ نہ سمجھے جیسے صاحب اسرار کا کچھ باطل کرنا حشویہ کا مسلک ہے۔ پس جو شخص صرف ظاہر پر ہے وہ حشوی ہے اور جس کا تعلق صرف باطن سے ہے وہ باطنی ہے اور جو دونوں کو جمع کرتا ہے وہ کامل ہے۔

اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قرآن کا ظاہر اور باطن اور حد اور مطلع ہے (یعنی جاننے کا طریقہ ہے) اور یہ قول حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے موقوفاً نقل کیا گیا ہے بلکہ میں تو اس کا قائل ہوں کہ موسیٰ علیہ السلام نے خدا کے اس حکم سے کہ اپنے دونوں جوتے اتار دو یہ سمجھا کہ دونوں جہان چھوڑ دو۔ پھر ظاہری حکم کی تعمیل کے لئے جوتے اتار دیئے اور باطن میں تمام جہان کو چھوڑ دیا (یہ صرف تحویل یعنی تعبیر ہے جس کا قرآن و شریعت سے دور کا بھی تعلق نہیں) اسی کو اعتبار کہتے ہیں کہ ایک شے سے دوسری شے تک عبور کرنا اور ظاہر سے باطن کی طرف جانا ہے۔ وہ شخص جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کو سنتا ہے جو آپ نے فرمایا ہے کہ فرشتے ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا اور تصویر ہو۔ اور پھر وہ شخص کتے کو اپنے گھر میں رکھے اور کہے کہ اس حدیث کے ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ دل کے گھر کو غضب کے کتے سے پاک کیا جائے کیونکہ وہ فرشتے کے نور کی معرفت سے روکتا ہے۔ اس لئے کہ غصہ عقل کا غول ہے اور اس شخص کے درمیان فرق ہے جو کہ اس حدیث

ظاہری حکم کی تعمیل بھی کرتا ہو اور پھر وہ جانتا ہو کہ کتا اپنی ظاہری صورت پر مراد نہیں بلکہ معنوی لحاظ سے درندگی اور شکار کے پیچھے دوڑتا ہے۔ اور جب اس گھر کی حفاظت واجب ہے جو کہ انسان کے وجود اور بدن کا مقام ہے تو اس کا پہچاننا بھی ضروری ہے کہ وہ کتے کے خصائل سے بھی اپنی حفاظت کرے تو اس پہلے کے گھر کی جو کہ جوہر حقیقی کی قرارگاہ ہے حفاظت کرنا ضروری ہوا کیونکہ جو شخص ظاہر و باطن ہر دو کو جمع کرتا ہے وہی کامل ہے۔ اور کاملین کے اس قول کا مقصود یہی ہے کہ کامل وہ شخص ہے جس کی معرفت کا نور اس کے تقویٰ کے نور کو نہیں بجھاتا۔ اور اسی باعث تو کامل اور دیکھے گا کہ وہ کامل بصیرت و عقل کے باوجود کسی حکم کو ترک کرنے کی ہمت نہیں کرتا

بعض سالکین طریقت کا احکام ظاہری کی بساط کو لپیٹ دینا ان کا مغالطہ ہے حتیٰ کہ ان میں سے بعض نے نماز ترک کر دی اور بولے کہ ہم ہمیشہ باطنی نماز میں رہتے ہیں۔ اور یہ اباحت والے احمقوں کے علاوہ اور مغالطہ ہے کہ جنہیں بیہودہ باتوں نے پکڑ رکھا ہے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اس کے قائل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے اعمال کی پرواہ نہیں۔ بعض اس کے قائل ہیں کہ باطن نجاستوں سے بھرا ہوا ہے اور ان سے اس کی پاکیزگی ممکن نہیں۔ اور غضب و شہوت کو جڑ سے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا یہ گمان ہے کہ وہ ان دونوں کو اکھاڑنے پر مامور ہے۔ پس یہ حماقتیں ہیں اور سالک کی لغزش ہے جسے شیطان نے روک لیا ہے اور اسے غرور کے رسوں میں لٹکا دیا

اب میں نعلین کی تفسیر کی جانب متوجہ ہوتا ہوں اور کہتا ہوں کہ ظاہراً جوتوں کو اتارنا دونوں جہاں کے ترک کی طرف اشارہ ہے۔ پس ظاہر میں مثال حق ہے اور اس کا باطن کی طرف لے جانا حقیقت ہے۔

ہر حق کی ایک حقیقت ہوتی ہے اور اس مرتبے کے لوگ ہی زجاجہ (شیشہ) کے مقام تک پہنچ گئے ہیں۔ جیسا کہ زجاجہ کے سلسلے میں عنقریب آئے گا۔ کیونکہ وہ خیال جس کی مثال وہ مثل سے اخذ کی جائے سخت کثیف ہے جو اسرار کو چھپاتا ہے۔ اور تم میں اور انوار میں حائل ہو جاتا ہے لیکن جب صاف ہوتا ہے تو شیشہ کی طرح صاف ہوتا ہے اور انوار میں حائل نہیں رہتا اور انوار تک پہنچا رہتا ہے بلکہ وہ انہی کے لئے انوار کا محافظ بن جاتا ہے تاکہ وہ آندھیوں سے بجھ نہ جائے۔

اب زجاجہ کی حقیقت سمجھو۔

جہاں تک کہ عالم کثیف خیالی مثل جیسا کہ انبیاء کرام کے حق میں شیشہ انوار کے لئے طاقچہ
اسرار کے لئے آئینہ اور عالم اعلیٰ کی سیڑھی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثال ظاہری حق
ہے لیکن ظاہر کے علاوہ ایک باطن بھی ہے۔ اس پر طور اور آگ کو قیاس کر لو۔

حکمت ۵ | جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو
گھٹنوں کے بل جنت میں داخل ہوتے دیکھا تو تم یہ خیال نہ کرو کہ آپ نے انہیں آنکھ سے
نہیں دیکھا ہے۔ بلکہ انہیں اسی طرح بیداری میں دیکھا جس طرح سونے والا خواب میں دیکھتا ہے
اگرچہ عبدالرحمٰن بن عوف اپنے گھر میں اپنے وجود سے سوئے تھے۔ کیونکہ نیند سلطان حواس کو زیر
باطن انہی پر غالب کر دینے کے باعث مشاہدات کو پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ حواس عالم حس کو اپنی
جانب متوجہ کرتے اور اسے مشغول کرتے ہیں اور اس کی ذات کو عالم غیب و ملکوت سے پھیرنے
والے ہیں۔ لیکن بعض انوار نبوت اتنے شفاف اور غالب ہوتے ہیں کہ انہیں حواس اپنے عالم
کی جانب مشغول نہیں کرتے۔ اسی باعث وہ بیداری میں وہ باتیں دیکھ لیتے ہیں جو دوسرے لوگ نیند
میں دیکھتے ہیں اور جب وہ انتہائے کمال پر ہوتے ہیں تو ان کا ادراک محض صورت دیکھنے تک
ہی محدود نہیں رہتا بلکہ اس سے موجودہ زندگی کی طرف جو کہ عالم اسفل ہے کھینچتی ہے۔
پس جبکہ اشتغال دنیوی کی جانب کھینچنے والا دوسرے جاذب کے مقابلے میں زیادہ قوی ہو تو
وہ جنت کی سیر سے رہ جائے گا۔ اور اگر جاذب ایمان زیادہ قوی ہے تو یہ مشکل رزق پیدا کرے گا
یا اس کی سیر تک پہنچے گا۔ عالم شہادت میں اس کی مثال ایسی ہے۔ علیٰ ہذا اسرار آئینہ پائے خیال
سے قبل ہی ظاہر ہو جائیں گے۔ اور آپ کا یہ حکم عبدالرحمٰن بن عوف تک محدود نہ رہے گا۔ کیونکہ
آپ کا دیکھنا انہی تک محدود تھا۔ بلکہ اس کے ذریعہ ہر ایسے شخص پر حکم لگا دیا جائے گا جس
کی بصیرت قوی اور ایمان محکم ہو۔ لیکن ساتھ میں دنیا کی کثرت ہو۔ کیونکہ کثرت مال ایمان کی
مزاحم ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کا استیصال نہیں کرتی کیونکہ ایمان کی قوت غالب ہے۔ اس سے یہ معلوم
ہو جائے گا کہ انبیاء کرام صورتوں کو کیسے دیکھتے ہیں اور صورتوں کے علاوہ وہ معانی کو کیسے مشاہدہ
کر لیتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ معنی مشاہدہ باطن سے قبل ہوتے ہیں۔ پھر اس سے روح خیالی
کو دیکھتے ہیں اور ایسی صورت جو کہ معنی کے مشابہ اور مساوی ہے وہ منطبع ہو جاتی ہے اور

بیداری میں دکھائی دے وہ صورت تاویل کی محتاج ہوتی ہے جیسا کہ نیند میں تعبیر کی محتاج ہے۔ اور اگر خواب میں ایسا واقع ہو تو خواص نبوت کے ساتھ اس کی نسبت ایسی ہے۔ جیسا کہ ایک کو چھیالیس کے ساتھ۔ اور اگر بیداری میں ایسا ہو تو اس کی نسبت اس سے بڑی ہے۔ میرا گمان ہے کہ اس وقت اس کی نسبت ایک کی تین سے ہوگی۔ کیونکہ ابھی جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خواص نبوت تین قسم کے شعبوں میں منحصر ہیں اور یہ تینوں میں سے ایک ہے۔

قطب دوئم

مراتب ارواح بشریہ نورانیہ | اول روح حساس ہے اور وہ روح وہ ہے کہ جو کچھ اس پر پیش کرتے ہیں وہ ان سے ملتی ہے۔ یہی روح حیوانی کی اصل ہے اور اس کے باعث حیوان کو حیوان کہتے ہیں۔ یہ دودھ پینے والے بچے میں موجود ہوتی ہے۔

دوئم روح خیالی۔ حواسات جو کچھ اس روح کو دیتے ہیں وہ ان سے نقل کرتی اور اپنے پاس خزانے میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ یہ اسے ضرورت کے وقت روح عقلی کے سامنے جو اس سے بلند ہے پیش کرے۔ یہ دودھ پیتے بچے کو شروع نشوونما میں نہیں پائی جاتی۔ اسی لئے وہ کسی شے کی حرص کرتا ہے تاکہ اسے لے لے اور جب وہ شے اس سے غائب ہو جاتی ہے تو اسے بھول جاتا ہے۔ اس کا نفس اس پر جھگڑتا نہیں۔ حتی کہ رفتہ رفتہ وہ اتنا بڑا ہو جاتا ہے کہ جب کوئی شے اس سے غائب ہوتی ہے تو وہ رونے لگتا ہے اور اسے مانگتا ہے۔ کیونکہ اس کی صورت اس کے خیال میں محفوظ ہوتی ہے۔ اور یہ بات بعض حیوانات میں بھی پائی جاتی ہے اور بعض میں نہیں وہ پروانے جو آگ پر گرتے ہیں ان میں یہ قوت نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ وہ آگ کی جانب اس لئے نکلتے ہیں کہ انہیں دن کی روشنی سے کمال محبت ہے۔ اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ چراغ ایک کشادہ سوراخ ہے جو روشنی کے مقام پر جاتا ہے۔ یہ خیال کر کے وہ خود کو اس پر گراتا ہے اور تکلیف پاتا ہے۔ لیکن جب وہ اس پر گزر جاتا ہے اور اندھیرے میں پہنچ جاتا ہے تو دوبارہ اور سہ بارہ اس کی جانب پلٹتا ہے۔ اگر اس کی روح حافظہ ہوتی تو اسے اس کی جب کہ اس نے درد دیکھ لیا تھا تو ایک دفعہ کے ضرر کے بعد اسے دوبارہ ادھر نہ آنے دیتی۔ لیکن کتے کو جب ایک بار لکڑی سے مارا جائے تو اس کے بعد جب بھی وہ لکڑی دیکھتا ہے تو بھاگتا ہے۔

سوم روح عقلی۔ یہ ان معانی کو معلوم کرتی ہے جو حس و خیال سے ماوراء ہیں۔ یہ جوہر انسان کے لئے خاص ہے اور یہ چوپایوں اور بچوں میں نہیں پایا جاتا۔ اس کے معلومات معارف ضروریہ و کلیہ ہیں جیسا کہ ہم نے اس امر کو بیان کیا ہے جہاں ہم نے نورِ عقل کو نورِ بصر پر فضیلت دی ہے۔

چہارم روح فکری ہے اور یہ وہ روح ہے جو علوم عقلیہ محض کو لیتی ہے پھر ان میں الفت و ترکیب پیدا کرتی اور ان سے معارف نفیسہ پیدا کرتی ہے پھر اگر وہ نتائج برآمد ہوں تو دوبارہ انہیں ملاتی اور نتیجہ برآمد کرتی ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ غیر متناہی ترقی کرتی رہتی ہے۔

پنجم۔ روح قدسی نبوی۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام اور بعض اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس میں غیب کے علوم، احکام آخرت اور زمین و آسمان کی حکومت کے تمام معارف ظاہر ہوتے ہیں۔ بعض معارف ربانیہ وہ ہیں جنہیں سمجھنے سے روح عقلی و فکری بھی قاصر ہے۔ اسی جانب اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ
اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا
الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ
بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ
لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ہم نے آپ کے پاس روح کو اپنا حکم دے کر بھیجا
ورنہ آپ تو نہیں جانتے تھے کہ کتاب و ایمان کیا تھے
لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ جو آپ کے ذریعہ
اپنے بندوں میں سے جسے چاہے ہدایت کرتے ہیں
اور آپ یقیناً سیدھی راہ کی ہدایت کرتے ہیں۔

یہ بات بعید نہیں کہ عقل کے علاوہ بھی کوئی اور طور ہو جس میں وہ باتیں ظاہر ہوں جو عقل میں ظاہر نہیں ہوتیں جیسا کہ عقل تمیز یا حواس کے علاوہ اور کوئی ایسا طور ہونا بعید نہیں جس میں عجائب و غرائب ظاہر ہوں اور ان سے احساس و تمیز قاصر و عاجز ہوں۔ یہاں تک کمال کو اپنے نفس پر ہر وقت قیاس نہ کرو کیونکہ اس کی مثالوں کے دلائل ہیں جن میں سے بعض انسان کے خواص کا مشاہدہ کر لو تو ذوق شعر کو دیکھو کہ وہ ایک جماعت کے ساتھ مخصوص ہے اور بعض لوگ اس سے محروم ہیں حتیٰ کہ انہیں اوزان موزونہ اور زحافات کی بھی تمیز نہیں اور بعض میں یہ قوت ذوق اتنی بڑھی ہوتی ہے کہ ان میں سے بعض نے موسیقی، راگنیاں اور مختلف قسم کی لے ایجاد کی ہیں جن میں بعض غم پیدا کرنے والی، بعض خوشی پیدا کرنے والی، بعض سلانے والی

بعض رلانے والی، بعض جنون آخر یہاں تک بعض عقل کا موجب ہیں۔ اسی میں یہ آثار قوی تر ہیں جن میں اصل ذوق ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص اس ذوق کی خاصیت سے حصہ نہیں رکھتا وہ آواز سننے میں تو ضرور شریک ہے لیکن اس میں یہ اثر نہیں پائے جاتے وہ صاحب وجد پر تعجب کرتا ہے۔ اگر تمام ذوق والے صرف ذوق کا مفہوم سمجھانے پر متفق ہو جائیں تو وہ اس کے سمجھانے پر قادر نہیں اور یہ ایک معمولی سی مثال ہے جو تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے اس پر فوقیت نبوی کو قیاس کر لیا جائے۔ اور اس کی کوشش کرے اس درجہ تک اہل ذوق میں تو بھی داخل ہو جائے۔ کیونکہ اولیاء اللہ کو اس کا بڑا حصہ عطا ہوا ہے اور اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو اس میں قیاس تنبیہات کے ذریعہ کوشش کر۔ تاکہ تو بھی اہل علم میں داخل ہو جائے۔ اگر تو اس پر قادر نہ ہو تو کم از کم اس پر ایمان لانا چاہئے۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور جنہیں علم دیا گیا ہے درجات بڑھا دے گا۔

علم ایمان سے بڑھ کر ہے اور ذوق علم سے بڑھ کر ذوق وجدان ہے۔ علم صرف قیاس ہے اور ایمان صرف تقلید سے قبول کرنا اور اہل وجدان و عرفان سے حسن ظن رکھنا ہے۔

جب تم نے ان پانچوں روحوں کو جان لیا تو یہ بھی جان لو کہ یہ بھی سب انوار ہیں۔ اس لئے کہ ان سبب موجودات کے اقسام ظاہر ہوتے ہیں۔ حسی و خیالی تو حیوانات اگرچہ ان میں بھی پائے جاتے ہیں۔ لیکن ان میں سے جو حصہ انسان کے لئے مخصوص ہے وہ ایک بلند قسم ہے جو اشرف و اعلیٰ ہے۔ اور انسان میں یہ دونوں حس کسی اور غرض کے لئے پیدا کی گئی ہیں جو بہت بلند و بالا ہے۔ لیکن حیوانات میں یہ دونوں حسیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ وہ طلب غذا میں ان کا آلہ بنیں اور وہ انسانوں کے مسخر ہو جائیں اور آدمی میں اس لئے پیدا کی گئی ہیں تاکہ یہ دونوں اس کا جال بن سکیں اور ان دونوں کے ذریعہ وہ عالم اسفل میں معارف دینیہ کا شکار کر سکے۔ کیونکہ انسان جب ایک شخص معین کو معلوم کر لیتا ہے تو اپنی عقل سے ایک عام اور مطلق معنی بھی نکال لیتا ہے۔ جیسا کہ ہم نے عبدالرحمن بن عوف کی مثال میں ذکر کیا ہے۔ جب یہ پانچوں ارواح معلوم ہو گئیں تو اب ہم مثال کی اصل غرض کی جانب رجوع کرتے ہیں۔

آیت کی مثالوں کا بیان

ممکن ہے کہ پانچوں ارواح کا مشکوٰۃ، زجاجہ، مصباح، شجرہ اور زیت سے تقابل کیں
کا طریق ہو جائے۔ لیکن یہاں ان کا طریق معلوم کرنے میں اختصار ہی سے کام لوں گا۔ اگر تم دیکھنے
والی روح کی خاصیت کی جانب دیکھو تو اس کے انوار کو چند سوراخوں سے خارج پاؤ گے۔ جیسے دو
آنکھیں اور کان اور نتھنے وغیرہ اور عالم مثال میں اس کی زیادہ مناسب مثال مشکوٰۃ ہے۔ روح
خیال کے تین خواص ہیں۔ ۱۔ یہ کہ وہ عالم کثیف سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ خیال شے کے لئے
مقدار، صورت اور مخصوص جہات ہوتی ہے اور خیال کرنے والے کی نسبت سے قریب یا بعید
ہوتی ہیں اور کثیف جو کہ اجسام کے اوصاف میں سے ہے اس کی مثال یہ ہے۔ کہ وہ ان انوار عقلیہ
محضہ جو کہ جہات و مقادیر اور قرب و بعد کے وصف سے خالی پائے گئے ہیں۔

۲۔ یہ خیالی کثیف جب صاف و رقیق اور مہذب و منضبط ہو تو وہ ایسے معانی عقلیہ
کے مناسب ہو جاتا ہے جو ان کے بالمقابل ہے اور اس کے نور کے چمکنے کو مانع نہیں۔

۳۔ خیال ابتدائے امر میں اس کا محتاج ہوتا ہے تاکہ اس کے لئے معارف عقلیہ
کو منضبط رکھ سکے۔ پس وہ مضطرب و پریشان ہو کر کہیں ان حافظے سے نکل نہ جائے۔ اس لئے
کہ تم خیالی مثالوں کو معارف عقلیہ کے لئے جمع کرو گے۔

عالم شہادت میں تم یہ تینوں خواص انوار دیکھنے والوں کی جانب منسوب کرتے ہو۔ اور
روح زجاجہ اور شیشہ کے علاوہ کہیں نہ پاؤ گے۔ اس لئے کہ اگرچہ زجاجہ جوہر کثیف ہے لیکن شفاف
و رقیق ہے۔ جو کہ چراغ کے نور کو بھی نہیں چھپاتا بلکہ اسے علی حالہ باہر پہنچاتا اور اسے تیز ہواؤں
اور سخت حرکتوں کے بجھانے سے محفوظ رکھتا ہے۔ پس وہ اس کی بہترین مثال ہے۔

تیسری روح روح عقلیہ ہے جس میں معانی شریفہ کا ادراک ہوتا ہے۔ اور تم کو یہ وجہ تمثیل
پوشیدہ نہیں۔ اسے تم نے پہلے بیان میں جس میں کہ انبیاء کا چراغ روشن ہونا مذکور ہے پہچان
لیا ہے۔

چوتھی روح روح فکری ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ایک جز سے شروع ہو کر
دو شاخوں میں بٹ جاتی ہے۔ پھر ہر شاخ سے دو شاخیں نکلتی ہیں اور بہت سے شعبے

قریبہ کی معرفت ممکن نہیں تو اشیائے بعیدہ کی معرفت کیونکر ممکن ہوگی۔ اسی لئے کفار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجائبات اور معجزات کو سمجھنے سے قاصر ہیں حالانکہ وہ ادنیٰ تامل سے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ جب وہ اپنے ہاتھ کو نکالتا ہے تو اسے بھی نہیں دیکھ سکتا اور جبکہ تمام انوار کا منبع اول اللہ تعالیٰ ہے تو ہر موحد کو یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نور پیدا نہ فرمائے اس لئے کوئی نور نہیں۔ اس آیت کے اسرار میں سے اتنا ہی کافی ہے پس اسی پر قناعت کرو۔

باب سوئم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کے معنی کہ اللہ تعالیٰ کے لئے نور و ظلمت کے ستر پردے ہیں اگر انہیں کھول دے تو اس کی ذات کی تیز شعاعیں ہر اس چیز کو جسے اس کی آنکھیں پالیں جلا کر دیں۔ اور بعض روایات میں سات سو اور بعض میں ستر ہزار پردے بھی آئے ہیں۔

اب میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے لئے بالذات روشن ہے اور حجاب ہمیشہ محجوب کی بہ نسبت ہوتا ہے۔ اور محجوب تین قسم کے لوگ ہیں۔

اوّل جو صرف ظلمت کے پردے میں ہوں۔ ثانیاً جو محض نور کے پردے میں ہوں۔

ثالثاً وہ لوگ جو اس نور کے پردے میں ہیں جو ظلمت کے ساتھ مخلوط ہے۔ ان اقسام کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ ممکن ہے کہ میں انہیں شمار کرنے کی سعی کروں لیکن مجھے اس بات پر یقین نہیں کہ یہی تعداد مراد ہے اور اسی تعداد سے حصر مقصود ہے۔ معلوم نہیں کہ حدیث میں حصر مراد ہے یا کوئی اور شے، لیکن سات سو یا ستر ہزار پر حصر کرنا سوائے قوت نبویہ کے اور کون کر سکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود میرا گمان یہ ہے کہ یہاں مذکورہ عدد سے شمار مقصود نہیں۔ بلکہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ عدد کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے وہ خاص عدد مراد نہیں ہوتا بلکہ کثرت مراد ہوتی ہے اس حقیقت سے خدا تعالیٰ زیادہ واقف ہے۔ کیونکہ وہ ہماری وسعت علمی سے خارج ہے۔ میری قدرت میں صرف اتنا ہے کہ میں تجھے حجابات کے اقسام اور اقسام الاقسام کی تفصیل بتا دوں جو حسب ذیل ہے۔

قسم اول

قسم اول میں وہ لوگ ہیں جو ظلمت میں محجوب ہیں۔ اور یہ ملحد لوگ ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو دنیوی زندگی کو حیات اخرویہ پر ترجیح دیتے ہیں اس لئے کہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی کئی قسمیں ہیں۔

ایک قسم تو وہ لوگ ہیں جو اس جہان کے سبب کو تلاش کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی طبیعت اسے محال تصور کرتی ہے۔ کیونکہ طبیعت ایک ایسی صفت اور حالت ہے جو اجسام میں مرکوز ہے لیکن وہ خود تاریک ہے کیونکہ طبیعت میں نہ تو معرفت و ادراک پایا جاتا ہے نہ اسے اپنے نفس کی خبر ہے اور نہ اس کا تصور ہے۔ اس کے لئے نور بھی نہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھ لے۔

۲۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے نفس میں مشغول ہیں اور انہوں نے سبب کی تلاش کی سعی نہیں کی۔ ان لوگوں کی زندگی چوپایوں کی طرح ہے۔ ان کے حجابات خود ان کا نفس اور ان کی شہوات ہیں۔ اور سوائے نفس سے بڑھ کر کوئی ظلمت نہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے ان میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہوائے نفس ہے۔ ان کی بھی کئی قسمیں ہیں۔

ایک جماعت کا تو گمان ہے کہ دنیا کا مقصود حاجت و شہوت کو پورا کرنا اور لذات حیوانیہ کو حاصل کرنا ہے یعنی نکاح، کھانا پینا اور لباس۔ یہ لوگ لذات کے بندے ہیں اور اسی کی عبادت کرتے ہیں۔ اسی کی طلب میں منہمک ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ان امور کو حاصل کرنا ہی اصل سعادت ہے۔ انہوں نے اپنے لئے اسی کو پسند کیا ہے۔ یہ لوگ چوپایوں کے قائم مقام ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر۔ بھلا اس سے بڑھ کر ان کی ظلمت ہوگی۔ یہ لوگ محض اندھیرے میں ہیں۔ موجودہ دور میں اسی طبقہ کی اکثریت ہے۔

ایک دوسرا فرقہ یہ گمان کرتا ہے کہ غایت سعادت یہ ہے کہ غلبہ اور چیرہ دستی حاصل ہو۔ اسی باعث وہ قتل و غارت میں مشغول رہتا ہے۔ بدوؤں، جنگلی اور بعض کردوں اور اکثر بے وقوفوں کا یہی مذہب ہے۔ یہ لوگ صفات درندگی کی ظلمت میں محجوب ہیں۔ کیونکہ درندگی ان پر

غالب ہے اور ان کا مقصود یہی بڑی لذات ہیں یہ لوگ ان کو بہتر سمجھتے ہیں کہ درندگی کے مرتبہ پر قائم ہیں۔ بلکہ ان سے بھی زیادہ ذلیل مرتبہ پر۔

تیسرے فرقے کا تصور یہ ہے کہ انتہائی سعادت یہ ہے کہ بہت سا مال اور فراخی ہو اس لئے کہ مال ہر قسم کی شہوت پورا کرنے کا آلہ ہے۔ اور اس سے انسان اپنی حاجت پوری کرتا ہے ان لوگوں کی ہمت صرف مال جمع کرنا اور اسے بڑھانا ہے۔ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ، عمدہ گھوڑے جانور، کھیتی کی کثرت، یہی ان کا مطلب ہے۔ یہ زمین کے نیچے اشرفیاں جمع کرتے ہیں۔ تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تمام عمر سعی کرتے ہیں۔ خطرناک بیابانوں کو طے کرتے۔ سفر کی مشقتیں اٹھاتے سمندروں میں سفر کرتے۔ سامان کو جمع کرتے اور اپنے نفس پر بخل سے کام لیتے ہیں۔ یہی لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا مصداق ہیں۔ ہلاک ہو جائے بندۂ دینار اور ہلاک ہو جائے بندۂ درہم۔

اس سے بڑھ کر کیا تاریکی ہوگی کہ انسان پر اتنی بات بھی مشتبہ ہے کہ سونا چاندی دونوں پتھر ہیں۔ بالذات مقصود نہیں۔ اور جب ان سے حاجات بھی پوری نہ کی جائیں اور ضروریات پر بھی نہیں خرچ کیا جائے تو یہ کنکر کے برابر ہیں۔

ایک طبقہ ایسا ہے کہ ان کی جہالت اس سے بھی زیادہ ترقی یافتہ ہے بلکہ تعلیم یافتہ ہے اس کا گمان یہ ہے کہ سب سے بڑی سعادت یہ ہے کہ رعب، جاہ و جلال ہو۔ شہرت ہو اور گھر گھر چرچے ہوں۔ بہت سے متبعین ہوں اور حکومت کی باگ ہاتھ میں ہو۔

تم ان لوگوں کو دیکھو گے کہ ہر وقت آئینہ کی جانب دیکھتے ہیں اور کنگھی چوٹی میں لگے رہتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ گھر میں کھانے تک میسر نہیں لیکن وہ اپنا مال لطیف لطیف کپڑوں پر صرف کرتے ہیں تاکہ دیکھنے والے انہیں حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں۔ اس قسم کے لوگ لاتعداد ہیں۔ اور یہ سب کے سب خداتعالیٰ کی جانب سے غافل اور ظلمت کے پردوں میں محجوب ہیں۔ ان کے نفوس اندھے ہیں۔

ان تمام جماعتوں میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو اپنی زبان سے لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرتے ہیں اور ایسا مسلمانوں کے خوف کے سبب سے کرتے ہیں۔ یا ان سے مدد لینا یا ان کے

مال کی طلب مقصود ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے مذہب میں تعصب پیدا کرتے ہیں
جب اس کلمہ سے یہ لوگ عمل صالح کے جانب متوجہ نہ ہوں تو یہ کلمہ ہرگز بھی انہیں ظلمات سے
نہ نکالے گا ان کے دوست شیطان ہیں جو انہیں نور سے نکال کر ظلمت کی طرف لے جاتے ہیں
لیکن جس شخص میں یہ کلمہ کم از کم اتنا اثر کر جائے کہ اسے برائی بری معلوم ہو اور نیکی اچھی معلوم ہو تو وہ
خالص ظلمت میں نہیں اگرچہ گناہگار ہو (یعنی ان میں ظلمت کے ساتھ نور بھی پایا جاتا ہے)
دوسری قسم وہ جماعت ہے جو ایسے نور سے محجوب ہے جو ظلمت سے ملا ہوا ہے یہ تین قسم
کے لوگ ہیں۔

۱۔ اول قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشاء حس ہے۔
۲۔ دوسری قسم کے لوگوں کی ظلمت کا منشا خیال ہے
۳۔ ایک قسم وہ ہے جن کی ظلمت کا منشاء قیاسات عقلیہ فاسدہ ہیں۔

پہلی قسم وہ ہے جو ظلمت حس سے محجوب ہے یہ وہ گروہ ہے کہ ان میں ایسا کوئی شخص
نہیں جو اپنے نفس کی جانب متوجہ ہو اور حس کا کرنے سے تجاوز کرے اور اپنے رب کی معرفت کا طریقہ
رکھتا ہو۔ ان میں سے اول درجہ بت پرست لوگ ہیں اور آخر درجے میں ثنوی ہیں ان دونوں کے
بیچ کئی درجات ہیں

پہلا گروہ بت پرستوں کا ہے۔ وہ اجمالاً یہ جانتے ہیں کہ ان کا ایک رب ہے جو خود کو ان
کے تاریک نفوس پر ترجیح دینا لازمی جانتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ان کا رب ہر شے سے زیادہ
عزیز اور ہر نفیس شے سے بہتر ہے۔ لیکن انہیں حس نے محجوب کر رکھا ہے کہ وہ عالم حس سے آگے
نہیں بڑھتے انہوں نے عمدہ جواہرات سونا چاندی اور یاقوت سے عمدہ عمدہ مورتیں بنائیں اور
انہیں اپنا معبود یقین کر لیا۔ یہ لوگ صفات خداوندی اور اس کے جلال و عزت کے نور سے
محجوب ہیں۔ انہیں اس نور سے حس کی ظلمت نے روک رکھا ہے۔ کیونکہ حس عالم روحانی کے مقابلے
میں ظلمت ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

۲۔ دوسرا گروہ ایک خاص جماعت ہے جو ترکستان کے پہلے جانب واقع ہے ان کا کوئی
مذہب ہے اور نہ شریعت ان کا اعتقاد ہے کہ ان کا ایک رب ہے جو سب سے زیادہ خوبصورت

ہے۔ اسی لئے جب وہ کسی خوبصورت انسان، درخت، گھوڑے وغیرہ کو دیکھتے ہیں تو اسے سجدہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ ہمارا رب ہے۔ یہ لوگ جمال کے نور سے ظلمت حس کے ساتھ محجوب ہیں یہ بت پرستوں کی بہ نسبت نور کے لحاظ سے زیادہ داخل ہیں کیونکہ وہ مطلق حسن کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ کسی ذات خاص کی۔ اور اسے کسی خاص شخص کے ساتھ مخصوص نہیں سمجھتے۔ پھر وہ مطلق جمال کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ مصنوعی کی جسے خود انہوں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہو۔

تیسرا گروہ اس کا قائل ہے کہ مناسب یہ ہے کہ ہمارا رب اپنی ذات میں نورانی ہو، جلالاً صورت خوب صورت ہو اور اپنے نفس میں غالب ہو، اپنے مقدور میں باہیبت ہو، کوئی اس کے قرب کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ اس لئے کہ ان کے نزدیک بھی چیز محسوس کا کوئی مقصد نہیں۔ انہوں نے اس صفت پر آگ کو پایا اور اس کی عبادت کرنے لگے اور اسے اپنا رب بنا لیا۔ یہ لوگ سلطنت و رونق کے نور سے محجوب ہیں۔ اور یہ تمام امور خدا تعالیٰ کے انوار میں داخل ہیں۔

چوتھا گروہ کہتا ہے کہ ہم آگ پر غالب ہیں اسے جلاتے اور بجھاتے ہیں اور اس میں تصرف کرتے ہیں۔ اس لئے وہ خدا کے قائل نہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ جس شے میں سلطنت و رونق پائی جاتی ہے ہم بھی اس کے تصرف میں داخل ہوں اور وہ بلندی کے ساتھ بھی موصوف ہو وہ خدا ہے۔

ان لوگوں میں علم نجوم اور ستاروں کی طرف تاثیرات کا منسوب ہونا مشہور تھا اس لئے ان میں سے بعض نے تو مشتری کی عبادت کی اور بعض نے مشتری وغیرہ ستاروں کی اپنے اپنے اعتقادات کے مطابق کہ کس میں تاثیر زیادہ ہے عبادت شروع کی۔ یہ لوگ بلندی کے نور سے اس کے اشراق و غلبہ سے محجوب ہیں اور یہ بھی خدا کے نور میں داخل ہے۔

پھر ایک گروہ ان تمام لوگوں سے زیادہ ترقی یافتہ ہے وہ کہتا ہے کہ نور آفتاب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کے علاوہ اور چیزوں میں بھی انوار ہیں۔ اور یہ مناسب نہیں کہ نورانیت میں کوئی شے رب کی شریک ہو۔ انہوں نے مطلق نور کی جو تمام انوار کا جامع ہے عبادت شروع کی ان کا خیال ہے کہ وہ رب العالمین ہے اور تمام خوبیاں اسی کی جانب منسوب ہیں لیکن جب انہوں نے بعد دیکھا کہ دنیا میں برائیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہوں نے اسے اچھا نہ سمجھا کہ وہ ان برائیوں کو اپنے

رب کی جانب منسوب کریں۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کا رب برائیوں سے پاک ہے اس لئے انہوں نے ظلمت کا جھگڑا کھڑا کر کے جہاں کو نور و ظلمت کے حوالہ کر دیا۔ اکثر نے ان کا نام یزدان واہرمن رکھا یہ لوگ ثنویہ ہیں۔ اس گروہ کے بارے میں اتنی ہی معلومات کافی ہیں۔

دوسری قسم وہ ہے جن کو بعض انوار سے حجاب ہے جو ظلمت خیال سے ملحق ہیں۔ یہ لوگ حس سے تجاوز کر چکے ہیں۔ اور محسوسات کے علاوہ بھی ایک امر ثابت کرتے ہیں لیکن وہ خیال کی حد سے متجاوز نہیں۔ انہوں نے ایسے معبود کی عبادت کی جو عرش پر بیٹھا ہوا ہے۔ ان سے کمتر رتبہ والے مجسمہ ہیں۔ پھر کرامیہ کے بھی مختلف اقسام ہیں ان کے مقالات و مذاہب کی شرح لکھنے سے نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے مزید بیان سے کوئی فائدہ بھی نہیں لیکن ان میں سے بلند مرتبہ وہ لوگ ہیں جو خدا تعالیٰ سے جسمانیت اور دیگر عوارض کی نفی کرتے ہیں۔ لیکن انہوں نے جہت کی نفی نہیں کی کہ اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ جو شے جہات کے ساتھ موصوف نہ ہو یعنی نہ جہاں میں داخل ہو اور نہ جہاں سے خارج وہ ان کے نزدیک موجود ہی نہیں ہوتی۔ انہیں معلوم ہی نہیں کہ معقولات کا پہلا رتبہ یہ ہے کہ جہات و مکان کی نسبت سے تجاوز کیا جائے

تیسری قسم وہ لوگ ہیں جو کہ انوار الٰہیہ سے جو قیاسات عقلیہ فاسدہ کے قریب ہوں ملے ہوئے ہیں۔ انہوں نے ایسے معبود کی عبادت کی ہے جو سمیع و بصیر، عالم، قادر، مرید، اور جہات سے منزہ ہے۔ لیکن انہوں نے اس کی صفات کو اپنی صفات کی طرح تصور کیا۔ حتیٰ کہ بسا اوقات بعض نے اس کی تصریح بھی کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کلام ہمارے کلام کی طرح حروف والا ہے بعض لوگوں نے اس میں ترقی کی اور یہ کہا کہ نہیں بلکہ اس کا کلام ہمارے دل کے کلام کی طرح ہے کہ جس میں حروف و آواز نہیں۔ علیٰ ہذا۔

جب ان سے سمیع و بصیر اور صفات کی حقیقت دریافت کی جاتی ہیں تو یہ معنی کے لحاظ سے تشبیہ کی جانب رجوع کرتے ہیں مگر ہم لفظاً اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے خدا کے بارے میں ان الفاظ کے اطلاق کے معنی نہیں سمجھے۔ اسی لئے اس کے ارادے کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح حادث ہے اور وہ ہماری طرح قصد و طلب کرتا ہے۔ یہ مذاہب مشہور ہیں جن کی تفصیل کی حاجت نہیں یہ لوگ تمام انوار کے باوجود قیاسات عقلیہ

فاسدہ کی ظلمت میں محجوب ہیں۔

چوتھی قسم وہ گروہ ہے جو محض انوار سے محجوب ہے۔ ان کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کا شمار دشوار ہے۔ میں ان میں سے تین قسموں کا شمار کروں گا۔

اول قسم وہ ہے جنہوں نے صفات کے تحقیقی معنی معلوم کر لئے ہیں اور یہ سمجھ لیا کہ کلام، ارادہ، قدرت اور علم وغیرہ اسماء کا خدا پر اس قسم کا اطلاق نہیں جیسا کہ انسان پر کرتے ہیں اور انہوں نے خدا کی ان صفات کرنے سے احتراز کیا ہے اور انہوں نے اس کی تعریف مخلوقات کی جانب منسوب کر کے کی ہے۔

جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے اس قول کے جواب میں کہ رب العلمین کیا ہے تو موسیٰؑ نے جواب دیا تھا۔ یہ لوگ ان صفات کے ساتھ اس کی تعریف کرتے اور کہتے ہیں رب جو کہ ان صفات کے معنی سے پاک ہے وہ آسمانوں کا محرک اور مدبر ہے۔

دوسری قسم اس گروہ نے اول سے زیادہ ترقی کی کیونکہ ان پہ یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آسمان بہت سے ہیں اور ہر آسمان کا جداگانہ محرک موجود ہے جسے فرشتہ کہتے ہیں اور ان کی کثرت ہے اور ان کی نور الٰہیہ کے ساتھ نسبت ایسی ہے جیسا کہ ستاروں کی انوار محسوسہ کے ساتھ نسبت۔ پھر ان پہ بھی یہ ظاہر ہوا کہ یہ آسمان اور آسمانوں کے ضمن میں ہیں اور یہ تمام آسمان دن رات میں ایک آسمان کی حرکت سے حرکت کرتے ہیں۔ پس اوپر کے رب جسم کا رب جو تمام آسمانوں پر حاوی ہے محرک ہے اس لئے کہ کثرت اس کی منافی ہے۔

تیسری قسم وہ گروہ ہے جو ان سے بھی ترقی کر گیا ہے اور کہتا ہے کہ اجسام کی تحریک طاعات و مباشرت کے طور پر ہے۔ مناسب ہے کہ رب العلمین کی خدمت و عبادت اس کے بندوں میں سے ایک بندے کی اطاعت کے لئے ہو جسے فرشتہ کہتے ہیں۔ اس کی انوار الٰہیہ محضہ کی طرف نسبت ایسی ہے جیسے انوار محسوسہ کی طرف چاند کی طرف نسبت۔ اور ان کا گمان یہ ہے کہ رب اس محرک کے لحاظ سے مطاع اور حکم ماننے کے لائق ہے۔ اور یہ رب تعالیٰ نے ہر ایک کے لئے محرک پیدا فرمایا ہے اور یہ محرک بطریق امر ہے نہ کہ بطریق مباشرت۔

اس امر کو سمجھنے اور ان کی ماہیت میں اشارات ہیں جنہیں اکثر لوگ سمجھنے سے قاصر ہیں

اور یہ کتاب ان کی متحمل نہیں ہو سکتی۔

یہ تمام اقسام انوار محض کے ساتھ محجوب ہیں اور پہنچنے والے پانچویں قسم کے ہیں جن کے لئے یہ امر بھی روشن ہے کہ یہ مطاع ایسی صفت کے ساتھ موصوف ہے جو وحدانیت محض ہے اور اس مطاع کا وجود حق کی جانب ایسی ہی نسبت ہے جیسے آفتاب کی نور محض کی جانب نسبت یا انگارے کی خالص آگ کی جوہر کی طرف پھر انہوں نے اس سے اس محرک کی جانب جو آسمانوں کو حرکت دیتا اور اس کی جانب جو اس تحریک کا حکم دیتا ہے رخ کیا۔ اس طرح وہ ایسے موجود تک پہنچے جو کہ ہر اس چیز سے پاک ہے جسے دیکھنے والوں کی آنکھیں اور ان کی عقلیں پاتی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس کو مذکورہ تمام امور سے پاک اور منزہ پایا ہے۔

پھر ان کی بھی کئی اقسام ہیں بعض تو وہ ہیں کہ ان سے وہ سب امور کہ جنہیں ان کی آنکھ دیکھتی ہے اس کے نزدیک جلکر بھسم ہو گئے لیکن وہ خود جمال اقدس کا ملاحظہ کرتے ہیں اور اپنی ذات کو اس جمال سے دیکھتے ہیں جس نے حضرت الٰہیہ سے ملنے کے سبب جمال پایا ہے پس ان میں جتنی چیزیں دیکھی جاتی ہیں مٹ گئی ہیں۔

ان سے آگے ایک اور گروہ ہے ان میں خواص الخواص ہے انہیں ان کی اعلیٰ ذات کی تیزیوں نے جلا دیا ہے اور سلطان جلال نے انہیں ڈھانپ لیا ہے وہ اپنی ذات میں مٹ کر لاشی ہو گئے ہیں انہیں خود کا بھی لحاظ نہ رہا۔ کیونکہ یہ لوگ خود سے بے پرواہ ہو گئے ہیں اور ان کے دل میں حق تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی باقی نہیں رہا اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب حاصل ہو گیا كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ ان کا ایک ذوق و حال ہے جس کا ہم نے پہلے باب میں اشارہ کیا۔ ہم نے یہ واضح کر دیا کہ انہوں نے اتحاد کیسے اطلاق کیا یہ واصلین کی نہایت ہے۔

بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے ترقی و عروج کے مدارج اس تفصیل سے طے نہیں کئے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ انہوں نے عروج کے لئے زیادہ ترقی نہیں کی۔ وہ اول ہی وہلہ میں معرفت کی اس ہستی سے کہ جس سے اسے پاک کرنا چاہئے پاکیزگی کی جانب سبقت کر گئے۔ پس ان پر اول ہی وہ شے غالب ہو گئی جو اوروں پر آخر میں جا کر غالب آئی۔ ان پر دفعۃً تجلیات کا ہجوم ہو گیا۔ اور اس کی ذات کی تیزیوں نے ان تمام چیزوں کو جلا دیا جنہیں بصر حسی یا بصیرت

متعلق معلوم کرتی ہے۔ اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ پہلا طریقہ کار ابراہیم خلیل اللہ کا اور دوسرا طریقہ کار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے مقامات کے انوار اور ان کے اسرار کو خوب جانتا ہے۔ یہ محجوبین کے اقسام کی جانب اشارہ ہے اور کچھ بعید نہیں کہ اگر مقامات کی تفصیل کی جائے اور سالکین کے حجابات کو تلاش کیا جائے تو ان کا عدد شمار ستر ہزار تک پہنچ جائے لیکن جب تم تفتیش کرو گے تو ان میں سے کسی کو بھی ان اقسام سے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے خارج نہ پاؤ گے۔ کیونکہ وہ یا تو اپنی صفات بشریہ یا حس خیال یا قیاسات عقل یا نور محض سے محجوب ہیں جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔

یہ وہ بیان ہے جو مجھے ان سوالات کے جواب میں اسی وقت معلوم ہوا ہے باوجودیکہ مجھے سوال ایسے وقت ملا جب کہ طبیعت پریشان تھی اور اس فن کے علاوہ طبیعت بھی دوسری جانب مائل تھی میں سائل سے التماس کرتا ہوں کہ وہ میرے لیے اس زیادتی سے جو میرے قلم نے کی ہے خدا سے معافی مانگے کیونکہ اسرار الٰہیہ کے سمندر میں غوطہ لگانا بڑا خطرناک امر ہے اور انوار علویہ کا پردوں کے اوپر سے کھولنا نہایت دشوار کام ہے کوئی سہل نہیں۔

والحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا

محمد وآلہ الطیبین الطاہرین تمت

حامداً و مصلیاً

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسالہ موسوم بہ

مصنفہ شیخ طریقت و حقیقت ابوالفتوح شہاب الدین احمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ

برادر امام ہمام حجۃ الاسلام ابو حامد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے

التماس

واضح ہو کہ مصنف کامل نے اس رسالہ کو بطور مناظرہ لکھا ہے اور منکران صلوٰۃ کا اول اعتراض لکھ کر جواب با مراد سطر اس ترجمہ میں کوشش اس امر کی ہوئی کہ کوئی فروگذاشت نہ ہو۔ لہذا کل الفاظ مستحسن کو اپنی طرف سے معین کیا اور لغت کے مطابق ترجمہ کیا اور بعض الفاظ جو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے استعمال میں خاص طور پر ہیں ان کو بعینہٖ لکھ دیا ہے کیونکہ ترجمہ سے وہ بعید از فہم ہو جاتے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سب حمد کی لائق وہ ذات پاک اللہ تعالیٰ کی ہے کہ جس نے اپنے بندوں کو میثاق اول میں خطاب الست بربکم بوجہ معارف کے کامل کرنے کے واسطے فرمایا اور طالب کی عقول کو زواید اعمال و طاعات کے ادراک کے واسطے کامل کر دیا اور انکی ارواح کے پردوں کو جو حجاب احدیت میں ترقی کے مانع تھی معارف اور مکر شہوتوں کے دفع کے واسطے بیتاب کیا اور انکے دلوں کو دو یقین سے نرم کر دیا اور انکے نفوس سے آئینہ کو توڑنے تسکین سے جلا دیدی یہاں تک کہ انہوں نے تجلیات کے مشاہدہ کو پایا اور شہوتوں کی غلامی سے نجات پائی اور انکی ابتدائی صلوٰۃ میں ہمارا ان کیا اور مشاہدہ پر کہ جو کچھ کہ ہوا ہوا دیکھیں یہ مع مصیبت کے جیسے بڑے بڑے حق حاصل کریں کیونکہ خیر الانبیاء آدمی کی صفات میں سے یہی صفت کامل تر پہنچایا ہوا ہی جناب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر جو کہ تمام رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام میں بالیقین رسول کہ انکے تمام کو برکات رسالت کی انتہاؤں تک پہونچا دے بیتاب ہے بندہ واسطے کمال کا کرنیوالا اللہ تعالیٰ کا محتاج واسطے حاصل کرنے فیض فضل باری تعالیٰ کے اور مخفی رحمت اللہ تعالیٰ کی جناب میں احمد بنیا محمد بیٹا مکہ کا ساکن ہوں جسکو اللہ تعالیٰ جنت میں اپنے نیک بندوں کے ساتھ حشر فرمائے کہ مجھ سے بعض صلحائے کرام نے جو اشغال طریقت کو رسم و تکلیف میں شرح میں خواہش کی کہ میں ایک رسالہ صلوٰۃ اور اسکے قواعد میں لکھوں اور انکے کرنے میں جو شرط

رہیں سالکوں ؒ اگر اسکے فوائد ظاہر ہوں اور قرآن مجید اور حدیث شریف و افعال صحابہؓ کو اسپر گواہ لاؤں
اور سماع کے منکروں کا رد کروں اور ان انکار سے جو الزام اُنپر قرآن و حدیث و افعال صحابہ سے
آتا ہے ۔ اسکو بیان کروں اور اُس شخص کی نسبت جو اسکو حرام کہتا ہے قرآن مجید اور حدیث شریف
اور معقول و منقول سے یہ دلیل لاؤں کہ وہ بالاجماع کافر ہے اور اُنپر طریقے روشنیوں اور الہام
کے مسدود ہیں جبکہ میں نے سائل کی صدق رغبت کو دیکھا تو اُسکے سوال کی اجابت کی اور بس کیا
کو اللہ تعالیٰ سے استخارہ کے بعد لکھنے سے اُسکے واسطے سوال حاصل کیا اور اسکا نام بوارق الالماع
فی تکفیر من یحرم السماع رکھا اور اسکی ہر ایک بالاجماع متبین ہولی۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ سے کہ یہ کتاب
نفع بخش ہو کیونکہ بتحقیق اللہ تعالیٰ قریب اور مجیب ہے۔ جان تو اللہ تعالیٰ تیرے دل کو نور طاعت سے
آراستہ فرمائے اور حقیقت شفاعت و شہادت میں تجھکو جمع فرمائے کہ اس گروہ کا سماع ذوق
اسرار غیبیہ کا ایسے اشغال سے ہے جو دقیق ہیں اور تو انکو اسرار اور باریکیوں کی بدکاری کے لئے اللہ
تعالیٰ کی یاد کے ساتھ کہتا ہے اور انھوں نے اور اشغال میں سے اسکو بوجہ مرفوع ہونے تفرقہ سماع
کی جمعیت اور دوسروں کی دو باتوں سے پسند کیا ہے ایک یہ کہ سماع مقابلہ میں رتبہ نماز کی ہو ہیں
نماز بغیر سماع کے صحیح نہیں ہوتی اسلئے کہ اگر مصلّی نماز کے ارکان اور سنن اور شروط کو بطریق علم نہ سنے تو
اسکی نماز صحیح نہ ہوگی نیز نماز میں اگرچہ بظاہر جمعیت ہے مگر بباطن نہیں یا تفرقہ معنوی ہے اور اللہ
تعالیٰ کے ساتھ حضور کا منافی ہے یا تفرقہ ظاہری ہے جو کہ معیوب ہے جیسے کہ خیالات فاسدہ
کا نماز کی حالت میں قلب میں واقع ہونا اور سماع میں اگرچہ ظاہر میں تفرقہ ہے مگر اُسکے باطن میں جمعیت
ہے اسواسطے کہ بوجہ مستیلا ہونے حکم سماع کے مستمع کے اُسکا جسم عوارض فاسدہ حائل ہوتی ہیں یہاں تک کہ
کہ بسا اوقات مستمع کا نفس اُسکے قلب میں خطور نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے موجودات
کو پیدا کیا تو اُسکے دو وجود ہیں ایک وہ جس کا نام عالم غیب اور عالم ملکوت ہے اور یہ عالم سارے
عالموں میں زیادہ وسیع اور زیادہ کامل ہے اور مدرج اور بہتر ہے جس عالم میں تصرف ہوتا ہے اور اس عالم
والوں کی تجلیات کے وجدان کا اور اُسکے نورانی معانی سمجھنے کا آلہ جب سے کہ ذریعہ سے یہ کام ہو سکے ذوق

سے بعض انسان کو بعض کے حوالہ کر دیا اور ایک کو دوسرے کا مددگار بنایا اسطرح کہ ہر ایک
انہیں سے جلب منفعت اور دفع مضرت میں اپنے نفس سے دوسرے کا محتاج ایک واسطہ تک
ہے پس اگر یہ واسطہ یا ذریعہ کوئی کنایہ یا اشارہ ہوتا تو یہ کمال مقصود کو پیدا کر سکتا اسلئے اللہ تعالیٰ
نے کلام کو جسمیں آواز ہو واسطہ اپنی مہربانی سے بنادیا تاکہ جلدی سے اٹھنے والا اور جلدی پہنچنے
والا اور ہر ایک کا طلب منفعت میں دوسرے سے مددگار ہو پس انسانی طبیعت سے آواز سے
محبت کی کیونکہ انسانی طبیعت اس آواز کے صوری اور معنوی کمالات میں اور اللہ تعالیٰ نے اوسیکو
دوسروں میں سے منتخب کیا جیسے کہ جسدی طبیعت اپنی بقا کیواسطے غذا کی اس حیثیت سے کہ وہ غذا پر
محتاج ہے یہاں تک کہ حاجت کیوقت تمام محبوب چیزوں پر اسکو ترجیح دے یا وہ مال کے اختیار کرنے
ہی پس جبکہ آواز میں زیادتیاں ترتیبوں کی اور خوش آوازی کی ابھار اور پیدائیں حاصل ہوئیں اسلیئے کا
نام علم موسیقی ہے تو طبیعت زیادہ تر مناسبت اور لذتوں کے انکی طرف مائل ہوگئی اور تحقیق اللہ
تعالیٰ نے جناب داؤد علیہ السلام کو صورت حسن اور عمدہ آواز عطا فرمائی تھی کہ جب وہ زبور شریف
پڑھتے تھے تو انکی مجلس میں بعض سننے والے مرجاتے تھے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا
ہے یزید فی الخلق ما یشاء کہ زیادہ کرتا ہے خلقت میں جو چاہتا ہے یعنی جو جسمی ترکیب ہے اسمیں زیادہ
فرمادیتا ہے مفسروں نے اسکی تفسیر بھی آواز کی ہے یعنی خوش آوازی عطا فرماتا ہے اسطرح پر جناب
رسول علیہ السلام نے من لم یتغن بالقرآن فلیس منا جو کوئی قرآن مجید میں تغنی نکرے وہ ہماری
جماعت میں سے نہیں اور فرمایا کہ اپنی آوازوں سے قرآن مجید کی زینت کرو اور جو کچھ کہ ہم نے
ذکر کیا یہ امر اسکی دلیل ہے کہ خوش نغمات کے ساتھ آواز کا بلند کرنا مطلقاً مطلوب شان ہے لیکن
اسکا سننا جو فقرا اور اصحاب احوال میں رقت باطن اور صفائی قلب کیواسطے مروج ہے تو انکی
بنا تین چیزیں زمانہ اور مکان اور اخوان پر ہے صحبت لوگ ہی کی درستی اور عمدگی پر ہے پس وہ زمانہ جسمیں
کہ انکا سننا درست ہے وہ ہے جبکہ دلوں میں صفائی ہو اور لوگ اسوقت محبوب اللہ تعالیٰ کی رضا
کی طلب کیواسطے جمع ہوں اور انکا ظاہر نفسانی حظوظ سے مجرد اور انکا باطن شہوانی مادوں کے تعلق

سے بالکل جدا ہو وہ اپنے کو فارغ کریں واسطے حضور قلب کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم کرنے کے لئے
مراتب انسانی کے حاصل کرنے کے واسطے اسلئے کہ عبادت اور توجہ الی اللہ تعالیٰ ضروری ہے
کہ اللہ تعالیٰ کے واسطے ہو نہ کسی اور غرض کیواسطے ہیں جبکہ ایسے وقت لوگ جمع ہونگے تو بعض
کے دلوں کے انوار دوسروں کی طرف منعکس ہونگے تب اس اجتماع سے نور اور ظہور اور سرور
اور فتح کی زیادتی ہوگی اور یہ اہل جنت کا وصف ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونزعنا ما فی صدور
ہم من غل الآیہ۔ اور نکالدیا ہم نے اونکے سینوں میں سے جو کینہ اور کھوٹ تھا اس آیت سے مراد اہل
معرفت ہیں اور نزعنا کے معنی بشارت دیا ہے اور ما فی صدورہم سے مراد اہل معرفت اور شہود اور صاحبان
ذوق رقیقہ کے سینے ہیں اور من غل سے مراد دنیا کے حظوظ کا طلب کرنا اور انسانی شہوتوں
کا پورا کرنا ہے۔ اور اخوانا جو اس آیت میں ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ انوار اور مطالعہ
اور معارف کے حاصل کرنے میں باہم شریک ہیں اسلئے کہ بھائیوں کی پیدائش ایک ہی جگہ سے ہوتی
ہے علی سرر جو اس آیت میں ہے اس سے مراد احوال اور مقامات سامیہ ہیں اور متقابلین تو
یہ مراد ہے کہ جنکی عقل کا حکم ان پر غالب ہے انکے مقابلہ میں وہ ہیں جن پر حکم انکے قلب کا غالب ہے
اور وہ جنکی روح کا حکم ان پر غالب ہے انکے مقابلہ میں وہ ہیں جن پر کہ انکے سر کا حکم غالب ہے
لا یمسہم فیہا نصب سے مراد یہ ہے کہ انکو علم باللہ اور علم بامر اللہ اور علم بتدبیر اللہ میں کوئی تکان
اور مجبوری نفس کی طرف لاحق نہیں ہوتا اور وما ہم منہا بمخرجین سے یہ مراد ہے کہ وہ ایسے علم
جو کشف اور مطالعات اور معارف کا ہے نکلیں گے اسلئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں
کو رتبہ کمال اور مراتب وجود کے علم کا عطا فرمایا تو ان سے انکو بالکل نہیں چھینے گا کیونکہ وہ غنی اور
کریم ہے جب دیتا ہے تو بہت دیتا ہے اور واپس نہیں لیتا لیکن [illegible] کے واسطے سزاوار
ہیں وہ دنیا اور خانقاہیں اور مسجدیں ہیں اور مساجد بہتر ہیں کیونکہ مسجد بدنی عبادت کیواسطے
بنائی گئی ہے۔ اور دل وہ جگہ ہے جو کہ ذات تعالیٰ کی معرفت اور ظہور کیواسطے بنایا گیا ہے
اور وہ دل اللہ تعالیٰ کے انوار کے نزول کی جگہ ہے جبکہ صاحب قلب مسجد میں تو قلب

کی صفائی اور نفس کے صاف کرنے کے واسطے حرکت کرے تو وہ بہتر ہے اُس شخص کے جس کی حرکت
سے جلی حضور کی نماز میں کرتا ہے۔ اور نہیں خلاف نہیں کہ جو کوئی مسجد میں داخل ہو کر نماز ظاہر کے
میں مشغول ہو حالانکہ دل اُس کا وساوس اور خیالات اور ایسے امور سے بھرا ہوا ہے۔ جن کو کہ
شارع علیہ السلام نے منع فرمایا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ موانع کو بھی زائل کرے اُس کو
دخول مسجد سے منع کیا جاوے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ظالم تاجر و حرام خوار کا مساجد میں داخل
ہونا متحقق ہے جیسا کہ بہت قرائن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مشغول ایسی منکرین ہوتے ہیں۔
اور لوگوں پر ظلم کرتے ہیں اور مال کا ناحق چھین لیتے ہیں مگر بظاہر نماز میں مشغول ہیں۔ تو ایسے لوگ مسجد میں
جانے سے نہیں روکے جاتے پھر کیونکر وہ شخص مسجد میں جانے سے روکا جاوے جو کہ صفائی دل
اور جلا نفس کا خواہش مند ہے اس کا روکنا تو بالکل جائز نہیں کیونکہ وہ غرائب کلام کے سننے اور عالی
اشعار کے سمجھنے سے جو کہ ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ اسکے ثبوت نسبت کو واجب کرنے والی
اور ابلیس و شیاطین سے اُس کی نسبت کے قطع کرنے والے ہیں اپنے نفس کو نرم اور [illegible] کرنے
کی کوشش کرتا ہے لہٰذا جبکہ اہل صفا عبادت کی جگہ جمع ہوں اور بعض کے دلوں کو
بعض کے دلوں سے صفا اور انوار اسرار کی زیادتی اور اُس مکان کے نور سے نفوس اور ابدان
کے صفائی کثرت ابھی ملی جاتے ہوں تو اُنکے احوال میں زیادتی ہوگی اور اُنکی زینت کامل ہوگی کیونکہ
جو مکان عبادت کے واسطے بنائے گئے ہیں اُنکے ساتھ عالم غیب نور درجہ متعلق ہو جاتی ہیں
تو اُسکی حرمت اور بزرگی بڑھ جاتی ہے جیسے کہ اصطبل کہ اُسکو جب مسجد بنا لیا جاوے تو تعظیم اور بزرگی
اُس سے متعلق ہو جاتی ہے حالانکہ وہ نجاست و پیشاب اور گوبر کی جگہ تھی پس انہیں جیسا کہ
وہ مسجد ہے باطن کی نورانیت کو پیدا کریگا جیسے کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔
المسجد بیت کل تقی یعنی مسجد ہر پرہیزگار کا گھر ہے اور اخوان (اہل صحبت) تین قسم کے ہوتے ہیں
ایک وہ اخوان مطلقاً کہ جو ایمان میں شریک ہیں جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے انما المومنون اخوۃ
یعنی سوائے اس کے نہیں کہ مومن بھائی ہیں پس ایسے بھائیوں کی صحبت ہونے کے واسطے جائز نہیں بلکہ [illegible]

دین کے واسطے انکی صحبت رکھی جائے تاکہ انکو اس چیز سے جس سے وہ نفع حاصل کریں فائدہ پہونچایا جاوے
دوسرے اخوان ارادت اور محبت میں جیسے کہ وہ عام لوگ جو فقراء سے محبت رکھتے ہیں اور صفا کے طریقوں کے
حاصل کرنیکے واسطے اپنی جان و مال سے انکی مدد کرتے ہیں اگرچہ یہ لوگ ایسا رمان سے متصف نہیں ہو کہ
فقر میں پائے جاتے ہیں تاہم انکی مصاحبت بوجہ انکی قوت محبت کے اہل ذوق و کمال کے ساتھ جائز ہے۔
کیونکہ وہ بوجہ صدق اور قوت ارادت کے اہل صفا کے قلوب سے انوار کو حاصل کرتے ہیں جیسے کہ سمع لعل تا
کی حرارت کا کسب کرتی ہے اور جب وہ عوام کیطرف جاتے ہیں تو اور لوگ انسے نفع حاصل کرتے ہیں اور
تیسری قسم کے اخوان صفا وہ لوگ ہیں جنہیں کہ رجال معرفت پانے اور ذوق اور شوق اہل کمال اور صفات اور وصال کی صفات
میں ایسے حضرات کی مصاحبت اس طرح واجب ہے جیسے کہ سپاہی کو لڑائی کے وقت ہتھیار کا رکھنا لازم ہوتا
ہے اور مریدوں کے واسطے انکی مصاحبت مستحب اور محبوں کے واسطے مندوب ہے کہ اہل کمال کی صفات
و کمالات کے ساتھ تشبہ ہو فرمایا حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے من تشبہ بقوم فہو
منہم و من احب قوماً حشر معہم یعنی جسے کسی قوم کی سی صورت بنائی تو وہ انہیں میں سے ہوگا اور جس نے
کسی قوم کے ساتھ محبت رکھی تو انکا حشر انکے ساتھ ہوگا اور فرمایا جناب باری تعالیٰ نے یا ایہا الذین آمنوا اتقوا
اللہ و کونوا مع الصادقین یعنی اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو یعنی اگر خود سچوں میں
سے نہیں ہو تو انکے ساتھی ہو جاؤ اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ولو علم اللہ فیہم خیرا لاسمعہم یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان
میں بھلائی جانتا البتہ انکو سنانا یعنی حق اور حکمت اور موعظت اور نور ہی۔ اور سمع کے زائل ہونے تک انکو سنانا اور وہ
چیزیں سنانے کا نام ہے خواہ قرآن مجید ہو یا حدیث شریف یا اشعار وغیرہ ہوں جو کہ سنائے جاتے ہیں اور جناب
نبی علیہ السلام نے فرمایا۔ ان من الشعر لحکمۃ تحقیق بعض شعروں میں حکمت ہے جنکے حق میں اللہ تعالیٰ خیر
نہیں جانتا انکو بالکل حکمت اور معرفت اور سر الہ اور نور ہی نہیں سنتا تو جس حال میں یہ خیر اور حق کہ
اشعار میں ہوتے ہیں وہ بھی نہیں سنتا پھر کوئی انکو بھی حق اور حکمت اور فائدہ سے حصہ نہیں پا وہ انکا
انکار کرتا ہے لہذا ہر وقت یہ انکار انکا اور اپنے نفس پر ہوگا جو سماع کا انکار کرتا ہے اور دف اور نے کا ازالہ
کے سننے سے مخالفت سنت کی ہے اور سنت کی مخالفت کرنا تو بالکل کفر ہے اور سنت سے مستحب

دو رنگ بجانا فسق ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء کہتے ہیں کہ جناب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے اور میرے فرش پر بیٹھے اور میرے پاس دو لڑکیاں
دف بجا رہی تھیں اور جو بدر کی لڑائی میں ہمارے بزرگ شہید ہوئے تھے انکی تعریفیں گا رہی تھیں تو ایک
انہیں سے گانے لگی وفینا نبی یعلم ما فی غد یعنی ہم میں ایسے نبی علیہ السلام ہیں جنکو کل کی بات کا علم
ہے پس حضرت صلعم نے فرمایا کہ اسکو چھوڑ اور وہی کہہ جو پہلے گا رہی تھی اور شرح نہا جا ب الاقلام تیسیر مسلم
بعینہ بحاشیہ دنا ابیض ... فی تجلیس ایک لڑکی گا رہی تھی و مصرعہ بنا کر گانے لگی کہ ہم میں ایسے نبی ہیں
کہ جنکو کل کی بات کی خبر ہے پس یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ رسول اللہ صلعم کے وقت کی آواز دف کا
اور شعر کو ایسی حالت میں سننا ان لڑکیوں کی آوازوں کا سننا بغیر حاجت کے درست تھا اور وہاں
خود حضرت صلعم موجود تھے اور توجہ سے کان لگا کر سنتے تھے پس جب ایسی لڑکیوں کا درست ہوا تو مردوں کا
بطریق اولیٰ درست ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ حضرت صلعم نے دونوں لڑکیوں کو دف بجانے اور گانے کا
اس قول سے حکم دیا کہ جو تو گا رہی تھی اور امر جبکہ قرائن سے مجرد ہوتا ہے تو وجوب کے واسطے ہوتا ہے
جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان اقیموا الصلوٰۃ یعنی نماز پڑھو یا ندب کے واسطے قرینہ کے ساتھ ہوتا ہے جیسے کہ
قول اللہ تعالیٰ کا فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا یعنی مکاتب بناؤ انکو اگر انمیں بھلائی جانتے ہو یا اباحت
کے واسطے ہوتا ہے جبکہ قرینہ ہوتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قول واذا حللتم فاصطادوا اور جبکہ احرام سے
فارغ ہو جاؤ تو شکار کرو اور یہاں امر وجوب کا احتمال رکھتا ہے کیونکہ حضور صلعم نے دونوں کو حکم دیا اور
مخالفت آپکی جائز نہیں اسلئے کہ جو وہ گا رہی تھیں اسکے اعادہ کا حکم فرمایا اور خود نغمے کے سماع کو کان لگا کر سن
رہے تھے اور جبکہ رسول اللہ صلعم دوسرے سے کچھ چاہیں اس حال میں کہ شریعت متوجہ ہوں تو اسپر اسکا کرنا
واجب ہے بوجہ اس حکم باری تعالیٰ کے کہ فرمایا یا ایھا الذین آمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم
لما یحییکم یعنی اے ایمان والو حکم مانو اللہ تعالیٰ کا اور رسول علیہ السلام کا جبکہ وہ تمکو بلائیں ایک کام پر
جسمیں تمہاری زندگی ہے اور امام بخاری اور امام مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی کہ ابو بکرؓ
انکے پاس آئے منیٰ کے دنوں میں اور دو لڑکیاں دف بجا رہی تھیں اس گفت و شنید کے ساتھ جو بعاث کے

کی لڑائی میں ہوئی تھی اور جناب رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کپڑا اوڑھے ہوئے تھے تو ابوبکرؓ نے انکو
جھڑکا اس پر حضرت صلعم نے چہرہ مبارک کھولا اور فرمایا کہ اے ابوبکرؓ انکو چھوڑ دو تحقیق یہ عید کے دن ہیں یہ
حدیث مبارک گانا اور دف سننے پر اور ایسی جگہ حاضر ہونے پر جواز کو ثابت اور منکروں کا رد کرتی ہے
ہے اور اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ جو انکار کرے اسکو روکنا اور انکار سے ہٹانا جائز ہے کیونکہ حضرت
صلعم نے منکر کو روکا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ یعنی تمکو اچھی تھی
رسول کی چال سیکھنی ہیں جس نے گانا سننا اور دف بجانے اور ایسے موقع پر شریک ہونے کو حرام کہا
تو اس نے یوں کہا کہ نبی صلعم حرام فعل کو سنا اور حرام فعل سے منع کو رد کیا اور جس نے بیان اتفاقیہ کہا
وہ بالاتفاق کافر ہو۔ اگر کہا جائے کہ یہ گانا صرف عید کے دن جائز ہے۔ کیونکہ عید کے دن کی تخصیص
اسکے جواز میں پائی جاتی ہے ہم جواب دینگے کہ اس امر سبب کا اتفاق ہے کہ سبب کا خاص ہونا
حکم کے عام ہونے کا مانع نہیں ہوتا اور اکثر قرآن مجید میں اسی طرح وارد ہوا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا ان الذین کفروا سواء علیہم ءانذرتہم ام لم تنذرہم لا یؤمنون یعنی جو منکر ہوئے برابر ہے
انکو تو ڈراوے یا نہ ڈراوے وہ نہ مانینگے یہ آیت ابوجہل اور ابولہب اور عتبہ اور شیبہ اور عبداللہ
بن ابی بن سلول کے حق میں نازل ہوئی مگر حکم کفار کے بارہ میں عام ہے اسی طرح دوسری آیت
میں فرمایا اما یبلغن عندک الکبر احدہما او کلاہما فلا تقل لہما اف ولا تنہرہما وقل لہما قولاً
کریماً واخفض لہما جناح الذل من الرحمۃ یعنی کبھی پہنچ جائے تیرے سامنے بڑھاپے کو وہ ایک
یا دونوں تو نہ کہہ انکو ہوں اور نہ جھڑک انکو اور کہہ انکو بات ادب کی اور جھکا انکے سامنے کندھے عاجزی
کے رحم کے بنا سے اگرچہ اس آیت میں خطاب جناب نبی صلعم کی طرف ہے مگر حکم عام سبکے واسطے ہے۔
کہ والدین کی تعظیم کریں اور اس حدیث میں اسطرف اشارہ ہے کہ ہر حال میں جبکہ طلب و تمنا طبعی
رغبت پائی جائے خواہ عید کے دن ہو یا دوسرے دن تو اس میں گانا اور دف اور اشعار سننا جائز ہے
و مسند امام احمدؒ میں روایت ہے کہ حبشی حضرت رسول اللہ صلعم کے سامنے رقص کیا کرتے تھے اور
ناچتے تھے اور کہہ رہے تھے کہ محمد صلعم نیک بندہ ہیں حضرت نے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہیں عرض

لیا گیا اور سب میں کہ جو مسلم نیک بندہ ہیں یہ حدیث اس امر پر دلیل ہے کہ ناچ دیکھنا اور دف اور گانا
سننا جائز ہے اسیر بھی اگر کوئی کہے کہ ناچ دیکھنا اور گانا اور دف کا بجانا سننا حرام ہے تو یہ انکار تقریر ہوگا
کہ نبی علیہ السلام حرام کام میں حاضر ہوتے اور دوسرے کو حرام کام کرنے دیا ایسی بات کے دل میں بھی نہ آ
اینگی وہ بالاتفاق کافر ہو گیا اور اگر منکر کہے کہ یہ جناب رسول علیہ السلام کے حق میں جائز تھا مگر امت کے
واسطے کیونکر جائز تھا ہے ہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضور شارع تھے اور شارع علیہ السلام کیواسطے جائز
نہیں کہ ایسے امر کو جس میں شرعی حکم پایا جائے چھپائیں کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان الذین یکتمون
ما انزلنا من البینات والھدیٰ من بعد ما بیناہ للناس فی الکتاب اولئک یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون
یعنی وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اُن بینات اور ہدایت کو جو ہم نے اتاری ہیں بعد اسکے کہ ہم نے لوگوں کے واسطے
کتاب میں اسکو کھولدیا ہے تو وہی لوگ ہیں جنپر اللہ تعالیٰ لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے لعنت
کرتے ہیں اور فرمایا ہے واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ یعنی یاد کر
جب اللہ تعالیٰ نے میثاق اُنسے لیا جنکو کتاب دی گئی تھی کہ لازم تم پر ہے کہ لوگوں پر اسکا اظہار کرو اور
اسکو نہ چھپاؤ پس اگر ناچ اور حضور سماع اور گانا اور دف بجانا حرام ہوتا تو آیت کے مطابق حضرت صلعم
پر اسکا اظہار واجب تھا اور اگر مخصوص حضرت کے واسطے جائز ہوتا تو اسکا اظہار بھی ضروری تھا جیسے
کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ نبی صلعم نے لوگوں کو وصال (بغیر افطار دوسرا روزہ رکھنا) سے منع
فرمایا اور خود لیے روزے رکھے اور جب صحابہ نے پوچھا تو فرمایا کہ میں تمہارا سا نہیں ہوں میں اپنے رب
تبارک و تعالیٰ کے پاس رات بسر کرتا ہوں اور مجھے وہ کھلاتا پلاتا ہے پس جبکہ حضرت نے ناچ کو
اور گانا اور دف سننا کسی کو اس سے منع نہ فرمایا تو یہ مطلقاً اسکے جائز ہونے کی دلیل ہے اگر منکر
کہے کہ ناچ کھیل ہے اور کھیل حرام ہے اسواسطے کہ حضرت صلعم نے فرمایا ہے کہ کھیل مجھے نہیں نہیں
کھیل سے ہوں یعنی میری عادت اور سیرت کھیل کود نہیں اسکا جواب یہ ہے کہ اس کھیل سے
مراد حرام کھیل ہے جیسے کہ نرد اور چوسر وغیرہ اسواسطے کہ صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
سے کہ جناب نبی علیہ السلام میرے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہوئے تھے اور حبشی لوگ مسجد میں اپنی

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب ھذا حلال و ھذا حرام لتفتروا علی اللہ الکذب یعنی اپنی زبانوں کی جھوٹ بنانے سے کہ یہ حلال اور یہ حرام ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو پس جو یہ کہے کہ رقص کا سننا حرام ہے تو اس نے فی الحقیقت اس امر کو شرع میں حرام کیا جس کی بابت کوئی حکم نہیں کیونکہ کتاب اللہ تعالیٰ اور سنت رسول اللہ صلعم میں کوئی نص تحریم سماع و رقص پر نہیں اور جو کوئی شرع میں ایسی چیز کو حرام کرے جو کہ حرام نہیں ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا اور جیسے اللہ تعالیٰ پر کچھ بھی جھوٹ باندھا تو وہ بالاجماع کافر ہوا نیز عوام کا سماع اور رقص تماشا بیں سماع و رقص کے ہے جو حبشیوں کا حضرت رسول اللہ صلعم کے حضور میں ہوا اور وہ سماع ہیں عوام کے واسطے خلاف نہیں نیز انکی حرکتیں سماع میں تماشا بیان کی خوشیوں کے باغوں میں ہیں اور انکے سماع ہوتے میں کوئی خلاف نہیں اسی طرح سے ان کی وجد حال میں بھی سماع ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جس نے کسی قوم جیسی اپنی صورت بنائی تو وہ انہیں سے ہے اور خاص اصحاب جیسے بعض صحابہؓ اور اولیاء اللہ تعالیٰ مثل جنید رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی سماع میں ایسی ہی تھی جیسا کہ کتب رقائق میں ان سے منقول ہے پس اگر ایک عامی بھی انکی صورت بنانے کیلئے حرکت کرے تاکہ ان میں ہو جاوے کہ ان کی برکات کا طالب ہو تو وہ بھی انہیں سے ہوگا اور حدیث میں ہے کہ وہ ایسی قوم ہے کہ بسبب انکے ان کا ہمنشین شقی نہ ہوگا اگر منکر کہے کہ کوئی شخص انسان کی محبت یا انسان کی صورت پر وجد کریگا تو حرام ہوگا ہم کہتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جسکے ہاتھ میں میری جان ہے کہ تم ہرگز جنت میں داخل نہ ہوگے جبتک کہ ایمان نہ لاؤ گے اور ہرگز ایمان نہ لاؤ گے جبتک کہ باہم محبت نہ کروگے کیا میں تمکو نہ بتاؤں وہ بات کہ جب اسکا عمل کروگے تو باہم محبت ہو جاویگی وہ یہ ہے کہ آپس میں سلام کرو اور ایک روایت میں ہے کہ آپس میں ہدیہ دو نیز حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیگا کہ کہاں ہیں باہم محبت کرنے والے میرے جلال کیواسطے انکے واسطے نور کے منبر لگائے جاوینگے جن پر کہ انبیاء و شہداء علیہم السلام رشک کرینگے پس اگر وہ شخص آپس میں اللہ تعالیٰ کے واسطے محبت کریں اور ایک انمیں سے دوسرے کی محبت پر اللہ تعالیٰ کے واسطے حرکت کرے تو یہ سماع ہوگا جبکہ باطل کے ساتھ نہ ملایا گیا ہو اگر منکر یہ کہے کہ عامی حرکت نہیں کرتا مگر باطل طور پر یا کھیل سے اور یہ حرام ہے اسکا جواب

یہ ہے کہ حدیث میں ہے جب تیرے بھائی سے کوئی بات ظاہر ہو اور اوسکا محل اچھے معنی پر ہو سکتا ہو
تو اوسکا محل برے معنی پر نہ کرلیں بلکہ ہم ہر مومن موحد کو خواہ عالی ہو یا غیر عالی سماع میں حرکت کرتے ہوئے
دیکھیں اور وہ باطل کے ساتھ پہچانا گیا ہو واجب ہے کہ اوسکے فعل کو حق پر محمل کریں پس اگر اوسکے
ساتھ وہی گمان کیا گیا ہے جیسا کہ ہمنے کہا تو وہی ہے ورنہ اوسکے اعتقاد کا الزام تو اللہ تعالیٰ کی سپرد ہے
نہ اوسکی طرف دیکھنے والے کے اگر معترض کہے کہ بغیر جھانجھ کے دف کا بجانا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ جائز
ہے کیونکہ عرب کا دف ایسا ہی تھا مگر جھانجھ کے ساتھ دف بجانا ہم تسلیم نہیں کرتے اوسکا جواب یہ ہے
کہ اسکی بابت کوئی حکم حرمت یا کراہت کا نہیں آیا ہے اسواسطے مباح ہے پس اگر ملا دیا جاوے کلام
استماع جو سنا جاوے ایک مباح کے ساتھ جو سنا گیا ہے تو سب مباح ہو جائیگا مگر اسوقت ہوگا جبکہ کوئی
قرینہ اوسکی جمع کی منع پر ساتھ تحریم کے دلالت کرے جیسے کہ دو بہنوں کے ساتھ نکاح کہ ہر ایک سے
جدا جدا جائز ہے اور دونوں میں جمع کرنا حرام ہے لیکن قصب فارسی کے بارہ میں کوئی حکم نہیں
اسلئے وہ اپنی اباحت پر باقی ہے مگر مزامیر (بانسری) حرام ہے اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اوسکی
آواز کو حضرت صلعم نے سنا اور کانوں کو بند کر لیا نیز جو شخص کہ گانا اور رقص اور دف بجانے کا
منکر ہے اوسکو اللہ تعالیٰ سے لڑائی کرنی پڑے گی اور اللہ تعالیٰ سے لڑائی بالاتفاق کفر
ہے اور یہ اسطرح ہے کہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس نے میرے ولی کے
ساتھ دشمنی کی تو وہ میری لڑائی کے واسطے میدان میں نکلا اور امت محمدیہ صلعم میں اسپر
اتفاق ہے کہ اس امت میں اولیاء ہیں اور سب طرف کے مسلمانوں نے صحت ولایت حضرت
جنید اور شبلی اور معروف کرخی اور عبداللہ ابن خفیف وغیرہم پر اتفاق کیا ہے ان اولیائے کرام
میں سے بعض کا رسالہ قشیری میں ذکر کیا گیا ہے اور یہ بھی لوگوں کے نزدیک ان صاحبوں کے
عادات و حالات میں ثابت ہوا ہے کہ وہ گانے میں وجد کرتے تھے اور رقص کرتے تھے واسطے
ترک ماسوی اللہ کے اپنے قلوب سے پس جو کوئی سماع کو مطلقاً حرام کہتا ہے گویا وہ یہ کہتا ہے
کہ یہ حضرات حرام کے مرتکب ہوئے اور جیسے اون کو حرام اور بسبب فعل حرام سے منسوب کیا

تو اُس نے از روئے قول واعتقاد کے اون سے دشمنی کی اور جس نے اُن سے دشمنی کی تو وہ اوسکا
کی لڑائی کے واسطے میدان میں آیا اور جو اللہ تعالیٰ کی لڑائی کے واسطے نکلا وہ بلا اتفاق کافر ہوا
پس تحقیق اللہ تعالیٰ کے غضب کو کیا لایا اور ٹھکانا اوسکا دوزخ ہوا اور وہ بُری بازگشت ہے
پس جبکہ اون تقریرات اور دلائل اور احادیث سے جنکو ہم نے بیان کیا ثابت ہو گیا کہ سماع مطلقاً
مباح ہے اور اوسکا منکر یا کافر یا فاسق ہے اور وہ مریدوں کے واسطے مستحب اور اولیا و فقرا
کے لئے بہ نسبت اون کے مقامات کے واجب ہے کیونکہ وہ حضرات مجرد ہیں اور ہر چیز سے جو
سوائے اللہ تعالیٰ کے ہے طرف اللہ تعالیٰ کی جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو دو جا ہے تیرے یکی
وجہ کو اور جبکہ وہ کوئی بات ظاہری صورتوں میں سے پاتے ہیں تو اوسکو معانی غیبیہ پر حمل کرتے
ہیں جیسے کہ جناب رسول علیہ السلام نے سعید بن حضیر کے بارہ میں فرمایا انھوں نے عرض کیا یا
رسول اللہ میں شب گذشتہ کو سورہ بقرہ پڑھ رہا تھا کہ ناگہاں میرے سر پر ایسا بادل چھایا جیسے
چراغ تھے حضرت نے فرمایا کہ وہ سکینہ تھی تو اسی طرح اولیاء اللہ تعالیٰ صورتوں کو معانی پر حمل کرتے
ہیں بوجہ اون کے مراتب صور کی ترتیب کے اور مراتب معانی میں اونکے سیر کے پس دف اون کے
نزدیک اشارہ ہے طرف دائرہ اکوان کی اور جو جھلّی اسپر چڑھی ہوئی ہے وہ اشارہ ہے طرف
وجود مطلق کی اور ضرب جو دف پر پڑتی ہے اوسمیں اشارہ ہے طرف ورود واردات الٰہیہ کے
باطن بطون سے طرف وجود مطلق کی واسطے تحویل اشیاء کے باطن سے ظاہر کی طرف
اور پانچ جلاجل سے اشارہ ہے طرف مراتب نبوت اور مراتب ولایت اور مراتب رسالت اور
مراتب خلافت اور مراتب امامت کی اور اوسکی آواز سے اشارہ ہے طرف تجلیات الٰہیہ اور علوم الٰہی
کے ان مراتب کے واسطے سے اولیاء اور اہل کمال کے قلوب میں اور نفس مغنی سے اشارہ ہے
طرف عطیات حق تعالیٰ کی جیسا کہ وہ اشیاء کا محرک اور موجود لغنی ہے اور آواز مغنی سے اشارہ
ہے طرف حق وارد کی اُس کی طرف سے باطن البطون میں اور اشارہ ہے طرف مراتب ارواح
اور قلوب کی جو کہ اسرار ہیں اور قصب سے اشارہ ہے طرف ذات انسانیہ کی اور نو سوراخوں سے

اشارہ ہے طرف مثال ظاہری انسان کی اور وہ نو ہیں دو آنکھیں اور دو کان اور دو سوراخ
ناک کے اور منہ اور قبل اور دبر اور نو سوراخ اور مطلوب طلب اور عقل اور روح اور
نفس اور سر اور جوہر انسانی اور لطیفہ زاکیہ اور فؤاد اور شغاف ہیں اور جو پھونک کہ
قلب میں ہاتی ہے اسمیں اشارہ ہے طرف نفاذ نور اللہ تعالیٰ کے حسب ذات انسانیہ میں
پس اوس کا ہٹنا گانے میں اشارہ ہے طرف یاد کرنے حقیقت انسانیہ کی مقام خطاب ازلی
میں اس وقت جبکہ الست بربکم فرمایا تھا اور وہ منتظر ہے بسبب قفص جسم کے کھینچنے اور لوٹنے
وطن حقیقی کی طرف پھرنے کے لئے اس حیثیت سے کہ فرمایا وطن کی محبت ایمان سے ہے یعنی
وطن ارواح کی جہاں سے کہ روح کو ایجاد کیا گیا جیسے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ونفخت فیہ
من روحی یعنی پھونک دی اس میں میں نے اپنی روح سے اور رقص اشارہ ہے طرف
جولان روح کی گرد دائرہ موجودات کے واسطے قبول کرنے تجلیات اور تنزلات کے
اور یہ عارف کا حال ہے اور نعل اشارہ ہے طرف وقوف روح کی اور آس کے ہمراہ
آس کے وجود کی اور اس کی جولان نظر اور فکر کی اور اوس کے نفوذ کے مراتب موجودات
میں اور یہ محقق کا حال ہے پس اس کا کودنا اوپر کی طرف اشارہ ہے اوس کے کھینچنے
انسانیہ طرف مقام احدی کے اور کائنات کے واسطے آثار روحانیہ کے حاصل
کے اور اللہ تعالیٰ کے نور کی امداد کے پس جبکہ اوس کی روح حجاب سے نکل جاتی ہے
مراتب صواب تک پہنچ جاتی ہے تو وہ اپنا سر کھول دیتا ہے پھر جبکہ ہر چیز سے جو سوا
اللہ تعالیٰ کے ہے مجرد ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف متصل ہو جاتا ہے تو اپ
کپڑے اتار دیتا ہے پھر اگر گانے والا بھی صاحب حال اور مقام ہے تو وہ اپنے کپڑے
زمین پر پھینک دیتا ہے اور اگر اس درجہ کا نہیں ہے تو اوس کی طرف پھینکنا ظاہر ہے اس لئے
کہ صاحب حال کے کپڑے اس کے حال کی صورت ہیں اور اوس کے حال کے قبول کا
یہی مستحق ہے جو کہ اس کے رتبہ کا ہو پھر اگر محقق مقام علوی پر چڑھ گیا اور گانے والا مقام

سنتی ہیں گانا ہوتا ہے تو وہ ایک شعر مناسب اپنے حال کے اسکو انتخاب کرتا ہے پھر اگر وہ
مشکل ہو جائے اس کو پیچھے چھوڑتا ہے اور اس کا حال اگر پھر جاتا ہے تو دوسرا لیتا ہے
اور اس کے ساتھ حال کرتا ہے تاکہ اس کا حال اس کے حال کے ساتھ ٹھیک ہو جائے
اور اس کا عقدہ حل ہو جائے پھر اگر وہ پیاسا ہو جائے اور پانی پینا چاہے تو یہ اس امر
کی دلیل ہے کہ وہ مغلوب ہو گیا اس لئے کہ مقام روح مقام صفا ہے اور اس کی غذا انوار
سے ہوتی ہے پس جب پیاسا ہوگا تو دلیل اسکی ہوگی کہ وہ مقام جسد کی طرف واپس آیا
اور مقام روح کا اور حال روح کا غیب کے ساتھ غذا حاصل کرتی ہے اور اسکو ظاہر کی
احتیاج نہیں اور مقام جسد صورت کے ساتھ غذا حاصل کرتا ہے تو جب غیب سے شہادت
کی طرف رجوع کرے گا پانی مانگے گا اور یہ اس کے نقصان کی دلیل ہے اور لیکن
معنی معقول شرف سماع پر دلالت کرنے والا پس وجود اس کا دلالت کرتا ہے اس امر
کہ اوراق لاحقہ دو قسم کے ہیں حرکت اور سکون پس حرکت صفت ارواح اور اسرار کی ہے
اور سکون صفت اجساد اور کثیف صورتوں کی اور حرارت اور لطیف ہونا حرکت کے لوازم میں
سے ہے اور ٹھنڈک پانی اور بدن سکون کے لوازم میں سے ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب پانی چیز
میں ٹھہرا رہتا ہے اگرچہ کثرت سے ہو بعد گذرنے زمانے کے اس کی حالت پلٹ جاتی ہے
اور اگر تھوڑا سا بھی جاری ہو تو نہیں بدلتی ہیں اسی طرح جب کہ آواز موجود باطن میں داخل ہوتی
ہے تو روح کو بلندی پر چڑھنے کی خواہش کے لئے حرکت دیتی ہے پس پھر روح کی
حرکت کے ساتھ حرکت کرتا ہے تب اس کے وجود میں حرارت پیدا ہوتی ہے اور اسکو وجد
نفس کھل جاتے ہیں اور اس کے قلب میں آثار سرور ظاہر ہو جاتے ہیں دوم یہ کہ وہ غذا جو
محسوس ہوتی ہے بدن کو قوی کرتی ہے اور اسکا حصول زوال کے احتمال سے ہے اور تدلیوں کے تقاضا
مکر کو دور کرتی ہے اور یہ انتقال سے الجھاوت کے ہوتا ہے جو کہ انوار حیات کے عالم غیب سے آتا رہتے ہیں اور وہ دوری
ترکیبی وجود کی اور اشعار رقیقہ سے معانی لطیفہ کا سننا اور تحفظات کو دنیا کا ترک کرنا اور روحانی غذا

لیتا ہے اور ان امور کے حاضر ہونے کا آلہ اجتماع اخوان اور طلب مدد اللہ عزوجل سے
ہے سوم یہ کہ سماع آدمی کو امور ظاہر سے مجرد کرتا ہے اور انوار اور اسرار باطنہ کے قبول
کے واسطے آمادہ کرتا ہے پھر جتنا کہ اس کا وجد سماع میں زیادہ ہوتا ہے اسی قدر
اس کے سیر اور طیر عالم ارواح میں زیادہ ہوتی ہے اور جب کثرت سے اس کی زیادتی
ہو جاتی ہے تو اسکا قلب رقیق ہو جاتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے آثار فیض اور تجلیات پہنچ
پہونچ جاتے ہیں تو اس کو مقام وصول بغیر ریاضت اور مجاہدہ کے حاصل ہو جاتا ہے چہارم
یہ کہ آواز ظاہر سے باطن میں نفوذ کرنے والی ہے اور قلب سے متصل ہو جاتی ہے پھر قلب
اور روح بواسطہ اختلاف نغموں کے اور متعدد ہونے ان معانی کے جو روح پر وارد ہوتے ہیں
مراتب وجود سے منتقل ہو جاتے ہیں اور قلب جسد کو روح کے پیچھے لگا دیتا ہے حرکت میں
پھر وہ توہمات سے مجرد ہو جاتا ہے پھر تولے جسدیہ میں وہ معانی منتقل ہو کر روح میں
ہیں نفوذ کرتے ہیں پھر جسد مقام روح تک پہنچتا ہے اور پردہ اٹھ جاتا ہے پھر ان معانی
اور حقائق کو ایک ہی دفعہ مشاہدہ کر لیتا ہے اور یہ مقام کمال عیانی ہے جو کہ بہت قسم کی ریاضتوں
سے حاصل نہیں ہو سکتا پنجم یہ کہ سماع باطن میں سکون اور ظاہر میں حرکت ہے اور اس کے
سوا سب عبادات سوائے روزہ کے ظاہر میں حرکت ہیں اور حرکت ظاہرہ کثرت سے متناسب
ہوتی ہے پس جسقدر حرکت سماع میں زیادہ ہوگی اسیقدر سکون قلب میں زیادہ ہوگا پھر
وہ قلب اس چیز سے جو سوائے اللہ تعالےٰ کے ہے مجرد ہوگا اور اسمیں وجد پیدا ہوگا اور
مقام احدی کی طرف کھینچیگا تو وہ نظر شوق سے اللہ تعالےٰ کے ایسے عالموں کو دیکھیگا جن کا
تخیلیں اور تشبیہیں احاطہ نہیں کر سکتیں اور لیکن یہ تین ارکان نماز اور حج اور شہادت اور کلمہ طیبہ
اگرچہ ظاہر میں حرکت ہیں لیکن دو حرکتوں میں کہیں ایک سکون روحی وہی ظاہر ہوتا ہے جو کہ
اس کے صاحب کو فنا اور بقا کی طرف قوت اور مدد دیتا ہے اور لیکن روزہ ظاہر اور باطن
سکون ہے اور دو سکونوں میں سے ایک حرکت الشوق ہے اور ساتھ الشوق کے اور واسطے اللہ کے

پیدا ہوئی ہے اور یہی اخلاق تمام اور علم اسلام ہے پھر چونکہ یہ سماع منتشر ہوا اور اس کے
مراتب مشتمل حقائق ارکان پر ہیں مثل نماز اور حج کے اور دونوں شمار میں اس کے مراتب
ظاہریہ سے ہیں اور روزہ اور زکوٰۃ اوسکے باطن کی طرف سے ہیں تو انسان کو سماع
میں وہ کمالات حاصل ہوتے ہیں جو کہ اور عبادات کے سوا نسبت سے حاصل نہیں ہوسکتے
ششم یہ کہ سماع مشتمل احوال کمالیہ پر ہے جو کہ اوس میں نہایات مقامات ہیں اور سین
سماع اشارہ کرتا ہے طرف سر کی یعنی بھید سماع کا مثل زہر کے ہے کہ اس کی وجہ سے
آدمی تعلقات غریبہ سے مرجاتا ہے اور وہ اوسکو مقامات غیبیہ تک پہنچا دیتا ہے اور اوسکا
میم اور عین اشارہ کرتا ہے معیت ذاتیہ الٰہیہ کی طرف جیسے کہ فرمایا حضرت علیہ السلام نے
کہ میرے واسطے اللہ تعالٰے کے ساتھ ایک وقت ہے اور اس کے سین اور میم اور
الف مشعر ہیں اس امر کے کہ صاحب سماع علوی ہو جاتا ہے اور مراتب سفلیہ سے نکلجاتا
اور اوس کے الف اور میم اشارہ کرتے ہیں طرف اتم کی تاکہ جانا جائے کہ صاحب سماع اصل
ہر چیز کی ہے پس وہ غیب سے بسبب اپنی روحانیت کے مدد لیتا ہے اور دوسروں کو
مراتب موجودات میں سے اس سے فیض پہنچاتا ہے اور علم جو اوس کی طرف اشارہ کرتا
ہے کہ الٰہی اور عین اور میم اوس کی اشارہ کرتی ہیں طرف علم کی یعنی صاحب سماع بسبب
اپنی روحانیت کے علویات اور بسبب حیات قلب کے سفلیات اور اسکے سوا اور مراتب
غیبیہ پر مشتمل ہے پس تحقیق کہ صاحب سماع ان مقامات الٰہیہ تک پہنچتا ہے یہانتک کہ بہ پرواز
اجتہاد اور کامل ترریاضتوں سے پہنچتا اصطلاح سماع کے نزدیک انتہائے نہایات تک پہنچتے ہیں جنکو کہ صاحب
ذوق اور شہود پاتا ہے اور ہم اس کتاب کو اللہ تعالٰی کی حمد پر ختم کرتے ہیں اور اوسکو حضرت رسول اللہ صلعم سے یہ
حدیث پہنچی ہے کہ فرمایا جب میں کسی امر کا تمکو حکم دوں تو اوسکو جہانتک ہو سکے بجالاؤ وصلی اللہ علی سیدنا
محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما والحمد للہ رب العالمین یا اللہ یا رحمن یا حی یا قیوم الحمد للہ تعالٰی کہ ترجمہ
بوارق السماع مصنفہ شیخ احمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ تمام ہوا۔ فقط۔

اُردو ترجمہ کتاب

آدابُ الاخلاق

یعنی

اخلاقِ محمدی

مصنفہ

جناب امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

آداب الاخلاق

اُردو ترجمہ کتاب

آداب و اخلاق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و معجزات

جاننا چاہیے کہ ظاہری آداب باطنی آداب کے عنوان ہوتے ہیں اور اطراف و ظاہری کی حرکتیں دلی خیالات کا ثمرہ ہوا کرتی ہیں۔ اور ظاہری اعمال باطنی اخلاق کے نتائج ہوتے ہیں۔ اور اخلاق یہ آداب تمام معرفت ہیں۔ اور اسرار باطنی اعمال و افعال کے منبع ہیں۔ باطنی نور سے ہی انوار ظاہری زینت و زیبائش حاصل ہوتی ہے۔ اور اسی کی برکت سے ظاہری برائیاں خوبیوں سے بدل جاتی ہیں۔ جس شخص کے دل میں خوف خدا نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضا سے بھی خوف خدا معلوم نہیں ہوتا۔ جس کا سینہ انوار الٰہی سے منور نہیں ہوتا اس کے ظاہری اعضا پر بھی اخلاق و آداب نبوی کی جھلک نظر نہیں آتی۔ میرا ارادہ تو یہ تھا کہ معاملات کے اختتام پر ایک باب تمام آداب زندگی کے بیان میں لکھ دوں لیکن جب میں نے سوچا کہ جلد اول و دوم کے ہر باب میں تھوڑے تھوڑے آداب مذکور ہیں۔ سو اگر ان کو دوبارہ لکھا جاوے تو مضمون مکرر ہونے کے باعث ناظرین کی طبائع پر گراں معلوم ہوگا۔ اس لئے تمام آداب یکجا ذکر نہیں کئے گئے۔ بلکہ صرف حضور علیہ السلام کے وہ اخلاق کریمہ ذکر کئے گئے ہیں جو صحیح سندوں کے ساتھ

روایت کئے گئے ہیں لیکن ہم نے اسناد کو بوجہ طوالت ترک کر دیا ہے۔ اخلاق نبوی کو
یکجا جمع کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے
اخلاق حمیدہ معلوم کر کے انسان کا ایمان تازہ اور مضبوط ہو جاوے کیونکہ حضور کی ایک
عادت شریف ایسی ہے کہ جس سے قطعی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ تمام مخلوقات
سے بزرگ و برتر انسان ہیں۔ جب ایک عادت شریف کا یہ حال ہے۔ تو جس صورت
میں تمام اخلاق حسنہ حضور کی ذات اقدس میں جمع ہوں اس صورت میں کیونکر
آپ بہترین خلائق نہ ہوں گے۔

اخلاق کے بعد آپ کے وہ معجزات ذکر کرونگا جو صحیح احادیث سے ثابت
ہیں تاکہ صفات حسنہ کا بیان مکمل ہو جاوے۔ اور مشکل نہیں کہ پھر وہ غفلت دور ہو جاوے
جو لگانے سے اچھا ہے کہ وہ ہمیں تمام اخلاق و عادات اور تمام امور دینی میں
حضور پرنور کے اتباع کی توفیق عطا فرماوے۔ سو وہی متحیروں کا رہنما اور بے قرار
سائلوں کی دعائیں قبول فرمانے والا ہے۔

گو اخلاق نبوی کا ایک دریائے ناپیدا کنار ہے لیکن تاہم ہم اسکو تیرہ
بیانوں میں تحریر کریں گے۔

پہلا بیان

اس امر میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالےٰ نے آداب قرآنی سے مؤدب فرمایا

جناب رسالتمآب صلے اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں بہت گریہ وزاری فرما کر
یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اَحْسِنْ خَلْقِیْ وَخُلُقِیْ[1] یعنی خدایا میرا ظاہر و باطن

[1] یہ روایت کیا اس حدیث کو طبرانی اور امام احمد بن حنبل نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے لیکن

اچھا کر دے۔ حضور یہ دعا بھی کیا کرتے۔ اَللّٰھُمَّ اجْنِبْنِیْ مُنْکَرَاتِ الْاَخْلَاقِ
یعنی اے اللہ مجھے بُری عادتوں سے بچا لے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور کی یہ دعائیں
قبول فرمائیں۔ حضور صاحب نے اس سب کو پورا کیا۔ اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ۔ یعنی
تم مجھ سے دعا مانگو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔ چنانچہ آپ پر قرآن مجید نازل
فرمایا جس کے ذریعے آپ کو اخلاق و آداب کی تعلیم دی گئی۔ یہ حضور نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی عادت ثانیہ تمام قرآن مجید ہو گیا تھا۔ چنانچہ حضرت سعدؓ بن ہشام سے
روایت ہے کہ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات کا حال دریافت کیا تو انہوں نے مجھ
سے فرمایا کیا تو قرآن مجید پڑھتا ہے میں نے عرض کیا کہ ہاں پڑھتا ہوں۔
حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق بعینہٖ قرآن مجید تھا۔
جس چیز کا حکم قرآن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اخلاق و آداب کی
تعلیم دی گئی ہے۔ خُذِ الْعَفْوَ۔

(۱) خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰھِلِیْنَ
یعنی اے پیغمبر لوگوں کے قصور معاف کر دیا کرو اور نیکی کی ہدایت کیا کرو۔ اور
جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

(۲) اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی
عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف احسان
اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بےحیائی برائی اور سرکشی سے
منع فرماتا ہے۔

(۳) وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ
یعنی اے پیارے حبیب جو تکلیف و مصائب آپ کو پہنچیں آپ ان کو صبر

و جیسا کہ حضور(۲) کے الفاظ یہ ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اَحْسَنْتَ خَلْقِیْ فَاَحْسِنْ خُلُقِیْ یعنی اے اللہ تو نے
مجھے خوبصورت بنایا ہے خوب سیرت بھی بنا۔

ملہ روایت کیا اس حدیث کو ترمذی و مسلم نے حضرت عائشہ سے۔

استقلال سے برداشت فرمائیے کیونکہ ہمت کا کام یہی ہے۔

(۴) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۔
یعنی جو شخص صبر و معافی اختیار کرے۔ وہ بہترین انسان ہے کیونکہ صبر و معافی و اقعی بڑی ہمت کا کام ہے۔

(۵) فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ یعنی اے پیغمبر آپ ان لوگوں کا قصور معاف فرما دیجئے اور ان سے درگذر کیجئے بیشک خدا تعالیٰ نیکوکاروں سے محبت رکھتا ہے۔

(۶) وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ
ان لوگوں کو چاہیئے کہ وہ معاف اور درگذر کر دیا کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ خدا تعالیٰ تمہارے گناہ معاف کر دے۔

(۷) اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۔ یعنی اے پیغمبر آپ لوگوں کو اچھا جواب دیا کریں۔ اس سے آپ کے دشمن ایسے ہو جائیں گے جیسے کوئی پکا دوست ہوتا ہے

(۸) اَلْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ یعنی اللہ کے بندے غصہ کو ضبط کر جاتے ہیں۔ اور لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو پسند کرتا ہے۔

(۹) اِجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۔ یعنی زیادہ بدگمانی مت کیا کرو۔ کیونکہ بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے۔ اور کسی کی عیب جوئی بھی مت کیا کرو اور نہ ہی ایک دوسرے کی غیبت کیا کرو۔

جنگ اُحد میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک شہید ہوئے۔ اور آپ کے سر مبارک پر سخت چوٹ آئی تو حضور کے چہرۂ انور پر خون بہنا جاتا تھا۔ اور آپ خون کو پونچھتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ ان لوگوں کا کیونکر بھلا ہوگا۔ جنہوں نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون آلودہ کیا۔ حالانکہ وہ نبی ان کو سیدھی

راہ چلاتا ہے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:۔

(۱) لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ اے پیغمبر آپ کو کچھ اختیار نہیں یا اللہ تعالیٰ خواہ ان کو توبہ کی توفیق عطا کر دے تو یا انہیں عذاب کیوں کہ وہ ظالم ہیں۔

اسی طرح قرآن مجید کا مقصد اصلی یہی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو آداب و اخلاق حسنہ کی تعلیم دے کر تمام مخلوقات کو آپ کے ذریعہ ادب و تہذیب سکھائی جاوے۔ اسی لئے حضور[1] نے فرمایا ہے کہ میں اخلاق حسنہ کی تکمیل کے لئے رسول ہو کر آیا ہوں۔ پھر حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوقات کو اخلاق حسنہ میں سے اُن امور کی ترغیب دی جن کا ذکر ہم باب ریاضت نفس اور تہذیب اخلاق جلد ثالث میں کریں گے۔ اس لئے ان امور کو یہاں دوبارہ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔

جب اللہ تعالے نے آپ کو اخلاق حسنہ میں کامل و مکمل فرما دیا۔ تو تعریف و توصیف کے طور پر فرمایا۔ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ یعنی اے ہمارے حبیب آپ اعلےٰ درجہ کے خوش اخلاق ہیں۔ سبحان اللہ خدائے تعالےٰ کا کس قدر فضل و کرم ہے کہ خود ہی اپنے پیارے حبیب کی تعریف فرماتا ہے۔ کہ اے پیغمبر آپ کے اخلاق نہایت اعلیٰ ہیں۔ حضور[2] علیہ السلام نے تمام دنیا کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالے کو اچھے اخلاق پسند ہیں۔ اور بُرے اخلاق ناپسند۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس مسلمان پر جس کے پاس کوئی دوسرا مسلمان کسی حاجت کے لئے آوے اور وہ اس کی کچھ بھلائی بھی نہ کر سکے اگر اس کو ثواب کی امید اور عذاب کا ڈر نہ بھی ہو تو بھی اس کو بڑا لازم ہے کہ اخلاق حسنہ سے پیش آوے۔ کیونکہ اخلاق حسنہ ہی سے نجات حاصل ہوتی ہے کہ کسی شخص

---

[1] روایت کیا اس حدیث کو امام احمد بن حنبل اور حاکم اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے۔

[2] روایت کیا اس حدیث کو امام بیہقی نے حضرت سہل بن سعدؓ سے۔

(۱) اگر کوئی دعوت کرے تو اس کو قبول کرنا (۲) بیماروں کی عیادت کرنا (۳) لوگوں
کے قصور معاف کرنا (۴) لوگوں میں صلح و امن قائم رکھنا (۵) سخاوت کرنا (۶) دوسرے
کو پہلے سلام کرنا (۷) تحفہ کو لے جانا (۸) لوگوں سے درگذر کرنا (۹) جو چیزیں اسلام
میں حرام ہیں ان سے بچنا مثلاً کھیل تماشہ، راگ، باجا، بے ہودگی وغیرہ، واہیات، لغو، غیبت
بغض، کینہ، حسد، ہر ایک بات پہ تنقید، جھوٹ، بخل، کنجوسی، دغا فریب، بد
تہذیبی، چغلی، باہم جنگ و جدال رکھنا، رشتہ داروں سے قطع تعلق کرنا، بدمزاجی
تکبر و غرور، گالی گلوچ اور فحش باتیں کرنا اور بدفالی و شگون بد لینا، سرکشی
حد سے گزرنا، ظلم و ستم۔ حضرت انس[۱] فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ایسی کوئی عمدہ نصیحت نہیں چھوڑی جو ہمیں نہ بتلائی ہو۔ اور نہ کوئی ایسا عیب چھوڑا
ہے جس سے ہمیں ڈرایا یا منع نہ کیا ہو۔ اجمالی طور پر یہ سب باتیں (جو اوپر مذکور ہوئیں)
اس آیت میں آجاتی ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَ
اِیْتَآءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یعنی اللہ تعالیٰ انصاف
احسان اور رشتہ داروں کو کچھ مال دینے کا حکم کرتا ہے۔ اور بےحیائی، برائی اور سرکشی
سے منع فرماتا ہے۔

حضرت معاذ[۲] بن جبل فرماتے ہیں کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ
وصیت فرمائی کہ اے معاذ میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا۔
سچ بولا کر۔ وعدہ کو پورا کیا کر۔ امانت کو ادا کیا کر۔ امانت میں خیانت نہ کیا کر۔ ہمسایہ کا
لحاظ رکھا کر۔ یتیموں پر رحم کیا کر۔ لوگوں کے ساتھ نرمی سے گفتگو کیا کر۔ اور لوگوں کو سلام
بہت کیا کر۔ نیک عمل کیا کر۔ لمبی امیدیں دل میں نہ رکھا کر۔ ایمان پر ثابت قدم رہ۔
قرآن مجید کی سمجھ پیدا کر۔ آخرت کی محبت رکھ۔ حساب قیامت سے ڈرتا رہ۔ تواضع
اختیار کر۔ نیز میں تجھے منع کرتا ہوں کہ کسی دانا اور عقلمند شخص کو گالی نہ دینا اور سچے
کو جھوٹا مت کہنا۔ کسی گنہگار کی اطاعت نہ کرنا۔ اور بادشاہ عادل کی نافرمانی مت کرنا

۱؎ اس حدیث کی سند مجھے دستیاب نہیں ہوئی لیکن مضمون حدیث بالکل صحیح ہے۔
۲؎ روایت کیا اس حدیث کو امام ابو نعیم نے کتاب حلیہ میں اور امام بیہقی نے کتاب الزہد میں۔

فتنہ و فساد نہ کرنا۔ نیز میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ خدا سے ڈرتا رہ۔ خواہ تو اتنا مفلس ہو کہ تیرے پاس کھجور کا چھلکا اور درخت کے اور کوئی چیز نہ ہو۔ ہر گناہ پر تائبانہ اور نئی توبہ کرنا، پوشیدہ گناہوں کی پوشیدہ اور ظاہر گناہوں کی ظاہر توبہ کرنا۔ الغرض سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل طور پر دنیا کو اخلاق و آداب اور اعمال صالحہ کی دعوت و تبلیغ کی اور انسان کو باادب بنانے کی سعی بلیغ کی۔

دوسرا بیان

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اخلاقِ حمیدہ کے ذکر میں جو بعض علماء نے احادیث سے منتخب کیے ہیں

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سب[1] لوگوں سے زیادہ نرم مزاج، سب[2] سے زیادہ بہادر، سب[3] سے بڑھ کر عادل اور سب[4] سے زیادہ پارسا تھے۔ کسی غیر عورت کو آپ کا دست مبارک کبھی نہیں لگا۔ آپ سب[5] سے زیادہ سخی تھے یہاں[6] تک کہ رات کو آپ کے پاس ایک دھیلا بھی باقی نہیں رہتا تھا۔ اگر اتنا مال بچ جاتا اور رات تک کوئی محتاج نہ آتا تو اس وقت تک آپ اپنے دولت خانہ میں تشریف نہیں لے جاتے تھے جب تک کہ کسی

---

۱ اس حدیث کی روایت کی ابو الشیخ نے کتاب الاخلاق میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابزیؓ سے مرسلاً اور امام ابن حبان نے حضرت عبداللہ بن سلام سے ایک لمبی حدیث کے ضمن میں۔

۲ راوی حدیث بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

۳ راوی ترمذی بروایت علیؓ کتاب شمائل ترمذی۔

۵ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ۔

۶ بخاری و مسلم بروایت ابن عباسؓ۔

۷ ابوداؤد بروایت بلالؓ اور بخاری میں بروایت عقبہ بن الحارث اس کا قریب ایک ہی مضمون ہے۔

حاجتمند کو دیئے بغیر ہی مال دے نہ چکتے، فقط شکر لیا۔ آپ کو جو کچھ مال دے رکھا
تھا آپ اس میں سے سوائے اپنی غذا یا دیگر اشد ضروری اخراجات کے اور کچھ
نہیں لیتے تھے۔ غذا بھی نہایت ارزاں کھجوروں اور جَو کی ہوتی تھی۔ باقی مال راہِ خدا
میں خرچ کر دیتے تھے۔

حضورؐ سے جو چیز کوئی مانگتا آپ اُسے عطا فرما دیتے۔ پھر آپؐ اپنے سال بھر
کے خرچ میں سے بھی راہِ خدا میں دے دیا کرتے۔ اور سائلوں کی ضرورت کو اپنی ضرورت
پر ترجیح دیتے حتیٰ کہ اگر آپ کے کوئی نیا طریق نہ آتا تو وہ معینہ خرچ سال ختم ہونے
سے پہلے ہی ختم ہو جاتا۔ آپؐ اپنا جوتا خود ہی گانٹھ لیا کرتے۔ اور خود ہی اپنے کپڑوں
میں پیوند لگا لیا کرتے۔ اور اپنے گھر کا کام بھی خود ہی کر لیتے تھے۔ چنانچہ ازواج
مطہرات (بیویوں) کے ساتھ گوشت کاٹتے۔ حضورؐ سب سے زیادہ حیادار تھے کسی
کے چہرہ پر آپ کی نظر نہیں جمتی تھی۔ آزاد و غلام (ہر چھوٹے بڑے) کی دعوت قبول
فرما لیا کرتے تھے۔ اور جو کوئی ہدیہ (تحفہ) حضور کی خدمت اقدس میں پیش کرتا اُس کو

۱؎ بخاری و مسلم بروایت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۲؎ روایت کیا اس حدیث کو طبرانیؒ و ترمذیؒ نے سہل بن سعدؓ سے اور بخاری و مسلم نے بروایت انسؓ
و جابرؓ اسی مضمون کو مختلف الفاظ سے بیان کیا ہے۔

۳؎ یہ مضمون ترمذی، ابن ماجہ اور نسائی کی ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے جو حضرت ابن عباسؓ سے
مروی ہیں یعنی جب آپ نے رحلت فرمائی ہے اس وقت آپ کی زرہ مبارک میں صاع جَو کے
عوض گروی تھی جو حضورؐ نے اپنے گھر والوں کی خوراک کے لئے قرض لئے تھے۔ یہی مضمون
بخاری میں بروایت عائشہ صدیقہؓ مروی ہے۔

۴؎ ترمذی، احمد بن حنبل بروایت عائشہؓ۔

۵؎ احمد بن حنبل بروایت عائشہ اور بخاری و مسلم میں بروایت [illegible] کا مضمون مذکور

۶؎ بخاری و مسلم بروایت ابو سعید خدری بالفاظ دیگر۔

۷؎ ترمذی و ابن ماجہ بروایت انسؓ۔

۸؎ ہدیہ قبول فرمانا اور اس کا بدلہ دینا بخاری میں بروایت عائشہؓ مذکور ہے اور دوسرا حصہ بھی بخاری میں

فرماتے۔ شرفاء کے ساتھ نیک سلوک کرکے ان کا دل خوش کرتے۔ رشتہ داروں سے بہت میل ملاپ رکھتے۔ مگر نہیں کہ ان کو دوسروں پر ترجیح دیں۔ بلکہ درجہ بدرجہ ہر ایک سے تعلقات کا سلسلہ جاری رکھتے۔ کسی پر جور و جفا نہ فرماتے۔ عذر خواہ کا عذر قبول فرما لیتے۔ مفہوم دل لگی امذاق کے طور پر بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے۔ آپ مسکراتے تھے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ جائز کھیل کو خود بھی دیکھتے اور دوسروں کو بھی منع نہ فرماتے۔ خوش طبعی اور کھیل کے طور پر اپنے حرم محترم حضرت عائشہ صدیقہؓ سے دوڑ لگاتے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کون آگے نکل جاتا ہے۔ آپ کے روبرو شور و غل ہوتا تو بھی آپ صبر سے کام لیتے۔ آپ کے پاس ایک اونٹنی اور ایک بکری دودھ دینے والی تھی۔ جن کا آپ اور آپ کے اہل وعیال دودھ

۱؎ مسلم نے بروایت ابن عباسؓ ذکر کیا ہے کہ آپ حضرت عباس کی تعظیم و تکریم ایسی کرتے جیسی اپنے باپ کی۔ اور بروایت سعد بن ابی وقاص روایت کیا ہے کہ حضرت عباس وغیرہ کو مسجد سے نکال دیا تھا لیکن حضرت علیؓ فقط کو نہیں نکالا تھا۔ کیونکہ وہ چھوٹوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے۔ اور بخاری و مسلم میں بروایت ابو سعیدؓ منقول ہے کہ سوائے صدیق اکبرؓ کے خوخہ کے اور کوئی خوخہ مسجد میں نہ رہنے پائے۔

۲؎ ابوداؤد و ترمذی و شمائل ترمذی و نسائی وغیرہ بروایت انسؓ۔

۳؎ بخاری و مسلم بروایت کعبؓ بن مالک۔

۴؎ احمد بن حنبل بروایت ابو ہریرہؓ۔

۵؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ اور ترمذی بروایت عبداللہ بن الحارث۔

۶؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۷؎ ابوداؤد و ابن ماجہ و نسائی وغیرہ بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۸؎ بخاری بروایت عبداللہ بن زبیرؓ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ الخ کی شان نزول۔

۹؎ محمد بن سعد در طبقات بروایت اُمِ سلمہ اور بخاری و مسلم نے حضورؐ کے پاس شیر دار اونٹنی کا ہونا بروایت سلمہ بن الاکوعؓ ذکر کیا ہے۔ اور ابوداؤد نے آپ کے پاس دودھیل بکری کا ہونا بروایت لقیط بن صبرہ ذکر کیا ہے۔

عادات بتائے تھے ان تمام باتوں سے قیامت کے روز نجات حاصل ہوتی ہے اور دنیا میں اُن پر لوگ رشک کرتے ہیں۔ واجبات پر ثابت قدم رہنا، فضول اور واہیات امور سے اجتناب کرنا۔ ایسی ایسی دینی و دنیوی فلاح و بہبودی کی تمام باتیں حضورؐ تعلیم فرمائیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں۔ اور آپ کے اخلاق و اعمال کی پیروی کریں۔ آمین ثم آمین۔

تیسرا بیان

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اخلاق و آداب کے ذکر میں جو حضرت ابو البختری نے روایت کئے ہیں

حضور[1] علیہ السلام نے جس مومن کو شاذ و نادر طور پر کبھی گالی دی۔ تو اس کے ساتھ ہی اُس کے لئے دعا بھی کر دی تاکہ اس کے حق میں گناہوں کا کفارہ اور باعثِ رحمت ہو۔ آپ نے[2] عورتوں، نوکروں اور خادموں کو بھی کبھی لعنت نہیں کی۔ حضورؐ کی خدمت اقدس میں اثنائے جنگ میں عرض کیا گیا۔ کہ مناسب یہ ہے کہ آپ دشمنوں پر لعنت فرما دیں۔ آپ نے[3] جواب دیا کہ میں رحمت کے لئے بھیجا گیا ہوں نہ لعنت کے لئے۔ جب کبھی آپ سے عرض کی جاتی کہ آپ کسی مسلمان یا کافر کے لئے بد دعا کیجئے۔ تو حضور بجائے بد دعا کے

[1] بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

[2] اور بخاری میں بروایت انسؓ مروی ہے کہ لم یکن فحاشا ولا لعانا یعنی حضور بدکلام تھے۔ اور نہ کسی پر لعنت کرتے تھے۔

[3] مسلم بروایت ابو ہریرہؓ۔

[4] بخاری و مسلم بروایت ابو ہریرہؓ یوں لکھا ہے کہ لوگوں نے حضرت سے قوم دوس کے لئے بد دعا کرنے کی درخواست کی لیکن آپ نے بجائے بد دعا کے ان کی ہدایت کی دعا کی۔

ہو کر بیٹھا کرتے تھے۔ جو کوئی آپ کے پاس آتا آپ اس کی تعظیم و تکریم فرماتے حتیٰ کہ جن لوگوں سے آپ کی کوئی رشتہ داری اور دودھ پینے کا تعلق بھی نہ ہوتا ان کے لئے بھی آپ چادر بچھا دیتے۔ اور اس پر ان کو بٹھلاتے تھے آپ آنے والے مہمان کے لئے اپنا تکیہ بھی نکال کر دیتے تھے اگر وہ لینے سے انکار کرتا تو آپ قسم دے کر اس شخص کو تکیہ ضرور ہی دیتے تھے۔ جس کسی سے آپ محبت سے پیش آتے وہ یہی سمجھتا تھا کہ آپ اس پر سب سے زیادہ مہربان ہیں۔ ہر ایک ملنے والے کی طرف توجہ فرماتے حتیٰ کہ نشست، برخاست، گفتگو، خوش طبعی سب میں حصہ لیتے آپ کی مجلس نہایت باحیا، پُر تواضع اور باامانت ہوا کرتی تھی۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ یعنی اے پیغمبر یہ محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ لوگوں کے حق میں آپ نہایت نرم دل ہیں۔ اگر آپ سخت گو اور سخت دل ہوتے تو سب لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔ حضورؐ اور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کرامؓ کو ان کی دلجوئی کی خاطر نام لے کر نہیں پکارتے تھے۔ بلکہ کنیت سے پکارا کرتے تھے۔ جس کی کوئی کنیت نہ ہوتی اس کی کنیت آپ خود مقرر فرما دیتے۔ اسی کنیت سے لوگوں میں وہ شخص پکارا جاتا تھا۔ اولاد والی

لہ حاکم بروایت انسؓ ۔

س کی سند باب آداب صحبت کی فصل سوم میں گذر چکی ہے ۔

ترمذی نے شمائل میں بروایت علیؓ اور ابن ابی ہالہ ایک طویل حدیث کے ضمن میں مختلف الفاظ سے یہ مضمون نقل کیا ہے ۔

بخاری مسلم میں قصہ عمار میں مذکور ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی کنیت حضورؐ نے ابوبکر مقرر فرمائی اور حاکم نے بروایت ابن عباسؓ حضرت عمر فاروقؓ کی کنیت ابو حفص منقول ہے نیز صحیح حدیث میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ کو آپؐ نے ابو تراب فرمایا۔ اور حاکم نے بروایت عبداللہ بن مسعودؓ روایت کیا ہے کہ حضورؐ نے ابن مسعودؓ کی کنیت ابو عبدالرحمن مقرر فرمائی حالانکہ ابھی تک ان کی اولاد نہیں ہوئی تھی ۔

ترمذی نے بروایت انسؓ بیان کیا ہے کہ آپؐ نے حضرت انسؓ کی کنیت ابو حمزہ مقرر فرمائی۔ اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت صہیبؓ سے پوچھا کہ تمہارے اولاد نہیں ہے کنیت کیسے ہوئی؟ فرمایا کہ میری کنیت حضورؐ نے ابو یحییٰ مقرر فرمائی ہے ۔

حاکم نے بروایت ام ایمن ذکر کیا ہے کہ آپؐ نے اپنی لونڈی کی کنیت ام ایمن مقرر فرمائی۔ اور ابو داؤد میں بروایت عائشہؓ

عورتوں کی بھی کنیت مقرر فرما دیتے۔ اور بہت سی عورتوں کی کنیت خود ہی سے مقرر فرما دیتے
لڑکوں کی کنیت مقرر فرما دیتے تھے تو ان کا دل نرم ہو جاتا۔ آپ کو سب لوگوں سے دیر میں غصہ
آتا۔ اور سب سے جلدی آپ کا غصہ اتر جاتا۔ لوگوں پر نہایت مہربانی فرماتے تھے اور ان کے حق
میں بہت نفع رسانی فرماتے حضور کی مجلس میں شور و غل نہیں ہوتا تھا۔ جب آپ مجلس
مبارک سے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ
لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ یعنی الٰہی میں تیری پاکی کرتا ہوں
اور تیری حمد و ثنا کے ساتھ یہ گواہی دیتا ہوں۔ اور تیری جناب میں توبہ کرتا ہوں۔ آپ فرماتے
تھے کہ یہ دعا مجھے حضرت جبرائیل نے سکھائی ہے۔

چوتھا بیان

حضور علیہ السلام کی گفتگو اور خندہ کے ذکر میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت خوش کلام اور فصیح تھے۔ آپ فرماتے کہ میں سب سے
زیادہ فصیح و بلیغ ہوں۔ جنتی لوگ جنت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بولی عربی بولیں گے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸) مذکور ہے کہ حضور نے عائشہ صدیقہؓ کی کنیت ام عبد اللہ مقرر فرمائی۔ اور بروایت
ام فضل مذکور ہے کہ ام سلمہ ان کی کنیت حضور نے ہی مقرر فرمائی تھی۔ جب وہ ابھی بچپن
کی عمر میں تھیں۔

بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ ابو عمیر کا قصہ مذکور ہے۔

ترمذی بروایت ابو سعید خدری رضؓ۔

نوادر الاصول بروایت علی مرتضیٰ رضؓ۔

ترمذی نے شمائل میں بروایت علی مرتضیٰ رضؓ۔

نسائی و حاکم و بیہقی وغیرہ نے بروایت رافع بن خدیج رضؓ۔

ابو الحسن بن ضحاک نے شمائل میں بروایت بریدہ بسند ضعیف۔

گفتگو کر لیتے۔ آپ نرم گفتار تھے۔ آپ کی کلام ایسی با ترتیب ہوتی جیسے موتیوں
کی لڑی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام تمہاری طرح بہت باتیں نہیں
کرتے تھے۔ آپ کا کلام سب سے زیادہ مختصر ہوتا تھا اور یہی مختصر کلام حضرت جبرئیل علیہ السلام
بار بار اختصار سے کہتے۔ آپ جو مضمون چاہتے اُنہی مختصر الفاظ میں ادا کر دیتے تھے۔ آپ کی کلام
نہایت مختصر اور جامع ہوا کرتی تھی۔ منہ سے ہر دم با معنی گفتگو نکلتی کہ گویا موتیوں کے
دانوں کی طرح پروئی ہوئی ہوا کرتی تھی۔ آپ ٹھہر ٹھہر کر آہستہ آہستہ تقریر فرمایا کرتے تاکہ سننے
والے کو آپ کی تقریر یاد ہو جائے۔ آپ کی آواز بلند اور لہجہ نہایت اعلیٰ تھا۔ آپ خاموش
زیادہ رہتے۔ بلا ضرورت کبھی بات نہ کرتے۔ آپ کبھی بری بات نہیں کرتے تھے اور غصہ و
جوش دونوں حالتوں میں سچی ہی بات کہتے۔ جو شخص کسی قسم کا کوئی برا لفظ استعمال کرتا حضور اس سے
منہ پھیر لیتے۔ اگر کوئی سخت لفظ مجبوراً آپ کو کہنا پڑتا تو کنایہ کرتے: ترب جبینہ ارشاد فرماتے۔
صرف تبسم فرماتے۔ جب آپ خاموش ہوتے تو آپ کے اہل مجلس گفتگو کرتے۔ آپ کی مجلس میں

۱ حاکم بروایت ابن عباسؓ۔

۲ طبرانی بروایت اُمّ سعدؓ۔

۳ چاروں حدیثیں صحیح مسلم میں ہیں اور آخری دونوں جملوں کو غزالی نے نقل کیا ہے بسند منقطع۔

۴ بیہقی بروایت عمر فاروقؓ بسند منقطع اور دیلمی بروایت ابن عباسؓ۔

۵ ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ اسی طرح تقریباً صحیح مسلم بروایت ابو ہریرہؓ ذکر ہے۔ اور
باقی ترمذی میں بروایت عائشہؓ منقول ہے۔

۶ ترمذی و نسائی میں بروایت صفوان بن عسال ایک اعرابی کے قصہ میں حضور کا بلند آواز ہونا مذکور ہے
اور بخاری و مسلم میں بروایت براء بن عازب آپ کا خوش آواز ہونا منقول ہے۔ نیز ترمذی در شمائل
بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

۷ ابوداؤد بروایت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ ایک قصہ کے ضمن میں۔

۸ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ با الفاظ دیگر۔

۹ جیسا کہ بخاری میں بروایت انسؓ مذکور ہے اور حدیث فحش جیسی ... منقول ہے۔

۱۰ ترمذی در شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ۔

کوئی کسی کی بات میں دخل نہیں دیتا تھا۔ جب تنبیہ کے طور پر بغیر غصے کے لوگوں کو نصیحت فرماتے۔

آپؐ فرمایا کرتے کہ قرآن مجید کی آیتیں ایک دوسری سے مت ٹکراؤ کیونکہ یہ مختلف قراءتوں پر نازل ہوا ہے۔[۱] اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے بہت مسکرایا کرتے اور اُن کی باتوں سے بہت خوش ہوتے۔ اور اُن سے میل جول بکثرت رکھتے تھے۔[۲] بعض اوقات اس قدر خندہ فرماتے کہ حضور صلعم کی کچلیاں ظاہر ہو جاتیں۔[۳] آپؐ کے اصحاب بھی حضور کی اتباع اور تعظیم کے باعث آپ کے سامنے صرف مسکرایا کرتے تھے قہقہہ لگا کر نہیں ہنستے تھے۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی (دیہاتی) حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ اس وقت حضور کچھ رنجیدہ خاطر تھے صحابہ کرامؓ چہرہ انور پر رنج و غم کے آثار دیکھ کر سمجھ گئے کہ آج آپ کی طبیعت ملول ہے۔ وہ اعرابی حضور سے کچھ دریافت کرنا چاہتا تھا لیکن صحابہؓ نے اس کو منع کیا کہ اس وقت حضور سے کچھ نہ پوچھو اس وقت آپ کی طبیعت رنجیدہ ہے۔ اعرابی نے کہا کہ تم مجھے مت روکو۔ مجھے قسم ہے اُس ذات پاک کی جس نے حضور کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں آپ کو ہنسائے بغیر نہیں چھوڑوں گا۔ غرضیکہ اُس اعرابی نے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سنا گیا ہے کہ دجال ثرید (ایک قسم کا کھانا) لائیگا۔ تو کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں بھوک کے مارے مر جاؤں لیکن اُس کا ثرید ہرگز نہ لوں۔ یا یہ حکم ہے کہ میں اُس کا ثرید کھا کر دل سے خوب پیٹ بھر کر کھاؤں پھر اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤں۔ اور اُس کا منکر ہو جاؤں۔ یہ سنکر حضور اتنا ہنسے کہ آپ کی کچلیاں ننگی ہو گئیں پھر اُس اعرابی کے جواب میں فرمایا کہ نہیں

۱ مسلم بروایت جابرؓ خطبہ نبوی کے بیان میں۔

۲ طبرانی بروایت عبد اللہ بن عمرؓ۔

۳ ترمذی و جامع بروایت عبد اللہ بن حارث و در شمائل بروایت علی مرتضیٰؓ اور مسلم بروایت جابر بن سمرہؓ۔

۴ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ اس شخص کے قصے میں جو کہ سب کے بعد دوزخ سے نکلیگا نیز ابو ہریرہؓ کے قصے میں۔

۵ ترمذی و شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

۶ اس حدیث کا اصل و مجھے معلوم نہیں ہوا۔

چیز کے ذریعے اللہ تعالیٰ دوسرے کے سوال اور اس کا قرض سے بے پرواہ کر دیگا اس چیز کے ذریعے مجھے بھی اُس لعون سے ادا کر دیگا۔

آپ ہر وقت خوش و خرم اور خنداں رہتے۔ مگر قرآن مجید اُترنے کے وقت قیامت کے ذکر کے وقت۔ خطبہ اور وعظ کے وقت آپ کے چہرے پر بجائے تبسم اور مسکراہٹ کے خوف کے آثار نظر آتے تھے۔ بعض دفعہ کے وقت حضورؐ بہت خوش و خرم رہتے آپ کا وعظ شریف اوقات پر مبنی ہوتا۔ ہنسی اور دل لگی سے بالکل خالی ہوتا تھا۔ آپ اگر غصے ہوتے تو محض اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہوتے۔ جب حضورؐ کو کوئی حادثہ پیش آتا۔ تو اُس کو اللہ کے حوالے کر دیتے تھے۔ اپنی طاقت و قوت سے بالکل کنارہ کش ہو جاتے اللہ تعالیٰ سے ہدایت کی درخواست کرتے ہوئے یوں فرماتے کہ اے خداوند ذوالجلال مجھے حق بات حق ہی کر کے دکھلا۔ تاکہ میں حق کی پیروی کروں۔ اور بری بات بری کر کے دکھلا اور مجھے اس سے بچنے کی توفیق عنایت فرما۔ نیز بری باتیں میرے لئے مشتبہ کر دے۔ میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں تیری ہدایت کے بغیر اپنی خواہشات نفسانی کے پیچھے لگوں۔ بلکہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میرا نفس تیرا فرمانبردار رہا کرے۔ صحت اور تندرستی کے ساتھ میرے نفس سے اپنی رضامندی کے کام کرا اور حق بات میں اختلاف واقع ہونے کے وقت اپنے حکم کے ذریعے میری رہنمائی فرما جس کو تو چاہتا ہے سیدھی راہ عنایت فرماتا ہے۔

لہ گزشتہ تبسم کے متعلق حدیث عبد اللہ بن حارث والی حدیث اوپر گذر چکی ہے اور طبرانی و احمد بن حنبل اور حاکم نے بروایت جابرؓ نقل کیا ہے۔ کہ نزول وحی اور وعظ اور قیامت کے ذکر کے وقت حضور کا چہرہ مبارک متغیر ہو جاتا تھا۔

سلہ ابو الشیخ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

سلہ اس حدیث کے ابتدائی حصہ کی مجھے سند نہیں ملی۔ اور دعا کو مستغفری نے دعوات میں بروایت ابوہریرہؓ ذکر کیا ہے۔ اور اس حدیث کا آخری حصہ مسلم نے بروایت حضرت عائشہؓ تہجد کی دعا میں نقل کیا ہے۔

پانچواں بیان

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے کے آداب کے ذکر میں

حضور علیہ السلام[1] جو کچھ موجود ہوتا تناول فرما لیتے۔ حضور[2] اُس کھانے کو بہت پسند فرماتے جس میں بہت آدمی شامل ہوں۔ جب سترخوان[3] بچھ چکتا تو حضور یہ دعا پڑھتے۔
بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا نِعْمَۃً مَّشْکُوْرَۃً تَصِلُ بِھَا نِعْمَۃَ الْجَنَّۃِ
یعنی اللہ تعالیٰ کے نام سے میں کھانا کھانا شروع کرتا ہوں۔ خدایا تو اس کھانے کو ایسی نعمت بنا دے کہ اس کا میں شکر ادا کروں۔ اور اس کے ذریعے ہم سب کو ان بہشتوں کی نعمتوں میں پہنچا دیں۔ آپ کا[4] عموماً یہ معمول تھا کہ کھانا کھانے کے وقت آپ نمازی کی طرح دونوں زانو اور دونوں قدم ملا لیتے۔ مگر زانو پر زانو اور قدم پر قدم نہیں رکھتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں بندہ ہوں۔ بندوں کی طرح کھاتا ہوں اور بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔
آپ[5] گرم کھانا نہیں کھاتے تھے۔ فرماتے گرم کھانے میں برکت نہیں ہوتی کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم کو آگ نہیں کھلائی۔ لہٰذا کھانا ٹھنڈا کر کے کھایا کرو۔ آپ[6] اپنے

---

[1] اس کی سند پہلے مذکور ہوئی۔

[2] ابو یعلیٰ وطبرانی و ابن عدی بروایت جابرؓ۔

[3] بسم اللہ تک تو نسائی نے حضور علیہ السلام کے ایک خادم سے نقل کیا ہے اور باقی الفاظ مجھے نہیں ملے۔

[4] عبدالرزاق نے بروایت ایوبؓ ایک مرسل کہ بیٹھنا اور ابن عباسؓ کہ بائیں زانو پر بیٹھنا اور داہنے کو کھڑا کرنا۔ بروایت انسؓ ذکر کیا ہے اور ابو الشیخ نے بروایت ابی ابی کعبؓ زانو بیٹھنا نقل کیا ہے۔ اور یہ حدیث متعدد طرق سے مروی ہے۔

[5] طبرانی در اوسط بروایت ابی ہریرہؓ۔ [6] ابو الشیخ و ابن حبان بروایت عائشہؓ۔

آگے سے کھانا کھاتے، اور تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے۔ بعض اوقات چوتھی انگلی بھی شامل کر لیا کرتے تھے۔ دو انگلیوں سے کھانا نہیں کھاتے تھے فرماتے تھے کہ دو انگلیوں سے کھانا کھانا شیطان کا طریقہ ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمان غنیؓ حضور کی خدمت اقدس میں فالودہ لے کر آئے حضور نوش فرمانے لگے تو پوچھنے لگے۔ کہ یہ کیا ہے ابو عبداللہ (عثمان) یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا کہ حضور ہم شہد اور گھی دیگچی میں ڈال کر پکا لیتے ہیں۔ اور اس میں گیہوں کا میدہ ڈال کر چمچے سے ہلاتے ہیں۔ یہاں تک کہ پک کر اس قسم کا فالودہ تیار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور کے سامنے موجود ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ بہت اچھی غذا ہے۔ حضور ﷺ بھنے ہوئے آٹے کی روٹی کھایا کرتے تھے۔ حضور ککڑی کو کھجوروں اور نمک کے ساتھ تناول فرماتے۔

سبزیوں میں سے حضور کو خربوزہ اور انگور بہت پسند تھا۔ آپ خربوزہ روٹی و مصری

---

۱ مسلم بروایت کعب بن مالک۔

۲ اس کی روایت ہم کو طبقات میں بروایت عامر بن ربیعہ جشمی ہے اور اس کی سند میں قاسم بن عبداللہ عمری کا نام نہیں۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ نے بروایت زہری مرسلاً نقل کیا ہے کہ حضور پانچ انگلیوں سے کھانا کھاتے تھے۔

۳ دار قطنی در افراد بروایت ابن عباس بسند ضعیف۔

۴ مشہور ہے کہ حضرت عثمان غنیؓ نے خبیص (کھانے کی ایک قسم) بنایا تھا فالودہ۔ چنانچہ بیہقی نے شعب میں بحوالہ ابن ابی ملیکہ نقل کیا ہے۔ اور طبرانی کی روایت سے بھی ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

۵ بخاری بروایت سہل بن سعد۔

۶ کھجوروں کے ساتھ کھانا بخاری و مسلم میں بروایت عبداللہ بن جعفر مذکور ہے۔ اور نمک کے ساتھ کھانا ابن حبان نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے۔

۷ ابو نعیم در طب نبوی بروایت انس بن ربیعہ جشمی۔

۸ خربوزہ کو روٹی کے ساتھ کھانا میری نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ کھجوروں کا روٹی کے ساتھ کھانا ابن عدی نے بروایت عائشہؓ نقل کیا ہے۔ اسی طرح خربوزہ مصری کے ساتھ کھانا میں نے نہیں دیکھا۔

کے ساتھ کھایا کرتے۔ اور کبھی خربوزہ کھجوروں کے ساتھ بھی کھا لیا کرتے تھے۔ کھانا کھاتے وقت دونوں ہاتھوں سے کام لیتے۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ حضور اپنے داہنے ہاتھ سے کھجوریں کھا رہے تھے اور بائیں ہاتھ سے گٹھلیاں جمع کرتے جاتے تھے اتنے میں ایک بکری آئی۔ آپ نے گٹھلیوں کی طرف اس کو اشارہ کیا۔ وہ آپ کے بائیں ہاتھ میں کھاتی رہی۔ اور آپ اپنے داہنے ہاتھ سے کھاتے رہے حتیٰ کہ جب آپ کھا چکے تو بکری بھی چلی گئی۔ بعض اوقات حضور انگوروں کے گچھے کا گچھا ہی منہ مبارک میں ڈال لیتے یہاں تک کہ انگوروں کے گچھے کا پانی بہہ کر موتیوں کی طرح آپ کی داڑھی مبارک پر اترتا ہوا معلوم ہوتا۔ حضور کی غذا کھجوریں اور پانی ہوا کرتا۔ کبھی آپ دودھ کا ایک گھونٹ پی کر اوپر سے ایک دو کھجور کا تناول فرماتے۔ اسی طرح سارا کھانا کھاتے۔ دودھ اور کھجوروں کو عمدہ غذا فرمایا کرتے۔ آپ کو سب سے زیادہ مرغوب کھانا گوشت تھا اور فرماتے کہ گوشت کے کھانے سے قوت سامعہ (سننے کی طاقت) تیز ہو جاتی ہے۔ اور گوشت دنیا و آخرت کے سب کھانوں کا سردار ہے۔ اگر میں خدا تعالیٰ سے ہر روز گوشت مانگوں تو وہ مجھے ضرور عطا فرمائے۔ آپ ثرید گوشت اور کدو کے ساتھ ثرید کھایا کرتے۔ کدو کو آپ بہت پسند فرماتے اور فرماتے کہ یہ میرے درخت (ا) میرے بھائی یونس علیہ السلام کا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ارشاد نبوی ہے کہ ہنڈیا میں کدو بہت ڈالا کرو کیونکہ کدو مفرح قلب ہے۔ پرندوں کا شکار بھی آپ کھا لیا کرتے

له ترمذی و نسائی بروایت عائشہ صدیقہ رض۔

له دونوں ہاتھوں سے کھانا کھاتے وقت مدد لینا امام احمد بن حنبل نے خود روایت کیا ہے شیوخ کا قصہ ہے اور صیغہ انس رض ہیں اس کے متعلق گزر چکی ہے اور بکری کا قصہ تو بعض شافعی بروایت انس رض ہے۔

له ابن عدی نے کامل میں عقیلی نے ضعفاء میں بروایت ابوعیاش رض بسند ضعیف۔

له بخاری بروایت عائشہ صدیقہ رض۔

له ابن حبان بروایت ابن [illegible] بسند ضعیف۔

له مسلم بروایت انس رض۔ له شمائل [illegible] بروایت انس رض۔

له فوائد ابی بکر شافعی۔

له ترمذی بروایت انس رض اور ابو داؤد بروایت مغیرہ رض۔

تھے۔ کچی لہسن اور پیاز اور گندنا نہیں کھاتے تھے۔ آپ نے کبھی کسی کھانے میں کبھی عیب نہیں
دھرا۔ بلکہ اگر طبیعت کو اچھا معلوم ہوا تو کھا لیا ورنہ چھوڑ دیا۔ نیز اگر کوئی کھانا حضور
کو اچھا نہیں لگتا تھا تو دوسروں کو اس سے متنفر بھی نہیں کرتے تھے۔ اور گوہ اور جھاؤ چوہا
اور تلی سے آپ کو نفرت تھی۔ مگر ان کو حرام نہیں فرماتے تھے۔ کھانے کے برتن کو انگلیوں
سے خوب صاف کرتے۔ اور فرمایا کرتے کہ پچھلے کھانے میں برکت بہت ہوتی ہے۔ کھانا
کھانے کے بعد اپنی انگلیاں اس قدر چاٹتے کہ سرخ ہو جائیں۔ جب تک ایک ایک انگلی
چاٹ کر صاف نہ کر لیتے تب تک اپنی انگلیاں رومال سے نہیں پونچھتے تھے فرماتے
کہ معلوم نہیں کس کھانے میں برکت ہو۔

جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ فرماتے۔ الحمد للہ۔ اللھم لک
الحمد اطعمت فاشبعت وسقیت فارویت۔ لک الحمد غیر
مکفور ولا مودع ولا مستغنی عنہ یعنی الٰہی تیرا شکر ہے خدایا! سب تعریفیں تیرے
ہی لائق ہیں۔ تو نے مجھے کھانا کھلایا تو پیٹ بھر کر کھلایا۔ اور پانی پلایا تو سیراب کر دیا۔
تیرا ہزار ہزار شکر ہے۔ ہم تیری ناشکری نہیں کرتے اور نہ ہی آئندہ تیری نعمتوں سے
ناامید ہوتے ہیں۔ اور نہ ہم تیری ذات پاک سے بے نیاز ہوتے ہیں جب آپ گوشت

---

۱ موطا امام مالک بروایت سلیمان بن یسار مرسلاً۔

۲ پہلی حدیث شیخین نے ذکر کی ہے۔ اور بخاری و مسلم میں گوہ کے قصے میں مذکور ہے کہ اس کو کھاؤ کیونکہ
یہ حرام نہیں ہے۔ اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ مگر بات صرف اتنی ہے کہ یہ میری قوم کی خوراک
نہیں ہے اس لئے مجھے ناگوار معلوم ہوتی ہے۔

۳ گردوں والی حدیث طبرانی نے ضعیف روایت ابن عباس کی ہے اور تلی کی حدیث بیہقی نے بسند ضعیف
ثابت ہونا نقل کی ہے کہ حضور نے فرمایا کہ میں تلی کھاتا ہوں حالانکہ مجھ کو اس کی ضرورت نہیں
تاکہ میرے گھر والوں کو معلوم ہو جائے کہ اس کے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

۴ بیہقی در شعب الایمان بروایت جابرؓ۔

۵ مسلم بروایت کعب بن مالک مگر اس میں سرخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔

۶ مسلم و بیہقی بروایت کعب بن مالک۔ ۷ طبرانی بروایت حارث بن الحارث بسند ضعیف۔

۸ ابو یعلیٰ بروایت ابی ہریرہؓ بسند ضعیف۔

روٹی کھانے کے بعد ہاتھوں کو خوب دھو کر منہ مبارک پر پھیر لیتے۔ آپؐ تین سانس میں
پانی پیتے تھے۔ ہر بار شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ فرماتے۔ پانی چوس کر پیتے تھے
گھونٹوں سے نہیں پیتے تھے۔ بلکہ چوس چوس کر پیتے۔ کبھی کبھی ایک سانس سے بھی
پانی پی لیتے تھے۔ پانی پیتے وقت برتن میں سانس نہیں لیتے تھے۔ بلکہ اپنا منہ برتن سے
علیحدہ کر کے سانس لیتے تھے۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم اپنا بچا ہوا خوردہ (جھوٹا)
داہنی طرف والوں کو عنایت فرماتے تھے۔ لیکن اگر بائیں طرف والا مرتبہ میں داہنی طرف والے
سے بڑھ کر ہوتا۔ تو داہنی طرف والے سے اجازت لیتے۔ اور فرماتے کہ سنت تو یہی ہے
کہ یہ خود ہم کو دے۔ لیکن اگر تم اجازت دو تو بائیں طرف والے کو دیدیں۔
ایک مرتبہ آپ کی خدمت اقدس میں شہد اور دودھ پیش کئے گئے۔ آپ نے ان کے
پینے سے انکار کیا۔ اور فرمایا کہ ایک برتن میں دو سالن اور ایک قدح میں دو پینے کی چیز بار
مکروہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ میں ان کو حرام نہیں کہتا ہوں۔ بلکہ فخر کی چیزوں کو اور دنیا کی غیر ضروری
اشیا کا قیامت میں حساب ہونے کو برا جانتا ہوں۔ اور تواضع کو میں پسند کرتا ہوں۔
کیونکہ جو شخص اللہ تعالے کے واسطے تواضع اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالے اس کو عالی مرتبہ
بنا دیتا ہے۔ حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم اپنے دولت خانے میں کنواری عورت سے بھی
زیادہ حیادار رہتے تھے۔ گھر والوں سے کھانا طلب نہیں کرتے تھے۔ جب انہوں نے
کھلا دیا۔ تو کھا لیا۔ اور جو کچھ سامنے لا رکھا وہی قبول کر لیا۔ اور جو پلا دیا وہی پی لیا۔

[1] طبرانی اوسط بروایت ابی ہریرہؓ۔
[2] ابن عدی و ابن حبان بروایت ابی ہریرہؓ و طبرانی بروایت ام سلمہ بسند ضعیف۔
[3] ابن عباس بروایت عبداللہ بن ارقم بسند ضعیف۔
[4] حاکم بروایت ابی ہریرہؓ۔ [5] بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔
[6] بخاری و مسلم بروایت سہل بن سعد۔ [7] طبرانی بروایت عائشہ صدیقہؓ بسند ضعیف۔
[8] اس کی سند پہلے گذر چکی ہے۔ [9] کوئی خاص کھانا طلب کرنا مقصود ہے۔ ورنہ
بعض چیزیں طلب کرنا بعض صورتوں میں موجود ہے چنانچہ مسلم میں بروایت عائشہؓ ہے کہ ایک
شئی مانگی اور اس سے پہلے کی روٹی کے ساتھ کھانا اور دوسرے طریقوں کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

کسی نے حضورؐ کو بعض اوقات ایک چھوٹی سی چادر پہن کر ظہر کی نماز پڑھاتے دیکھا ہے۔ جس کے کناروں کو آپ گرہ لگا لیا کرتے تھے۔

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی بھی پہنا کرتے تھے[1]، کبھی آپ باہر تشریف لے جاتے تو کسی چیز کی یادداشت کے لئے اس انگوٹھی میں دھاگا باندھ لیا کرتے[2]۔ انگوٹھی سے آپ خطوط پر مہر لگایا کرتے اور فرماتے کہ خطوط پر مہر لگانا بدگمانی سے بہتر ہے[3]۔ آپؐ ٹوپی بھی پہنتے، کبھی عمامہ کے نیچے اور کبھی تنہا ٹوپی ہی پہن لیتے۔ کبھی ٹوپی مبارک سر سے اتار کر سامنے رکھ کر سترہ بنا لیتے۔ اور اس کی طرف نماز پڑھتے[4]۔ اگر کبھی عمامہ نہ ہوتا تو سر اور پیشانی پر پٹی ہی باندھ لیتے[5]۔ حضورؐ کے ایک عمامہ کا نام سحاب تھا۔ وہ آپ نے حضرت علیؓ کو عطا فرما دیا تھا۔ حضرت علیؓ وہ عمامہ پہن کر تشریف لاتے تو آنحضرتؐ فرماتے کہ علیؓ تمہارے پاس سحاب پہن کر آئے ہیں[6]۔ کپڑے پہنتے وقت حضورؐ داہنی طرف سے شروع کرتے اور یہ کلمات فرماتے[7]

یعنی خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے لباس پہنایا جس سے میں اپنی پردہ پوشی کرتا ہوں اور لوگوں میں زینت و آرائش حاصل کرتا ہوں۔ کپڑے[8] اتارتے وقت بائیں طرف سے شروع کرتے۔ جب[9] نیا کپڑا پہنتے تو پرانا کسی غریب کو عنایت فرما دیتے۔ اور یہ ارشاد فرماتے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر اپنے پرانے

---

[1] بخاری و مسلم بروایت ابن عمرؓ و انسؓ۔ [2] ابن عدی بروایت ابو امامہ۔

[3] انگوٹھی سے مہر کرنا بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ اور شمائل ترمذی میں بروایت عمرؓ منقول ہے۔ مگر دوسرے جزء کی اصل مجھے نہیں ملی۔

[4] طبرانی و ابن حبان بروایت ابن عمرؓ لیکن سترہ کا ذکر نہیں ہے۔

[5] بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

[6] ابن عدی و ابن حبان بروایت جعفر بن محمد عن ابیہ مرسلاً یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔

[7] ترمذی بروایت ابی سعیدؓ۔ [8] ابن ابی حاتم بروایت عمر فاروقؓ۔

[9] ابن حبان بروایت ابن عمرؓ بسند ضعیف۔

[10] ترمذی و ابن ماجہ بروایت عمر فاروقؓ۔ اس میں آپ کے نئے کپڑے پہننے اور پرانے کپڑوں کا راہ خدا میں دینے کا ذکر نہیں ہے صرف صدقہ کرنے کا ارشاد ہے اور آخری جملہ نہیں ہے۔

کپڑے پہنائے تو جب تک وہ کپڑے اس کے بدن پر رہیں گے پہنانے والا زندگی اور موت میں اللہ تعالیٰ کی پناہ میں رہے گا۔ حضورؐ کا ایک چمڑے کا گدا تھا جس میں کھجوروں کی چھال بھری ہوئی تھی۔ وہ تقریباً دو گز لمبا اور ایک گز ایک بالشت چوڑا تھا۔[1]

آپ کا ایک کمبل تھا جس کو صحابہ کرام ہر جگہ اٹھا کر دو تہہ کر کے آپ کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔[2] حضورؐ چٹائی پر سویا کرتے تھے، یہی چٹائی آپ کا بستر تھا۔[3] آپ کی عادت شریف تھی کہ اپنے جانوروں، ہتھیاروں اور دیگر اسباب کے نام رکھ لیا کرتے تھے[4] چنانچہ آپ کے ایک نیزہ کا نام عقاب[5] اور ایک تلوار کا نام ذوالفقار[6]، دوسری تلوار کا نام مخذم اور تیسری کا نام رسوب تھا[7] اور چوتھی کا نام قضیب تھا۔ آپ[8] کی تلوار کے قبضہ پر چاندی کا ملمع ہوا تھا۔ آپ[9] چمڑے کی ایک پیٹی بھی پہنا کرتے تھے جس میں چاندی کی تین کڑیاں تھیں۔ آپ کی کمان[10] مبارک کا نام کتوم، ترکش کا نام کافور اور اونٹنی[11] کا نام قصویٰ یا عضباء تھا۔[12]

۱؎ بخاری و مسلم بروایت عائشہؓ بدون ذکر طول و عرض اور ابن حبان نے بروایت ام سلمہؓ نقل کیا ہے کہ آپ کا گدا بقدر فراش ان کے تھا۔ اس حدیث میں ایک راوی مجہول ہے۔

۲؎ ابن سعد طبقات، ابن حبان بروایت عائشہؓ مگر یہ صحیح نہیں ہے اور شمائل ترمذی میں بروایت حفصہ ٹاٹ کا فرش دو تہہ کا ذکر ہے کہ اس پر حضور سوتے تھے۔

۳؎ بخاری و مسلم قصہ اعتزال آنحضرتؐ بیبیوں سے علیحدگی اختیار کرنا بروایت عمر فاروقؓ۔

۴؎ طبرانی بروایت ابن عباسؓ آپ کی سب چیزوں کے نام لکھے ہیں مگر اس سند میں ایک راوی کو واضع احادیث اور حدیثیں بنانے والا کہا گیا ہے۔

۵؎ ابن حبان بروایت عمرؓ مرسلاً۔ ۶؎ ابن حبان بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۷؎ ابن سعد در طبقات بروایت مروان بن ابی سعید مرسلاً۔

۸؎ ابن سعد بروایت سابق۔ ۹؎ ابن خیثمہ در تاریخ۔

۱۰؎ ابو داؤد و ترمذی بروایت انسؓ۔

۱۱؎ اس کی اصل مجھے نہیں ملی مگر ابن سعد و ابن حبان نے بروایت جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ مرسلاً نقل کیا ہے کہ آپ کی زرہ میں دو کڑیاں چاندی کی آگے اور دو پیچھے تھیں۔

۱۲؎ اس کا پتہ مجھ کو نہیں ملا مگر طبرانی نے بروایت ابن عباس لکھا ہے کہ آپ کی کمان کا نام سداد اور ترکش کا نام جمع تھا۔ ابن خیثمہ نے تاریخ میں آپ کی کمانوں کے تین نام اور لکھے ہیں۔

آپ کی خچر کا نام دلدل۔ دراز گوش کا نام یعفور اور آپ کی بکری کا نام غنیمہ تھا۔ اس بکری کا آپ دودھ پیا کرتے تھے۔ حضورؐ کے پاس مٹی کا ایک لوٹا تھا جس سے وضو بھی کرتے تھے۔ اور پانی بھی پیتے تھے۔ لوگ اپنے ہوشیار بچوں کو حضورؐ کی خدمت اقدس میں بھیجتے۔ ان کو اگر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے لوٹے مبارک میں پانی مل جاتا تو اس کو پیتے بھی تھے۔ اور برکت کے لئے اپنے بدن مبارک پر بھی ملتے تھے۔

ساتواں بیان

اس ذکر میں کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم باوجود قدرت کے مجرموں کے قصور معاف فرمایا کرتے تھے

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ نرم مزاج تھے۔ باوجودیکہ آپ کو مجرم سے انتقام و بدلہ لینے یا اس کو سزا دینے کی پوری طاقت حاصل تھی لیکن مجرموں کے قصور معاف کرنے کا آپ کو بیحد شوق تھا۔ ایک غزوہ کا ذکر ہے کہ آپ کی خدمت اقدس میں سونے چاندی کے ٹکڑے آئے تھے آپ نے وہ ٹکڑے اپنے اصحاب کرامؓ میں تقسیم کر دئے۔ اسی اثنا میں ایک بدوی شخص اٹھا اور کہنے لگا کہ اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ نے آپ کو عدل و انصاف کا حکم دیا ہے لیکن میں آپ کو عدل و انصاف کرتے ہوئے نہیں دیکھتا۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس تجھ پر میرے سوا اور کون عدل و انصاف کریگا جب وہ حضور کے

ل مسلم بروایت جابرؓ اور بخاری بروایت انسؓ۔

ل حاکم بروایت علی مرتضیٰؓ۔ ل فوائد ابی المصداح۔

ل ابن سعدؒ نے آپ کی بکریوں کے سات نام لکھے ہیں۔ اور فوائد ابی المصداح میں بکری کا نام برکہ لکھا ہے۔

ل [illegible] لکھا ہے۔ ل ابن حبان بروایت ابن عمرؓ۔

پاس سے چلا گیا۔ تو آپ نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ اس کو نرمی کے ساتھ میرے پاس لے
لے آؤ۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ جنگ حنین کے دن حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حضرت
بلال کے کپڑے میں لوگوں کے واسطے چاندی جمع کرتے جاتے تھے۔ ایک شخص بولا کہ یا رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم انصاف کیجئے۔ حضور نے فرمایا کہ او کمبخت! اگر میں انصاف نہیں کرونگا
تو اور کون کریگا۔ اگر میں عدل و انصاف نہ کروں تو تو محروم رہ جائیگا۔ اسی اثنا میں حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ غصے سے کھڑے ہوگئے اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ اگر اجازت ہو۔ تو
اس بے ادب کی گردن اُڑا دوں۔ کیونکہ یہ شخص منافق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ معاذ اللہ ایسا
مت کرو۔ ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو قتل کرتا ہے۔
ایک دفعہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم ایک لڑائی میں تھے۔ ایک دفعہ حضور اکرم ایک لڑائی
میں تھے۔ ایک کافر مسلمانوں کو غافل پا کر ننگی تلوار لیکر حضور کے سرہانے آ کھڑا ہوا۔
اور کہنے لگا آپ کو مجھ سے کون بچائیگا۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالےٰ۔ راوی کہتا ہے کہ حضور
کے ارشاد کے بعد فوراً ہی اس کافر کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ حضور نے وہ تلوار پکڑ کر
فرمایا کہ اب مجھ سے تجھے کون بچائیگا۔ اس نے عرض کیا۔ کہ آپ اچھے گرفتار کرنیوالے
اور آپ اُنھیں سب سے بڑھ کر گرفتاری کرنیوالے ہیں۔ آپ نے فرمایا۔ کیا تو اَشْهَدُ
اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اس نے کہا یہ تو نہیں کرونگا۔ ہاں یہ وعدہ کرتا ہوں۔ کہ آئندہ میں
آپ سے جنگ نہیں کرونگا۔ نہ آپ کے ساتھ دونگا۔ آپ کے دشمنوں کا۔ آپ نے اس کو چھوڑ دیا۔
وہ اپنے ساتھیوں میں جا کر کہنے لگا کہ میں تمہارے پاس ایک بہترین شخص (محمد) کے
پاس سے آیا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عورت زہر سے ملی
بکری حضور کے کھلانے کے لئے لائی۔ اس کا یہ راز فاش ہو گیا۔ اور اس کو حضور کی خدمت
اقدس میں بطور ملزم پیش کیا گیا۔ آپ نے اس سے زہر کا سارا حال دریافت کیا۔ وہ بولی کہ
میں آپ کو مار ڈالنا چاہتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ خدا تعالےٰ کو منظور نہیں ہے۔ کہ تجھے
اس امر کی طاقت دے۔ اسنتے میں لوگوں نے عرض کیا۔ کہ اگر ارشاد ہو۔ تو ابھی اس کو

ع بخاری و مسلم بروایت جابرؓ باختلاف الفاظ۔

ع مسلم۔

ع مسلم بروایت انسؓ و بخاری بروایت ابی ہریرہؓ۔

قتل کر دیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک یہودی نے حضور پر جادو کر دیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو آگاہ کر دیا۔ آپ نے جادو نکلوا کر اس کی گرہیں کھلوا دیں۔ تو آپ کو جادو سے افاقہ ہو گیا۔ لیکن حضور نے اس یہودی سے کبھی اس بات کا ذکر تک نہیں کیا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ کو حکم دیا۔ کہ روضۂ خاخ (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے) میں جاؤ۔ وہاں ایک عورت ہے۔ اس کے پاس (مسلمانوں کے خلاف) ایک خط ہے۔ وہ خط اس سے لے آؤ۔ ہم حسب الارشاد اس روضہ میں گئے۔ اور اس عورت سے کہا کہ تیرے پاس جو خط ہے وہ ہمیں دے دے۔ عورت بولی کہ میرے پاس کوئی خط نہیں ہے۔ ہم نے کہا کہ یا تو خط نکال کر دے دے ورنہ تیرے کپڑے اتار ڈالیں گے۔ اس عورت نے (اپنی بے پردگی کے ڈر سے) اپنی چوٹی میں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کر دیا۔ ہم وہ خط حضور کی خدمت اقدس میں لے آئے۔ دیکھا تو وہ خط حاطب بن ابی بلتعہؓ (صحابی) کی طرف سے مشرکین مکہ کی طرف لکھا ہوا تھا۔ اس خط میں حضور علیہ السلام کے حالات درج تھے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے باہر ہو گئے ہیں۔ خواہ تم پر چڑھائی کریں یا کسی اور پر۔ آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ سے کہا کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ جلدی نہ فرماویں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ مہاجرین کے رشتہ دار مکہ معظمہ میں بستے ہیں۔ وہ رشتہ دار جنگ کے موقعہ پر مہاجرین کے گھر والوں کو بچا لیں گے لیکن میرا مکہ معظمہ میں کوئی رشتہ دار نہیں ہے لہٰذا میں نے اپنے گھر والوں کو بچانے کیلئے یہ تدبیر سوچی کہ میں قریش مکہ مشرکین مکہ کو حضور کے حملہ آور ہونے کی اطلاع دے کر ان کو اپنا ممنونِ احسان بنا لوں۔ تاکہ وہ بوقت جنگ اس احسان کے بدلے میں میرے گھر والوں کو بچا لیں۔ بس اس لئے میں نے یہ خط مشرکین مکہ کے نام روانہ کیا تھا۔ ورنہ میں نے معاذ اللہ کفر و ارتداد کی بنا پر یہ خط نہیں لکھا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حاطب کا یہ معقول عذر سن کر اس کی تصدیق فرمائی۔ حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ اگر اجازت

لہ نسائی بروایت زید بن ارقمؓ اور آپ پر جادو کئے جانے کا قصہ بخاری و مسلم میں بروایت عائشہ رضی اللہ عنہا مطولاً منقول ہے۔

لہ بخاری و مسلم بروایت علی رضی اللہ عنہ۔

ہو۔ تو اس منافق کی گردن اڑا دی جائے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ شخص جنگ بدر میں موجود تھا۔ اور بدر والوں کے اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے گناہ بخش دئیے ہیں۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے کچھ مال تقسیم کیا۔ ایک انصاری بولا کہ حضور کی یہ تقسیم رضاء الٰہی کے خلاف ہے۔ یہ بات حضور کو پہنچی تو آپ کا چہرہ انور غصے کے مارے سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کہ ان کو اس سے بھی زیادہ رنج و تکلیف پہنچائی گئی تھی مگر انہوں نے صبر سے کام لیا۔ حضور علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! کوئی شخص میرے اصحاب کی شکایت مجھ سے نہ کیا کرے۔ میں چاہتا ہوں کہ جب تم سے ملوں صاف دل ہو کر ملوں۔

آٹھواں بیان

اس ذکر میں کہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بری باتوں کو دیکھ کر بھی چشم پوشی فرمایا کرتے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلد پتلی اور ظاہر و باطن صاف تھا۔ حضور کی رضامندی اور ناراضگی چہرہ انور سے معلوم ہو جایا کرتی تھی۔ سخت غصے کے وقت آپ اپنی داڑھی مبارک کو بہت ہاتھ لگایا کرتے تھے۔ کسی شخص کے سامنے ایسی بات نہیں کرتے تھے۔ جو اس کو بری لگے۔ ایک شخص زرد خوشبو لگا کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو آپ کو زرد خوشبو بری معلوم ہوئی لیکن آپ نے اس شخص سے کچھ نہیں فرمایا۔ جب وہ شخص چلا گیا۔ تو حاضرین مجلس سے ارشاد فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی شخص اس کو کہہ دے کہ یہ زرد خوشبو

۱ بخاری و مسلم بروایت ابن مسعودؓ۔ ۲ ابو داؤد و ترمذی بروایت ابن مسعودؓ۔

۳ ابن حبان بروایت ابن عمرؓ ۴ ابن حبان بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۵ ابو داؤد و ترمذی در شمائل بروایت انسؓ۔

مت لگایا کرو۔ ایک[1] اعرابی نے مسجد میں پیشاب کرنا شروع کیا۔ صحابہ کرام اس پر غصہ ہونے
لگے تو آپ نے فرمایا کہ آپ اس کو پیشاب کر لینے دو۔ اس کا پیشاب مت روکو۔ پھر اس
اعرابی (دیہاتی) کو سمجھایا کہ بھئی! یہ مسجدیں گوبر کرنے یا پیشاب پاخانے کے لئے
نہیں بنائی گئی ہیں۔ ایک[2] حدیث میں یوں آیا ہے۔ کہ صحابہ کرام کو حضور نے ارشاد فرمایا
کہ اسکو ڈراؤ نہیں بلکہ پاس بلالو۔ ایک روز ایک اعرابی نے حضور کی خدمت اقدس
میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا۔ آپ نے اس کو کچھ عطا فرما کر کہا۔ کہ میں نے تجھ پر احسان کیا ہے
اعرابی بولا کہ آپ نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ اعرابی کے گستاخانہ الفاظ سنکر مسلمان
برافروختہ ہو گئے۔ اور اس کو مارنے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن حضور نے ان کو روک دیا۔
اور اپنے دولت خانے میں جا کر اس اعرابی کو بلایا۔ اور کچھ دے کر پھر فرمایا۔ کہ کیا میں نے
تجھ پر احسان کیا ہے؟ اعرابی بولا کہ ہاں حضور خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو
جزائے خیر عطا فرمائے۔ آپ نے اعرابی سے فرمایا۔ کہ تم پہلے مسلمانوں کے سامنے گستاخانہ
الفاظ کہہ چکے ہو جن کی وجہ سے وہ تم سے بہت ناراض ہیں۔ اس لئے بہتر یہ ہے
کہ جو شکریہ کے الفاظ تم نے میرے سامنے کہے ہیں۔ یہی مسلمانوں کے روبرو بھی کہہ دو۔
اعرابی نے عرض کیا۔ کہ بہت اچھا حضور۔ چنانچہ دوسرے روز وہ اعرابی آیا۔ حضور
نے فرمایا کہ اس اعرابی نے تو ناشکری کے الفاظ کہے تھے۔ لیکن ہم نے اسکو بہت
زیادہ عطیہ دیا ہے۔ اعرابی بولا کہ بیشک حضور اب میں آپ سے راضی ہوں۔ خدا تعالیٰ
آپ کو اور آپ کے اہل وعیال کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا کہ میری اور اس اعرابی کی مثال ایسی ہے۔ جیسے کسی شخص کی اونٹنی بدک جائے
(ڈر جائے) اور لوگ اس کے پیچھے دوڑیں۔ تو وہ اور زیادہ بدک جائے۔ پھر اونٹنی کا
مالک سب لوگوں کو دور ہٹا کر کہے کہ لوگو تم الگ ہو جاؤ۔ میں جانوں اور میری اونٹنی۔
میں اپنی اونٹنی پر تم سے زیادہ مہربان ہوں۔ اور مجھے اس کی حالت تم سے زیادہ معلوم
ہے۔ پھر وہ مالک کچھ چارہ لے کر اونٹنی کے سامنے سے آئے۔ اور اس کو چارہ دکھلا کر

[1] بخاری و مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

[2] بزار و ابن حبان بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ باسناد ضعیف۔

آہستہ آہستہ اس کے قریب آتا جائے۔ اور اپنی اونٹنی کو پیار سے بلاتا جائے۔ حتیٰ کہ
اونٹنی اپنے مالک کے پاس آکر کھڑی ہو جائے۔ اور مالک اس کو بٹھلا کر اس پر کاٹھی لگا کر
سوار ہو جائے۔ اسی طرح جب اس اعرابی نے گستاخانہ الفاظ کہے تھے۔ اگر میں تم کو
نہ روکتا تو تم اس کو مار ڈالتے۔ اور وہ بیچارہ بے توبہ مرنے کے باعث دوزخی ہو جاتا۔

نواں بیان
سید العرب والعجم صلے اللہ علیہ وسلم کی جود وسخاوت کے ذکر میں

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے۔ بالخصوص[1] رمضان المبارک میں
تو آپ آندھی کی طرح سخاوت کرتے تھے۔ اور کسی کو بغیر دیئے جانے نہ دیتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ
جب آپ کے اوصاف بیان فرماتے تو یوں فرماتے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک
سب سے زیادہ سخی تھا۔ اور سینہ سب سے زیادہ فراخ تھا۔ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے
تھے۔ وعدہ کو پورا کرنے میں سب سے بڑھ کر تھے۔ آپ کی عادت نرم اور آپ کا خاندان
نہایت اعلیٰ تھا۔ جو شخص آپ کو دیکھتا فوراً مرعوب ہو جاتا تھا۔ اور اگر جان پہچان کے طور پر آپ سے
میل جول رکھتا۔ تو آپ کا والہ و شیدا ہو جاتا تھا۔ اور آپ کی تعریف میں یہ الفاظ کہتا کہ
حضور جیسا نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا۔ اور نہ آپ کے بعد آپ جیسا کوئی نظر آیا۔[2] مسلم
جو بھی سوال کرتا۔ آپ اس کا سوال پورا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک[3] مسلم نے آپ سے سوال

[1] بخاری و مسلم بروایت انس۔ [2] بخاری و مسلم بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرح آیا ہے۔ کہ جب حضور کی جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تو آپ تیز ہوا کی طرح سخاوت کرتے۔
[2] یہ روایت ترمذی کی ہے لیکن شمائل ترمذی میں ذکر ہے کہ یہ روایت متصل نہیں منقطع ہے۔
[3] مسلم بروایت انس رضی اللہ عنہ۔

کیا۔ تو آپ نے اس کو اتنی بکریاں عطا فرمائیں۔ کہ وہ بالکل دو پہاڑوں میں سمائی
تھیں۔ وہ نو مسلم جب اپنی قوم کے پاس گیا۔ تو اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ لوگو!
مسلمان ہو جاؤ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نو مسلموں کو اس افراط سے عطا فرماتے ہیں کہ ان
کو محتاجی کا بھی ڈر نہیں ہوتا۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آپ سے کسی نے کچھ سوال کیا ہو۔ اور
آپ نے اس کو کچھ عنایت نہ فرمایا ہو۔ حضور کی خدمت اقدس میں نوے ہزار درہم بھیجے
آئے۔ آپ نے وہیں کے وہیں چٹائی پر رکھوا کر سب کے سب حاجتمندوں اور مستحقوں کو بانٹ
دئیے۔ اور کسی سائل کو محروم نہیں پھیرا۔ حتی کہ آپ کے پاس ان نوے ہزار میں سے
ایک درہم بھی نہ بچا۔ ایک شخص نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ سوال کیا۔ آپ نے
فرمایا کہ بھئی! اس وقت تو میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ البتہ جتنے کی تجھ کو ضرورت ہے
میرے نام پر کسی سے قرض لے لو۔ جب ہمارے پاس کچھ آئیگا تو ہم اس کو ادا کر دینگے
حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ جس چیز کی آپ کو طاقت نہیں خدا تعالیٰ
نے اس کی تکلیف آپ کو نہیں دی۔ حضور کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ سائل نے عرض
کیا کہ یا رسول اللہ آپ فی سبیل اللہ خرچ کرتے جائیے۔ اور خدا تعالیٰ پر بھروسہ رکھ کر
محتاجی سے مت ڈریئے۔ حضور یہ بات سن کر مسکرا دئیے۔ اور خوشی کے آثار آپ کے
چہرہ انور پر نمایاں ہو گئے۔ جب حضور جنگ حنین سے واپس تشریف لائے تو اعرابیوں
نے آپ سے مانگنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سائلوں کی کثرت اور بھیڑ کے باعث آپ کو
مجبوراً ببول کیکر کے درخت کی طرف جانا پڑا۔ اس درخت میں حضور کی چادر مبارک
اٹک گئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری چادر تو دیدو۔ واللہ اگر میرے پاس ان درختوں
کی تعداد میں بھی اونٹ ہوں تو وہ بھی میں تم میں تقسیم کر دوں۔ تم مجھے ہرگز بخیل،
جھوٹا اور بزدل نہ پاؤ گے ۔

۱۔ بخاری و مسلم بروایت جابرؓ ۔

۲۔ ابو اسحاق ابن الضحاک در شمائل بروایت حسنؓ مرسلاً اور بخاری میں بروایت انسؓ تعلیقاً بلا
ذکر عدد مروی ہے ۔

۳۔ ترمذی در شمائل بروایت عمر فاروقؓ ۔ ۴۔ بخاری بروایت جبیر بن مطعمؓ ۔

دسواں بیان

سرورِ انبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شجاعت کے ذکر میں

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ طاقتور اور بہادر تھے[1]۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر کے روز حالانکہ حضور علیہ السلام ہماری نسبت دشمن سے زیادہ قریب تھے۔ لیکن تاہم ہم آپ کی پناہ پکڑتے تھے۔ اس روز آپ نے کفار کے ساتھ سب سے زیادہ لڑائی کی[2]۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی جنگ شروع ہوتا تو آپ ہم سب کی نسبت دشمن سے زیادہ قریب ہوتے باوجود اس کے ہم حضور کی پناہ میں ہوتے تھے۔ روایت ہے[3] کہ حضور علیہ السلام بہت کم بولتے تھے۔ جب آپ جنگ کا حکم صادر فرماتے تو بذات خود جنگ کے لئے تیار رہتے اور سب سے زیادہ دشمن کا مقابلہ کرتے[4]۔ زیادہ بہادر وہی سمجھا جاتا تھا جو جنگ میں حضور سے قریب ہوتا تھا۔ کیونکہ آپ دشمن سے زیادہ قریب ہوا کرتے تھے۔ عمران[5] بن حصین فرماتے ہیں کہ دشمن کی جس جماعت سے بھی آپ کی جنگ ہوتی تو سب سے پہلا آپ ہی وار فرماتے۔ آپ بڑے جنگجو اور لڑاکے

---

[1] دارمی بروایت ابن عمرؓ اور بخاری و مسلم میں بروایت انسؓ مذکور ہے کہ کان احسن الناس و اشجع الناس۔ یعنی حضور تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت اور بہادر تھے۔

[2] ابن حبان و احمد و الطبرانی۔

[3] نسائی بروایت علیؓ اور بلفظ دیگر مسلم بروایت براء بن عازب۔

[4] ابن حبان نے روایت کیا ہے۔ لیکن اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

[5] شیرازی و ابو الشیخ بروایت ابن عمرؓ باسناد ضعیف۔ [6] بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب۔

[7] ابو الحسن بن ضحاک در شمائل بروایت ابو سعید خدری باسناد ضعیف۔

نہیں ہوں بلکہ میں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو خشک گوشت کھایا کرتی تھی۔
آپ صحابہ کرام میں ایسے مل جل کر بیٹھتے کہ کوئی اجنبی شخص آپ کو پوچھے بغیر پہچان
نہیں سکتا تھا صحابہ کرام نے عرض کیا کہ آپ کسی ایسی جگہ بیٹھا کریں کہ نا واقف بھی
آپ کو پہچان لیا کرے چنانچہ اس غرض کے لئے صحابہ نے محض آپ کے بیٹھنے کے لئے
مٹی کا ایک چبوترا سا بنا دیا تھا حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے عرض
کیا کہ یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو جائے آپ تکیہ پر سہارا لگا کر کھانا تناول
فرمایا کیجئے اس میں آپ کو آرام رہے گا لیکن حضور نے کھانا کھاتے وقت بجائے
تکیہ لگانے کے اور زیادہ جھک کر کھانا کھانے لگے حتیٰ کہ آپ کا سر مبارک زمین پر لگنے
کو ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں بندوں کی طرح کھاؤں گا اور بندوں کی طرح بیٹھوں گا
آپ نے عمر بھر کرسی یا خوان پر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اگر آپ کو کوئی صحابی یا کوئی اور
شخص آواز دیتا۔ تو جواب میں فرماتے لبیک میں حاضر ہوں۔ جب حضور لوگوں کے ساتھ
مجلس فرماتے تو جیسی گفتگو وہ کرتے ویسی ہی آپ بھی کرتے۔ مثلاً اگر لوگوں نے دنیاوی
گفتگو شروع کی ہے۔ تو آپ بھی دنیاوی گفتگو فرماتے اور اگر دین یا آخرت کے بارے
میں اُنہوں نے کوئی گفتگو شروع کی تو آپ بھی ویسی ہی گفتگو فرماتے۔ غرضیکہ مجلس میں بھی
آپ ہم جلیس کی خاطر لوگوں کا لحاظ رکھتے۔ اگر کبھی صحابہ کرام حضور کے سامنے اشعار
پڑھتے اور زمانہ جاہلیت کے کفر کا تذکرہ کر کے ہنستے تو آپ بھی اُن کے ساتھ تبسم فرماتے
اور سوائے حرام کے اور کسی چیز پر اُن کو جھڑکتے نہیں تھے۔

۱؎ ابو داؤد و نسائی بروایت ابی ہریرہؓ۔

۲؎ ابن جریر بروایت عبداللہ بن عبید بن عمیر مرسلاً۔

۳؎ بخاری بروایت انسؓ۔

۴؎ ابو نعیم در دلائل النبوۃ بروایت عائشہؓ اور اس کی سند میں حسین بن علوان متہم بالکذب ہے۔

۵؎ ترمذی در شمائل بروایت زید بن ثابتؓ

۶؎ مسلم بروایت جابر بن سمرہؓ۔

بارھواں بیان

حضور پُر نور صلے اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کے ذکر میں

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ لمبے تھے نہ پست قد اگر آپ تنہا چلتے تب تو حضور میانہ قد معلوم ہوتے تھے لیکن جب کسی کے ساتھ مل کر چلتے تو حضور کا قد مبارک لمبے قد والوں سے بھی اونچا ہو جاتا تھا جب کبھی حضور دو لمبے قد والوں کے درمیان چلتے تو آپ کا قد مبارک اُن سے بڑا معلوم ہوتا تھا لیکن جب وہی لمبے قد والے اکیلے چلتے تو وہ دراز قد معلوم ہوتے تھے۔ اور حضور میانہ قد نظر آتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ کہ بھلائی میانہ پن میں ہے۔ حضور کا رنگ مبارک خاص گورا چٹا تھا لیکن نہ حد سے زیادہ سفید تھا اور نہ ہی گندم گون تھا۔ حضور کی تعریف میں آپ کے چچا ابو طالب نے اس مضمون کا شعر کہا ہے ؎

وَأَبيضَ يُستسقَى الغمامُ بِوجهِهِ

ثِمالُ اليتامَى عِصمةٌ للأرامِلِ

"وہ نورانی چہرہ جس کے سبب بارش کا نزول ہوتا ہے یتیموں اور بیواؤں کا وہ ملجا و ماوٰی ہے" بعض نے آپ کا رنگ سرخی مائل بیان کیا ہے۔ تو دونوں روایتوں کی مطابقت اس طرح کی گئی ہے کہ جو اعضا حضور کے کپڑوں میں چھپے رہتے تھے۔ وہ تو خاص گورے چٹے تھے اور جو کپڑوں سے باہر رہتے جیسے چہرہ انور اور گردن وغیرہ وہ سرخی مائل تھے حضور کا پسینہ مبارک جو چہرہ انور پر موتیوں کی طرح ٹپکتا کستوری سے بھی زیادہ خوشبودار معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے بال مبارک نہایت عمدہ مڑے ہوئے تھے۔ نہ تو زیادہ ٹیڑھے ہوئے تھے اور نہ ہی بہت گھونگر والے تھے جب آپ اپنے بالوں میں کنگھی کرتے۔ تو وہ اس طرح

[1] ابو نعیم در دلائل النبوۃ بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

[2] بخاری کتاب الفضائل بروایت ابن عمرؓ و ابن ماجہ از ابن اسحاق در سیرت۔

معلوم ہوتے جس طرح ہوا سے ریت میں لہریں سی پڑ جاتی ہیں۔ روایت ہے کہ حضور کے سر کے بال کندھوں سے لگتے تھے۔ اور اکثر روایتوں میں یوں آیا ہے کہ کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔ کبھی آپ اپنے بالوں کے چار حصے سے بنا لیتے ہر ایک کان حضور کا دو حصوں کے درمیان سے نکلا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کبھی آپ بالوں کو کانوں پر ڈال دیتے تو آپ کی گردن کا کنارہ چمکتا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ آپ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں گنتی کے سترہ بال سفید تھے۔ اس سے زیادہ سفید بال ابھی نہیں ہونے پائے تھے۔ حضور کا چہرۂ انور نہایت خوبصورت اور نورانی تھا۔ جس کسی نے آپ کا حلیہ مبارک دیکھا اس نے حضور کے چہرۂ انور کو چودھویں رات کے چاند کی طرح منور ہی بیان کیا ہے۔ حضور کی جلد مبارک بہت صاف تھی۔ اس لیے خوشی اور ناخوشی کے آثار فوراً چہرۂ انور پر نمایاں ہو جاتے تھے۔ لوگ کہا کرتے تھے کہ بیشک آپ ویسے ہی ہیں۔ جیسے آپ کے یار غار حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ کی تعریف میں شعر کہا ہے ؎

امین مصطفیٰ للخیر یدعو
کضوء البدر زایلہ الظلام

حضور جیسے امانتدار برگزیدہ خلائق اور خلق خدا کو سیدھا راستہ بتلانے والے ہیں۔ آپ کی تعریف ویسی ہی ہے۔ جیسے چودھویں رات کا چاند اندھیرے میں سے نکل آتا ہے۔ اور سب جگہ اجالا ہی اجالا کر دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام کی پیشانی مبارک بہت فراخ تھی۔ اور بھویں باریک تھیں۔ دونوں بھوؤں کے درمیان خالص چاندی کی طرح نور چمکتا تھا۔ آپ کی دونوں آنکھیں کشادہ اور نہایت خوشنما تھیں۔ نیز آپ کی آنکھیں خوب سیاہ اور سرخی مائل تھیں۔ آپ کی پلکیں بہت لمبی اور اس کثرت سے تھیں کہ ملنے کے قریب ہو گئی تھیں۔ حضور کی ناک مبارک اونچی اور لمبی تھی۔ اور آپ کے دانت کھلے تھے۔ جب آپ ہنستے تو وہ دانت بجلی کی طرح چمکتے تھے۔ حضور کے لب مبارک سب سے زیادہ خوبصورت اور لطیف تھے۔ اور آپ کے رخسار مبارک ابھرے ہوئے نہیں تھے۔ بلکہ سوت تھے۔ آپ کا چہرہ مبارک نہ زیادہ لمبا تھا نہ زیادہ

[1] بخاری و مسلم بروایت براء بن عازب۔
[2] ترمذی در شمائل بروایت ہند بن ابی ہالہ۔

بال - بلکہ لمبا کسی قدر گولائی لئے ہوئے - آپ کی داڑھی مبارک گھنی تھی۔ اُسے
آپ بالکل نہیں کترواتے تھے۔ بلکہ لمبی چھوڑی ہوئی تھی۔ البتہ مونچھیں ضرور کترواتے
تھے۔ حضور کی گردن مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھی۔ نہ زیادہ لمبی نہ
چھوٹی۔ گردن کے جتنے حصے پر دھوپ اور ہوا لگتی تھی۔ وہ ایسی معلوم ہوتی تھی
جیسے کچھ سونا ملی ہوئی چاندی کی صراحی۔ جس میں سے چاندی کی چمک اور سونے کی
جھلک نظر آتی تھی۔ آپ کا سینہ مبارک چوڑا تھا۔ اس میں کسی جگہ کا گوشت اُبھرا
ہوا نہیں تھا۔ آئینہ کی طرح صاف و شفاف اور چاندی کی طرح سفید تھا۔ سینہ کے
سرے سے لیکر ناف تک دھاگے کی طرح بالوں کا ایک باریک خط تھا۔ اس کے علاوہ
سینہ اور پیٹ پر کہیں بال نہیں تھے۔ حضور کے پیٹ پر تین شکن تھے۔ ایک شکن تہبند
کے نیچے چھپا رہتا تھا۔ اور دو شکن تہبند سے باہر رہتے تھے۔ آپ کے کندھے مبارک بھی
بڑے تھے۔ اور ان پر بال بکثرت تھے۔ آپ کے کندھوں، کہنیوں اور کمر کے جوڑ گوشت
سے بھرے ہوئے تھے۔ اور حضور کی پشت مبارک فراخ تھی۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم
کے دونوں کندھوں کے درمیان داہنے کندھے کے قریب مہر نبوت تھی۔ جس میں
سیاہ و سبزی مائل ایک داغ سا تھا۔ اور اس کے ارد گرد گھوڑے کی ایال کے بالوں
کی طرح کچھ بال تھے۔ آپ کے دونوں بازو اور ہاتھ بھی گوشت سے پُر تھے۔ آپ کے دونوں
بند دست لمبے اور ہتھیلی مبارک چوڑی اور ہاتھ پاؤں کشادہ تھے۔ آپ کی انگلیاں
ایسی چمکدار تھیں۔ جیسے چاندی کی سلاخیں۔ حضور کی ہتھیلی مبارک ریشم سے بھی
زیادہ نرم اور عطر سے زیادہ خوشبودار تھی۔ جو شخص آپ سے مصافحہ کرتا۔ دن بھر خوشبو
سے معطر رہتا۔ اگر شفقت و پیار کے طور پر حضور پُرنور کسی لڑکے کے سر پر ہاتھ
پھیر دیتے۔ تو خوشبو کے باعث وہ دوسرے لڑکوں سے ممتاز ہو جاتا تھا۔ حضور
کی رانیں اور پنڈلیاں گوشت سے پُر تھیں۔ آپ کا جسم اطہر معتدل درجہ کا تھا۔ مگر
اخیر عمر میں حضور کسی قدر بھاری ہو گئے تھے۔ باوجود موٹاپے کے آپ کا بدن مبارک
اعضوں کی طرح سڈول اور مضبوط تھا۔ غرضیکہ آپ کا بدن موٹا یا فربہ ویسا نہیں تھا۔
حضور کی چال ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا پاؤں مبارک جما کر اٹھاتے تھے اور اوپر سے

نیچے کو تشریف لے جاتے ہیں۔ پاؤں پاس پاس رکھ کر چلتے۔ اور چلتے وقت پاؤں مبارک آگے کو جھک کر رکھتے۔ حضور انورؐ ارشاد فرمایا کرتے کہ میں آدمیوں کی نسبت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مشابہت رکھتا ہوں۔ اور ابراہیم علیہ السلام صورت و سیرت میں میرے ساتھ زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔ اور فرمایا کرتے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک میرے دس نام ہیں۔ میں محمدؐ ہوں۔ احمدؐ ہوں۔ ماحی (مٹانے والا) ہوں۔ اس لئے کہ میرے ذریعے خدا تعالیٰ کفر کو مٹائیگا۔ عاقب (پیچھے آنے والا) ہوں۔ کیونکہ میں سب نبیوں کے بعد ہوا ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ حاشر (اکٹھا کرنیوالا) ہوں۔ اس لئے کہ قیامت کے دن خدا تعالیٰ میرے اٹھنے کے بعد سب مخلوقات کو اٹھائیگا۔ اور میں رسول رحمت، و رسول توبہ و رسول ملاحم اور مقفی (پیچھے آنیوالا) ہوں کیونکہ میں تمام انبیاء علیہم السلام کے بعد پیدا ہوا ہوں۔ اور میں قثم (یعنی کامل اور جمیع اوصاف حسنہ کا جامع) ہوں۔

تیرھواں بیان

حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر میں جن سے حضور کی صداقت ثابت ہوتی ہے

جاننا چاہیئے کہ اگر حضرت رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات کا مشاہدہ کیا جائے اور آپکے اخلاق، عادات، افعال، اعمال اور انتظام و تدبیر خلائق کی صحیح

لہ یہ حدیث امام بخاری و مسلم نے بروایت جبیر بن مطعم منقول ہے اور ترمذی نے [illegible] اور [illegible] بھی [illegible] روایت [illegible] نقل کئے ہیں۔ احمد بن حنبل نے بروایت حذیفہ نبی الرحمۃ و نبی التوبۃ [illegible] ہے [illegible] سے [illegible] ذکر کئے ہیں۔ اور ابن سعد نے [illegible] ابن عباس، حافظ [illegible] ضعیف نقل کئے ہیں۔

کر سکیں گے مثل قرآن کو ہرگز نہیں کر سکیں گے۔

معجزہ نمبر ۱۔ کفار مکہ نے جب حضور سے شق القمر[1] (چاند کے دو ٹکڑے ہونا) کے معجزہ کا مطالبہ کیا تو حضور نے چاند کی طرف اشارہ فرمایا چاند فوراً دو ٹکڑے ہو گیا۔

معجزہ نمبر ۲۔ خندق کے روز حضرت جابرؓ[2] کے مکان میں صرف ایک سیر جو سے کثیر التعداد لوگوں کو کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر ۳۔ حضرت ابو طلحہؓ[3] کے مکان پر بھی آپ نے تھوڑی سی غذا سے بہت سے لوگوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر ۴۔ ایک مرتبہ[4] حضور نے ایک صاع (دو سیر) جو اور بکری کے بچے سے اسی آدمیوں کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔

معجزہ نمبر ۵۔ ایک دفعہ[5] حضرت انسؓ جو کی چند روٹیاں اپنے ہاتھ میں لے گئے حضور نے ان روٹیوں سے اسی سے زیادہ آدمیوں کا پیٹ بھر دیا۔

معجزہ نمبر ۶۔ ایک دفعہ[6] ابن بشیرؓ تھوڑی سی کھجوریں اپنے ہاتھوں میں لائے آپ نے ان کھجوروں سے سب گھر والوں کا پیٹ بھر دیا اور پھر بھی کچھ کھجوریں بچ گئیں۔

معجزہ نمبر ۷۔ ایک دفعہ[7] تمام لشکر محمدی پیاس سے بیتاب ہو گیا۔ حضور نے ایک چھوٹے سے پیالے (جس میں آپ کے ہاتھ بھی اچھی طرح نہیں پھیل سکتا تھا) میں اپنا دست مبارک رکھا۔ تو آپ کی انگلیوں میں سے پانی پھوٹ نکلا جس میں سے تمام لشکر نے پانی بھی پیا اور وضو بھی کیا۔

معجزہ نمبر ۸۔ تبوک کے چشمے[8] میں پانی سوکھ گیا تھا۔ حضور نے اپنے وضو کا پانی اس میں ڈال دیا تو اس چشمہ کا پانی اتنا چڑھ آیا کہ ہزاروں کی تعداد میں اہل لشکر نے خوب سیراب

---

[1] بخاری و مسلم بروایت ابن مسعود و ابن عباس و انسؓ۔

[2] بخاری و مسلم بروایت جابرؓ۔ [3] بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔

[4] بیہقی و دلائل النبوۃ بروایت جابرؓ (بخاری میں بھی ایک اور روایت [illegible] کے مذکور ہے)۔

[5] مسلم بروایت انسؓ۔ [6] بیہقی و دلائل بروایت بشیر بن سعد۔

[7] بخاری و مسلم بروایت انسؓ۔ [8] مسلم بروایت معاذؓ۔

بھر کر پانی پیا۔

معجزہ نمبر ۹۔ حدیبیہ[۱] کے کنویں میں پانی نہیں رہا تھا تو آپ نے اپنے وضو کا بچا ہوا پانی اس میں ڈالا تو اس چشمہ کا پانی اس قدر جوش کرنے لگا کہ چودہ سو آدمیوں نے اس میں سے پانی پیا۔

معجزہ نمبر ۱۰۔ ایک[۲] دفعہ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر فاروقؓ کو ارشاد فرمایا کہ تھوڑے خرمے (جو زیادہ سے زیادہ ایک اونٹ کے بوجھ کے برابر ہوں گے) چار سو سواروں کو سفر خرچ کے طور پر دیدو۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے سب کو سفر خرچ بھی دیدیا اور پھر بھی اتنے کے اتنے بچ گئے۔

معجزہ نمبر ۱۱۔ حضور[۳] نے مٹی کی ایک مٹھی لشکر کفار کی طرف پھینکی جس سے سب کفار اندھے ہو گئے چنانچہ اس معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ ارشاد باری ہے وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ یعنی اے پیغمبر کنکریوں کی مٹھی آپ نے نہیں پھینکی تھی بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی تھی۔

معجزہ نمبر ۱۲۔ آپ کی دنیا میں تشریف آوری کی برکت[۴] سے کہانت (غیبی باتیں بتانا) بالکل نیست و نابود ہو گئی حالانکہ پہلے عام طور پر تھی۔

معجزہ نمبر ۱۳۔ پہلے[۵] حضور ایک ستون سے سہارا لگا کر خطبہ پڑھا کرتے تھے پھر آپ کے لئے ایک منبر تیار کیا گیا چنانچہ اس منبر پر چڑھ کر آپ خطبہ پڑھنے لگے تو وہ ستون کے فراق میں رونے لگا جس طرح اونٹ بولتا ہے اس کے رونے کی آواز تمام صحابہ نے سنی آپ نے اس کو اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور وہ چپ ہو گیا۔

معجزہ نمبر ۱۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[۶] نے یہودیوں سے فرمایا کہ اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو۔ ساتھ ہی یہ پیشگوئی بھی فرما دی کہ تم ہرگز موت کی تمنا نہیں

۱؎ مسلم بروایت جابر بن عبداللہؓ اور بخاری میں بروایت براء بن عازب منقول ہے۔

۲؎ احمد بروایت نعمان بن مقرن۔ ۳؎ مسلم بروایت سلمہ بن الاکوع۔

۴؎ طبرانی بروایت مروان بن حکیم۔ ۵؎ بخاری بروایت جابرؓ و سہل بن سعد۔

۶؎ بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

کر سکو گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ نہ بول سکے اور نہ موت کی تمنا کر سکے۔ یہ معجزہ سورۃ جمعہ میں مذکور ہے جو تمام روئے زمین کی جامع مسجدوں میں جمعہ کے روز محض اسی معجزہ والی آیت کی عظمت کے لئے پکار کر پڑھی جاتی ہے۔

معجزہ نمبر ۱۵: حضورؐ نے حضرت عثمان غنیؓ کے متعلق یہ بھی خبر دی کہ تم دشمنوں کے بلوے سے شہید ہو جاؤ گے۔ اس شہادت کے بعد تمہارے لئے جنت ہے چنانچہ جو ہوا ایسا ہی ظہور پذیر ہوا۔

معجزہ نمبر ۱۶: حضرت عمارؓ کے متعلق بھی آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ تم کو باغی شہید کر دیں گے چنانچہ حضرت عمارؓ باغیوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

معجزہ نمبر ۱۷: حضرت امام حسنؓ کے متعلق حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ ان کے ذریعے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہو جائیگی۔

معجزہ نمبر ۱۸: ایک شخص نے راہِ خدا میں جہاد کیا حضورؐ نے اس کے حق میں پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص دوزخی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس شخص نے خودکشی کر لی۔ جس سے وہ جہنمی بن گیا۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ جن کا علم سوائے وحی الٰہی کے ہرگز ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا نہ نجوم سے نہ رمل سے نہ فال سے نہ کہانت سے۔ جب آپ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ سراقہ بن جعشم نے آپ کا تعاقب کیا جس کی سزا اس کو یہ ملی کہ اس کا گھوڑا زمین میں دھنس گیا۔ اور ایک دھواں اس کے پیچھے لگ گیا۔ سراقہ نے حضورؐ سے معافی مانگی آپ نے اس کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ آپ کی دعا کی برکت سے اس کا گھوڑا زمین سے باہر نکل آیا۔

معجزہ نمبر ۱۹: حضورؐ نے سراقہ بن جعشم کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ اے سراقہ تیرے ہاتھوں میں کسریٰ بادشاہ کے کنگن پہنائے جاویں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

---

١ بخاری و مسلم بروایت ابی موسیٰؓ۔

٢ مسلم بروایت ابی قتادہ و ام سلمہ و بخاری بروایت ابی سعید۔

٣ بخاری بروایت ابی بکرہؓ۔ ٤ بخاری بروایت ابی ہریرہؓ۔

۵ بخاری و مسلم بروایت صدیق اکبرؓ۔

معجزہ نمبر ۲۰ - اسود عنسی نے صنعاء یمن میں نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا ہوا تھا۔ حضور نے اس کے متعلق پیشگوئی فرمائی کہ یہ شخص فلاں شب کو فلاں شخص کے ہاتھ سے قتل کیا جائیگا چنانچہ اسود عنسی بعینہٖ اسی شب کو قتل ہوا جو حضور کی پیشگوئی میں مذکور تھی۔

معجزہ نمبر ۲۱ - قریش کے سوار حضور کی گھات میں بیٹھے ہوئے تھے آپ کو علم غیبی سے معلوم ہوا۔ تو آپ تشریف لے جا کر خاک کی مٹھی ان کے سر پر پھینک آئے لیکن حضور ان کو نظر نہ آئے۔

معجزہ نمبر ۲۲ - صحابہ کرام[۱] کے روبرو حضور کی خدمت میں ایک اونٹ نے اپنے مالک کی شکایت کی۔ اور آپ کا فرمانبردار ہو گیا۔

معجزہ نمبر ۲۳ - چند صحابہ کرام[۲] حضور کی خدمت اقدس میں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص ایسا ہو جائیگا جس کی داڑھ کوہ احد جیسی ہو جائیگی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ایک تو اسلام سے پھر گیا اور ایک شخص مرتد ہو گیا، اور اُن بدبختی کی حالت میں مارا گیا۔

معجزہ نمبر ۲۴ ایک دفعہ[۳] چند صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر تھے آپ نے ان سے فرمایا کہ تم میں سے جو سب کے بعد مریگا وہ آگ میں مریگا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جو سب سے آخر میں مرا سو آگ میں گر کر مر گیا۔

معجزہ نمبر ۲۵ - ایک دفعہ[۴] حضور علیہ السلام قضاء حاجت (پاخانہ) کو تشریف لے گئے اور پردہ کے لئے دو درختوں کو بلایا چنانچہ دونوں درخت حسب الارشاد آپ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر مل گئے اور آپ کو پردہ کیا جب حضور قضاء حاجت سے فارغ ہوئے۔ تو آپ نے حکم دیا کہ واپس چلے جاؤ چنانچہ وہ دونوں جدا ہو کر جہاں سے تھے وہیں جا کھڑے ہوئے۔

---

۱ [illegible] تفسیر [illegible]۔ ۲ ابن ماجہ بروایت ابن عباس باسناد ضعیف۔

۳ ابو داؤد بروایت عبداللہ بن مسعودؓ۔ ۴ دار قطنی بروایت ابی ہریرہؓ۔

۵ بیہقی و دلائل بروایت ابی محذورہ و ابی ہریرہ۔

۶ [illegible]

معجزہ نمبر ۲۶۔ حضورؐ میانہ قد تھے لیکن لمبے قد والوں کے ساتھ چلتے تو اُن سے بھی لمبے نظر آتے تھے۔

معجزہ نمبر ۲۷۔ حضورؐ نے عیسائیوں کو مباہلہ کی دعوت دی اور فرمایا کہ اگر مباہلہ کے لئے آؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے چنانچہ عیسائی مباہلہ کے واسطے نہ آئے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حضورؐ سچ فرماتے ہیں۔

معجزہ نمبر ۲۸۔ عامر بن طفیل اور اربد بن قیس عرب کے مشہور بہادر آدمی تھے۔ یہ دونوں حضرتؐ کے قتل کرنے کے لئے آئے مگر وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ حضورؐ نے ان کے حق میں بددعا فرمائی چنانچہ عامر جب آپ کی بددعا کے مطابق طاعون سے ہلاک ہو گیا اور اربد پر بجلی گری۔

معجزہ نمبر ۲۹۔ حضرت عمرؓ کا ارادہ تھا کہ آپ ہی کو معاذ اللہ قتل کر دوں لیکن بجائے اس کے انہیں آپ کے ایک ہی وار سے اسلام کی توفیق ہوئی۔

معجزہ نمبر ۳۰۔ حضورؐ کو کسی یہودن نے کھانے میں زہر ملا کر کھلا دیا جس شخص نے آپ کے ساتھ زہر والا کھانا کھایا تھا وہ تو مر گیا اور آپ اس کے بعد چار سال تک زندہ رہے اور بکری کے جس گوشت میں زہر ملا ہوا تھا اس گوشت نے حضورؐ کو اطلاع دی کہ مجھ میں زہر ہے۔

معجزہ نمبر ۳۱۔ جنگ بدر کے روز حضور علیہ السلام نے کفار قریش کے سرداروں کے قتل ہونے کی پیش از وقت پیشگوئی فرمائی اور ایک ایک کا نام لے کر بتایا کہ فلاں یہاں قتل ہوگا۔ اور فلاں کا قتل یہاں ہوگا چنانچہ جو جہاں حضورؐ نے فرمایا تھا وہیں وہ مرا۔

معجزہ نمبر ۳۲۔ حضورؐ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ میری امت کے کچھ لوگ سمندر میں جہاد کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

معجزہ نمبر ۳۳۔ آپ کی خاطر زمین سمیٹ کر مشرق سے لے کر مغرب تک

---

۱ زید بن اسلم اور کلبی نے۔ ۲ بخاری بروایت ابن عباسؓ۔

۳ ابوداؤد بروایت جابرؓ اور صحابہ آپ کے ساتھ تھے ان میں بشر بن البراء تھا۔

۴ مسلم بروایت عمر فاروقؓ۔ ۵ بخاری و مسلم بروایت ام حرام۔

دکھلائی گئی۔

معجزہ نمبر ۴۳۔ آپ نے پیشگوئی فرمائی کہ میری امت کی سلطنت اتنی ہی دور تک جا پہنچے گی جتنی کہ مجھے مشرق و مغرب کی زمین دکھلائی گئی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مسلمانوں کی سلطنت ابتداء مشرق یعنی ملک ترکستان سے لے کر آخر مغرب یعنی بحر اندلس اور ملک بربر تک پھیل گئی اور جنوب اور شمال میں نہ پھیلی جیسا کہ حضور نے فرمایا تھا ویسا ہی ہوا۔[1]

معجزہ نمبر ۴۴۔ حضور علیہ السلام نے اپنی لخت جگر حضرت بی بی فاطمہؓ سے ارشاد فرمایا کہ میرے خاندان میں سب سے پہلے تم مجھے ملوگی یعنی میری وفات کے بعد سب سے پہلے تمہاری وفات ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔[2]

معجزہ نمبر ۴۵۔ حضورؐ نے اپنی ازواج مطہرات بیبیوں سے ارشاد فرمایا کہ جس کا ہاتھ تم میں سے زیادہ خیرات کرے گا۔ وہ مجھے جلد ترملے گی یعنی اس کی وفات میری وفات کے بعد جلد تر واقع ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت زینب بنت جحشؓ دستکاری کر کے خیرات بہت زیادہ کیا کرتی تھیں۔ اس لئے سب بیبیوں سے پہلے انہی کی وفات ہوئی۔[3]

معجزہ نمبر ۴۶۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دودھ نہ دینے والی بکری کے تھن کو ہاتھ لگایا۔ تو وہ بکری بوبرکت آپ کے ہاتھ لگانے کے دودھ دینے لگ گئی چنانچہ یہی معجزہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مشرف باسلام ہونے کا باعث ہوا۔[4]

معجزہ نمبر ۴۷۔ ایک غلام حبشی خوبصورت کے جسم میں ایسی ہی بکری کا اللہ معجزہ ظہور پذیر ہوا۔[5]

معجزہ نمبر ۴۸۔ ایک صحابیؓ کی آنکھ نکل کر گر پڑی۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے وہ آنکھ اپنی جگہ پر رکھ دی۔ تو وہ ایسی صحیح سلامت اور خوشنما ہو گئی۔ کہ ویسی دوسری آنکھ بھی نہ تھی۔[6]

معجزہ نمبر ۴۹۔ خیبر میں حضرت علی مرتضیٰؓ کی آنکھیں دکھنی آگئیں۔ تو آپ نے اپنا لب مبارک

---

۱ مسلم بروایت ثوبانؓ۔

۲ بخاری و مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۳ مسلم بروایت عائشہ صدیقہؓ۔

۴ احمد بروایت ابن مسعودؓ۔

۵ اس کی سند تحقیقات عراقی میں نہیں ملی۔

۶ ابونعیم و بیہقی بروایت قتادہ بن نعمانؓ۔

۷ بخاری و مسلم بروایت علی مرتضیٰؓ۔

۸ بخاری بروایت ابن مسعودؓ۔

حضرت علیؓ مرتضیٰ اور حاتم طائی کے عادات انفرادی طور پر متواتر نہیں ہیں۔ لیکن اگر ان
کے عادات بحیثیت مجموعی دیکھے جاویں۔ تو بیشک حضرت علیؓ کی شجاعت اور حاتم طائی
کی سخاوت یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید کے تواتر یقینی ہونے میں کسی طرح
کا شک و شبہ نہیں ہے۔ اور یہ ایک ایسا زبردست اور ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جو حضورؐ
کے سوا کسی پیغمبر کو نصیب نہیں ہوا۔ کیونکہ تمام پیغمبروں کے معجزات ان کی زندگی تک
محدود تھے۔ لیکن حضورؐ کا یہ قرآنی معجزہ دنیا میں تاقیامت باقی رہیگا۔ آپ نے تمام
فصحاو بلغاء عرب کو بآواز بلند چیلنج دیا۔ کہ اگر تم کو قرآن مجید میں کسی طرح کا شک و شبہ
ہے۔ اور تمہیں عربی زبان کی فصاحت بلاغت میں دعویٰ ہے۔ تو پھر تم بھی قرآن مجید
جیسا فصیح و بلیغ کلام تم بنا نہیں سکتے تو اس جیسی دس سورتیں بنالو بلکہ تم ایک سورت
ہی بنا لاؤ۔ چنانچہ اس آیت قرآنی میں اس چیلنج کا تذکرہ مفصل طور پر موجود ہے۔ —
لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ
لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ۔ یعنی اگر تمام
انسان اور جن باہم ایک دوسرے کے مددگار بن کر اکٹھے ہو جاویں۔ اور اس قرآن
پاک جیسی کوئی کلام بنانی چاہیں تو وہ ہرگز نہیں بنا سکیں گے۔ یہ چیلنج فصحاو بلغاء
عرب کو عاجز کرنے کے لئے فرمایا تھا۔ چنانچہ اس معجزے کے سامنے وہ عاجز ہوئے
اور اپنے آپ کو قتل کرایا۔ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو قید کرایا۔ مگر ان سے یہ نہ ہو سکا۔
کہ قرآن مجید کا معارضہ کریں یا اس کی فصاحت بلاغت وغیرہ میں کسی قسم کا کوئی نقص
یا اعتراض کر سکیں۔ پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد قرآن مجید تمام دنیا میں
مشرق سے لیکر مغرب تک پھیلا اور صدیاں گذر گئیں۔ حتیٰ کہ قریباً پانچ سو برس
گذر گئے ہیں کہ آج تک کوئی شخص اس کے معارضہ پر قادر نہیں ہوا۔ انہیں
حالات ثلاثہ پر موقوف ہے۔ جو شخص حضورؐ کے احوال و اقوال اور افعال و اخلاق
اور معجزات کو دیکھے۔ اور اس کو یہ بھی معلوم ہو جائے کہ حضورؐ کی شریعت اب
تک جاری ہے۔ اور اطراف عالم میں پھیل چکی ہے۔ اور باوجود حضورؐ کے تشریف لے جانے
کے تمام روئے زمین کے بادشاہ آپ کے عہد مبارک میں اور اس کے بعد آپ کے

حاصل ہو گئی ہوں۔ ان سب امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی جو شخص آپ کی صداقت میں کسی طرح کا شک و شبہ کرے۔ وہ بڑا ہی احمق اور بدبخت ہے اور بڑا ہی عقلمند اور نیک بخت ہے وہ شخص جو آپ پر ایمان لائے اور صدق دل سے آپ کی تصدیق کرے اور ہر کام میں آپ کی اتباع اور پیروی کرے آخر میں ہم اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ محض اپنے فضل و کرم سے اخلاق، افعال، احوال و اقوال میں ہمیں حضور پر نور کا متبع اور فرمانبردار بنائے۔ بیشک وہی سننے والا اور دعا قبول کرنے والا ہے۔

تمت

عربی سے اردو ترجمہ کتاب

قسطاس المستقیم

از

امام ہمام حجۃ الاسلام امام محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ

فہرست مضامین

قسطاس المستقیم

اردو ترجمہ کتاب

قسطاس المستقیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد ازاں بندہ مصطفیٰ بن سید محمد القبانی الدمشقی مرحوم ناظرین کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ دمشق کے شاہی کتب خانہ کی کتابوں کو غور سے مطالعہ کرتے وقت بحمد اللہ تعالیٰ کے اس کتب خانے کی ہمیشہ رکھ کر لوگوں کو اس سے نفع پہنچایا ہے۔ اور اس کے وقف کنندہ اور امداد کنندوں سے بحسن سلوک پیش آتے ہیں "القسطاس المستقیم" نام ایک کتاب دیکھی جو حجۃ الاسلام امام ابی حامد الغزالی (اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحم کرے اور ان کے مرقد کو منور کرے) کی تصنیف لطیف ہے۔ اور جس کی تصنیف سے مصنف مرحوم کی غرض یہ تھی کہ حقیقت معرفت معلوم ہو جائے۔ اس کتاب کا باعث تصنیف وہ مناظرہ ہے جو مصنف اور ایک باطنی شیعہ کے مابین ہوا۔ جس میں اس کے عقیدہ کی کجی کو درست کیا اور اس کی عقل اور استعداد کے مطابق گفتگو کر کے اسے جتلا دیا کہ تمہارے بر آوردہ نتائج غلط ہیں۔ دلیل اور نقل سے مناظرہ کر کے کجا ثبات اسے دکھا کر گمراہی سے نکال سیدھی راہ پر لے آئے۔ اور ان سے مختلف ترازوؤں کی کنہ سمجھا دی تاکہ قسطاس المستقیم سے وزن کر سکے۔

چونکہ مصنف علیہ الرحمۃ مسلمہ حجت تھے۔ جن کے بارے میں کوئی بات وہ محقق بھی مختلف الرائے نہیں۔ اور یہ موضوع یعنی معرفت کا ادراک ہر زمانے اور ہر مقام کو پسندیدہ اور مرغوب ہے۔ بلکہ انسان کے لئے اس کا دریافت کرنا واجب ہے اسلئے میں نے اس کتاب کو بغرض ثواب مشتہر کرنا چاہا۔ اور اس کی اشاعت میں یہ غرض بھی تھی کہ چونکہ یہ مفید اور عمدہ کتاب ہے۔ اس لئے اس کا اس طرح ضائع ہو جانا اچھا نہیں۔ لیکن اس کی اشاعت میں یہ دقت پیش آئی کہ اس کتاب کے شروع کے چند

ورق بوسیدہ اور پھٹے ہوئے تھے۔ جن کی تکمیل کے لئے میں نے بہتیرے کتب خانے
چھان مارے لیکن صرف ایک نسخہ برلن میں اور دو اسکوریال میں ہاتھ آئے۔ لیکن ان سے
تصحیح کرنا میری قدرت سے باہر تھا۔ پھر خاص خاص اشخاص کے کتب خانوں میں
اس کی تلاش کرنے لگا۔ اثنائے تلاش میں میری نظر سے اس کا کوئی نسخہ نہ گذرا لیکن
میرے ایک دوست نے کہا کہ اس کا ایک نسخہ استاد سلیم آفندی بخاری کے پاس
ہے۔ جو دمشق کے جید عالم اور جامع فضائل ہیں۔ میں نے کہا میری مراد پوری ہوئی
اور گھر بیٹھے ہی گوہر مقصود ہاتھ آیا۔ اس مطلب کے لئے میں نے ایک شریف طالب علم
رشید وادر کو اس نسخہ کی نقل کے لئے کہا۔ جب وہ نقل کر کے لے آیا۔ تو میں نے
دونوں نسخوں کا مقابلہ کیا۔ اور ایک کامل نسخہ تیار کیا۔ اور اس کے شروع میں مصنف مرحوم
کے کچھ حالات بھی قلمبند کئے۔ اور اس میں ضروری باتیں بھی لکھ دیں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر
و احسان ہے۔ کہ یہ مفید کتاب مکمل ہو گئی۔ جس میں طرح طرح کی خوبیاں ہیں۔ توفیق اور
بھروسہ محض اللہ تعالیٰ پر ہے۔ اور وہی کافی اور عمدہ وکیل ہے۔

مصنّف علیہ الرحمۃ کی مختصر سوانح عمری

آپ کا اسم مبارک محمد ہے۔ اور محمد بن محمد بن احمد الطوسی کے فرزند ارجمند ہیں۔ آپ کی
کنیت ابو حامد غزالی اور لقب حجۃ الاسلام اور محجۃ الدین ہے۔ جس دین کے ذریعہ
دار السلام میں داخل ہو سکتے ہیں۔ آپ کی ذات بابرکات تمام علوم کے اسباب کی جامع
اور معقول و منقول پر حاوی تھی۔ آپ ۴۵۰ھ ہجری میں طوس میں پیدا ہوئے۔ لڑکپن
میں تھوڑا سا علم فقہ اسی شہر میں علی احمد بن محمد رازکانی سے پڑھا۔ پھر جرجان چلے گئے۔
اور امام ابی نصر اسماعیل سے تعلیم حاصل کر کے طوس میں آ گئے۔ اور یہاں تین سال تک
آموختہ کو حفظ کیا۔ پھر نیشاپور جا کر امام الحرمین کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یہاں
مدرسے کی کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ مذہب۔ خلافیات۔ جدل۔ اصول اور منطق میں ماہر
ہو گئے۔ اور حکمت اور فلسفہ کی کتابیں پڑھ کر ان کے مسائل کو بخوبی ذہن نشین کر لیا
پھر ان علوم کی کتابوں کے مصنفوں کی غلطیاں دور کرنے کے درپے ہوئے چنانچہ

ان علوم کے ہر فن پر کتابیں لکھیں۔ آپ اعلیٰ درجہ کے ذکی۔ تیز نظر۔ عجیب فطرت۔ تیز فہم
قوی حافظہ اور غور و خوض کرنے والے تھے۔ دقیق مسئلوں پر غور کرنا آپ ہی کا حصہ ہے
جب سنہ ۴۷۸ ہجری میں امام الحرمین کا انتقال ہو گیا۔ تو آپ چھاؤنی میں وزیر جلیل کے
پاس چلے گئے۔ جس کی مجلس علما کا مجمع اور ماویٰ و پناہ تھی۔ وزیر نے آپ کی بڑی تعظیم و
تکریم کی اور استقبال کیا۔ وزیر کے ہاں جید علما کا مجمع تھا۔ جب کئی بار ان میں مناظرے
مباحثے اور مجادلے ہوا۔ اور ان سب پر آپ کا مرتبہ علمی۔ لیاقت اور ذہانت ظاہر ہو گئی
تو آپ کی فضیلت کا سب نے اقرار کیا۔ اور آپ ہی کا تذکرہ ہر وقت ہونے لگا۔
جب کافی شہرت ہو گئی۔ اور وزیر کو آپ کی فضیلت کی تحقیق ہو گئی۔ تو بغداد کے
مدرسہ نظامیہ میں تعلیم و تدریس کا کام آپ کے سپرد ہوا۔ چنانچہ آپ نے جمادی الاول
سنہ ۴۸۴ھ کو یہ کام شروع کیا۔ اہل عراق آپ کی لیاقت دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ آپ کی
قدر و منزلت لوگوں کی نگاہوں میں اس قدر ہوئی کہ امرا اور اکابر تو درکنار بادشاہوں
سے بھی بڑھ گئی۔ جب آپ کے شاگردوں اور مستفیدوں کا گروہ بکثرت ہو گیا۔ تو
آپ یہ کام چھوڑ ذیقعدہ سنہ ۴۸۸ھ میں حج کو روانہ ہوئے۔ اور اپنی جگہ اپنے بھائی کو
تدریس کے کام پر لگایا۔ جب سنہ ۴۸۹ھ میں دمشق میں واپس آئے۔ تو تھوڑے دنوں میں
چند ہفتے گزار کر بیت المقدس چلے گئے۔ اور مدت تک وہاں رہے۔ پھر جب
دمشق آگئے۔ تو یہاں پورے دس سال جامع مسجد کے مغربی مینار میں رہے۔
اور یہیں پر بہت سی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ کہتے ہیں کہ احیاء العلوم بھی یہیں پر
کی تصنیف ہے۔ لیکن آپ کی اس لیاقت و فضیلت کا کسی کو علم تک نہ ہوا۔ جب
انھیں آپ کی فضیلت کا حال معلوم ہوا۔ تو انھوں نے علمائے دمشق کی مجلس منعقد کرنے
کا ارادہ کیا۔ جس میں علمائے دمشق نے آپ کو بھی بلایا۔ آپ نے فرمایا کل آؤں گا۔
لیکن اُسی رات مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ اور اسکندریہ میں کچھ مدت رہنے کے بعد
مغرب اقصیٰ اندلس کے بادشاہ سلطان یوسف ابن تاشفین کے پاس جانا چاہا۔ یہ پانسو
ہجری کا واقعہ ہے۔ جب اس کی وفات کی خبر سنی۔ تو شہروں میں پھرتے پھراتے
نیشاپور آگئے۔ یہاں نظامیہ مدرسہ میں کچھ عرصہ پڑھانے کا کام کیا۔ پھر شہر طوس میں
آکر اپنے گھر کے پاس فقیہوں کے لئے مدرسہ اور صوفیوں کے لئے خانقاہ بنوائی اور

اپنا تمام وقت کار خیر مثلاً قرآن شریف کا ختم۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مطالعہ۔ تالیف
کتب۔ طلباء کی تعلیم۔ دائمی نماز۔ روزہ اور تمام عبادات وغیرہ کے لئے وقف کر دیا۔
جب آپ کی رحلت کا وقت قریب آپہنچا۔ تو آپ کے ایک اصحابی نے وصیت
کے لئے عرض کیا تو فرمایا۔ اخلاص کا پابند رہنا۔ پھر وضو کر کے صبح کی نماز ادا کی۔ اور
فرمایا میرے لئے کفن درکار ہے۔ چنانچہ کفن لیکر اسے چوم کر آنکھوں پر رکھ کر
فرمایا حکم لیا اور مان لیا میں بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں گا۔ پھر پاؤں
پھیلائے اور رو بقبلہ ہو کر صبح سے پہلے پہلے فوت ہو گئے۔

آپ کی وفات شہر طوس میں بروز اتوار بتاریخ ۱۴ جمادی الاخر ۵۰۵ ہجری کو
ہوئی۔ خراسان کے دو شہروں کو طوس کہا جاتا ہے جن میں سے ایک کا نام طابران اور دوسرے
کا نوقان ہے۔ آپ کا مقبرہ شہر طابران میں ہے۔ آپ کے بعض اشعار حسب ذیل ہیں۔

؎ سقمی فی الحب عافیتی　　　ووجودی فی الھوی عدمی

محبت میں میرا بیمار ہونا گویا میرے آرام کے لئے ہے۔ اور عشق میں میرا وجود گویا میرے
عدم کے لئے ہے۔

وعذاب یرتضون بہ　　　فی فمی أحلی من النعم

جو عذاب مجھے دیا جا رہا ہے۔ وہ میرے منہ میں سرور سے بھی میٹھا ہے۔

ما الضر فی حبکم　　　عندنا واللہ من الضرر

بخدا تمہاری محبت میں کسی رنج و الم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔

ابو المظفر ابیوردی نے آپ کے مرثیے میں حسب ذیل اشعار کہے ہیں۔

بکی علی حجۃ الاسلام حین ثوی　　　من کل حی عظیم القدر اشرفہ

جب حجۃ الاسلام دفن ہو چکے تو ان پر تمام شریف اور عظیم القدر زندہ لوگ رو دیئے۔

فما لمن یمتری فی اللہ عبرتہ　　　علی ابی حامد لاح یعنفہ

مضی واعظم مفقود فجعت بہ　　　من لا نظیر لہ فی الناس یخلفہ

حجۃ الاسلام کا فوت ہونا ایک نہایت بڑی چیز کا گم ہونا ہے۔ کیونکہ انکے بعد
انسانوں میں ان کی نظیر موجود نہیں۔ اس مفقودگی سے دل سخت بے قرار ہیں۔

مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی حسب ذیل تصانیف ہیں

الوسیط۔ البسیط۔ الوجیز۔ الخلاصۃ۔ احیاء علوم الدین۔ المقصد الاسنیٰ شرح الاسماء الحسنیٰ
المستصفیٰ فی اصول الفقہ۔ المنخول فی اصول الفقہ۔ بدایۃ الہدایۃ۔ المآخذ فی الخلافیات
تحصین المآخذ۔ کیمیائے سعادت فارسی (اس کا عربی نسخہ برلن کے کتب خانہ میں ہے)
المنقذ من الضلال۔ القانون المستصفیٰ فی الجدل۔ شفاء العلیل فی مسالک التعلیل۔ الاقتصاد
فی الاعتقاد۔ معیار النظر۔ محک النظر۔ بیان القولین الشافعی۔ مشکوٰۃ الانوار۔ المستظہری
فی الرد علی الباطنیۃ۔ تہافۃ الفلاسفہ۔ المقاصد فی بیان اعتقاد الاوائل وہو اعتقاد
الفلاسفہ۔ الجام العوام عن الخوض فی علم الکلام۔ الغایۃ القصویٰ۔ جواہر القرآن
بیان فضائح الاباحیۃ۔ غور الدور فی المسئلۃ السریجیۃ وہو المختصر الاخیر رجع فیہ عن مصنفہ
الاول المسمی بغایۃ الغور فی درایۃ الدور۔ کشف علوم الآخرۃ۔ العقیدۃ القدسیۃ۔ الفارق
میزان العمل۔ مواہم الباطنیۃ فی الرد علیہم ایضاً۔ حقیقۃ الروح۔ اسرار معاملات الدین
عقیدۃ المصباح۔ المنہج الاعلیٰ۔ اخلاق الابرار والنجاۃ من الاشرار۔ المعراج۔ حجۃ الحق۔
تنبیہ الغافلین۔ المکنون فی الاصول۔ رسالۃ الاقطاب۔ نصیحۃ السلاطین۔ القانون الکلی
(فی التاویل)۔ القربۃ الی اللہ۔ معیار العلم۔ منتحل الثمرات فی اصول القیاس۔ اسرار اتباع
السنۃ۔ تلبیس ابلیس۔ الفتاوی۔ الاجوبۃ المسکتۃ عن الاسئلۃ المبہتۃ۔ عجائب صنع اللہ
رسالۃ الطیر فی رد حلی من طعن بالقاضی القضاۃ تاج الدین السبکی کی کتاب الطبقات الکبریٰ
والوسطی کا اختصار محی الدین الحموی۔ طبقات الشافعیہ پر تقریظ۔ تاریخ وفیات
الاعیان۔ تاریخ ابن الوردی وغیرہ
مندرجہ بالا صرف وہ کتابیں ہیں۔ جن سے لوگ عام طور پر واقف ہیں۔ ان کے
علاوہ اور کتابیں بھی ہیں۔ جن کی واقفیت عام لوگوں کو نہیں۔ وہ حسب ذیل ہیں:۔
فضائل القرآن۔ القسطاس فی اخبار البعث والنشور۔ الامتثال لمشیۃ اللہ تعالیٰ والتحصیل
لہا۔ کشف الاسرار فی سر الاسرار۔ شرح الارشاد۔ السنخ والتسویۃ الحقائق فی الحدائق۔
حل الرموز۔ تحفۃ العلوم۔ الرد الجمیل علی صریح الانجیل۔ شفاء العلیل فیما وقع فی التوراۃ

والانجیل - جامع الحقائق بتجرید العلائق - القسطاس المستقیم (موجودہ کتاب) سر العالمین -
کشف ما فی الدارین - قانون الرسول - التنزل الساحرۃ - ابیات العلوم - الارشاد لمعرفۃ
الاسرار الحروفیۃ - کتاب الحکمۃ - التبر المسبوک فی نصائح الملوک - مخل السلوک فی منازل
الملوک - مقامات العلماء بین یدی الخلفاء والامراء - الکشف والتبیین فی غرور الخلق اجمعین -
تخمیس فی الوحدۃ - الحکمۃ فی المخلوقات - فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقۃ - مخالیط المعزلۃ
الانتصار لمعنی الامام الرازی - الاملاء علی مشکل الاحیاء - المعارف العقلیۃ والحکمۃ الالٰہیۃ -
مقاصد الفلاسفۃ - مکاشفۃ القلوب المقربۃ الی علام الغیوب - التجرید فی کلمۃ التوحید -
معارج السالکین - کنز القوم والسر المکتوم - مذاہب اہل السلف - کلمات تقریر علی الفاظ
(فارسی) - الاجوبۃ الغزالیۃ فی المسائل الاخرویۃ - مفصل الخلاف - الدرج المرقوم فی الجداول
(اس کا ذکر مستدرک میں بھی ہے) ایہا الولد - منہاج العابدین - الدرۃ الفاخرۃ - الموعظۃ فی الاحادیث
القدسیۃ - رسائل فی فتوح القرآن - رسالۃ الغزالی الی ابی الفتح احمد الدیلمی - تفسیر آیۃ الخامسۃ
والعشرین من سورۃ یونس علیہ السلام - رسالۃ فی معرفۃ اللہ تعالیٰ - نور الشمعۃ فی بیان ظہر الجمعۃ -
المضنون بہ علی غیر اہلہ (مصنف کے ساتھ ہی دفن کیا گیا) رسالۃ فی العبادات - رسالۃ
فی بیان العلم اللدنی - رسالۃ فی حقائق العلوم لاہل الفہوم - رسالۃ الطیر - مقدمۃ الغزالیۃ
انتخاب فلسفیات - الغایۃ والنہایۃ (یہ مجموعہ قصائد ہے جو رسول علیہ السلام کی تعریف میں ہیں)۔
مذکورہ بالا تصنیفات مختلف ممالک کے مختلف کتب خانوں میں پائی جاتی ہیں۔
جو شخص انکی تفصیل معلوم کرنی چاہے۔ اسے بروکلمن کی تاریخ آداب اللغۃ العربیۃ
ووسٹنفلڈ کی مدارس العرب اور کرشن صاحب کی حیاۃ الغزالی و مولفاتہ مطالعہ کرنی
چاہئیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلے میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہوں۔ بعد ازاں جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتا ہوں۔ بعدہٗ عرض پرداز ہوں کہ بھائیو! کیا تم میں سے کوئی میری اس رام کہانی کو سُنے گا۔ جو میرے اور میرے ایک اہلِ تعلیم ہمراہی کے مابین گذری۔ اس رفیق نے سوال و جدال سے مجھے تنگ کر دیا اور عجیب و غریب باتیں پیش کیں۔ جو گفتگو ہم میں ہوئی۔ اُسے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔

رفیق۔ میں تمہیں کمالِ معرفت کا مدعی دیکھتا ہوں۔ کس ترازو سے معرفت کی حقیقت کا وزن کرتے ہو؟ آیا رائے اور قیاس کے ترازو سے جو نہایت مشتبہ اور خلاف ہے۔ اور اس سے لوگوں میں جھگڑا ہوتا ہے۔ یا تعلیم کے ترازو سے۔ بہرحال تمہارے لئے کسی امامِ معصوم کا اتباع لازم ہے۔ لیکن امامِ معصوم کی طلب تم میں پائی نہیں جاتی۔

مصنف۔ رائے اور قیاس کے ترازو کی نسبت میری یہ رائے ہے۔ کہ یہ شیطانی ترازو ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے بچائے۔ میرے اصحاب میں سے جو شخص مجھ کو میزانِ معرفت خیال کرے میں اللہ تعالیٰ سے التجا کروں گا۔ کہ ایسے شخص کے شر سے دین کو محفوظ رکھے۔ کیونکہ ایسا شخص دین کے لئے جاہل دوست ہے جو عاقل دشمن سے بدتر ہوتا ہے
اگر کسی کو اہلِ تعلیم کے مذہب کی سعادت نصیب ہو۔ تو اسے پہلے طریق جدل قرآن کریم سے سیکھنا چاہئے۔ جہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ لوگوں کو اپنے پروردگار کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحتوں کے ذریعہ لاؤ اور نیک طریقہ سے اُن سے مجادلہ کرو۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف حکمت سے بلائے جاتے ہیں۔ وُہ اور ہیں۔ اور جو وعظ و نصیحت کے ذریعے بلائے جاتے ہیں اور ہیں۔ اور جو بذریعہ مجادلہ بلائے جاتے ہیں وُہ اور ہیں۔ پس اگر اہلِ نصیحت کو حکمت سکھائی جائے۔ تو ایسی ہی مضر پڑتی ہے۔ جیسے شیر خوار بچے کو پرندوں کا گوشت۔ اگر اہلِ حکمت سے مجادلہ کا استعمال کیا جائے۔ تو وُہ اس سے ایسی ہی نفرت کرینگے۔ جیسے طاقتور آدمی انسان کا دُودھ

چیئے ہے۔ اگر اہل جدل سے عمدہ طور سے جیسا کہ قرآن شریف سکھلاتا ہے۔ مجادلہ کیا
جائے تو ایسا ہی ہے جیسے بدوی کو گیہوں کی روٹی۔ بدوی کھجور کے سوا کسی چیز کی رغبت نہیں
کرتا۔ اور شہری کھجور کے کو پسند نہیں کرتا صرف گیہوں کو پسند کرتا ہے۔ کاش میرے
اس مقابل کو وہ عمدہ طریقہ و تسلی معلوم ہوتی۔ جس کا ذکر قرآن شریف میں حضرت ابراہیم
خلیل اللہ کے قصہ میں یوں ہوا ہے۔ کہ جب آنحضرت نے اپنے دشمن نمرود سے مجادلہ کیا
اور نمرود نے پوچھا تیرا پروردگار کون ہے۔ تو جناب نے فرمایا۔ ربی الذی یحیی و یمیت
یعنی میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ لیکن جب دیکھا کہ یہ دلیل
اس کے مناسب نہیں۔ کیونکہ نمرود نے دو شخص بلا کر ایک کو قتل اور دوسرے کو رہا کر کے کہا
کہ دیکھو میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ اس واسطے جھٹ پلٹ کر اس کی سمجھ
اور طبیعت کے موافق یہ فرمایا۔ ان اللہ یأتی بالشمس من المشرق فأت بها من المغرب
فبہت الذی کفر "اللہ تعالیٰ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تجھ سے
ہو سکتا ہے تو مغرب سے نکال۔ یہ سنکر نمرود حیران رہ گیا۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ
علیہ السلام نے بہت جھگڑا نہ کیا۔ بلکہ اسے جتا دیا کہ مردے کو زندہ کرنے کا مطلب سمجھنے
میں تو نے غلطی کھائی ہے۔ کیونکہ اس کا خیال تھا کہ قتل کرنا مار دینا ہے۔ اس مجادلہ
و مناظرہ کی تحقیق نمرود کی طبیعت کے موافق اور اس کے عقیدہ قلبی کی حد کے مناسب نہ تھی
لیکن آنحضرت کا ارادہ نمرود کے واسطے کا نہ تھا۔ بلکہ زندہ کرنے کا تھا۔ موافق غذا کھلانا
زندہ کرتا ہے اور سخت جھگڑا جو اس کے ناموافق ہو۔ فنا کرتا ہے۔ یہ وہ دقائق ہیں جو
سوائے تعلیم کے نور کے معلوم نہیں ہو سکتے جو علم نبوت کے اشراق سے روشن ہے۔
اسی واسطے اہل بطالت اس سے محروم ہیں۔ کیونکہ وہ مذہب تعلیم کے بھید سے محروم ہیں۔
رفیق۔ جبکہ تم نے ان کی راہ کو دشوار گذار اور ان کی دلیل کو بیہودہ کہا ہے۔ تو پھر
بتاؤ اپنی معرفت کو کس چیز سے وزن کرتے ہو؟

مصنف: میں اسے قسطاس المستقیم یعنی نہایت ہی ٹھیک اور صحیح ترازو سے
وزن کرتا ہوں۔ جس کا حق ہونا اور استقامت دونوں مجھ پر ظاہر ہے۔ اور یہ بات جناب
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہوئے قرآن شریف سے جو آنحضرت صلعم
پر نازل ہوا معلوم ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے وزنوا

بالقسطاس المستقیم یعنی صحیح اور درست ترازو سے جانچو۔

رفیق۔ قسطاس المستقیم کونسی ہے؟

مصنف۔ وُہ پانچ ترازو ہیں جن کا ذکر قرآن شریف میں ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کو ان سے وزن کرنا سکھایا ہے۔ سو جس نے جناب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے وزن کرنا سیکھا اور میزان الٰہی سے وزن کیا اس نے ہدایت پائی اور جو ان سے گمراہ ہوکر رائے اور قیاس کی طرف دوڑا وہ گمراہ اور مردود ہو گیا۔

رفیق۔ قرآن شریف میں ترازوؤں کا کہاں ذکر ہے؟ یہ سراسر جھوٹ اور بہتان ہے۔

مصنف۔ کیا تو نے وہ قول الٰہی نہیں سنا۔ جو سورۃ الرحمٰن میں فرمایا ہے وھو ھذا ۔ الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان علمہ البیان...... ووضع المیزان ان لا تطغوا فی المیزان واقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان۔ ترجمہ: خدائے رحمٰن ہے جس نے قرآن شریف سکھایا۔ انسان کو پیدا کیا اور پھر اُسے بیان سکھایا ...... ترازو وضع کیا۔ تاکہ تم ترازو کے استعمال میں کمی بیشی نہ کرو اور وزن ٹھیک ٹھیک کرو۔ سو کم نہ تولو۔ کیا تم نے سورۂ حدید کی یہ آیت نہیں سنی؟ لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط "ہم نے اپنے رسولوں کو ظاہر نشانیاں دیکر بھیجا ہے اور کتاب اور میزان اُن پر اتارتے ہیں۔ تاکہ لوگ عدل و انصاف کریں" کیا تمہارا خیال ہے کہ جس ترازو کا ذکر کتاب کے ساتھ ہوا ہے وہ سونا چاندی یا جَو اور گیہوں تولنے والا ترازو ہے یا کیا تمہارا وہم ہے۔ کہ اس آیت میں والسماء رفعھا ووضع المیزان میں جس ترازو کا ذکر ہے وہ کانٹا اور ایک پلڑے والا ترازو ہے۔ ایسا خیال راستی سے بہت گرا ہوا اور یہ وہم محض بہتان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے دل میں ہٹ دھرمی سے کام نہ لو۔ یقین جانو یہ ترازو اللہ تعالیٰ کی شناخت۔ اس کے فرشتوں۔ کتابوں۔ رسولوں اور ملکوت کا ترازو ہے۔ تاکہ تم اس سے وزن کرنے کی ترکیب اس کے انبیاء سے سیکھو جس طرح کہ انہوں نے اس کے فرشتوں سے سیکھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ معلم اوّل ہے اور جبرائیل معلم دوم اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم معلم سوم۔ تمام مخلوقات رسولوں سے معرفت الٰہی کی راہ سیکھتی ہے۔ کیونکہ ان کے بغیر اور کوئی طریقہ نہیں۔

رفیق۔ تمہیں کس طرح معلوم ہوا کہ یہ ترازو درست یا غلط ہے؟ کیا عقل اور نظر سے معلوم

کیا وہ اگر ایسا کیا تو عقلیں مختلف ہُوا کرتی ہیں۔ یا علم معصوم صادق سے جو جہان میں پاتی ہے
رہتا ہے۔ اگر ایسا ہے۔ تو پھر سوال زیب ہے۔ جس کی طرف میں تمہیں بلاتا ہوں۔

مصنف۔ سے میں نے تعلیم کے ذریعے معلوم کیا ہے۔ لیکن اس معاملے میں
میرے امام جناب محمد مصطفیٰ بن عبداللہ بن عبدالمطلب صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگرچہ
میں نے آنحضرت صلعم کی زیارت تو نہیں کی لیکن میں نے آپ کی تعلیم کو شائع بذریعہ تواتر
مجھ تک پہنچی۔ اور اس تعلیم پر مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہیں آنحضرت کی تعلیم
قرآن شریف ہے۔ اور قرآن شریف میں مذکورہ ترازوؤں کی سچائی بھی نفس قرآن سے
معلوم ہوتی ہے۔

رفیق۔ اپنی دلیل بیان کرو۔ قرآن شریف سے مذکورہ ترازوؤں کو بیان کرو اور بتاؤ
کہ نفس قرآن سے ان کی سچائی اور درستی کیونکر معلوم ہوئی؟

مصنف۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صحت تم کیونکر معلوم
کرتے ہو۔ کیونکہ ایسا معلوم کرنا تمہارے ذہن میں فرض ہے۔ اس واسطے کہ اگر تم نے کسی کا
قرض دینا ہو تو پورا پورا ادا کرو۔ اور اگر تم نے کسی سے لینا ہو تو جو زیادتی تھوڑا پورا لو۔ جب
تم سناروں کے بازار میں جا کر ترازو اور وزن لیتے ہو یا کانٹا تو کس طرح معلوم کر سکتے ہو کہ
کچھ بیشی نہ لیا دیا جائے؟

رفیق۔ مسلمانوں پر نیک ظن رکھنا چاہیے۔ وہ لوگ جب تک ترازو کو درست نہیں کر لیتے لین
دین نہیں کرتے۔ اگر بالفرض مجھے ترازو کی صحت میں شک ہو تو میں اسے پکڑ اٹھا کر اس کے
پلڑوں اور ڈنڈی کی طرف دیکھتا ہوں۔ اگر ڈنڈی بالکل متوازی الافق ہو اور کوئی پلڑا جھکا
ہُوا نہ ہو اور بالکل مقابل ہوں تو سمجھ لیتا ہوں کہ ترازو ٹھیک ہے۔

مصنف۔ فرض کرو سوئی بھی سیدھی کھڑی ہے اور پلڑے بھی مقابل ہیں۔ اور ڈنڈی
بھی متوازی الافق ہے۔ پھر تم کیونکر معلوم کرتے ہو کہ ترازو صحیح ہے۔

رفیق۔ میں یہ بذریعہ اس ضروری علم کے معلوم کرتا ہوں۔ جو مجھے دو مقدموں
سے حاصل ہوا ہے۔ ان مقدموں میں سے ایک تجربی ہے۔ اور دوسرا حسی۔ تجربی یہ کہ مجھے
بذریعہ تجربہ معلوم ہوا ہے۔ کہ بھاری چیز نیچے کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور جو زیادہ بھاری
ہوگا وہ زیادہ جھکیگا۔ پس اگر ایک پلڑا زیادہ بھاری ہوگا تو وہ نیچے کی طرف جھک جائیگا

یہ مقدمہ کلیہ تجربہ بضرورتاً مجھے حاصل ہوا ہے۔ دُوسرا مقدمہ یہ ہے کہ یہ ترازو آنکھ سے دیکھ کر
معلوم ہوتا کہ اس کا کوئی پلڑا جھکا ہوا نہیں۔ بلکہ دونوں متوازی واقع ہیں۔ یہ مقدمہ حسی ہے
جسے میں نے آنکھ سے مشاہدہ کیا۔ سو مجھے دو پہلے مقدموں میں شک ہے نہ دُوسرے میں
ان دونوں مقدموں سے ایک ضروری نتیجہ میرے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ ترازو
درست ہے۔ اگر کوئی پلڑا بھاری ہوتا۔ تو ضرور وہ جھکا ہوا ہوتا۔ اور اب محسوس ہوتا ہے
کہ جھکا ہوا نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ وہ بھاری نہیں۔

مصنف۔ یہ تو محض قیاس اور رائے ہے۔

رفیق۔ افسوس! یہ ضروری علم یقینی مقدمات سے حاصل ہوا ہے۔ جن کا یقین تجربہ
اور حس سے ہوا ہے۔ پھر اسے رائے اور قیاس کیونکر کہہ سکتے ہیں۔ رائے اور قیاس تو
ظنی امور ہی ہوتا ہے۔ یہ یقین کو کیونکر رد کر سکتے ہیں۔ اور میں ایسا کرنے میں یقین کو رد
کرنا محسوس کرتا ہوں۔

مصنف۔ مگر دلیل سے تمہیں ترازو کی صحت معلوم ہو جائے۔ تو پھر تم پلڑوں وغیرہ کی
صحت کا اندازہ کیونکر کرو گے؟ ممکن ہے وہ صحیح بنانے کی کوشش ہوں۔

رفیق۔ اگر مجھے صحیح بنانے میں شک پڑ جائے تو میں انہیں اس پلڑے سے اندازہ کروں گا جو
معیار مسلمہ کئے گئے ہیں۔ اگر وہ اُن کے مساوی ہوں گے۔ تو جان لوں گا کہ صحیح ہیں۔ اور ان
سے جن چیزوں کا وزن کیا جائے گا۔ وہ بھی درست اور پورا ہوگا۔ کیونکہ یہ ایک مسلمہ
امر بدیہی ہے کہ جو چیزیں ایک چیز کے مساوی ہوں وہ باہم مساوی ہوتی ہیں۔

مصنف۔ کیا تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ اوّل میں پہلے کس شخص نے ترازو کو وضع کیا
اور یہ کہ اس سے وزن کی کس نے معلوم کیا!

رفیق۔ نہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ نہ مجھے اس کی ضرورت کیوں ہوئی۔ جبکہ ترازو کی صحت
مجھے معلوم کرتا آئی ہے۔ جو میں مشاہدہ سے کر سکتا ہوں۔ اسی طرح ترازو کو وضع کرنے والے
کی مراد یہی تھی کہ ترازو کی صحت اور اس سے وزن کرنا آ جائے۔ سو مجھے معلوم ہے جیسا کہ
میں ظاہر کر چکا ہوں۔ اور میں اسے پہچان گیا ہوں۔ اب مجھے یہ بات معلوم کرنے کی
ضرورت نہیں۔ کہ ترازو کا وضع کنندہ کون تھا۔ کیونکہ میرا وقت بیجا کرنا محض طوالت ہے
اور نہ ہی ہر وقت اس پر غالب آ سکتے ہیں۔ حالانکہ مجھے اس کی پرواہ نہیں۔

مصنف - میں خوب جانتا ہوں کہ تجھے ترازو کی تحقیق ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔
لیکن میں اور بھی زیادہ وثوقیت کرانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میرے معلومات اس بارے میں
زیادہ ہیں۔ مجھے اس کا وضع کنندہ۔ معلّم۔ استعمال کنندہ وغیرہ معلوم ہیں۔ اس کا وضع
کنندہ اللہ تعالیٰ اور معلّم جبرائیل اور استعمال کنندہ حضرت خلیل۔ جناب سرورِ کائنات
صلے اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام ہیں۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے
گواہی دی ہے۔ کہ واقعی وہ اس کے استعمال میں پکے اور ماہر ہیں۔ کیا تو اس بات کو
مان کر سچ جانتا ہے!

رفیق - ہاں۔ کیونکر اسے سچ نہ مانوں۔ جبکہ تم نے اسے مجھ پر ظاہر کر دیا۔

مصنف - اب میں تجھ میں عقل و دانائی کی خصلت بتاتا ہوں۔ میری یہ بھی خواہش
ہے کہ تیرے مذہب کی حقیقت تجھے سمجھا دوں۔ اب میں تجھے قرآن مجید میں ذکر
کردہ پانچ ترازو بتاتا ہوں۔ تاکہ تمہیں تمام اماموں سے بے نیاز کر دوں۔ اور صرف
تم جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام مانو تمہارا ہتھیار قرآن شریف اور
معیارِ مشاہدہ ہو۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں جن ترازوؤں کا ذکر ہے۔ اصل میں تین
ہیں۔ میزان التعادل۔ میزان التلازم۔ میزان التعاند۔ لیکن میزان التعادل کی تین قسمیں
ہیں۔ اکبر۔ وسطیٰ اور اصغر۔

موازین التعادل میں سے میزان اکبر کا بیان

رفیق - موازین التعادل میں سے پہلے مجھے میزان اکبر سمجھاؤ۔ اور یہ جو مختلف ترازوؤں کے
نام رکھے ہیں مثلاً تعادل۔ تلازم۔ تعاند۔ اکبر۔ اوسط اور اصغر ان کی تشریح کرو۔ کیونکہ گو
مجھے اس میں تو کلام نہیں ہے کہ ان کی تحت میں دقیق معانی مضمر ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ القاب
مجھے عجیب و غریب معلوم ہوتے ہیں۔

مصنف - ان القاب کے معنی تو اس وقت تک نہیں سمجھ سکو گے جب تک میں
ان کی تشریح نہ کروں گا۔ اور تم ان کے معنی نہ سمجھو گے۔ اس کے بعد ان کے حقائق تمہیں
معلوم ہوں گے۔ پہلے میں تمہیں بتاؤں گا۔ کہ یہ ترازو صورت میں تو ظاہری ترازو سے ملتے ہیں

لیکن حقیقت میں دونوں ملتے جلتے ہیں۔ کیونکہ وہ ترازو جس کا ذکر میں کرنے کو ہوں روحانی
ہے۔ پس وہ جسمانی کے برابر کب ہو سکتی ہے۔ اور نہ ہی ان کا مساوی ہونا لازم آتا ہے
جبکہ جسمانی ترازو بھی مختلف شکل و وضع کے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض ایک پلڑے
والے اور بعض دو والے اور نہایت نازک۔ اصطرلاب حرکات فلکی کی پیمائش کا ترازو ہے
اور مسطر سطروں کا بُعد ناپنے کا آلہ۔ شاقول دیواروں کی سدھائی اور کجی معلوم کرنے کا
ترازو۔ اگرچہ ان کی صورتیں مختلف ہیں لیکن ایک بات میں مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ ان میں کمی
بیشی معلوم کی جاتی ہے۔ بلکہ علم عروض شعر کا ترازو ہے جس سے شعروں کے وزن
معلوم ہو سکتے ہیں۔ اور سالم اور مزاحف میں تمیز ہو سکتی ہے۔ جسمانی ترازوؤں سے
بہ زیادہ نازک ہے۔ لیکن پھر بھی اجسام کے علائق سے بری نہیں کیونکہ یہ آوازوں کا
ترازو ہے۔ اور آواز جسم کے متعلق ہے۔ سب سے نازک اور سخت ترازو قیامت کے
دن کا ترازو ہے۔ جس سے بندوں کے اعمال عقائد اور معارف وزن کیے جائیں گے۔
معرفت اور ایمان کا تعلق اجسام سے نہیں بلکہ روح سے ہے۔ اور اسی واسطے ان کا
ترازو بھی محض روحانی ہے۔ اور قرآن شریف کے ترازو بھی روحانی معرفت کیلئے نہیں۔
لیکن عالم شہادت میں غلاف سے ڈھپے ہوئے ہیں۔ اس غلاف سے مراد ان کا اجسام
سے تعلق ہوتا ہے۔ اگر جسم نہ ہوتا۔ تو اس جہان میں غیر کی تعریف ناممکن تھی۔ حرف آواز
سے ہو سکتی۔ سو آواز جسمانی ہے۔ یا لکھ کر اور وہ رقوم ہیں جن کا نقد وغیرہ کسی جسمانی چیز
پر لکھی جاتی ہیں۔ یہ بمنزلہ غلاف کے ہیں جو اس کے عوارض ہیں۔ لیکن فی نفسہ وہ محض روحانی
ہے۔ اسے اجسام سے کوئی علاقہ نہیں۔ کیونکہ اس سے معرفت الٰہی وزن کی جاتی ہے۔
جو عالم اجسام سے خارج اور جہت و طرف کی نسبتوں سے پاک ہے۔ اور اجسام کے
نفس سے بعد بہا منفصل ہے۔ لیکن باوجود ان تمام باتوں کے پھر بھی اس میں عام ترازو
کی طرح عمود اور پلڑے برابر موجود ہیں۔ یہ سب کچھ میزان التعادل میں ہے۔ لیکن
میزان التلازم ایک پلڑے والے ترازو سے ملتی جلتی ہے۔ کیونکہ اس کا بھی ایک ہی
پلڑا ہے۔ اس کی دوسری طرف گولا ہوتا ہے۔ جس سے فرق مقادیر معلوم ہوتا ہے۔
رفیق۔ آخر اس رزم کہانی کا مطلب؟ وعدہ ہی وعدہ ہے۔ وعدہ وفا کا نام نہیں
مصنف۔ جلدی مت کرو۔ صبر سے کام لو۔ تعجیل از مرگ کیوں وفا کرتے ہو۔ یہ

کہ تو میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔ جلدی کا کام شیطان کا اور آہستگی کا کام رحمٰن کا۔

صنو! میزان اکبر حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوٰۃ اللہ علیہ کی ہے۔ جیسے آنحضرت نے

نمرود کے معاملہ میں استعمال کیا۔ اس معاملہ سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ترازو ہے۔

لیکن قرآن شریف کے وسیلہ سے۔ اس کی مفصل کیفیت یوں ہے۔ کہ جب نمرود نے خدائی

دعویٰ کیا۔ اور اسے یہ بات معلوم تھی۔ کہ خدا ہر چیز پر قادر ہوتا ہے۔ اس وقت حضرت

ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا میرا پروردگار معبود حقیقی ہے۔ کیونکہ وہ مارتا اور

زندہ کرتا ہے۔ اور وہ ان دونو باتوں پر قادر ہے۔ لیکن تو ان دونو پر بھی قادر نہیں۔ نمرود

نے اس کے جواب میں کہا۔ کہ میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔ لیکن نمرود کی

مراد زندہ کرنے اور مارنے سے نطفہ کو بچانا اور انسان کو قتل کرنا تھی۔ چونکہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام تاڑ گئے۔ کہ یہ مسئلہ یوں اس کی سمجھ میں آنے کا نہیں۔ جھٹ پہلو بدل کر

فرمایا۔ اللہ تعالیٰ سورج مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو واقعی قادر ہے تو مغرب سے

نکال۔ چونکہ نمرود عاجز ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ کہ یہ ہماری وہ دلیل صحیح ہیں جو ہم نے

ابراہیم کو دی تھی۔ اس قول سے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قول میں حجت اور برہان

ہے۔ جب آنحضرت کے ترازو کو دیکھا۔ اور اس کے وزن کی کیفیت پر غور کیا۔ تو جس

طرح تم نے سونا چاندی تولنے والے ترازو میں دو پلڑے دیکھے اسی طرح میں نے اس حجت

میں دو اصول دیکھے۔ جن کے ملنے سے نتیجہ یعنی معرفت نکلا۔ جو قرآن شریف میں بسبب

ایجاز حذف کیا گیا ہے۔ اس میزان کی پوری صورت شکل یوں ہے۔ جو شخص سورج

کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ وہ معبود حقیقی ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ میرا معبود طلوع

کرنے پر قادر ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونو کے ملنے سے یہ ضروری نتیجہ برآمد ہوتا

ہے کہ اے نمرود! میرا معبود تو نہیں بلکہ اور ہے۔ اب یہ دیکھو کہ کیا یہ ممکن ہے۔ کہ دونو

اصولوں کا اعتراف کرے اور نتیجہ پر شک کرے یا ان دونو اصولوں پر شک کرے

یہ ممکن نہیں کیونکہ ہمارا یہ قول کہ معبود سورج کے طلوع کرنے پر قادر ہے۔ اصل ٹھیک ہے

اس میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک معبود وہ ہے۔ جو ہر شے پر

قادر ہو۔ اور سورج کا نکلنا بھی ایک شے ہے۔ یہ اصل بوضع و اتفاق سے معلوم ہے۔

ہمارا دوسرا قول کہ جو سورج نکالنے پر قادر ہے وہ تیرے علاوہ اور معبود ہے۔ یہ مشاہدہ
سے معلوم ہوا ہے۔ کیونکہ نمرود اور ہر دوسری زندگی کی عاجزی سورج کے متحرک کرنے کے
بارے میں ایک حسی امر ہے۔ معبود سے مراد وہ ذات ہے جو سورج کو حرکت دیتی
ہے اور اسے نکالتی ہے۔ پس جانئے دونوں قولوں سے جن میں سے ایک وضع سے
معلوم اور متفق علیہ ہے۔ اور دوسرا مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے۔ یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔
کہ نمرود حرکت دینے پر قادر نہیں۔ ان دونوں اصولوں کی واقفیت کے بعد ہم اس نتیجے
پر پہنچے ہیں۔ کہ نمرود معبود نہیں ہے اور یہ کہ معبود حقیقی صرف ذات الٰہی ہے۔ اب تم
غور کرو۔ اور بتاؤ کیا یہ اصول ان مقدمات تجربی اور حسی سے جن پر سونے چاندی
کے ترازو کی بنا رکھی گئی تھی۔ زیادہ واضح ہیں یا نہیں؟

متعلم — یہ پہچان لازمی اور ضروری ہے۔ اب میرے لئے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ان
دونوں اصولوں پر شک کروں۔ یا ان سے برآمدہ لازمی نتیجہ پر شبہ کروں۔ لیکن اتنی
بات ضروری ہے۔ کہ یہ ترازو صرف ایسے ہی موقع پر اور ایسے ہی طریقہ پر جس طرح
حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے استعمال کیا مفید ہو سکتا ہے۔ اور یہ نمرود کی خدائی کی
تردید اور معبود حقیقی کی خدائی کی تائید میں مستعمل ہو سکتا ہے۔ اس سے باقی کے مشکل
معارف کا کیونکر موازنہ کر سکتا ہوں۔ اور حق و باطل میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔

مصنف — جو شخص ترازو سے سونا تول سکتا ہے۔ وہ اس ترازو سے چاندی اور جواہرات
کا بھی وزن کر سکتا ہے۔ کیونکہ وزن دار چیز کا وزن کرتا ہے۔ خواہ سونا ہو خواہ چاندی
اسی طرح اس دلیل سے ہم پر صرف اس کے عین کی شناخت ظاہر ہوتی ہے۔ بلکہ بہت
سے حقائق میں سے ایک حقیقت اور بہت سے معانی میں سے ایک معنی اب ہم غور
کرتے ہیں۔ کہ جب اس سے یہ نتیجہ لازمی طور پر نکلتا ہے۔ اور ہم اس کی روح کو لیتے ہیں
اور اس خاص مثال سے علیحدہ کر کے اس سے جہاں چاہیں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اور
یہ لازم آتا ہے کہ صفت کا حکم موصوف پر ضروری ہوتا ہے۔ اس کا بیان یوں ہے۔ کہ
میرا پروردگار نکالنے والا ہے۔ اور نکالنے والا معبود ہے۔ پس ان سے لازم آتا ہے۔ کہ
میرا پروردگار معبود ہے۔ نکالنے والا پروردگار کی صفت ہے۔ نکالنے والا ہونا معبود
ہونے کی علامت ہے۔ اس واسطے میرا پروردگار معبود ہے۔ اسی طرح ہر ایک موقع پر

جیسے شے کی صفت اور اس سے اس کی شناخت حاصل ہو سکتی ہے جس سے موصوف کی شناخت بآسانی ہو سکتی ہے۔

رفیق۔ اس کا سمجھنا میری سمجھ کے لئے مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اگر بالفرض مجھے دعویٰ میں شک پڑ جائے۔ تو پھر میں اس شک کو کیونکر رفع کروں؟

مصنف۔ اس کا مقررہ معیار سے مقابلہ کرو۔ جیسا کہ سونا چاندی تولنے والے ترازو کی صورت میں کرتے ہو۔

رفیق۔ میں کہاں سے مقررہ معیار لوں۔ اور اس فن میں مقررہ معیار کونسا ہے؟

مصنف۔ اس میں مقررہ معیار وہ ضروری یقینیات ہیں۔ جو یا حسی ہیں یا تجربی یا عقلی یقینیات ہیں۔ دیکھو۔ کیا تم خیال کرتے ہو۔ کہ صفت سے موصوف معلوم نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہے۔ مثلاً جب تمہارے سامنے سے ایک پھولے ہوئے پیٹ والا حیوان (خچر) گزرے۔ اور پاس سے ایک شخص کہے۔ کہ یہ خچر حاملہ ہے۔ تو کیا تم اسے یہ نہیں کہو گے کہ خچر بانجھ ہوا کرتی ہے۔ یہ بچہ نہیں جنتی۔ تو وہ کہیگا کہ یہ تو ٹھیک ہے کیونکہ مجھے اس بات کا تجربہ ہے۔ کہ خچر بچہ نہیں جنتی۔ پھر تم اس سے پوچھ سکتے ہو کہ کیا یہ خچر نہیں۔ وہ کہیگا ہاں یہ خچر ہے۔ کیونکہ اس کے خچر ہونے کا علم مجھے بذریعہ حس حاصل ہے۔ پھر تم پوچھ سکتے ہو۔ کہ کیا تمہیں معلوم ہے۔ کہ یہ حاملہ نہیں۔ تو وہ بالضرور کہیگا۔ کہ اس میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔ جبکہ وہ اصول معلوم ہیں۔ جن میں سے ایک حسی ہے دوسرا تجربی۔ پھر خچر کا بانجھ ہونا ان سے بطور ایک ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ جس طرح کہ ترازو کے بارے میں اس کی صحت کا اندازہ ایک تجربی یعنی بھاری چیز جھک جاتی ہے۔ اور حسی ہے کہ کوئی پلڑا ایک دوسرے سے بھاری نہیں۔

رفیق۔ اب میں واضح طور پر سمجھ گیا ہوں۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ کہ صفت کے حکم سے موصوف کا حکم لازم آتا ہے۔

مصنف۔ ذرا سوچو۔ تمہارا یہ قول کہ یہ خچر ہے وصف ہے۔ اور صفت خچر ہے؛ اور تمہارا یہ قول تمام خچر بانجھ ہیں حکم ہے۔ اس خچر پر جس کی صفت بانجھ ہوتا ہے۔ پس خچر سے موصوف ہونے سے اس کا بانجھ ہونا لازم آتا ہے۔ اسی طرح یہ مثال لو۔ تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ کیڑے بھی حیوان ہیں۔ جب ان دو باتوں میں کسی کی

قسم کا شبہ نہیں۔ تو اِن سے جو نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ کیڑے بھی صاحب حس ہیں۔ اس میں
کیونکر شبہ ہو سکتا ہے۔ اس (قیاس اقترانی) کا طریق یوں ہے۔ تمام کیڑے حیوان ہیں۔
تمام حیوان صاحب حس ہیں۔ پس تمام کیڑے صاحب حس ہیں۔ کیونکہ تمہارا یہ قول کہ
تمام کیڑے حیوان ہیں کیڑوں کی صفت ہے۔ اس واسطے کہ وہ حیوان ہیں۔ اور حیوان ہونا
ان کی صفت ہے۔ جب حیوانات پر احساس کا حکم لگ چکا ہو۔ خواہ وہ احساس جسمانی ہو
یا غیر جسمانی۔ تو اس میں کیڑے ضرور داخل ہیں۔ اس میں کسی قسم کے شک شبہ کی گنجائش نہیں
ہاں یہ شرط ضروری ہے۔ کہ صفت موصوف کے مساوی ہو یا اس سے عام۔ حتیٰ کہ حکم
موصوف پر مشتمل ہو۔ ایک اور مثال سنو۔ جس شخص نے اس نظر فقہی کو تسلیم کیا ہے۔
کہ ہر قسم کی شراب منشی ہوتی ہے اور ہر ایک منشی شے حرام ہے۔ پھر کوئی وجہ ہے
کہ ہر قسم کی شراب کے حرام ہونے میں شک کرے۔ کیونکہ منشی ہونا شراب کی صفت ہے
اور اس پر تحریم کا حکم ہے۔ جو شراب پینے کا اس میں موصوف بھی ضروری داخل ہوگا۔
اسی طرح تمام نظریات کا حال ہے۔

رفیق۔ اب میں سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ضروری ہے کہ دو اصولوں کے مناسب طور سے ملنے
سے ایک ضروری اور لازمی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ اور یہ کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات
اللہ علیہ کی برہان صحیح اور آنحضرت کا ترازو درست ہے۔ نیز یہ بھی آپ نے سمجھا
دیا۔ کہ اس ترازو کی حد، حقیقت، معیار کیا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے۔ کہ میں مشکل
اور فقہی امور میں اس ترازو کا استعمال سیکھ جاؤں۔ کیونکہ جو مثال آپ نے دی ہے۔ یہ
بنفسہ واضح ہے۔ اس کو ترازو اور برہان کی ضرورت نہیں۔

مصنف۔ افسوس! بعض مثالیں بنفسہ معلوم نہیں بلکہ وہ دو اصولوں کے ملنے سے پیدا
ہوتی ہیں۔ مثلاً یہ حیوان بانجھ ہے۔ اس وقت تک معلوم نہیں ہوتا۔ جب تک بذریعہ
حس یہ نہ جانا ہو کہ یہ خچر ہے۔ اور بذریعہ تجربہ اسے معلوم نہ ہو۔ کہ خچر نہیں جنتی ان
دو اصولوں میں سے پہلی بنفسہ واضح ہے۔ لیکن اس کا دو اصولوں ماں اور باپ سے
پیدا ہونا ضروری ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ بھی بنفسہ واضح نہیں بلکہ بذریعہ غیر واضح
ہے۔ حس سے دو اصول واضح ہیں۔ لیکن پھر بھی تجربے اور مشاہدے کے بعد۔ اسی
طرح شراب کا حرام ہونا بنفسہ واضح نہیں۔ بلکہ بھی دو اصول کا نتیجہ ہے۔ جس میں

ایک یہ ہے کہ شراب نشئی شے ہے۔ اور یہ بات تجربہ سے معلوم ہوئی ہے۔ دُوسری یہ
ہے کہ ہر نشئی شے حرام ہے۔ اور یہ بات شارع صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئی ہے
پس یہ ہے اس ترازو سے وزن کرنے کی کیفیت۔ اگر تم اس سے بھی زیادہ نازک
مثال لینا چاہو۔ تو بے شمار مل سکتی ہیں۔ ہم نے اس ترازو سے بے شمار غوامض کا وزن
کیا ہے۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ وُہ یہ ہے کہ انسان منجملہ حادث ہیں
کیونکہ اس کا سبب اور صانع ہے اور عالم ہے۔ اور وُہ صانع عالم بھی ہے۔ میں کہتا
ہوں ہر ایک جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ عالم یا انسان کا اختصاص اسی قدر ہوتا ہے
جس قدر وُہ جائز ہو۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس کا کوئی سبب ہے۔ اس نتیجہ پر کوئی
شک نہیں کر سکتا۔ جس نے کہ دونوں اصولوں کو تسلیم کر لیا ہے اور ان دونوں کو پہچان لیا ہے
لیکن اگر ان دونوں اصولوں پر شک ہے۔ تو وُہ دونوں اصول الگ الگ کسی اور اصولوں کا نتیجہ
ہیں۔ حتیٰ کہ اس طرح کرتے کرتے یقینیات تک پہنچ جائیں گے۔ جن میں کسی قسم کے شک
وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ علوم حقیقی ولیسے علوم خاصہ جلیلہ کے اصول ہیں۔ وُہ بمنزلہ
بیج ہیں۔ ان سے پھل وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جو انہیں بوئے پرورش کرے اور
دو دو کو ملا کر ان سے نتیجہ پیدا کرے۔

اگر تم یہ کہو کہ مجھے ان دونوں اصولوں پر شک ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا۔ کہ ہر ایک
جائز کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ اور یہ کہ انسان کا اختصاص مقدار مخصوص سے جائز
ہے۔ لیکن واجب نہیں تو میں کہونگا کہ میرا یہ قول کہ ہر ایک جائز کا سبب ہوتا ہے
بالکل واضح ہو جائیگا۔ جب تم جائز کے معنی سمجھو گے۔ جائز سے میری مراد یہ ہے
کہ جو مساوی دو قسموں میں مشترک ہو۔ جب دو چیزیں مساوی ہوں۔ تو پھر ان میں سے
ایک عدم و وجود دونوں سے مخصوص نہیں ہوگی۔ کیونکہ جو ایک چیز کے لئے ثابت ہوگا۔
وُہ دوسرے کے لئے ضرور ہوگا۔ ندریہ ایک یقینی امر ہے۔ اور میرا یہ قول کہ اس قدر
انسان کا اختصاص جائز ہے واجب نہیں ایسا ہی ہے جیسے میں کسی کو کہوں کہ خط جسے کاتب
نے لکھا ہے اور اس کی مقدار مخصوص ہے جائز ہے۔ کیونکہ خط بحیثیت خط ہونے کے
اس کی کوئی خاص مقدار مقرر نہیں۔ بلکہ اس سے چھوٹا اور بڑا خیال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن
خاص مقدار سے مخصوص ہونا اور وُہ لمبا ہو یا چھوٹا اس بات کو ظاہر کرتا ہے۔ کہ ضروری

اس کا فاعل کوئی ہے۔ کیونکہ اس کی مقادیر متساوی ہیں۔ اور یہ ضروری ہے۔ جیسے انسانی
شکل میں مقادیر کا تناسب۔ اس کی اطراف کا متساوی ہونا۔ پس ضروری ہے کہ انسان
کا بنانے والا کوئی ہو۔ اس سے ترقی کر کے ہم یہ کہیں کہ اس کا فاعل عالم بھی ہے۔ تو
درست ہے۔ کیونکہ جو فعل مرتب اور محکم ہو اس کا فاعل ضرور عالم ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی وجود
کی بناء مرتب و محکم ہے۔ اس لئے اس کی ترتیب اور تدبیر کو ضرور فاعل کے علم سے منسوب
کیا جائیگا۔ یہ دونوں اصول ہیں۔ جب ان میں تمہیں شک نہیں۔ تو ان سے جو نتیجہ نکلتا
ہے۔ ضرور ہے کہ اس میں شک و شبہ نہ ہوگا۔ ان دو اصولوں میں سے ایک یہ ہے۔ کہ
انسانی بنیاد مرتب و محکم ہے۔ یہ بات اعضاء کے تناسب اور ہر ایک عضو کا کسی خاص
مطلب کے لئے بنائے جانے مثلاً ہاتھ پکڑنے کے لئے، پاؤں چلنے کے لئے۔
وغیرہ اور اعضاء کی تشریح سے معلوم ہوتی ہے۔ مرتب اور منظوم کا علم کی طرف محتاج
ہونا بھی واضح ہے۔ اس میں شک و شبہ نہیں۔ عقلمند آدمی اس بات پر شک
نہیں کرتا کہ باقاعدہ خط اسی کا ہوتا ہے جو علم کتابت کا عالم ہو۔ گو وہ قلم کے ذریعے
لکھا جاتا ہے جسے وہ نہیں جانتا۔ اسی طرح عمارات مفیدہ مثلاً گھر، حمام وغیرہ
وہی شخص بنا سکتا ہے جو تعمیر کے کام کا عالم ہو۔ پس اگر کسی شے میں شبہ پڑ بھی
جائے تو اس کے رفع کرنے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ ان سے جو اوپر واضح اصول ہیں ان کی
طرف چلو۔ حتیٰ کہ یقینیات اور بدیہیات تک پہنچ جاؤ۔ اس کی تشریح ہماری علت
غائی نہیں۔ بلکہ ہماری غرض تو یہ ہے کہ یقینیات کو اس طرح ملا کر ان سے نتائج نکالیں
جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نکالا۔ اور یہ ترازو حقیقت کی پہچان کیلئے
مفید ہو سکے۔ اس کا بطلان گویا اس تعلیم کا بطلان ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء
کو دی اور نیز اس تعریف کا جھٹلانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی کی۔ وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ گو راستے وحی ہو یا نہ ہو لیکن تعلیم ضرور ہی ہے
اس کے جھٹلانے میں سراسر راستے اور تعلیم دونوں کا جھٹلانا ہے ۔

میزانِ اوسط کے بیان میں

رفیق۔ میں میزانِ اکبر، اس کی حد، اس کا معیار، اس کی حقیقت اور اس کا استعمال سب سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے بتائیں کہ میزانِ اوسط کیا شے ہے؟ اس کی تعلیم کہاں سے حاصل ہوتی ہے؟ کس نے اسے وضع کیا؟ اور کس نے اسے استعمال کیا؟

مصنف۔ میزانِ اوسط بھی حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ نے استعمال کی جبکہ آنحضرت نے فرمایا۔ لا احب الآفلین۔ میں غروب ہونے والے سے پیار نہیں کرتا۔ اس ترازو کی مفصل کیفیت یوں ہے چاند غروب ہوتا ہے۔ معبود غروب نہیں ہوتا۔ لیکن قرآن شریف میں ایجاز و اختصار سے کام لیا۔ لیکن معبود کی نفی کا علم چاند سے براہ راست حاصل نہیں ہوتا۔ جب تک ان دو اصولوں سے واقف نہ ہو اور وہ یہ ہیں۔ چاند غروب ہونے والا ہے۔ اور معبود غروب نہیں ہوتا۔ جب ان دونوں اصولوں سے واقف ہو جاؤ گے۔ تو پھر چاند سے معبود کی نفی سمجھ جاؤ گے۔

رفیق۔ اس بیان میں تو مجھے شک نہیں کہ چاند معبود نہیں۔ کیونکہ یہ دو مشہور اصولوں سے بطور نتیجہ نکلتا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ چاند غروب ہونے والا ہے۔ جو ایک حسی امر ہے۔ لیکن معبود غروب نہیں ہوتا۔ یہ ضروری ہے ذہنی۔

مصنف۔ اس ترازو کے بیان سے میری یہ غرض نہیں۔ کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ چاند غروب ہونے والا نہیں۔ بلکہ یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں کہ یہ ترازو صحیح اور درست ہے۔ اور اس سے یوں شناخت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ علم اس ہلکے میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تھا۔ وہ یہ تھا کہ معبود غروب نہیں ہوتا۔ اگرچہ یہ علم اولیات سے ہیں۔ بلکہ یہ بھی دو اصولوں کا نتیجہ تھا۔ وہ یہ کہ معبود متغیر نہیں ہوتا۔ اور ایک متغیر حادث ہوتا ہے۔ اور غروب ہونے والا متغیر ہوتا ہے۔ ان سے نتیجہ نکلتا ہے کہ معبود غروب نہیں ہوتا۔ وزن کی بنا معلوم ہو گئی۔ تو تم بھی ترازو لیکر استعمال کرو۔ تا کہ تمہیں بھی دو اصولوں سے علم حاصل ہو۔

رفیق۔ میں بالضرور سمجھ گیا ہوں۔ کہ یہ ترازو سچا ہے۔ اور یہ شناخت دو اصولوں کا

اوزن تمہیں بہت ہے۔ لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس ترازو کی معرفت حقیقت کی تمیز کرو۔ یہ
مشہور و معروف بحث کے معیار کی تشریح سمجھ لو۔ بعد ازاں شکوک اور باریک معاملات
میں اس کا استعمال بتاؤ۔ کیونکہ چاند کا معبود ہونا ایک واضح امر ہے۔

مختصر۔ اس کی حد یہ ہے۔ کہ ہر ایک شے اس وصف سے موصوف ہوتی ہے۔ لیکن
ایک کا وصف دوسرے سے مسلوب ہوتا ہے۔ اور وہ دونوں الگ الگ ہوتے ہیں
ایک دوسرے سے وصف کو مسلوب کرتا ہے۔ لیکن خود اس وصف سے موصوف نہیں
ہوتا۔ میزان اکبر کی حد یہ تھی کہ جو علم پر صادق آتا ہے وہ خاص پر بھی صادق آتا ہے۔
لیکن میزان اوسط کی حد یہ ہے۔ کہ جو ایک کے لئے نفی ہے تو دوسرے کو ثابت
کرتی ہے۔ معلوم غیر سے الگ ہوتی ہے۔ مثلاً معبود اپنے آپ سے غروب ہونے
کی نفی کرتا ہے۔ لیکن چاند غروب ہونے کا اثبات کرتا ہے۔ پس یہ اختلاف معبود
اور چاند میں ہے۔ کہ چاند معبود ہے نہ معبود چاند ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ترازوؤں سے وزن
کرنا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں بہت سے موقعوں پر
سکھایا۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سکھایا تھا۔ میں صرف دو موقعوں پر
اکتفا کروں گا۔ باقی قرآن شریف کی آیتوں میں سے معلوم کر لینا۔ ان دو میں سے ایک
یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا قول فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق کا ادب ان کے واسطے
فرمایا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ سو اللہ تعالیٰ نے قسطاس مستقیم
سے ان کے خطاب کے اظہار کی کیفیت انہیں سکھائی۔ چنانچہ فرمایا قل فلم یعذبکم
بذنوبکم اس کی مفصل کیفیت یوں ہے۔ کہ بیٹے عذاب نہیں دئے جاتے۔ اور تم
عذاب دئے جاتے ہو۔ پس تم بیٹے نہیں۔ یہاں دو اصل ہیں۔ بیٹے عذاب نہیں دئے
جاتے۔ یہ بذریعہ تجربہ معلوم ہوتا ہے اور تم عذاب دیئے جاتے ہو بذریعہ مشاہدہ معلوم
ہوتا ہے۔ ان دونوں سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تم بیٹے نہیں۔ ایک اور موقع پر قرآن
مجید میں فرمایا ہے۔ قل یا ایہا الذین ھادوا ان زعمتم انکم اولیاء للہ من دون الناس
فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولا یتمنونہ ابدا بما قدمت ایدیھم۔ اے محمد!
آپ یہود کو کہہ دو کہ اگر تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کا دوست خیال کرتے ہو۔ تو موت
کی خواہش کرو بشرطیکہ تم سچے دوست ہو۔ اور اپنے اعمال کا احسان ہرگز اسے جتاؤ

یہاں واسطے فرمایا کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے دوست ہونے کا دعویٰ کیا۔ اور یہ ظاہر ہے
کہ دوست دوست کے دیدار کی خواہش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہ اس موت کے
خواہشمند نہیں۔ جو دوست کے دیدار کا سبب ہے پس اس سے ضروری نتیجہ نکلتا ہے
کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں۔ اس میزان کی مفصل صورت یوں ہے ہر ایک دوست
اپنے دوست کے لقا کی خواہش کرتا ہے۔ لیکن یہودی اللہ تعالیٰ کے لقا کی خواہش نہیں کرتے
پس ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ یہودی اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں اس ترازو کی حد
یہ ہے۔ کہ دوست تمنا سے موصوف ہوتا ہے۔ اور یہود سے اس وصف کی نفی کی گئی ہے
پس ولی اور یہودی بالکل مختلف ہوئے۔ کیونکہ جو صفت ایک میں پائی جاتی ہے دوسرے
میں نہیں۔ پس نہ ولی یہودی ہو سکتا ہے نہ یہودی ولی۔ اس ترازو کے متفرعہ بحث
میرے پاس نہیں۔ جبکہ تم یار ہو اس قدر وضاحت کے اس کے محتاج ہو۔ اگر تم بطور
مدد چاہتے ہو۔ تو میں بتائے دیتا ہوں۔ دیکھو! جب تمہیں معلوم ہے۔ کہ پتھر جماد
ہے۔ اور یہ بھی تمہیں معلوم ہے کہ انسان جماد نہیں۔ تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ
انسان پتھر نہیں۔ کیونکہ جمادیت پتھر کے لئے ثابت ہے اور انسان سے جمادیت کی نفی
ہے۔ پس ضروری ہے کہ انسان پتھر سے الگ ہے۔ اور پتھر انسان سے الگ۔
پس کوئی انسان پتھر نہیں۔ اور کوئی پتھر انسان نہیں۔ ہر ایک موقع پر اس کا استعمال
ہو۔ اس کی مثالیں بکثرت ہیں۔ معرفت کا ایک پہلو تقدیس ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو بعض
باتوں سے پاک سمجھنا اس قسم کے تمام معارف اسی ترازو سے وزن کئے جاتے ہیں۔
حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے اس ترازو کو تقدیس کے موقع پر استعمال کیا۔ اور
تمہیں بھی اس سے وزن کرنا سکھایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے جسمیت کی نفی کی۔ اور
یوں ہے اللہ تعالیٰ جوہر متحیز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ معلول نہیں۔ اس واسطے کہ ہر ایک
متحیز جو خاص چیز سے مخصوص ہوتا ہے معلول ہے۔ پس اس سے لازمی نتیجہ برآمد ہوتا
ہے۔ کہ وہ جوہر نہیں۔ اور یہ کہنا کہ وہ عرض بھی نہیں بایں طور ثابت ہوتا ہے کہ عرض حی اور
عالم نہیں ہوتا لیکن معبود حی اور عالم ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ عرض نہیں۔ اسی طرح
تقدیس کے تمام معلومات کی شناخت دو مقدموں کو ملا کر ان سے نتیجہ نکالا جا سکتی ہے
ان دو مقدموں میں سے ایک سالبہ ہوتا ہے جس کا مضمون نفی ہو اور دوسرا موجبہ جس کا مضمون

ثابت ہو۔ اور ان سے جو نتیجہ برآمد ہوگا وہ بالضرور یقینی اور تشکیک سے پاک ہوگی۔

میزان اصغر کے بیان میں

رفیق۔ میزان اوسط و اکبر کو تو میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ اب مجھے میزان اصغر اسکی حد، اس کا معیار، اس کا موقع استعمال وغیرہ سمجھائیے۔

مصنف۔ میزان اصغر ہم نے اللہ تعالیٰ سے سیکھی ہے۔ جبکہ اس نے جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں یوں سکھایا۔ قولہ تعالیٰ وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسیٰ نورا وھدی للناس۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہ قدر نہ کی۔ جبکہ انہوں نے کہا۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی چیز انسان پر نازل نہیں کی۔ سو اے محمدؐ! ان سے یہ تو پوچھ کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے اور جو انسانوں کے واسطے سراسر نور اور ہدایت تھی کس نے اتاری؟ اس ترازو سے وزن کرنے کا طریق یوں ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ انسان پر وحی نازل نہیں ہوتی جھوٹ ہے۔ کیونکہ مندرجہ ذیل دو اصول کے نتیجہ سے اس کا بطلان ثابت ہے۔ وہ اصول اور ان کا نتیجہ یہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام بشر تھے۔ موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی۔ ان دو سے یہ ضروری اور خاص نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض انسانوں پر کتاب نازل ہوئی ہے۔ اور اس سے یہ باطل ہوجاتا ہے کہ انسان پر کتاب نازل ہی نہیں ہوتی۔ ان دو اصولوں میں سے پہلا موسیٰ علیہ السلام بشر تھا حس سے ہے۔ دوسرا موسیٰ علیہ السلام پر کتاب نازل ہوئی یہ ان کے اعتراف سے معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ توریت کی بعض باتیں چھپاتے تھے۔ اور بعض ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تبدونھا وتخفون کثیرا۔ یہ صرف ہمارا ہی بطریق احسن فرمایا ہے۔ اور مجادل کی خاصیت بھی یہ ہے کہ اس میں دو اصول ہوں جنہیں حریف تسلیم بھی کرتا ہو اور ہوں بھی مشہور۔ اگر ان میں غیر مسلم کے لیے شک کا امکان ہو۔ تو نتیجہ یہ کہ وہ اس کا معترف ہو۔ قرآن شریف کی اکثر دلیلیں اسی قسم کی ہیں۔ اگر تمہارے دل میں بعض اصول اور مقدمات کی نسبت شک پیدا ہو۔ تو یاد رکھو اس کا

اصل مقصود یہ ہے کہ بار بار ایسے دلائل پیش کئے جائیں جن میں کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو۔
تمہارا اصل مقصود یہ ہے کہ اس ترازو سے تمام موقعوں پر وزن کرسکو۔ اس کا بیان یہ
ہے۔ اگر کوئی کہے کہ حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا۔ اسے کہو کہ سانپ بھی حیوان
ہے جو بغیر پاؤں کے چلتا ہے۔ اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ بعض حیوان بغیر پاؤں کے
چلتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ کوئی حیوان بغیر پاؤں کے چل نہیں سکتا، باطل ہے۔ اس
ترازو کے استعمال کے مواقع بکثرت ہیں۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ ہر ایک جھوٹ بُرا ہے تو
ہم اسے کہیں گے کہ اگر کوئی شخص کسی نبی یا ولی کو ظالم سے چھپائے۔ اور ظالم اس سے
پوچھے کہ کہاں چھپایا ہے۔ اور وہ نہ بتائے۔ اور کہہ دے کہ مجھے معلوم نہیں ہے
یہ تو سراسر جھوٹ ہے لیکن بُرا نہیں۔ کیونکہ اگر وہ سچ بولتا تو نبی یا ولی مارا جاتا۔ اس کا یہ کہنا
بُرا تھا۔ بہ نسبت جھوٹ بولنے کے۔ ہم اسے کہتے ہیں کہ میزان کی طرف دیکھ۔ ایک اصل
تو یہ ہے کہ موقع پر چھپا دینا جھوٹ ہے۔ یہ اصل معلوم ہے۔ دوسرا اصل یہ برا نہیں اس
سے نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر ایک جھوٹ برا نہیں۔ اب سوچو کیا تمہیں اس نتیجہ میں شک
ہے جبکہ ان دونوں اصولوں کو مانتے ہو۔ اور کیا اس سے زیادہ واضح ہے۔ جو تم نے میزان
تعدیل میں بعد ازیں تجربی اور حسی بیان کیا تھا۔ اس ترازو کی اصول یہ ہے کہ دو صفتیں ایک
شے کے لئے تسلیم کی جاتی ہیں بعض ان میں سے ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے لازم
نہیں آتا کہ تمام سے موصوف ہو۔ بلکہ بعض احوال میں ہو سکتا ہے اور بعض میں نہیں۔ مثلاً انسان
میں حیوانیت اور جسمانیت دونوں ہیں۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ بعض جسم حیوان ہیں۔
لیکن یہ لازم نہیں آتا کہ تمام جسم حیوان ہیں۔ علاوہ ازیں یہ ممکن ہے کہ دو صفتیں جمع ہوں۔ کیونکہ
جب ایسی صفت سے موصوف ہو جو ہر حالت میں ضروری نہ ہو۔ اس سے ضروری معرفت
حاصل نہیں ہوتی۔

رفیق: میں یہ تینوں میزان سمجھ گیا ہوں۔ لیکن یہ معلوم نہیں ہوا کہ ان کو اکبر، اوسط اور
اصغر سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

مصنف: سنو! اس واسطے کہ اس سے بہت سی چیزوں کا وزن ہو سکتا ہے۔ اور
اصغر اس کے خلاف۔ اوسط دونوں کے بیچ بیچ۔ میزان اکبر سب سے وسیع ہے۔ کیونکہ
اس سے عام و خاص کا اثبات و نفی ہو سکتی ہے۔ یعنی پہلی قسم کے معارف وزن

کئے جا سکتے ہیں۔ دوسرے ترازو سے صرف نفی لیکن عام و خاص دونوں۔ تیسرے سے
صرف خاص۔ خاص معارف جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے۔ کہ جب دو وصف ایک چیز میں
ہوں۔ تو جس چیز میں ان میں کا ایک وصف ہو۔ وہ صرف جزوی طور پر دوسرے میں شامل ہوتی
ہے۔ اس واسطے اس ترازو کو اصغر کہا گیا ہے۔ اب رہا شیطان کے ترازوں سے حکم
عام کا وزن کرنا۔ جس سے اہل تعلیم نے بعض معارف کو وزن کیا۔ اور جسے حضرت ابراہیم
خلیل صلوات اللہ علیہ میں داخل کیا جہاں پر فرشتے ہیں مثلاً آسمانوں
انشاء اللہ عنقریب ہی میں ان کا ذکر کروں گا۔

میزان التلازم کے بیان میں

رفیق۔ میں میزان تعادل کی تینوں قسموں سے واقف ہو گیا ہوں۔ اب مجھے میزان تلازم
کا مطلب سمجھائیے۔

مصنف۔ یہ میزان حسب ذیل قول نبی سے مستفاد ہے: لو کان فیھما آلھۃ الا
اللہ لفسدتا۔ قل لو کان معہ آلھۃ کما یقولون اذاً لابتغوا الی ذی العرش سبیلا۔
علواً کبیراً۔ اس ترازو کی صورت کی تحقیق یوں ہے: اگر جہان میں دو معبود
ہوتے تو بگاڑ ہوتا۔ یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جہان میں بگاڑ نہیں۔ یہ دوسرا
اصل ہے۔ ان دونوں سے یہ ضروری نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ دو معبود نہیں بلکہ ایک ہے۔ نیز
اگر صاحب عرش کے ساتھ کوئی اور معبود ہوتا۔ تو صاحب عرش کی طرف رستہ کی خواہش
کرتے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ وہ خواہش نہیں کرتے۔ پس اس سے اس
معبود کی نفی لازم آتی ہے جو صاحب عرش کے سوا ہے۔ اس ترازو کا معیار معلوم مثالوں
سے یوں کیا جاتا ہے۔ اگر سورج نکلا ہو تو ستارے چھپ جاتے ہیں۔ یہ بات تجربے
سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر اگر ہم کو کہ سورج نکلا ہوا ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے کہ ستارے
چھپے ہوئے ہیں۔ نیز اگر ہم یہ جانیں کہ فلاں شخص نہیں کھاتا۔ تو سمجھو کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا
ہے۔ اور یہ بات تجربے سے معلوم ہوتی ہے۔ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ اس نے کھانا
کھایا ہے۔ یہ حس سے معلوم ہوا ہے۔ تو تجربہ اور حس کی دو معلوموں سے یہ ضروری نتیجہ

برآمد ہوتا ہے۔ کہ اس کا پیٹ بھرا ہوا نہیں۔ پوشیدہ اور دیرفہم مقام پر بکثرت استعمال ہوتا
ہے۔ حتیٰ کہ جب نقیض کہتا ہے۔ کہ اگر غائب کا نتیجہ صحیح ہے تو اس سے صریح الزام
لازم آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہے۔ کہ تصریح الزام لازم نہیں۔ تو اس سے نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ
صحیح نہیں۔ پہلا اصل استقراء شرعی سے معلوم ہوتا ہے جو ظن کے لئے مفید ہے۔
اگرچہ وُہ علم کے لئے مفید نہیں اور دوسرا حریف کے تسلیم کرنے اور اس کی مدد سے نظریات
میں ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر جہان کی بناوٹ اور آدمی کی ترکیب مرتب۔ عجیب اور مضبوط
ہے۔ تو اس کا بنانے والا ضرور عالم ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ جہان و انسان کی بناوٹ اور
ترکیب عجیب اور مرتب ہے۔ کیونکہ ہم تفصیل سے دیکھا دیکھتے ہیں۔ پس اس سے لازم آتا
ہے۔ کہ ان کا بنانے والا عالم ہے۔ جب اس سے ہم ترقی کرتے ہیں۔ تو کہتے ہیں۔ کہ اگر
ان کا بنانے والا عالم ہے۔ تو وُہ زندہ بھی ہے۔ سو چونکہ میزان اول سے معلوم ہے کہ وُہ
عالم ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ وُہ زندہ ہو۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ اگر وُہ زندہ اور عالم ہے
تو ضرور وُہ بذات خود قائم ہے۔ نہ کسی اور کی مدد سے چونکہ پہلی دو میزانوں سے معلوم
ہے کہ وُہ زندہ اور عالم ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے وُہ بذات خود قائم ہے۔ اسی طرح ہم آدمی
کی ترکیب کی صنعت سے اس کے بنانے والے کی صفت تک ترقی کرتے ہیں یعنی معلوم
کرتے ہیں۔ کہ اس کا بنانے والا عالم ہے۔ پھر علم سے زندگی اور زندگی سے ذات تک ترقی
کرتے ہیں۔ اور یہ وُہ عالی ترقی ہے۔ یہ ترازو آسمان پر چڑھنے کے لئے اور آسمان سے
خالق آسمان تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں ہیں۔ اور یہ اصول ان سیڑھیوں کے پائے
ہیں۔ جسمانی معراج ہر ایک قوت سے نہیں ہو سکتا۔ یہ نبوت کی قوت سے ہی مخصوص ہے
اس ترازو کی حد یہ ہے کہ جو باتیں کسی خاص چیز کے لئے لازم ہیں وُہ ہر حال میں اس کی
تابع ہیں۔ اس واسطے لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی لازم آتی ہے۔ اور ملزوم کے وجود سے
لازم کا وجود واجب آتا ہے۔ لیکن ملزوم کی نفی اور لازم کے وجود سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں
ہوتا۔ بلکہ یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس سے بعض اہل علم اپنی معرفت کو وزن کرتے ہیں تم
جانتے ہو کہ نماز کی درستی کے لئے نمازی کا پاک ہونا لازم ہے۔ پس تمہارا یہ کہنا درست
ہوگا کہ اگر زید کی نماز صحیح ہے تو وُہ پاک ہے۔ لیکن اگر معلوم ہو۔ کہ وُہ پاک نہیں جو لازم
کی نفی ہے۔ تو اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اس کی نماز درست نہیں۔ جو ملزوم کی نفی ہے

اسی طرح اگر تم کہو کہ چونکہ اس کی نماز درست ہے۔ جو ملزوم کا وجود ہے اس لئے وُہ پاک ہے جو لازم کا وجود ہے۔ یہ تو درست ہے۔ لیکن اگر تم یہ کہو کہ چونکہ وُہ پاک ہے۔ اس لئے لازم آتا ہے کہ اس کی نماز درست ہو۔ ایسا کہنا غلطی ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس کی نماز کسی اور وجہ سے باطل ہو گئی ہو۔ اور یہ لازم کا وجود ہے۔ یہ ملزوم کے وجود پر دلالت نہیں کرتا۔ اسی طرح اگر تم کہو۔ کہ چونکہ اس کی نماز درست نہیں اس لئے وُہ پاک نہیں۔ یہ بھی غیر لازمی غلطی ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کسی اور شرط کی کمی سے نماز درست نہ رہی ہو۔ یہ ملزوم کی نفی ہے۔ لیکن اس سے لازم کی نفی لازم نہیں آتی۔

میزان التعاند کا بیان

رفیق۔ اب مجھے بتاؤ کہ میزان التعاند کیا چیز ہے۔ اور قرآن شریف میں سے اس کا مقام۔ اس کا پرکھنا اور موقع استعمال سمجھاؤ۔

مصنف۔ قرآن شریف میں اس کا مقام یہ قول آیا ہے۔ خدا تعالیٰ۔ قل من یرزقکم من السموات والارض قل اللہ وجناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کو سکھاتے ہوئے فرماتا ہے کہ اے محمد کہدے کہ آسمان اور زمین سے تمہیں کون رزق پہنچاتا ہے۔ اور کہدے کہ اللہ تعالیٰ اور میں یا تم ہدایت پر ہیں یا گمراہی میں۔ لیکن انا و ایاکم کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ اس میں تسویہ اور تشکیک ہے۔ بلکہ اس میں دوسرا اصل چھپا ہوا ہے۔ اور وُہ یہ ہے کہ ہم اپنے قول میں بے شک خدا تعالیٰ ہی تمہیں آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے گمراہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی آسمان سے مینہ اتار کر اور زمین میں سے نباتات اُگا کر تمہیں رزق دیتا ہے۔ سو تم اس بات سے انکار کرکے گمراہ بنے ہو۔ اس میزان کے کمال کی صورت یوں ہے۔ وانا او ایاکم لعلی ہدی او فی ضلال مبین۔ میں یا تم گمراہ ہو۔ یہ ایک اصل ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ ہم گمراہ نہیں۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں کے ملانے سے ضروری نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ کہ تم گمراہی میں ہو۔ مشہور ضابطوں سے اس کا پرکھنا اس طرح پر ہے۔ فرض کرو ایک شخص ایسے مکان میں داخل ہوتا ہے۔ جس میں دو کوٹھڑیاں ہیں۔ اگر ہمیں ایک کوٹھڑی میں وُہ نہ ملے۔ تو ہم جانتے ہیں کہ وُہ دوسری میں ضرور ہوگا۔ یہ نتیجہ بھی دو اصولوں سے

ملا کر بنا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک کوٹھڑی میں ضرور ہے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ اس
کوٹھڑی میں بالکل نہیں۔ ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے
اس واسطے کہ جب ہمیں ایک کوٹھڑی میں نہیں ملتا۔ تو وہ دوسری میں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ
لیتے ہیں۔ لیکن اگر دوسری میں جا کر آنکھوں سے نہ بھی دیکھیں تو بھی ہم اس میزان سے
معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ ضرور دوسری کوٹھڑی میں ہے۔ یہ علم میزانی ہوگا۔ جو بمنزلہ
آنکھوں سے دیکھنے کے ہوگا۔ اس میزان کی حد یہ ہے۔ اگر کوئی چیز دو قسموں میں منحصر ہو
تو ایک میں ہونے سے دوسری میں نفی لازم آتی ہے۔ اور ایک کی نفی سے دوسری کا
اثبات لازم آتا ہے۔ لیکن یہ ضروری شرط ہے کہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ کیونکہ قسم منتشر
سے وزن کرنا شیطانی فعل ہے۔ بعض اہل تعلیم ایسے موقعوں پر اپنے کلام کو اسی سے وزن
کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہم قول اصح میں فصل الخلاف کے جواب اور کتاب مستظہری وغیرہ
میں کر دیا ہے۔ پوشیدہ اور دیرفہم موقعوں پر اس کے استعمال کا کچھ ٹھکانا نہیں۔ اور
شاید نظریات کا اکثر حصہ اسی سے وزن کیا جاتا ہے۔ مثلاً موجودات ہی کو لو۔ یا تو تمام
موجودات حادث ہیں۔ یا اس کا بعض حصہ حادث ہے اور بعض قدیم۔ اور یہ تقسیم حاصر
ہے۔ کیونکہ یہ نفی اور اثبات کے مابین دائر ہے۔ پھر ہم کہتے ہیں کہ یہ معلوم ہے کہ تمام
موجودات حادث نہیں ہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ اس میں کچھ حصہ قدیم ہے۔ اگر یہ
کہا جائے کہ ہم نے یہ کیوں کہا کہ تمام موجودات حادث نہیں تو اس کا جواب ہم یہ
دیں گے کہ اگر تمام موجودات حادث ہوں۔ تو اس کا حدوث بے سبب ہوگا اور اس میں اس
بات کا دخل نہ ہوگا پس یہ کہنا کہ تمام موجودات حادث ہیں باطل ہو جاتا ہے پس ثابت
ہوا کہ اس میں موجود قدیم بھی ہے۔ اس میزان کے استعمال کی مثالیں بیشمار ہیں۔

رفیق۔ اب میں سمجھ گیا کہ حقیقت میں یہ پانچوں ترازو سچے ہیں۔ لیکن صرف اتنی خواہش
باقی ہے۔ کہ میں ان کے القاب کے معانی سمجھ جاؤں۔ اور یہ کہ آپ نے پہلی کو
میزان التعادل دوسری کو میزان التلازم اور تیسری کو میزان التعاند کے نام سے
کیوں مخصوص کیا؟

مصنف۔ پہلی کا نام اس واسطے میزان التعادل رکھا۔ کہ اس میں دو اصول بمنزلہ دو
پلڑوں کے ہیں۔ جو ایک دوسرے کے محاذی ہیں۔ دوسری کا میزان التلازم اس واسطے

رکھا کہ دو اصلوں میں ایک اصل کے دو جز ہیں۔ جن میں سے ایک لازم ہے اور دوسرا ملزوم
مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لو کان فیہما آلھۃ الا اللہ لفسدتا۔ فسدتا لازم ہے اور لو کان
فیہما آلھۃ الا اللہ ملزوم ہے۔ اس کا نتیجہ لازم کی نفی ہے۔ تیسری کا نام میزان التعاند
اس واسطے رکھا کہ نفی اور اثبات پر دو قسمیں منحصر ہیں۔ ایک کے اثبات سے دوسرے کی
نفی اور ایک کی نفی سے دوسرے کا اثبات لازم آتا ہے۔ ان دونوں قسموں میں تعاند اور
تضاد ہے۔

رفیق۔ کیا یہ نام آپ ہی نے رکھے ہیں۔ اور ان کا استخراج بھی آپ ہی نے کیا ہے
یا کہیں سے سیکھے ہیں!

مصنف۔ نام تو میں نے ہی رکھے ہیں۔ مگر یہ ترازو سو انھیں میں نے قرآن شریف
سے استخراج کیا ہے۔ ان کے اصول پہلے ہی سے استخراج کئے ہوئے ہیں۔ متأخرین
نے ان کے نام کچھ اور ہی مقرر کئے ہیں۔ اور جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ
سے پہلے کی امتوں نے کچھ اور ہی نام مقرر کر رکھے تھے۔ میں انھوں نے یہ ترازو حضرت
ابراہیم اور حضرت موسے علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحیفوں سے نکالے تھے میں نے
ان کے نام بدل کر اس واسطے تبدیل کر دیئے ہیں۔ کہ مجھے معلوم تھا کہ تم طبیعت کے کمزور
ہو۔ اور تمہارا نفس وہم پرست ہے۔ اور یہ کہ تم ظاہر پر دھوکا کھاتے ہو حقیقت سے
واقف نہیں ہوتے۔ مثلاً اگر تم سرخ شہد کچھ لگانے والے کے شیشے میں ڈال کر تمہیں پلائیں
تو تم کبھی نہیں پیو گے۔ کیونکہ تمہاری طبیعت اس سے متنفر ہے۔ تمہاری عقل اس قدر
کمزور ہے۔ کہ تم اتنا بھی تمیز نہیں کر سکتے کہ پاک شہد خواہ کسی شیشے میں ہو۔ اسی طرح اگر تم کسی
ترک کو گوڑی یا جبہ وغیرہ پہنے ہوئے دیکھو تو تم اسے صوفی یا فقیہ خیال کرو گے۔ اور
اگر کوئی معقول مرد قبا اور کلاہ پہنے ہوئے ہو تو اسے ترک خیال کرو گے۔ تمہارا وہم صرف
چیزوں کے غلاف اور چھلکے تک ہی رہتا ہے۔ اصل مغز تک نہیں پہنچتا۔ اسی طرح
تم بات کو اس کے نفس اور ذات کے لحاظ سے نہیں دیکھتے۔ بلکہ اس کے حسن صنعت
کو اور اس کے قائل کے حسن ظن کو دیکھتے ہو جو اس کی طرف سے تمہارے دل میں بیٹھا ہوا
ہے۔ اگر کسی شخص کے حق میں تمہارا ظن درست ہے تو خواہ اس کی عبارت مکروہ ہی کیوں
نہ ہو۔ تمہیں پسند آئے گی۔ لیکن اگر تمہارے نزدیک کہنے والا برا ہے تو خواہ وہ اچھی

بات بھی کرے۔ تم فوراً اس کی بات رد کر دو گے۔ اگر تم سے کہا جائے کہ تم لا الٰہ الا اللہ
عیسیٰ رسول اللہ کہو۔ تو تمہاری طبیعت اس کے کہنے سے نفرت کرے گی۔ اور تم
کہہ دو گے۔ کہ یہ تو نصاریٰ کا قول ہے۔ میں اسے کیونکر کہوں۔ اتنا نہیں سمجھو گے کہ
یہ قول فی نفسہ سچا ہے۔ نصاریٰ سے نہ اس کلمہ کے لئے نادم ہونا چاہئے۔ بلکہ صرف
دو کلموں کے لئے ایک یہ کہ خدا تین ہیں اور دوسرا یہ کہ حضرت محمد رسول اللہ نہیں۔ ان
دو کے سوا باقی اس کے تمام کلمات سچے ہیں۔ پس جب میں نے دیکھا۔ کہ تم اور تمہارے
اہل تعلیم رفیق صرف چیز کے ظاہر پر ہی دھوکا کھاتے ہو۔ اصل حقیقت تک نہیں پہنچتے
اس واسطے تمہیں دوائی پانی کے کوزے میں پلائی۔ جس سے تمہیں شفا ہوئی۔ اور تمہارے
ساتھ میں نے ویسی نرمی اور مہربانی کی جیسی ایک طبیب مریض کے ساتھ کرتا ہے۔ اور اگر
میں تمہیں کہہ دیتا کہ یہ دوائی ہے اور اسے دوائی کے پیالے میں تمہیں دیتا۔ تو تمہاری طبیعت
اس سے نفرت کر جاتی۔ اگر قبول بھی کر لی تو گھونٹ گھونٹ کر کے پیتے۔ اور شاید نہ
بھی پیتے۔ یہ وجہ تھی کہ میں نے ان ترازوں کے نام بدل دیئے۔ اسے جو سمجھ گیا سمجھ گیا
اور جو جاہل رہا جاہل رہا۔ اور جس نے انکار کیا انکار کیا۔

رفیق۔ یہ تو میں سب سمجھ گیا ہوں۔ لیکن تم نے وعدہ کیا تھا کہ اس ترازو کے
دو پلڑے بھی ہوتے ہیں اور ایک عمود بھی جس سے وہ لٹکتے ہیں۔ لیکن مجھے تو اس
ترازو میں پلڑے اور عمود دکھائی نہیں دیتے۔ اور وہ کیسا ترازو ہے۔ جو ایک پلڑے
والے سے مشابہ ہے۔

مصنف۔ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ اس ترازو میں دو اصل ہیں۔ یہی دو اصل بمنزلہ دو
پلڑوں کے ہیں۔ اور ان دونوں اصلوں میں جو جزو مشترک ہے وہ بمنزلہ عمود ہے۔ اور
ان دونوں میں داخل ہے۔ اب میں تعریفات میں سے ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ تاکہ
تم اچھی طرح سمجھ جاؤ۔ وہ یہ کہ ہمارا یہ کہنا کہ ہر نشہ والی چیز حرام ہے۔ یہ ایک پلڑا ہے۔ اور
ہر نبیذ نشہ والی ہے۔ دوسرا پلڑا ہے۔ اور نتیجہ یہ کہ ہر ایک نبیذ حرام ہے۔ اس مقام پر
دو اصلوں میں صرف تین امور ہیں۔ نبیذ۔ نشہ والی اور حرام۔ نبیذ صرف ایک اصل میں
پائی جاتی ہے یعنی ایک پلڑا ہے۔ اور حرام صرف دوسرے اصل میں جو دوسرا پلڑا ہے
تیسرا نشہ والی دونوں اصلوں میں مذکور ہے۔ اور دونوں میں مشترک ہے یہی عمود ہے۔ وہ تو

پلڑے اس سے نکلے ہوئے ہیں۔ اور موصوف صفت کے متعلق ہے۔ یہاں پر موصوف
ہر ایک نبیذ نشیلی ہے یہ ہے۔ کیونکہ نبیذ نشے سے موصوف ہے۔ دوسرا صفت
موصوف کے متعلق ہے۔ یعنی تمام نشیلی چیزیں حرام ہیں۔ اس پر غور کر کے سمجھ لو
اگر اس میزان میں کسی قسم کا مجاز آ جائے۔ تو یا دونوں پلڑوں میں سے کسی ایک میں ہو گا یا دونوں
میں۔ یہ بات میں عنقریب ہی میزان الشیطان کے بیان میں سمجھا دوں گا۔ رہا ایک
پلڑے والے ترازو کے مشابہ ترازو یعنی میزان التلازم۔ اس میں ایک بازو دوسرے
کی نسبت بہت زیادہ لمبا ہوتا ہے۔ مثلاً تمہارا یہ کہنا کہ اگر غائب کا بیع صحیح ہے تو
صریح الزام لازم آتا ہے۔ ایک لمبا اصل ہے جس میں دو جزو لازم اور ملزوم ہیں۔ اور
تمہارا یہ کہنا کہ صریح الزام لازم نہیں آتا۔ دوسرا اصل ہے۔ جو پہلے کی نسبت چھوٹا ہے
جو ایک پلڑے والے ترازو کے چھوٹے بٹ کے مشابہ ہے۔ لیکن میزان التعادل
میں دونوں پلڑے یعنی اصل اور دونوں بازو یکساں لمبے اور ہم وزن ہوتے ہیں۔ ان میں سے
ہر ایک پلڑے میں صرف صفت موصوف ہوتے ہیں۔ یہ بھی سمجھ لو کہ یہ عالی ترازو جعلی
ترازو کی سی نہیں ہوتی۔ صرف ان میں مناسبت ہوتی ہے۔ اور اسی واسطے اس سے نتیجہ
نکلنے کو دو اصلوں کے ازدواج سے تشبیہ دینا ممکن ہے۔ کیونکہ دو اصلوں میں ایک
جزو داخل ہوتی ہے۔ اور وہ اس مثال میں نشیلی چیز ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اصلوں میں ہے
تبھی ان سے نتیجہ نکلتا ہے۔ لیکن اگر ایک اصل کا کوئی جزو دوسرے اصل میں داخل
نہ ہو تو کوئی نتیجہ نہیں نکلتا۔ مثلاً ہر نشیلی چیز حرام ہے۔ اور ہر ایک غصب کی ہوئی
بری ہے۔ اسے کوئی نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ گو یہ دونوں تو مانے ہوئے اصل ہیں۔ لیکن ان
سے نتیجہ کوئی نہیں نکلتا۔ اس واسطے کہ ان میں کوئی جزو مشترک نہیں ہے۔ اسی جزو مشترک
کو خوب سمجھ لیں۔ اگر تمہیں محسوس اور معلوم کا وزن کرنا آ جائے۔ تو تمام ملک اور عالم شہادت
اور عالم غیب اور عالم ملکوت کے باہمی وزن کرنے کی واقفیت بھی حاصل ہو جائے جس
میں بڑے بڑے بھید پوشیدہ ہیں۔ جس شخص کو قدسی بالا چیزوں کا وزن کرنا نہیں آتا۔
نہ قرآن اور اس کا اقتباس نہیں کر سکتا اور اس سے کچھ سیکھ نہیں سکتا۔ اور اس کا علم صرف
چھلکوں تک ہی محدود رہتا ہے۔ قرآن شریف میں تو تمام علوم کے ترازو اور تمام
علوم کی بنا بیان ہیں۔ جیسا کہ میں جواہر القرآن میں اشارتاً بیان کر چکا ہوں۔ اس کتاب

سے دیکھ لو۔ عالم ملک و عالم شہادت اور عالم غیب و عالم ملکوت کے درمیان سوا [illegible]
نہیں البتہ بعض کو خواب کے اندر کچھ معنوی حقائق بطور خیالی مثالوں کے معلوم ہوتے
ہیں۔ کیونکہ سچا خواب نبوت کا ایک جزو [illegible] ہے۔ اور عالم نبوت میں ملک اور
ملکوت سارے کا سارا منجلی ہوتا ہے۔ خواب میں اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے
خواب میں دیکھا۔ کہ اس کے ہاتھ میں ایک انگشتری ہے۔ جس سے وہ مردوں کے
منہ اور عورتوں کی فروج پر مہریں لگا رہا ہے۔ جب اس نے اپنا یہ خواب ابن سیرین
سے بیان کیا۔ تو آپ نے اس کی تعبیر یوں فرمائی کہ تم مؤذن ہو اور ماہ رمضان میں تم
صبح سے پہلے اذان دیتے ہو۔ اس شخص نے کہا یہ ٹھیک ہے۔ اب غور کرو کہ ابن سیرین کا
کو عالم غیب میں اس کی حالت کیونکر معلوم ہوئی۔ اور اس مثال اور ماہ رمضان میں قبل
از صبح اذان دینے کا موازنہ کرو۔ یہی مؤذن اکثر خواب میں دیکھا کرتا تھا۔ کہ قیامت کا
دن ہے۔ اور اس کے ہاتھ میں آگ کی انگوٹھی ہے۔ اور اس سے کہا جاتا تھا کہ یہی انگوٹھی
ہے جس سے تم مردوں کے منہ اور عورتوں کے فروج پر مہریں لگایا کرتے تھے۔ وہ کہتا
تھا۔ کہ بخدا میں نے تو ایسا نہیں کیا کرتا تھا۔ اسے کہا جاتا۔ کہ نہیں تم بالضرور ایسا کیا کرتے
تھے۔ لیکن تم بھول گئے ہو۔ کیونکہ تمہارے فعل کی یہ روح ہے۔ اشیاء کی حقیقت اور
ان کی روح صرف عالم ارواح میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس عالم حس اور عالم خیال کے اندر
عالم تلبیس میں یہ روح صورتوں کے پردوں میں ڈھکی ہوئی ہوتی ہے۔ قیامت کے دن جب
آنکھوں پر سے پردہ اٹھایا جاتا ہے تو اصل حقیقت کھلتی ہے۔ اور اسی طرح جس نے کوئی
شرعی حد ترک کی ہو اس کی حقیقت بھی اس پر واضح ہو جاتی ہے۔ اگر تم اس کی حقیقت
معلوم کرنا چاہتے ہو۔ تو احیاء العلوم کے باب حقیقۃ الموت یا کتاب جواہر القرآن کا
مطالعہ کرو۔ اس میں تمہیں عجیب و غریب باتیں معلوم ہوں گی۔ اس پر غور کرنے سے شاید تمہارے
لئے عالم ملکوت کی رویت کا دروازہ کھل جائے اور تم کچھ سن سکو۔ لیکن ایسی حالت میں کیا تمہیں
کہ تمہارے لئے دروازہ کھلے۔ کیونکہ تم معلم غائب سے معرفت حقائق کے منتظر ہو۔
جسے تم دیکھ نہیں رہے۔ اور اگر اسے دیکھ لو۔ تو بہت سے معارف میں اسے اپنے سے
بھی کمتر پاؤ گے۔ سو تم معارف و حقائق ایسے شخص سے معلوم کرو جس کی وہاں تک
رسائی ہے اور جسے خود ان کی شناخت حاصل ہے۔

اس کا یہ نتیجہ غلط ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا بڑا ہے اور سورج بڑا ہے۔ پس سورج خدا ہے غلط ہے۔ کیونکہ یہ متضاد کو ایک صفت سے موصوف کرتا ہے۔ اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ دونوں ایک ہیں۔ لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونو صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں۔ وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔

رفیق۔ یہ تو اب واضح ہو گیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ لیکن اہل تعلیم کب اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

مصنف۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں۔ لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہوگا۔ حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے۔ اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے۔ اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رفیق۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفعہ سنا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے۔ کہ یہ برہان قاطع ہے۔ اس میں مجھے کسی قسم شک و شبہ نہیں۔

مصنف۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس کے استعمال میں انہوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور دیکھو کس طرح انہوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترازو اور دوسرے ترازوؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔

رفیق۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا۔ اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجیئے۔

مصنف۔ واقعی شیطان بسبب کثرت کلام مختلف ترازوؤں کو اس طرح گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقع پر غلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس کلام تشبیہ کا ماحصل یوں ہے۔ کہ حق وحدت سے موصوف ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دونوں سے لازم آیا کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں۔ کہ ان

رفیق ۔ اب وہ بات بیچ میں آگئی ہے جس کے سبب مجھ میں اور تم میں یہ جھگڑا بڑھ جائیگا
کیونکہ معلم غائب کو اگرچہ میں نے بچشم خود تو نہیں دیکھا۔ لیکن میں نے اس کی خبر تو سنی
ہے۔ مثلاً شیر کو میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن اس کی صفات تو دیکھی ہیں۔ اور یہ بھی دیکھا
ہے۔ کہ میری والدہ صاحبہ اور مولانا صاحب قلعہ الموت والے دونوں ہی اس کی بڑی تعریف کیا کرتے
تھے۔ اور یہاں تک کہا کرتے تھے۔ کہ وہ معلم غیب جہان کی ہر ایک کارروائی سے خواہ
وہ ہزار فرسنگ کے فاصلہ پر ہی کیوں نہ ہو واقف ہے۔ کیا میری والدہ اس بارے میں جھوٹ
بولتی ہیں۔ جو کہ بڑھیا اور پارسا ہیں۔ یا مولانا صاحب قلعہ الموت جھوٹ بولتے ہیں۔ جو
حسن سیرت و شہرت کے امام ہیں۔ جنہیں دور دور کے چشم دید کہتے ہیں۔ علاوہ بریں
سیستان اور اصفہان میں بھی جس قدر میرے رفیق ہیں وہ سب اس معاملہ میں متفق الرائے ہیں۔
اور ان کے حکم کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اور مختلف قوموں کے باشندے انہیں کے فرمان
پر ہیں۔ یہ کہنا کہ انہوں نے دھوکا کھایا محض افترا ہے۔ کیونکہ وہ سب کے سب ذکی ہیں۔
اور یہ کہنا کہ وہ دھوکا دیتے ہیں سراسر بہتان ہے۔ کیونکہ وہ سارے متقی ہیں۔ افسوس افسوس یہ غیبت
کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ جو کچھ ہمارے درمیان گفتگو ہو رہی ہے۔ مولانا اس سے بخوبی واقف
ہیں۔ اس واسطے کہ زمین اور آسمان کا ذرہ ذرہ حال انہیں معلوم ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ
کہیں میں ان کی بے حرمتی کا مستحق نہ ہوں۔ سو یہ فضول گوئی کا طومار لپیٹ لو
اور میزان شیطان اور اس سے اہل تعلیم کے وزن کرنے کی کیفیت سمجھاؤ۔

شیطانی ترازوؤں اور ان سے اہل تعلیم کا وزن کرنے کا بیان

مصنف ۔ بیچارے اب اپنے رفیقوں کے ترازوؤں کا حال سن۔ تو تو نہایت غلط
سمجھ لیا ہے۔ واضح رہے کہ قرآن شریف میں سے جن ترازوؤں کا ذکر میں نے کیا
ہے۔ ان کے مقابل شیطانی ترازو بھی ہیں۔ جن سے وزن کیا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے
شیطان غلطی میں ڈالتا ہے۔ لیکن صرف اسی مقام سے داخل ہو سکتا ہے۔ جہاں کہیں کوئی

بخشتا ہے۔ وہ شخص جو ان رخنوں کو بند کر لیتا ہے۔ وہ شیطان سے بے کھٹکے ہو جاتا ہے
رخنہ اندازی کے کل موقعے دس ہیں۔ جو سب کے سب ہم شرح کتاب محک النظر
اور کتاب معیار العلم میں بیان کر دیے ہیں۔ ترازوؤں کی شرائط کی باریکیاں اس واسطے بیان
نہیں کیں۔ کہ تم اس وقت آسانی سے سمجھ نہیں سکتے۔ اگر تم ان کی مشکلات کا حل سمجھنا چاہتے
ہو تو کتاب محک النظر میں دیکھ لو۔ اور اگر ان کی مفصل کیفیت سے واقف ہونا
چاہتے ہو تو کتاب معیار العلم کا مطالعہ کرو۔ اب میں صرف ایک مثال بیان کرتا ہوں
جو شیطان نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل میں اس وقت ڈالی تھی جبکہ اللہ تعالیٰ
نے فرمایا تھا وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ یعنی ہم نے تجھ سے
پہلے کوئی رسول یا نبی نہیں بھیجا۔ مگر جب خواہش کی شیطان نے انہیں خواہش میں
ڈالا۔ سو اللہ تعالیٰ نے وہ بات منسوخ کر دی جو شیطان نے آنحضرت کے دل میں
ڈالی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی آیت کو مضبوط کیا۔ اور یہ سورج کی طرف اشارہ کرتا
تھا۔ آپ کا یہ قول کہ ھذا ربی ھذا اکبر، یہی میرا خدا ہے کیونکہ یہی بڑا ہے۔ شیطان
نے آپ کو دھوکے میں ڈالنا چاہا۔ اس سے وزن کرنے کی کیفیت یوں ہے۔ اللہ
تعالیٰ بڑا ہے، یہ اصل متفق علیہ ہے۔ سورج ستاروں سے بڑا ہے۔ یہ اصل حسی ہے
پس ان دونوں سے نتیجہ نکلتا ہے کہ سورج خدا ہے۔ یہ نتیجہ ہے اور یہ میزان ہے جسے
شیطان نے میزان التعادل کے میزان اصغر سے ملایا ہے۔ کیونکہ بڑائی ایک وصف ہے
جو خدا میں بھی پایا جاتا ہے اور سورج میں بھی۔ اس سے وہم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے
سے موصوف ہے۔ لیکن یہ میزان اصغر کا عکس ہے۔ اس میزان کی حد یہ ہے کہ ایک
شے میں دو وصف پائے جائیں تو ان میں سے ایک کے بعض حصے دوسرے سے
موصوف ہوں گے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ لیکن جب دو چیزوں میں ایک
وصف پایا جائے۔ تو ایک چیز دوسری کی صفت نہیں ہو سکتی۔ لیکن دیکھو شیطان
نے اسے عکس کے ساتھ کس طرح غلط ملط کیا ہے۔ اس میزان اصل کی پرکھ ظاہری
جسموں سے رنگ کا جھٹلانا ہے۔ کیونکہ سیاہ اور سفید دونوں رنگ ہیں۔ لیکن اس سے
یہ لازم نہیں آتا کہ سفید سیاہ ہے۔ یا سیاہ سفید ہے۔ اگر کہنے والا کہے کہ سفید بھی
رنگ ہے اور سیاہ بھی رنگ ہے۔ پس اس سے لازم آتا ہے کہ سیاہ سفید ہے

اس کا یہ نتیجہ غلط ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ خدا برابر ہے اور متوسط برابر ہے۔ پس باطل یہ خدا ہے غلط ہے۔ کیونکہ یہ دو شخصوں کو ایک صفت سے موصوف کرتا ہے۔ اگر دو چیزیں ایک صفت سے موصوف ہوں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ دو نو ایک ہیں۔ لیکن اگر ایک چیز دو صفتوں سے موصوف ہو تو دونو صفتوں میں اتصال ہو سکتا ہے۔ ہر وہ شخص جو ان دو باتوں کا فرق سمجھ سکتا ہے۔ کہ ایک چیز دو صفات سے متصف ہو اور دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہوں۔ وہ اسے بھی سمجھ سکتا ہے۔

رفیق۔ یہ تو مجھے واضح ہو گیا ہے کہ یہ باطل ہے۔ لیکن اہل تعلیم کب اپنے کلام کو اس سے وزن کرتے ہیں۔

مصنف۔ وہ اپنے کلام کا اکثر حصہ اس سے وزن کرتے ہیں۔ لیکن میں بہت مثالیں دیکر وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ آپ نے ان کا یہ کلام اکثر سنا ہوگا۔ حق وحدت سے ہے اور باطل کثرت سے۔ اہل رائے کا مذہب کثرت کی طرف ہے۔ اور اہل تعلیم کا مذہب وحدت کی طرف۔ اس سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق ہو۔

رفیق۔ ہاں یہ تو میں نے بہت دفعہ سنا ہے۔ میرے خیال میں یہ ایک برہان ہے بلکہ میرا یقین ہے۔ کہ یہ برہان قاطع ہے۔ اس میں مجھے کسی قسم شک و شبہ نہیں۔

مصنف۔ دیکھو یہ شیطانی ترازو ہے۔ جس کے استعمال میں انہوں نے غلط پہلو اختیار کر رکھا ہے۔ اور دیکھو کس طرح انہوں نے شیطانی قیاس اور ترازو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ترازو اور دوسرے ترازوؤں کو جھٹلانے کے استعمال کیا ہے۔

رفیق۔ شیطان نے یہ ترازو کیونکر نکالا۔ اس کی مفصل کیفیت سے آگاہ کیجیئے۔

مصنف۔ واقعی شیطان بسبب کثرت کلام مختلف ترازوں کو اس طرح گڈ مڈ کر دیتا ہے۔ کہ انسان کو معلوم نہیں ہوتا کہ کس موقع پر غلط ملط ہو گئے ہیں۔ اس کلام کثیر کا ماحاصل یوں ہے۔ کہ حق وحدت سے موصوف ہے۔ یہ ایک اصل ہے۔ اہل تعلیم کا مذہب وحدت سے موصوف ہے۔ یہ دوسرا اصل ہے۔ ان دو سے لازم آتا ہے۔ کہ اہل تعلیم کا مذہب حق سے موصوف ہو۔ لیکن اس میں غلطی یہ ہے۔ کہ دو چیزیں ایک صفت سے متصف ہیں۔ اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ان

دونو چیزوں میں اتصال ہو۔ جیسے کوئی کہے سفید اور سیاہ دو نو رنگ ہیں۔ اس لئے سفید
سیاہ ہے یا سیاہ سفید ہے۔ یا شیطانی قول کا نتیجہ کہ خدا اور سورج دونوں میں بڑائی ہے
اس لئے خدا سورج ہے یا سورج خدا ہے۔ ان تینوں ترازوں میں کوئی فرق نہیں۔
یعنی سیاہ و سفید کا رنگ ہونا۔ سورج اور خدا کا بڑا ہونا اور تعلیم اور حق میں وحدت کا
ہونا۔ سوال پر غور کر کے سمجھو۔

رفیق۔ میں اسے اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ لیکن میں ایک مثال پر قناعت نہیں کرتا
میرے رفیقوں کی ترازوؤں کی کوئی اور مثال بیان کریں تاکہ میرے دل کو تسلی ہو۔ کہ
واقعی وہ شیطانی ترازو سے دھوکا کھاتے ہوتے ہیں اور اوروں کو دھوکا دیتے ہیں۔

مصنف۔ کیا تم نے ان کا یہ قول سنا ہے۔ کہ حق یا تو محض رائے سے پہچانا
جاتا ہے یا محض تعلیم سے۔ اور یہ کہ جب ان میں سے ایک باطل ہو تو دوسرا ثابت
ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو یہ باطل ہے کہ محض عقل رائے سے معلوم ہو کیونکہ عقلیں اور
مذاہب متعارض ہوا کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حق تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔

رفیق۔ بخدا میں نے ان کی اس قسم کی باتیں بہت سنی ہیں۔ اور یہی ان کے دعووں
اور ان کی دلیلوں کے عنوانوں کی چابی ہوا کرتی ہے۔

مصنف۔ یہ شیطانی اس ترازو سے وزن کرتے ہیں جو میزان التعادل سے ملتی
جلتی ہے۔ کیونکہ دو قسموں میں سے ایک کے بطلان سے دوسرے کا اثبات ہوتا
ہے۔ لیکن اس میں ضروری شرط یہ ہے۔ کہ وہ قسم منحصر ہو نہ کہ منتشر۔ شیطان منتشر اور
منحصر کو خلط ملط کر دیتا ہے۔ اور یہ منتشر ہے۔ کیونکہ نفی اور اثبات کے درمیان
واسطہ نہیں۔ بلکہ ان دو کے بیچ میں تیسری قسم ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ عقل اور تعلیم
دونوں کی مدد سے ہو۔ اور معلوم چیزوں سے اس کا بطلان یوں ہے جیسے کوئی کہے کہ
رنگ آنکھوں سے معلوم نہیں ہوتے بلکہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اور
اگر ہم پوچھیں کیوں! تو کہے کہ یا تو آنکھ سے نظر آتے ہیں یا سورج کی روشنی سے
آنکھوں سے ان کا معلوم ہونا اس واسطے باطل ہے کہ رات کو نظر نہیں آتے۔ پس
ثابت ہوا کہ سورج کی روشنی سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے جواب میں
ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ ایک تیسری قسم بھی ہے۔ اور وہ یہ کہ گو آنکھوں سے معلوم

ہوتے ہیں ۔ لیکن سورج کی روشنی میں ۔
رفیق ۔ میں اسے بھی سمجھ گیا ہوں ۔ لیکن اب چاہتا ہوں کہ آپ توازن کی غلطی کی زیادہ
تشریح کریں ۔ جو پہلی مثال یعنی حق اور وحدت میں واقع ہوئی ہے ۔ کیونکہ اس میں
غلطی ایسی ہے ۔ جو جیسے سورج کے بعد سمجھ میں آتی ہے ۔
مصنف ۔ اس میں غلطی یہ ہے ۔ کہ انسان ان دو باتوں میں مغالطہ کھاتا ہے ۔ ایک
چیز کا دو اوصاف سے متصف ہونا ۔ اور دو چیزوں کا ایک وصف سے متصف ہونا
یہ غلطی عکس کے نہ سمجھنے سے واقع ہوتی ہے ۔ کیونکہ جو شخص جانتا ہے کہ ہر ایک
حق واحد ہے ۔ لیکن یہ عکس لازمی نہیں ۔ بلکہ خاص عکس لازمی ہے ۔ اور وہ یہ کہ بعض
واحد حق ہیں ۔ مثلاً اگر کہیں کہ ہر انسان حیوان ہے ۔ تو اس کا عکس کہ ہر حیوان انسان
ہے غلط ہے ۔ البتہ اس کا اس قدر عکس ٹھیک ہے ۔ کہ بعض حیوان انسان ہیں ۔ شیطان
بھی وہم عقل پر انسانوں پر غالب آتا ہے ۔ اور ایک لطیف چیز ہے جسے عوام الناس آسانی
نہیں سمجھ سکتے ۔ وہ کوئی ایسی غلطی نہیں کرتا ۔ جسے ہر ایک آسانی سے سمجھ سکے ۔ وہ عکس
کے مغالطہ میں ڈالتا ہے ۔ حتیٰ کہ وہ شبہ محسوسات میں جا کر ختم ہوتا ہے ۔ یہ ایسا ہے
کہ اگر کوئی شخص چمکدار سیاہ رنگ کی رسی دیکھ لیتا ہے تو اسے سانپ خیال کر کے اس سے
ڈرنے لگتا ہے ۔ کیونکہ وہ جانتا ہے ۔ کہ ہر ایک سانپ لمبا اور چمکیلا ہوتا ہے ۔
اس لئے اس کا وہم اس کے عکس عام یعنی ہر لمبی چمکیلی چیز سانپ ہے کو صحیح مانتا
ہے ۔ لیکن عکس عام لازم نہیں آتا ۔ بلکہ عکس خاص یعنی بعض لمبی چمکیلی چیزیں سانپ
ہوتی ہیں لازم آتا ہے ۔ عکس اور نقیض میں بہت سی باریک باتیں ہیں ۔ جو تم صرف
کتاب محک النظر اور معیار العلم کے مطالعہ سے سمجھ سکو گے ۔
رفیق ۔ آپ جو مثال بیان کرتے ہیں ۔ مجھے یقین ہوتا ہے کہ واقعی شیطانی ترازو
غلط ہیں ۔ اس لئے ایک اور مثال کے لئے التجا کرتا ہوں ۔ تاکہ شیطانی ترازوؤں
کی حیثیت سے بخوبی واقف ہو جاؤں ۔
مصنف ۔ شیطانی ترازو کی غلطی حسب ذیل اقسام کی ہوا کرتی ہے ۔ کبھی تو اس
کی ترکیب غلط ہوتی ہے ۔ یعنی اس کے دونوں پڑے مضبوطی سے قصب سے برابر آویزاں
نہیں ہوتے ۔ اور کبھی پڑے کی صفت میں غلطی ہوتی ہے ۔ کیونکہ کبھی تو اس

پیتل یا چمڑے کو ہوتا ہے یا روئی اور ریت کا۔ سو جو الٹ کر سے وزن ٹھیک نہیں ہوتا
اور کبھی اس ترازو کی شکل بگڑی ہوئی ہوتی ہے۔ کہ عصا کی طرح غیر معتدل ہوتا ہے۔ کبھی اس
کی طینت اور مادہ میں بگاڑ ہوتا ہے۔ جس سے وہ بنایا گیا ہے۔ مثلاً لکڑی یا مٹی سے
سو جو بگاڑ اس کی ترکیب سے ہوتا ہے۔ اس کی مثال صورت کی برائی اور وحدت حق
ہے۔ کیونکہ ان کی صورتیں مختلف اور معکوس ہیں۔ یعنی ان میں الٹے عکس سے ترازو کی
طرف ہیں اور ترازو کے لئے ضروری ہے کہ موازنہ مستقل کی صورت کا ہو کہ غیر مستقل کی
صورت کا۔ نتیجہ کی صورت میں وزن میں ضرور غلطی ہوگی۔ اور مادے کے بگاڑ کی مثال
شیطان کا یہ قول ہے۔ کہ میں اس سے اچھا ہوں کیونکہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور
اسے مٹی سے۔ یہ اس نے اس وقت کہا جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھے کس بات نے
آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے روکا۔ جبکہ میں نے اسے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ہے۔ کیا
تو نے اپنے آپ کو اس سے بڑا سمجھا۔ یا تو بڑائی کرنے لگا۔ شیطان نے اس وقت دو
جھوٹے ترازو استعمال کئے۔ ایک تو یہ کہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہونے کو سجدہ نہ کرنے
کی علت قرار دیا اور دوسرا یہ کہ اپنی اچھائی ثابت کی کہ میں آگ سے پیدا کیا گیا
ہوں۔ شیطان کو بنا ترازو ٹھیک ترکیب کا معلوم ہوا۔ لیکن دراصل اس کے مادے
میں بگاڑ تھا۔ جس کی وہ کی کیفیت یوں ہے۔ کہ جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے وہ اچھا
ہے۔ اور اچھا سجدہ نہیں کرتا۔ اس لئے میں سجدہ نہیں کرتا۔ لیکن اس قیاس کے دونوں
اصول ممنوع ہیں۔ کیونکہ دونوں غیر معلوم ہیں۔ علوم خفیہ علوم جلیہ سے وزن کئے جاتے
ہیں۔ لیکن جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ غیر جلی ہے اور تسلیم کرنے کے قابل نہیں۔
کیونکہ اگر ہم یہ مان بھی لیں کہ وہ آدم علیہ السلام سے اچھا ہے۔ جو پہلے اور آخری اصول
کا نتیجہ ہے۔ تو بھی ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ اچھے کو سجدہ لازم نہیں۔ کیونکہ سجدہ کا
لزوم اور استحقاق امر الٰہی پر منحصر تھا۔ نہ کہ اچھائی پر۔ لیکن شیطان دوسرے اصول
یعنی سجدہ کا لزوم و استحقاق امر پر تھا نہ اچھائی پر، کو چھوڑ گیا۔ بلکہ وہ یہی اچھائی
کی دلیل پر کہ میں آگ سے پیدا ہوا ہوں اور وہ مٹی سے ڈٹا رہا۔ اچھائی کا دعویٰ
نسبی ہوتا ہے۔ اس کی دلیل اور ترازو کی مکمل صورت یوں ہے۔ جو اچھائی کی طرف
منسوب ہے وہ اچھا ہے۔ میں اچھائی کی طرف منسوب ہوں اس لئے اچھا ہوں۔

لیکن یہ دونوں بڑے بھاری غلطی میں ہیں کیونکہ ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں - کہ جو اچھائی
سے منسوب ہو وہ اچھا ہے - اس واسطے کہ اچھائی ذاتی صفت ہے نہ اضافی - یہ کہنا
جائز ہے کہ لوہا شیشے سے اچھا ہے - لیکن ممکن ہے کہ کاریگری سے شیشے کی کوئی
ایسی چیز بنائی جائے جو لوہے کی بنی ہوئی چیز سے اچھی ہو - جیسا کہ ہم کہہ دیں کہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے سے اچھے ہیں - حالانکہ حضرت
ابراہیم علیہ السلام آزر کے بیٹے تھے جو ایک کافر تھا - اور حضرت نوح علیہ السلام کے
بیٹے ایک نبی کے بیٹے تھے - اور اس کا دوسرا اصل یہ ہی کہ میں اچھی چیز سے پیدا کیا گیا
ہوں - یعنی آگ سے جو کہ مٹی سے بہتر ہے ماننے کے قابل نہیں - بلکہ مٹی آگ سے
بہتر ہے - کیونکہ مٹی اور پانی کی آمیزش سے حیوانات اور نباتات کا قوام ہے - اور
اسی سے دونوں کی نشو و نما ہوتی ہے - برخلاف اس کے آگ ان میں بگاڑ پیدا کرتی ہے
اور ان دونوں کو ہلاک کرتی ہے - اس سے شیطان کا یہ کہنا کہ آگ مٹی سے اچھی ہے -
غلط ثابت ہوا - یہ ترازو شکل و صورت میں صحیح معلوم ہوتے ہیں - لیکن بلحاظ مادہ
خراب ہیں - ان کی مثال لکڑی کی تلوار کی سی ہے - کہ شکل و صورت تلوار کی سی ہے
لیکن کام تلوار کا نہیں دیتی - بلکہ یہ ترازو بمنزلہ سراب ہیں - کہ پیاسا انہیں پانی کا
قطعہ خیال کرکے جب قریب آتا ہے تو کچھ بھی نہیں پاتا - یہی حال قیامت کے
دن اہل تعلیم کا ہوگا جبکہ ان کے ترازوؤں کی حقیقت ان پر منکشف ہوگی - یہ بھی
رستہ ہے جس سے شیطان داخل ہوتا ہے - ضروری ہے - کہ اس راز کو سمجھ
جائے - بلکہ صحیح مادہ جو نظری میں استعمال کیا جاتا ہے - اس کا اصل قطعی طور
معلوم ہونا چاہیے - خواہ حس سے خواہ تجربہ سے خواہ تواتر کامل سے یا عقلی
یا ان تمام کے نتیجہ سے - لیکن جو مادہ مجادلہ میں استعمال ہوتا ہے - حریف
اس کا اعتراف کرتا ہے اور اسے تسلیم کرتا ہے - اگر اس کا مسلم ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے
حجت ہو جاتی ہے - اسی طرح قرآن شریف کی بعض دلیلیں ہیں - اگر تمہیں قرآن شریف
کی بعض دلیلوں کے اصول میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو تو اس سے انکار نہیں کرنا چاہیے
کیونکہ وہ ان لوگوں کے نزدیک مسلم تھیں جو ان کا اعتراف کرتے تھے ۔

اِس بارے میں کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آنحضرت کی اُمّت کے علماء کے ہوتے امام معصوم کی ضرورت نہیں اور یہ کہ معجزات کے لحاظ سے جو آنحضرت کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔ اِس سے زیادہ واضح اور واثق طریق سے آنحضرت نبی برحق ہیں۔ اور یہ عارفوں کا طریقہ ہے

رفیق۔ آپ نے شفا مکمل طور پر کی ہے۔ پردہ اُٹھا دیا ہے۔ اور یدِ بیضا کر دکھلایا ہے لیکن شہر برباد کر کے محل بنایا ہے۔ اب تک تو آپ سے میں اُمید کرتا تھا۔ کہ میں آپ سے بذریعہ ترازو وزن کرنا سیکھوں۔ اور آپ کے اور قرآن شریف کے ذریعہ امام معصوم سے بے پرواہ ہو جاؤں۔ لیکن اب جب آپ نے غلطی کے دقیق رستوں کو بیان فرمایا۔ تو مجھے اس کی مستقل رہنے سے ناامیدی ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر میں وزن کرنے لگوں تو ضروری ہے۔ کہ کہیں غلطی کھا جاؤں۔ اب مجھ پر واضح ہو گیا ہے کہ ان مذاہب میں انسانوں کا کیوں اختلاف ہے۔ وہ اس واسطے مختلف ہو رہے ہیں کہ وہ ان باریکیوں کو ایسی اچھی طرح نہیں سمجھے جیسا آپ سمجھے ہیں۔ اس لئے بعض تو درستی پر ہیں اور بعض غلطی پر۔ اب میرے لئے سب سے نزدیک رستہ یہ ہے۔ کہ میں امام معصوم کا سہارا لوں۔ تا کہ میں ان دقائق سے بچ جاؤں۔

مصنف۔ بھائی۔ امام صادق کی شناخت تمہارے لئے ضروری نہیں۔ کیونکہ وہ یا تو والدین کی تقلید پر منحصر ہے یا ان ترازوؤں میں سے وزن کی گئی ہے۔ کیونکہ ہر ایک علم ازلیہ نہیں ہوتا۔ وہ صاحبِ علم کے نفس میں ان ترازوؤں سے وزن کیا ہوا ہوتا ہے اگرچہ اسے معلوم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ تمہیں میزان تقدیر کی صحت اپنے ذہن میں ان صورتوں کے انتظام سے معلوم ہوتی ہے۔ جن میں سے ایک تجربہ پہلے ہے۔ دوسرا حسی۔ یہی حالت عام لوگوں کی ہے۔ کہ وہ اسے جانتے نہیں۔ مثلاً جو شخص جانتا ہے

کہ یہ جانور حلال نہیں۔ کیونکہ وہ تجربہ ہے۔ یہ بات اسے ان اصولوں سے معلوم ہوئی ہے
جو ہم نے صدر کتاب میں بیان کئے ہیں۔ اگرچہ اسے اس علم کے نکلنے کی جگہ معلوم نہیں
اسی طرح جہان میں تمام علوم انسان کو حاصل ہوتے ہیں۔ ایسا ہی اگر تم نے امام صادق
بلکہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم میں عصمت کا اعتقاد اخذ کیا ہے۔ تو
محض والدین اور رفیقوں کی تقلید سے۔ یہود۔ نصاریٰ اور مجوس سے تمیز نہیں کیا۔
کیونکہ وہ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ اگر ان ترازوؤں سے وزن کرکے عصمت کا اعتقاد
حاصل کرنا چاہو۔ تو شاید کسی دقیق بات کے دریافت کرنے میں تم نے غلطی کھائی
ہو۔ ضروری ہے کہ تم اپنے زعم پر یقین نہ کرو۔

رفیق۔ آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اب مجھے کونسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے۔ کیونکہ
آپ نے دو طریقے یعنی تعلیم اور وزن بند کرا دئے ہیں۔

مصنف۔ افسوس! اگر تم قرآن شریف کی طرف رجوع کرو۔ اس نے تمہیں طریقہ سکھلایا
ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ان الذین اتقوا اذا مسہم طائف من الشیطان تذکروا
فاذا ھم مبصرون۔ جو لوگ پرہیزگار ہیں جب کبھی شیطان کی طرف کا کوئی خیال
ان کو چھو جاتا ہے تو ذرا متنبہ ہو جاتے ہیں یعنی [illegible] جب کبھی تم [illegible]
امام معصوم کی طرف لو کیونکہ وہ خود بصیر ہیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ معارف بکثرت ہیں۔ اگر تم ہر
مشکل کے وقت امام معصوم کی طرف سفر کرو۔ تو تمہارا رنج بڑھ جائے گا اور علم کم
ہو جائیگا۔ تمہارا طریقہ یہ ہونا چاہئے۔ کہ تم مجھ سے وزن کرنے کی کیفیت سمجھ لو۔
اور ان شرائط کو پورا کرو۔ اگر کوئی مشکل بات پیش آ جائے تو اسے ترازو سے تول لو۔
اور شرائط کی بابت سوچ بچار کرو۔ تو تمہیں سیدھی راہ ہاتھ آ جائے گی اور تم مبصر
ہو جاؤگے۔ اس کی مثال یوں ہے۔ کہ اگر بالفرض دکاندار سے تم نے یا تم سے دکاندار
نے کچھ لینا ہے۔ یا فرائض کا کوئی مسئلہ تقسیم ہے اور تمہیں اس کے درست یا غلط ہونے
میں احتمال ہے۔ تو اس صورت میں اگر تم امام صادق کی طرف سفر کرو۔ تو محض تکلیف کا
باعث ہوگا۔ اس کا فیصلہ علم حساب کا جاننے والا بخوبی کر سکتا ہے۔ جب اس سے
بار بار پوچھو گے۔ اور وہ تمہیں سکھا دیگا تو تمہیں پورا یقین ہو جائے گا۔ کہ واقعی یہ غلطی تھی
لیکن یہ بات وہی شخص کر سکتا ہے جو علم حساب سے بخوبی واقف ہو۔ اور ایسا ہی وہ

شخص جو اس سے وزن کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ میں جانتا ہوں۔ بار بار اس سے ذکر
کرنے۔ سوچنے اور پیچھے بعد دیگرے غور کرنے سے ضروری یقین آجائے گا۔ کہ
واقعی اس میں یہ غلطی تھی۔ لیکن اگر یہ طریقہ دیر تو گے تو یاد رکھو کبھی تمہاری بہتری نہ
ہوگی۔ اور شاید امر ممکن ہے کہ کر شک و شبہ میں رہو گے۔ شاید تم نے امام بکر
تیجی پر ایمان لانے ہو کی تقلید کرنے میں غلطی کی ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی
کی شناخت ضروری نہیں۔

رفیق۔ آپ نے اس بات کے سمجھانے میں میری مدد کی۔ کہ تعلیم حق ہے۔ اور یہ کہ جناب
سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم امام ہیں۔ اور میں مان گیا ہوں کہ ہر ایک کے لئے یہ ضروری
سمجھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے علم حاصل کرے۔ اس بات کو تراز کی پہچان سے
حاصل کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ تمام ترازؤں کی شناخت آپ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔
گویا آپ امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو امام خاص ہونے کی آپ کے پاس
کیا دلیل ہے۔ اور آپ کا معجزہ کیا ہے۔ کیونکہ میرے امام کو یا تو معجزہ حاصل ہے
یا اپنے آباو اجداد سے نص۔ سو آپ کا معجزہ یا نص کہاں ہے؟

مصنف۔ تمہارا یہ کہنا کہ میں امام خاص ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ ٹھیک نہیں۔
کیونکہ میں خواہش کرتا ہوں۔ کہ اس معرفت میں کوئی اور شخص میرا شریک بنا۔ جو ممکن ہے
کہ اس سے بھی ایسی باتیں سیکھو جو مجھ سے سیکھی ہیں۔ میں تعلیم کو اپنے لئے وقف نہیں
کرتا۔ اور یہ جو تم نے کہا کہ میں امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ سو واضح ہے کہ امام
سے ہماری مراد وہ شخص ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے بذریعہ جبرائیل علیہ السلام تعلیم حاصل
کرے۔ اور یہ بات مجھ میں نہیں پائی جاتی اور نہ میں اس کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اگر امام
سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام کے وسیلے کے بغیر تعلیم حاصل
کرے یا جبرائیل علیہ السلام سے بوسیلہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی
واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو امام کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے جناب سرور کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست سیکھا ہے نہ کہ جبرائیل سے۔ ان معنوں کے لحاظ
سے میں بھی امام ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ اس بارے میں میری برہان نفس سے زیادہ
واضح ہے۔ اور تم جو معجزے کے معتقد ہو۔ ان میں سے تین بہت عمدہ ہیں۔ اگر وہ

تیرے نزدیک دعویٰ کریں۔ کہ وہ قرآن شریف حفظ کرتے ہیں۔ جب میں نے پوچھا
کہ تمہاری دلیل۔ تو ان میں سے ایک نے کہا۔ میری دلیل یہ ہے۔ کہ وہ مقرئین
کے استاد علی الکسائی کا نص ہے۔ اور وہ میرے استاد کا۔ اور میرا استاد میرے
لئے نص ہے۔ دوسرے نے کہا میں نے عصا کو سانپ بنایا۔ سو عصا سانپ بن گیا
تیسرے نے کہا میری برہان یہ ہے۔ کہ میں تمہارے روبرو بغیر قرآن شریف دیکھے سارا قرآن
سنا سکتا ہوں۔ ان تینوں میں سے کونسی برہان زیادہ واضح ہے۔ اور آپ کس کو زیادہ
سچی مانتے ہیں۔ اس نے کہا جو قرآن شریف پڑھتا ہے۔ کیونکہ وہ برہان کی غایت ہے
کیونکہ اس میں تجھے شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن استاد کا اس پر نص ہونا اور
علی الکسائی کا اس کے استاد پر نص ہونا ممکن ہے۔ کہ اس میں کوئی غلطی ہو خصوصاً جبکہ
زمانہ بہت گذر چکا ہے۔ آیا عصا کو سانپ میں تبدیل کرنا ممکن ہے۔ کہ اس نے حیلہ
اور فریب سے کیا ہو۔ اگر حیلہ و فریب نہ ہو۔ تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ
اس نے عجیب کام کیا۔ لیکن یہ کہاں سے لازم آتا ہے۔ کہ جو فعل عجیب پر قادر ہو وہ
قرآن شریف کا حافظ ہو۔

مصنف۔ میری برہان بھی ایسی ہی ہے۔ میں نے ان ترازوؤں کو پہچانا۔ تم نے بھی
پہچانا۔ سمجھا اور تمہارے دل سے شک رفع ہوا۔ اس لئے اب تمہیں میرے اعلم ہونے
پر ایمان لانا چاہئیے۔ جیسا کہ جب تم استاد سے علم حساب سیکھتے ہو۔ تو تمہیں علم حساب
آ جاتا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہ تمہارا استاد حساب دان ہے۔ اسی طرح مجھے بھی
حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نبی برحق ہونے
کا ایمان ہے۔ لیکن یہ ایمان شق القمر اور عصا کا سانپ بنا دینے پر مبنی نہیں۔ کیونکہ
ایسا کرنے سے بہت سوں کا شبہ پڑتا ہے۔ سو اس پر یقین نہیں ہو سکتا بلکہ
جو عصا کا سانپ میں تبدیل ہونا یقین کرتا ہے۔ وہ بچھڑے کی آواز کا قائل نہیں۔
کیونکہ عالم حس اور عالم شہادت میں تعارض بکثرت ہیں۔ بلکہ میرا یہ ایمان ترازوؤں
کے استعمال پر مبنی ہے۔ میں نے قرآن شریف سے ان ترازوؤں کو اخذ کیا۔
اور پھر ان سے تمام معارف الٰہی کا وزن کیا۔ نہ صرف معارف الٰہی کا بلکہ معاد کے
احوال۔ عذاب قبر۔ بدکاروں کے عذاب۔ فرمانبرداروں کے ثواب وغیرہ کا وزن کیا

جیسا کہ میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ سو یہ تمام باتیں مجھے ٹھیک اسی طرح معلوم ہوئیں جیسی قرآن شریف میں بیان کی گئی ہیں۔ یا جیسی اخبار میں۔ اس لئے مجھے یقین ہو گیا۔ کہ واقعی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف دونوں سچے ہیں اور میں نے ویسا ہی کیا۔ جیسا حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا ہے۔ انسانوں سے حق نہیں پہچانا جاتا۔ وہی حق کو پہچانتا ہے جو اس کے اہل کو پہچانتا ہو۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کی شناخت جو میں نے کی ہے۔ وہ ایسی ہی ضروری ہے۔ جیسی کہ تم کسی بیوی کو فقہ کے کسی مسئلہ کے بارے میں مناظرہ کرتے ہوئے دیکھو جو اسے بخوبی سرانجام دے رہا ہو۔ اور صحیح اور صریح نقد بیان کرتا ہو۔ تو تمہیں اس کے فقیہہ ہونے میں شک نہیں ہوگا۔ اور جو یقین اس کے فقیہہ ہونے کا تمہیں اس طرح حاصل ہوگا۔ وہ ہزار عصا کو سانپ میں بدلنے سے بھی حاصل نہ ہوگا کیونکہ ممکن ہے مذکورہ میں جادو۔ مکر۔ طلسم اور ہاتھ کی صفائی وغیرہ کا احتمال ہو سکتا ہے۔ ان میں اور ان چیزوں میں کا علم اور ان کے معجزہ ہونے کا علم قرآن شریف سے حاصل نہیں ہوتا۔ مگر بڑی غور اور بحث کے بعد۔ اور اس سے ایمان ضعیف حاصل ہوتا ہے وہ عوام اور متکلمین کا ایمان ہے۔ لیکن صاحب مشاہدہ جو مشکوۃ ربوبیت سے دیکھتے ہیں۔ ان کا ایمان ان جیسا نہیں ہوتا۔

رفیق۔ اب میں یہ چاہتا ہوں۔ کہ میں بھی آپ کی طرح جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانوں۔ یہ آپ نے فرمایا ہے کہ یہ بات اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک معارف الٰہی کو ان ترازوؤں سے وزن نہ کیا جائے۔ اور مجھے یہ واضح نہیں ہوا۔ کہ کیا تمام دینی معارف بھی اس سے وزن کئے جا سکتے ہیں۔ میں اسے کس طرح معلوم کروں؟

مصنف۔ افسوس میں نے یہ کب دعویٰ کیا ہے۔ کہ میں ان سے صرف دینی معارف کا وزن کر سکتا ہوں۔ بلکہ ان سے میں علوم حسابیہ۔ ہندسہ۔ طبیعیہ۔ فقہیہ۔ کلامیہ بلکہ ہر ایک علم حقیقی غیر وضعی ثانی کے حق و باطل کو تمیز کر سکتا ہوں۔ اور کیونکر نہ کروں۔ جبکہ یہ قسطاس المستقیم ہے۔ اور ایسا ترازو ہے۔ جو قرآن اور کتاب کا رفیق ہے۔ قولہ تعالیٰ لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتاب والمیزان

علوم مخفی - بالقصد ہم نے اپنے بیٹوں کو سکھا دیئے ہیں ان کے ساتھ کتاب اور ترازو
کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں۔ مجھے میرا اس پر قادر ہونا نفس سے زیادہ
سے ظاہر ہو سکتا ہے۔ اس تجربہ کا آزمائش سے تمہیں یقین آ سکتا ہے۔ جیسے اگر
گھوڑے کی سواری کا دعویٰ ہو۔ تو اس کی صداقت اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب
تک کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر میدان میں شہ زوری نہ دکھائے۔ ان علوم وہبیہ میں سے اگر چاہتے
ہو کہ تمہاری مشکلات حل کر دوں تو میں ایک ایک کر کے حل کر سکتا ہوں۔ اور ان
ترازوؤں سے وزن کر کے دکھا سکتا ہوں۔ پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ وزن
صحیح ہے۔ اور اس سے تمہیں جو علم حاصل ہو گا وہ یقینی ہو گا۔ جو شخص آزمائش
نہیں کرتا وہ پہچان نہیں سکتا۔

رفیق۔ کیا آپ کے لئے ممکن ہے۔ کہ آپ تمام الٰہی حقائق و معارف ساری خلقت
کو سمجھا دیں۔ تاکہ ان کے باہمی اختلافات اٹھ جائیں۔

مصنف۔ آہ! میں اس بات پر قادر نہیں۔ کیا تمہارے امام معصوم نے اب تک
خلائق کے باہمی اختلاف اور شکوک کو رفع کیا۔ اور مشکلات کو ان کے دل سے
نکالا یہ بات تو انبیاء سے بھی نہیں ہو سکی۔ بلکہ اختلاف خلق تو ایک ازلی اور ضروری
حکم ہے۔ اور یہ اختلاف بدستور قائم رہیگا۔ الا جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ اسی
واسطے وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ اور تمہارے پروردگار کا حکم تمام ہوا۔ کیا میں یہ دعویٰ
کر سکتا ہوں۔ کہ قضائے ازلی کو رد کر دوں۔ یا اس کے رد کرنے کا تمہارا امام معصوم
دعویٰ کر سکتا ہے۔ اگر اسے دعویٰ تھا تو پھر اس وقت دنیا میں اختلاف موجود کیوں
ہے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا۔ کہ رئیس الامۃ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ خلقت کے
باہمی اختلافات کو رفع کرنے کا سبب ہوتے۔ اور کوئی ایسی بنیاد قائم کرتے۔ کہ ہمیشہ
کے لئے اختلاف اٹھ جاتا۔

اختلافات کی تاریکی سے خلقت کو نجات دے سکتے یا نہیں

رفیق۔ خلقت ان اختلافات سے کیسے نجات پا سکتی ہے؟

مصنف۔ اگر وہ مجھ سے کلام ہی سُن لیں۔ تو ان کا باہمی اختلاف جاتا رہے۔ لیکن وہ
کسی طرح بھی نہیں سنتے۔ کیونکہ انہوں نے پیغمبروں کی سُنی نہ انہوں نے امام کی۔ جب
پیغمبر اور امام کی نہ سُنی تو میری کیونکر سُن سکتے ہیں۔ نیز جب ازل سے ہی ان کے
حق میں لکھا گیا ہے۔ کہ ان کے مابین اختلاف رہے گا۔ سوائے اس شخص کے جس پر
اللہ تعالیٰ رحم کرے۔ تو پھر کیونکر میری سُن سکتے ہیں۔ ان کے مابین اختلاف کا ہونا
ضروری اس وقت معلوم ہوگا۔ جب تم کتاب جواب مفصل الخلاف کا مطالعہ
کروگے۔ اور یہ بارھویں فصل ہے۔

رفیق۔ اچھا اگر بالفرض سنیں بھی تو کس طرح سناؤ گے؟

مصنف۔ میں انہیں صرف ایک آیت پر عمل کراؤں اور وہ یہ ہے قولہ تعالیٰ
"وانزلنا معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید..... الخ" اور
ان کے ساتھ ہم نے کتاب اور میزان اتاری۔ تاکہ انسان انصاف پر قائم رہیں۔ اور
ہم نے اتارا لوہا۔ الخ۔ اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں اس واسطے اتاری ہیں۔ کہ آدمی بھی
تین قسم کے ہیں۔ اور کتاب، لوہے اور میزان سے ایک ایک قسم کا علاج ہو سکتا
ہے۔

رفیق۔ وہ اقسام کونسی ہیں۔ اور ان کا علاج کیا ہے؟

مصنف۔ آدمی تین قسم کے ہیں:۔

اوّل عوام۔ یہ اہل سلامت اور اہل جنت ہیں۔

دوم خواص۔ اہل ذکا و بصیرت۔ ان کے بین بین ایک گروہ ہے۔ جو اہل
جدل ہیں۔ کتاب سے ملتی جلتی چیزوں کی پیروی کرتے ہیں۔ تاکہ فساد برپا ہو۔ جو خواص
ہیں ان کا علاج میں اس طرح کر سکتا ہوں۔ کہ ان کو انصاف کے ترازو اور ان سے
وزن کرنا بتلاؤں۔ اس طرح کرنے سے ان کا باہمی اختلاف رفع ہو سکتا ہے۔ اور
یہ وہ لوگ ہیں جن میں تین صفات جمع ہیں۔ ایک طبع رسا اور سرشت قوی..... اس کا
حاصل کرنا ممکن نہیں۔ یہ قدرتی اور پیدائشی ہوتی ہے۔ دوسرے ان کے باطن تقلید
اور ہٹ دھرمی جو موروثی اور سُنا ہوا ہے سے خالی ہوتے ہیں۔ کیونکہ مقلد سُنتا
ہے۔ اور کند ذہن جو کچھ سنتا ہے سمجھتا نہیں۔ تیسرا یہ یقین کرتے ہیں کہ ہم اہل بصیرت

ہیں۔ میزان سے اچھی طرح واقف ہیں۔ اور جس شخص کا تیری نسبت یہ یقین ہے۔ کہ
تجھے حساب نہیں آتا۔ تو یہ ممکن ہی نہیں کہ تجھ سے کچھ سیکھ سکے۔ دوسری قسم
سادہ لوح جو عوام الناس ہیں۔ جنہیں حقائق کے سمجھنے کے لئے عقل حاصل نہیں۔ اور
اگر فطرتی طور پر ہے بھی تو طلب حقائق کی خواہش نہیں۔ بلکہ وہ صنعت و حرفت میں
مشغول ہیں۔ اور برخلاف ان لوگوں کے جو باوجود علم کے نہ سمجھ سکنے کے کیاست سے
کام لیتے ہیں۔ جدال کی خواہش نہیں پائی جاتی۔ ایسے لوگ مختلف رائے نہیں ہوتے
البتہ ایسا کرتے ہیں۔ کہ مختلف امور میں سے اچھے کو چننا چاہتے ہیں۔ سو ایسے
لوگوں کو میں اللہ تعالیٰ کی طرف وعظ و نصیحت کے ذریعہ بلاتا ہوں جیسا کہ اہل بصیرت
کو حکمت سے اور اہل شغب کو مجادلے سے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تینوں کو ایک ہی
آیت میں جمع کر دیا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ان لوگوں کو میں وہی
بات کہوں گا جو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی کو فرمائی
تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ملتمس ہوا تھا کہ مجھے علم کے
عجائب و غرائب سکھائیں۔ اور آنحضرت نے اسے فرمایا تھا کہ ابھی تجھ میں اس
بات کی قابلیت نہیں۔ پہلے علم کا سر یعنی ایمان۔ تقوے اور آخرت کی تیاری سیکھ
اور اس پر عمل کر۔ تب میرے پاس آنا۔ میں تمہیں عجائبات علم تعلیم کروں گا۔ سو میں
بھی عوام کو کہوں گا۔ کہ اختلاف میں غور کرنا تمہارا کام نہیں۔ اگر تم اس پر غور و خوض
کرو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ کیونکہ جب تم اپنی عمر کاشتکاری کے کام میں صرف کرو گے
تو جولاہے کا کام کیونکر کر سکو گے۔ اسی طرح جب تم اپنی عمر علم کے سوا کسی اور کام میں
صرف کر ڈالو گے۔ تو اہل علم کیونکر ہو سکتے ہو۔ اور نکات علمی کو کیونکر غور و خوض کر سکتے ہو
خبردار ایسا کبھی نہ کرنا ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ عوام الناس سے جو کبیرہ صادر ہو سکتے
ہیں۔ ان میں سے سب سے بڑی یہ بات ہے۔ کہ علم میں غور کریں اور نہ سمجھ آنے
پر انکار کر کے کفر میں شامل ہوں۔ اگر وہ مجھ سے یہ بات کہے کہ ضروری ہے کہ جس
دین کا میں معتقد ہوں۔ اور جس پر میرا عقیدہ ہے۔ اس کے ذریعے میں مغفرت
حاصل کروں۔ اور لوگ مختلف دینوں کے بارے میں مختلف الرائے ہیں۔ مجھے آپ
کونسا دین اختیار کرنے کے لئے حکم دیتے ہیں۔ تو میں اسے کہوں گا۔ کہ دین اصول و فروع

ہے۔ اور ان دونوں میں اختلاف ہے۔ رہا اصول سو جو کچھ قرآن شریف میں ہے۔
صرف اسی پر اعتقاد کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنی صفات
سو اپنے اسماء چھپا نہیں رکھے۔ تمہارے لئے لازم ہے کہ تمہارا یہ عقیدہ ہو۔ کہ
اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ حی۔ عالم۔ قادر۔ سمیع۔
بصیر۔ جبار۔ متکبر۔ قدوس اور بے مثل وغیرہ وغیرہ جو قرآن شریف میں وارد ہوا ہے
اور جس پر امتوں کا اتفاق ہے۔ دین کی صحت کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ اور اگر
شبہ پڑ جائے۔ تو کہہ دو کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اُسے ہم مانتے ہیں۔ اور
صفات۔ اثبات اور بسبب غایت تعظیم ان کی نفی۔ تقدیس مع نفی مماثلت پر
ہمارا ایمان ہے۔ اور یہ کہ اس جیسا کوئی نہیں۔ اس قدر اعتقاد کے بعد قیل و قال
کی طرف دھیان نہ کرو۔ کیونکہ تم کو قیل و قال کی طرف متوجہ ہونے کا تمہیں حکم ملا ہے۔
اور نہ ہی تمہاری طاقت میں ہے۔ کہ تم ان معلومات پر غور کر سکو۔ اگر وہ یہ کہے کہ مجھے
قرآن شریف سے اتنا معلوم ہو گیا کہ وہ عالم ہے۔ لیکن یہ مجھے معلوم نہیں کہ وہ عالم
بالذات ہے یا اس سے زیادہ کوئی صفت ہے۔ اس میں اشعریہ اور معتزلہ کا اختلاف
ہے۔ تو وہ عوام کی حد سے خارج ہے۔ کیونکہ عامی کا دل ایسی باتوں کی طرف مائل
نہیں ہوتا۔ جب تک شیطان اسے حرکت نہ دے۔

اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا تاوقتیکہ انہیں جدل نہ دے۔ اور ایسا ہی
خبر بھی ہے۔ اور جب میں اہل جدل سے خوش ہوں گا تو ان کے علاج کا بھی
عنقریب ذکر کروں گا۔ میں انہیں اصول کے بارے میں وعظ و نصیحت نہیں کیا
کرتا۔ انہیں کتاب الٰہی کا حوالہ دوں گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتاب میزان اور نور
اُتارا ہے۔ رہا فروع۔ سو اس کی نسبت تو میں یہ کہوں گا۔ کہ جو اختلاف کی طرح میں
ان کی طرف اپنے دل کو اس وقت تک مشغول ہی نہ کرو۔ جب تک تم متعلقہ باتوں
سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ تمام امت کا اتفاق ہے کہ آخرت کا توشہ تقویٰ اور ورع ہے
اور یہ کہ مال حرام کا حاصل کرنا۔ غیبت۔ چغلی۔ زنا۔ چوری۔ خیانت وغیرہ
منع ہیں۔ اور فرائض سب کے سب واجب ہیں۔ اگر تم ان سب سے فارغ
ہو جاؤ تو پھر میں تمہیں خلاف سے بچنے کا طریقہ سکھلاؤں گا۔ اگر تم ان باتوں سے

فارغ ہونے سے پہلے مجھ سے وہ طریقہ سیکھنا چاہیے جس کے ذریعہ اختلاف سے
بچ سکتا ہے۔ تو وہ جاہل ہے۔ نہ کہ عالم۔ عالم ان باتوں سے فارغ ہو کر خلاف
کے موقعوں کی طرف متوجہ ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا تم نے اپنے رفیقوں کو دیکھا ہے۔ کہ
وہ ان تمام باتوں سے فارغ ہو کر خلاف کے اشکال کی طرف مائل ہوئے ہیں کیا نہیں
اپنے خلاف میں ان کی عقلوں کی کمزوری بعینہ اس مریض کی عقل کی کمزوری سے ملتی
ہے۔ جو مرض شدید میں مبتلا ہو۔ اور اس کا علاج وہ چیز ہو جس پر اطباء کا اتفاق ہے۔
اور وہ یہ کہے کہ نہیں کہ بعض دوائیں کے گرم یا سرد ہونے کے بارے میں اطباء مختلف
الرائے ہیں۔ میں تو اس وقت تک اپنا علاج نہ کراؤں گا۔ جب تک مجھے کوئی ایسا
شخص نہ ملے۔ جو یہ بتائے کہ یہ اختلاف رائے کیونکر رفع ہو سکتا ہے۔ تقوے کی
حدود سے فارغ ہونے کے بغیر اس کی صحت شاذ و نادر ہی ہوتی ہے۔

رفیق۔ اب مجھے بعض مسائل میں مشکل پیش آئی ہے۔ کیونکہ مجھے معلوم نہیں۔ کیا
کرتے تھے۔ نکسیر اور لمس کے بعد وضو کروں یا نہ کروں۔ اور یہ کہ ماہ رمضان میں
روزے کی نیت رات کو کروں یا دن کو۔ وغیرہ وغیرہ۔

مصنف۔ اگر تم طریق آخرت میں اس دل کے خواہشمند ہو تو احتیاط کے طریقہ
پر کاربند ہو۔ اور ایسی بات اختیار کرو جس پر سب کا اتفاق رائے ہے۔ تمام مختلف
حالتوں میں وضو کرو۔ کیونکہ ہر چیز جو واجب نہیں مستحب ہے۔ ماہ رمضان میں رات
کے وقت روزہ کی نیت کرو۔ کیونکہ جو واجب نہیں مستحب ہے۔ اگر تمہارا یہ
خیال ہو کہ احتیاط تمہارے لئے دو بھر ہے۔ اور تمہیں بعض مسائل کی نفی اثبات کا
ٹھیک علم نہیں۔ اور یہ کہ صبح کے وقت قنوت پڑھو یا نہ۔ یا بسم اللہ جہر پڑھو یا نہ
تو ان سب باتوں کا جواب میں یہ دوں گا کہ تم ایسی حالت میں اجتہاد سے کام لو
اور اصولوں کی نسبت غور کرو کہ تمہاری رائے میں کونسا افضل ہے۔ اور تمہاری
دانست میں کون زیادہ درستی پر ہے۔ جیسا کہ اگر تم بیمار ہو جاؤ۔ اور شہر میں کئی
طبیب رہتے ہوں۔ تو ایسے طبیب کا علاج پسند کرو گے جو تمہارے خیال میں سب
سے اچھا ہے۔ ایسی صورت میں تم اجتہاد سے کام لو گے۔ نہ کہ خواہش اور طبع سے
سوا اس قسم کا اجتہاد دین کے معاملے میں تمہارے لئے کافی ہے۔ جو تمہارے

خیال میں غالب ہو۔ اسی پر کاربند ہو۔ کیونکہ اس بارے میں اگر اس کا اجتہاد راستی
پر پہونچا تو اُسے دو اجر ورنہ ایک تو ضرور ملے گا۔ جیسا کہ جناب رسول کریم صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ من اجتھد فاصاب فلہ اجران ومن اجتھد فاخطأ فلہ
اجر واحد۔ یعنی جس نے اجتہاد سے کام لیا اور وہ راستی پر نکلا تو اُسے دو اجر۔ اور
اگر چوک گیا تو اُسے ایک اجر ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی تعلیم کے لئے جو تجویز نکالتے
ہیں۔ اجتہاد سے کام لینے کو پسند فرمایا ہے۔ چنانچہ جب آنحضرت صلعم نے معاذ
رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم کس کے مطابق حکم کرو گے۔ تو عرض کیا اللہ تعالیٰ کی
کتاب کے بموجب۔ فرمایا اگر اس میں نہ مل سکے۔ عرض کیا سنت نبوی کے مطابق۔
فرمایا اگر یہ بھی میسر نہ ہو۔ عرض کیا اپنی سمجھ سے یعنی اجتہاد سے کام لیتا ہوں۔
فرمایا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم دینے سے پہلے ہی اس پر عمل کرنا
شروع کر دیا۔ پھر اجازت عنایت کر کے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ رسول خدا
کے قاصد کو رسول خدا کی مرضی کے مطابق توفیق دی گئی ہے۔ اس سے تم اندازہ کر لو
کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ سے خوش ہو گئے۔ جیسا کہ
ایک اعرابی نے عرض کیا۔ کہ میں خود ہلاک ہوا اور دوسرے کو ہلاک کیا۔ میں نے رمضان
کو دن کے وقت بیوی سے صحبت کی۔ فرمایا۔ ایک غلام آزاد کرو۔ پس اس سے سمجھ لو۔ کہ
اگر ترکی یا ہندی کو بھی ایسا ہو جائے۔ تو اُسے بھی غلام آزاد کرنا لازم آتا ہے۔ اور یہ اس
واسطے ہے۔ کہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بات کے لئے مکلف نہیں کہ بالضرور
راستی پر چلیں۔ کیونکہ ایسا کرنا ان کے بس کی بات نہیں۔ اور وہ ایسی بات کے
لئے مکلف ہیں۔ جس کی برداشت کی ان میں طاقت نہیں۔ وہ صرف اس بات کیلئے
مکلف ہیں۔ جس کی نسبت درست ہونے کا ظن ہوتا ہے۔ مثلاً نماز میں اس بات
کے لئے مکلف نہیں کہ کپڑے پاک ہوں۔ بلکہ اس بات کے لئے مکلف ہیں۔ کہ جس
خیال ہو کہ کپڑے پاک ہیں۔ چنانچہ اگر اثنائے نماز میں نجاست پلیدی یاد دلائی جائے
تو نماز کو توڑنا لازم نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ جب جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نعلین سمیت نماز ادا فرما رہے تھے۔ تو آپ نے جبرئیل کی اطلاع کے مطابق کر

اس پر کچھ پلیدی ہے۔ اپنے مبارک سے انکار دیا۔ لیکن نماز دوبارہ ادا نہ فرمائی اور
نماز میں تو شروع کی اسی طرح اس کی تکلیف نہیں دی گئی۔ کہ قبلہ رو ہو کر نماز ادا کی جائے
بلکہ اس طرف رخ کرکے جس کی نسبت گمان ہو کہ ادھر قبلہ ہے۔ اور نہ کہ پہاڑوں
ستاروں اور سورج کی طرف دیکھ کر۔ اگر ایسی صورت میں گمان درست نکلا تو دو ثواب
ورنہ ایک تو ضرور ملیگا۔

ایسا ہی فقیر کو زکوٰۃ کے لئے مکلف نہیں۔ بلکہ وہ شخص مکلف نہیں جس کی نسبت
گمان ہو کہ وہ فقیر ہے۔ کیونکہ حقیقت میں ان چیزوں کا معلوم کرنا دشوار ہے۔ اسی
طرح خون گرانے اور فروج کو حلال قرار دیتے وقت قاضی اس بات کے لئے مکلف
نہیں۔ کہ وہ اس مطلب کے لئے مزید سچے گواہ لے۔ بلکہ ان گواہوں کی مظنونہ سچائی
کے لئے مکلف ہیں۔ اگر بعض گواہوں کی مظنونہ سچائی سے خون گرانے کا حکم دے تو
ممکن ہے غلطی ہو جائے۔ جبکہ خون گرانا اور فروج کا جائز کرنا اجتہاد سے ہو سکتا ہے۔ تو
کیا نماز ہی جائز نہیں ہو سکتی۔ نہیں معلوم تمہارے رفیق اس بارے میں کیا کہتے
ہیں۔ وہ یہ کہیں کہ اگر قبلہ کے بارے میں شبہ پڑ جائے تو نماز ادا نہ کرو۔ یا ایسی
صورت میں سفر کرکے امام پاس جانا اس سے پوچھنا اور اسے اس درستی کی تکلیف
دینا جس کی اسے طاقت نہیں جائز ہے۔ یا ایسے شخص سے اجتہاد کرے جس کے
لئے اجتہاد ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ قبلہ کی دلیلوں اور ستاروں۔ پہاڑوں اور ہواؤں سے کچھ حل
نہیں کر سکتا۔

رفیق۔ اس میں شک نہیں کہ وہ ایسی صورت میں ضرور اجتہاد کی اجازت دیگا۔
پھر کوئی گناہ نہیں۔ اگر کوئی مجبوری سے کام لے خواہ وہ اس میں غلطی کرے یا جو قبلہ
کے سوا کسی اور طرف رخ کرکے نماز ادا کرے۔

مصنف۔ جو شخص قبلہ کے بغیر کسی اور طرف نماز ادا کرکے معذور اور ماجور ہو سکتا ہے
تو یہ بعید از عقل و قیاس نہیں کہ جو سارے اجتہادات میں غلطی کرے معذور نہ ہو۔
اور اس کے مجتہد اور متکلم سب کے سب معذور ہوں۔ بعض ان میں سے درستی پر
اور بعض غلطی پر۔ ایسے اشخاص بلحاظ ثواب قریب قریب ہیں۔ اگرچہ بعض کو ایک
ثواب اور بعض کو دو ثواب ملتے ہیں۔ انہیں آپس میں جھگڑنا نہیں چاہئے۔ اگر بعض

تو جہاں یہ ہٹ دھرمی سے کام لیں۔ تو یہ تو ضروری ہے کہ ان میں سے ایک غلطی پر ہے اور دوسرا راستی پر۔ مثلاً اگر دو مسافر قبلہ کے بارے میں اجتہاد سے کام لیں اور اس اجتہاد میں اختلاف رائے رکھتے ہوں۔ اور ہر ایک اپنی اپنی مظنونہ جانب رُخ کر کے نماز ادا کریں۔ اور ایک دوسرے پر اعتراض کریں۔ یا آپس میں انکار کریں تو وہ دونوں حق بجانب ہیں۔ کیونکہ وہ دونوں مظنونہ جانب کے لئے مکلّف ہیں۔ بے شک ٹھیک قبلہ کی طرف رُخ کرنا اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور کے اشخاص اس بات پر قادر نہیں۔ ایسا ہی معاذ رضی اللہ عنہ یمن میں اجتہاد سے کام لیا کرتے تھے۔ تو اس خیال سے نہیں کہ آپ غلطی پر ہیں۔ بلکہ یہ اعتقاد کر کے کہ اگر مجھ سے غلطی بھی ہوئی تو میں معذور سمجھا جاؤں گا۔ اور یہ اس لئے ہے کہ بعض شرعی جزئی امور ایسے ہیں جن میں شرائع کا اختلاف ہے۔ وہ اس وجہ سے کہ ان میں ان کا ظن و تخمین بھی جاری ہوتا ہے۔ یہی تخمین اختلاف کا باعث ہے۔ سو ان امور میں شرائع کا تغیر نہیں۔ ان میں اختلاف بھی نہیں۔ اتباع سنت کے اسرار میں اس فصل کی حقیقت بخوبی واضح ہوتی ہے۔ جس کو میں نے جواہر القرآن میں اعمال ظاہرہ کا بیان کرتے ہوئے دسویں اصل میں لکھا ہے۔

رہی تیسری قسم اور وہ اہل جہل ہیں۔ سو میں انہیں حق کی طرف نرمی سے بلاتا ہوں جاہل نرمی سے میری یہ مراد ہے کہ میں ہٹ دھرمی سے کام نہیں لیتا اور ان پر سختی نہیں کرتا اور جھڑکتا ہوں بلکہ سب سے عمدہ جدل جو ہو سکتا ہے استعمال کرتا ہوں جادلہم بالتی ہی احسن کے یہ معنی ہیں کہ میں ایسے مقدموں کو لیتا ہوں جنہیں اہل جدل تسلیم کرتے ہیں۔ پھر میں ان سے میزان حق کے ذریعہ حق نتیجہ اس طرح برآمد کرتا ہوں جیسا کہ میں نے الاقتصاد فی الاعتقاد میں بیان کیا ہے۔ اور اگر اس پر بھی قناعت نہیں کرتے اور زیادہ واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ تو میں انہیں ترازوؤں کا استعمال سکھاتا ہوں۔ اگر پھر بھی کند ذہنی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے قناعت نہ کریں۔ اور اپنے تعصب۔ عناد اور جھگڑے پر اڑے رہیں تو پھر ان کا علاج لوہے سے کرتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے لوہے اور ترازو کا ذکر کتاب کے قریب ہی کیا ہے۔ تاکہ اس سے انسان یہ سمجھ جائے۔ کہ تمام خلقت انصاف پر صرف انہیں تین چیزوں کے ذریعے قائم رہ سکتی ہے۔ کتاب عوام کے لئے ہے۔ اور اس چیز کی پیروی کر سکتے ہیں جو کتاب

سے مشابہت رکھتی ہے۔ اور ایسا کرنے میں ان کی خواہش تقشف و دور تاویل کی وجہ
اور وُہ جانتے ہیں کہ یہ ان کی شان سے بعید ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تاویل
میں سوائے اللہ تعالیٰ کے یا جید عالموں کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اہلِ جہل سے میری مراد
وُہ لوگ ہیں جن میں عقلمندی زیادہ ہے۔ اور جن کی وجہ سے وُہ عوام الناس کی نسبت ترقی
کرتے ہیں۔ لیکن ان کی عقلمندی ناقص ہے۔ گو ان کی فطرت کامل ہے۔ جو کہ ان کے باطن
میں خبث، عناد، تعصب اور تقلید ہوتی ہے۔ اس لئے یہ باتیں حق کے ادراک سے
انہیں روکتی ہیں۔ اور یہ صفات ان کے دلوں پر بمنزلہ پردے کے ہیں جو ان کو فوقیت نہیں
کرنے دیتا اور ان کے کانوں میں بمنزلہ بہرہ پن ہوتا ہے۔ جو انہیں حق بات سننے نہیں دیتا
لیکن ان کے حق میں سب سے زیادہ مضر ان کی ناقص اور ادھوری اور نا تمام عقلمندی ہے
کیونکہ ان کی ذہانت غیر مکمل اور عقل ناقص بالکل سے زیادہ بری ہے۔ حدیث میں ہے
کہ اکثر اہل جنت بے وقوف ہونگے۔ اور اہل علیین عقلمند۔ ان دو کے بین بین ایک
فرقہ ہے۔ جو آیات الٰہی کے بارے میں جھگڑتے ہیں یہ دوزخی ہونگے۔ اللہ تعالیٰ نے
قرآن شریف کے ذریعے اتنا نہیں روک سکتا جس قدر بادشاہ کے ذریعے۔ ان
لوگوں کو جدال سے روکنا بذریعہ تلوار اور نیزہ زیادہ انسب ہے۔ جیسا کہ حضرت
عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دُرّے کے ذریعہ روکا۔ جبکہ اس نے آپ سے
قرآن شریف کی دو متشابہ آیتوں کے بارے میں پوچھا۔ یا جیسا کہ امام مالک رضی
اللہ عنہ نے کیا جبکہ آپ سے استوا علی العرش کی بابت پوچھا گیا۔ آپ نے
فرمایا۔ استوا حق ہے اور اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اس کی کیفیت نامعلوم
ہے۔ اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔ اس پر نکتہ چینی کرنا یا ذرا سا جدال
ہے۔ سلف صالحین ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اگر لوگوں سے جدال کیا جائے تو
باعث تفصیل و تکلیف عظیم ہے۔ یہ ہے میرا طریقہ لوگوں کو حق کی طرف بلانے
اور گمراہی اور تاریکی سے نکال کر حق کی طرف لوٹنے کا۔ اور یہ اس طرح پر کہ خواص
کو حکمت کی طرف میزان کی تعلیم سے بلاتا ہوں۔ حتیٰ کہ جب وُہ میزان القسط سیکھ
جاتے ہیں۔ تو صرف ایک علم پر قادر نہیں ہوتے۔ بلکہ بہت سے علوم پر کیونکہ
جس کے پاس میزان ہوتی ہے۔ تو وُہ اس سے لاانتہا مقادیر کا اندازہ کر سکتا ہے

ایسا ہی جس کے پاس قسطاس المستقیم ہوتی ہے۔ اس کے پاس حکمت بھی ہوتی ہے۔
جس کی نسبت یہ فرمان آیا ہے کہ جسے حکمت دی گئی ہے اُسے بہت خیر و برکت
دی گئی ہے جس کی انتہا نہیں۔ اگر ترازوؤں سے قرآن شریف کا استعمال نہ ہوتا۔ تو قرآن
شریف کو نور کہنا صحیح نہ مانا جاتا۔ کیونکہ نور بذات خود دکھائی نہیں دیتا۔ ہاں اس کے
ذریعے اور چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔ یہی نور کی تعریف ہے۔ اور جب اس کے اس قول
کی تصدیق ہو گئی کہ تمام رطب و یابس اس کتاب مبین میں مندرج ہے۔ تو سب جان گئے کہ
تمام علوم اس میں مندرج ہیں۔ لیکن بصراحت نہیں بلکہ بالقوۃ۔ مثلاً اس میں ان ترازوؤں کا
ذکر ہے جن سے حکمت کے لاانتہا دروازے کھل سکتے ہیں۔ اور انہیں سے میں عوام و
خواص کو کتاب کا حوالہ دے کر موعظہ حسنہ کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اہل فضل
کے لئے صفات ثابتہ کے اقتصاد سے کام لیتا ہوں۔ اور اہل جدال کو مجادلہ بالاحسن
کے ذریعے حق کی طرف بلاتا ہوں۔ اور اگر وہ اس سے انکار کرے۔ تو میں مخاطب کو
بعد ازیں اس کی شرارت کی روک تھام تلوار اور لوہے کے خوف سے کرتا ہوں جس کا ذکر
میزان کے ساتھ ہی ہوا ہے۔

اے میرے رفیق! اگر اب مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کا امام ان تین قسم کے لوگوں کا
علاج کیونکر کرتا ہے۔ کیا عوام کو وہ باتیں سکھاتا اور ان باتوں کی تکلیف دیتا ہے۔
جنہیں وہ سمجھ نہیں سکتے۔ اگر ایسا کرتا ہے تو وہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کی مخالفت کرتا ہے۔ یا کافرین کے ہاتھوں سے جدال کر بذریعہ حجت نکالتا ہے۔ مگر
ایسا تو جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ کر سکے۔ حالانکہ قرآن شریف میں اللہ
تعالیٰ نے کافروں کے لئے بکثرت حجتیں بیان فرمائیں۔ کیا تمہارے امام کی قدرت حضرت
تعالیٰ شانہ اس کے رسول صلعم کی قدرت سے بڑھ گئی ہے۔ یا وہ اہل بصیرت سے
اپنی تقلید کرانا چاہتا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تقلید سے قول نبوی کو قبول نہیں کیا
اور نہ وہ عصا کو سانپ میں تبدیل کرنے پر قانع ہوئے۔ بلکہ انہوں نے کہہ دیا کہ یہ
تو فعل عجیب ہے۔ جس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا فاعل سچا ہے۔ جہان میں
سحر و طلسم کے ذریعے عجائب و غرائب کرشمے ہیں کہ جنہیں دیکھ کر عقلیں حیران رہ
جاتی ہیں۔ معجزہ اور سحر و طلسم میں وہی شخص تمیز کر سکتا ہے جو ان سب کا بھی واقف ہو

ہداف کے اقسام کا ماہر ہو۔ جیسا کہ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے معجزہ کی شناخت کی۔ کیونکہ وہ علم سحر کے ماہرین کے سربراہ وہ تھے۔ اور جو
اس کو قوی کر سکے۔ بلکہ اہل بصیرت معجزہ کے علاوہ وہ بھی جانتے ہیں۔ کہ اسی کے قول
سے اس کی تصدیق ہو۔ جیسا کہ حساب کا سیکھنے والا حساب سے ہی اپنے استاد کے
حساب دان ہونے کی تصدیق کرتا ہے۔ یہ وہ معرفت یقینیہ ہے جس پر عقلمند اور
اہل بصیرت قناعت کرتے ہیں۔ اس کے سوا وہ کسی بات پر قناعت ہی نہیں کرتے
جب وہ اس طریق سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف کی صداقت کو
مان جائیں اور قرآن شریف میں کی ذکر کردہ ترازوؤں کو سمجھ جائیں جیسا کہ میں نے تم سے
بیان کیا ہے۔ اور ان ترازوؤں سے تمام علوم کی چابیاں ان کے ہاتھ آجائیں جیسا کہ
میں نے جواہر القرآن میں بیان کیا ہے۔ تو پھر وہ کیونکر تمہارے امام معصوم کے
محتاج ہو سکتے ہیں اور وہ کیا ہے جس سے ان کی مشکلات حل ہو گئیں۔ اور کس سے
اس نے اس کی باریکیوں کو ظاہر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ھذا خلق اللہ
فارونی ماذا خلق الذین من دونہ"

اب تو علوم کے ترازوؤں میں میرے طریقے کو سن لیا ہے۔ اب مجھے دکھاؤ کہ
تم نے اپنے امام سے علوم کی باریکیوں کی بابت اب تک کیا اقتباس کیا ہے۔
اور وہ کیا چیز ہے جو لوگ اس سے سیکھتے ہیں۔ کاش میں بھی جانتا کہ تم نے اپنے امام
معصوم سے کیا کچھ سیکھا ہے۔ جو کچھ تم نے دیکھا ہے مجھے بھی دکھاؤ۔ سب

مائدہ دیدہ رقصدی اوف   خوان دل طلب یا سوقت

دسترخوان کی طرف بلانے کا مطلب محض بلانا ہی نہیں ہوتا بلکہ کھلانا پلانا بھی ہوتا
ہے۔ لیکن میں دیکھتا ہوں۔ کہ تم لوگوں کو امام کی طرف بلاتے ہو۔ لیکن باوجود امام
کے پاس آنے کے ان کی سابقہ جہالت بدستور رہتی ہے۔ امام ان کے کسی عقدہ
کو حل نہیں کرتا۔ بلکہ الٹا حل شدہ کو عقدہ بنا دیتا ہے۔ اور اس کی استجابت بلحاظ
علم انہیں کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے ان کی سرکشی اور جہالت
بڑھ جاتی ہے۔

رفیق سے میں بہت مدت اپنے رفیقوں کے ساتھ رہا ہوں۔ لیکن اس عرصہ میں ان

سوائے اس بات کے اور کچھ نہیں سیکھا۔ وُہ کہتے تھے تمہارے لئے مذہب کی تعلیم ضروری ہے اور پھر رائے اور قیاس سے کام لیا۔ حالانکہ یہ دونوں متعارض اور مختلف ہیں۔

مصنف۔ یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وُہ تعلیم کی طرف بلاتے ہیں۔ لیکن تعلیم میں مشغول نہیں کرتے۔ انہیں یہ تو کہنا تھا۔ کہ تم نے مجھے تعلیم کی طرف بلایا۔ اور میں نے مان لیا۔ اب مجھے وُہ باتیں تو سکھاؤ جو تمہارے پاس ہیں۔

رفیق۔ میں تو نہیں جانتا کہ انہوں نے مجھے اس قسم کی باتیں سکھائی ہوں۔

مصنف۔ میں تعلیم اور امام کا قائل ہوں۔ اور رائے اور قیاس کو جھوٹا سمجھتا ہوں۔ اگر تم تقلید چھوڑ دو تو میں تمہاری واقفیت کو زیادہ کر سکتا ہوں۔ اور علوم کے غرائبات اور اسرار قرآن سکھا سکتا ہوں۔ اور ان سے علوم کی تمام کنجیاں نکال سکتا ہوں۔ جیسا کہ میں نے اس سے علوم کے ترازوؤں کو نکالا ہے۔ جیسا کہ میں جواہر القرآن میں علوم کی مختلف شاخوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ لیکن میں سوائے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی امام کی طرف نہیں بلاتا اور سوائے قرآن شریف کے اور کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں دیتا۔ کیونکہ میں اسی سے علوم کے تمام اسرار استخراج کرتا ہوں۔ اس بات پر میری برہان میری زبان اور میرا بیان ہے۔ تمہارے لئے ضروری ہے کہ تم امام کو چھوڑ دو اور مجھ سے میرا تجربہ اور امتحان۔ پھر دیکھو تو تم کو کہ اس بہتر بات کو کوئی مجھ سے تمہارے دوستوں میں سے سیکھتا ہے یا نہیں۔

رائے اور قیاس کی تصاویر اور ان سے اظہار حقیقت کے بیان میں

رفیق۔ رفیقوں سے قطع تعلق کرنا اور آپ سے تعلیم حاصل کرنا مجھے اس نصیحت سے جو میری بابت محترم نے مرتے وقت کی تھی اور جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا ہے۔ روکیں گے۔ لیکن تاہم میں چاہتا ہوں۔ کہ آپ رائے اور قیاس کے بگاڑ کو مجھ پر زیادہ واضح کر دیں۔ کیونکہ میرا گمان غالب ہے۔ کہ آپ میری عقل کو کمزور پاتے ہیں۔ اور

شبہ میں رکھنا چاہتے ہیں۔ قیاس اور رائے کو چیزوں سے موسوم کرتے ہیں۔ اور اس کے مطابق
قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ اور میرا خیال ہے کہ یہی یعنی قیاس ہے جس کی بابت آپ کے
اصحاب وجوبی کرتے ہیں ۔

مصنف۔ خصوصیت سے اب میں رائے اور قیاس کی نسبت تشریح بیان کرتا ہوں کہ
اس سے میری مراد کیا ہے اور ان کی مراد کیا ہے سو رائے اور قیاس کی مثال معتزلہ
کا یہ قول ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ پر اپنے بندوں کی بہتری کی رعایت واجب ہے۔ اور
جب اس کی تحقیق کے درپے ہوتے ہیں تو صرف رائے سے کام لیتے ہیں۔ جس کو
وہ اپنی عقلوں کے مطابق بہتر خیال کرتے ہیں۔ جس پر وہ خالق کو خلقت کے مطابق
قیاس کرتے ہیں۔ اور اس کی حکمت کو خلقت کی حکمت سے تشبیہ دیتے ہیں جس میں
جس کو بہتر خیال کر لیا جاتا ہے۔ جس کے لئے کوئی تحویل نہیں دکھاتا کیونکہ
اس سے ایسے نتائج برآمد ہوتے ہیں جو قرآن شریف کی ترازو کے مطابق ہوتے
ہیں۔ مثلاً جو بولا قیاس ہی لیکر میزان التلازم سے اس کا وزن یوں کرتا ہوں کہ اگر
بندوں کی بہتری اللہ تعالیٰ پر واجب ہوتی تو وہ بالضرور کرتا۔ اور یہ معلوم ہے کہ
اس نے ایسا نہیں کیا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ غیر واجب ہے۔ کیونکہ
واجب کی ترک نہیں کرتا۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس کو تو ہم مانتے ہیں۔ کہ اگر واجب
ہوتی تو ضرور کرتا۔ لیکن اس کو ہم نہیں مانتے کہ وہ نہیں کرتا۔ تو میں یہ کہوں گا کہ اگر
اسے خلقت کی بہتری ہی منظور تھی تو اسے جنت میں ہی رہنے دیتا۔ کیونکہ اس میں رہنا
اس کے لئے بہتر تھا۔ لیکن معلوم ہو گیا ہے کہ اس نے ایسا نہیں کیا۔ پس اس سے صاف
ظاہر ہے کہ اس نے بہتری نہیں کی۔ یہ میزان تلازم کا صریح نتیجہ ہے۔ لیکن اگر فریق
مخالف انکار کرے اور کہے کہ اسے جنت میں چھوڑنا اور اس پر مہربانی کرنی لئے بایں کہ
ان کی بہتری اسی میں تھی کہ انہیں دنیا کی طرف جو مصیبتوں کا گھر ہے نکالے اور انہیں خطاؤں
کے پیش کرے ۔

جیسا کہ تیرے سمجھ میں وارد ہوا ہے۔ اور وہ خیال کرتا ہے کہ ان کے لئے بہتر ہوتا کہ
جنت میں بیمار کرے اسی میں رہنے دئے جاتے۔ کیونکہ ایسی صورت میں بہشت ان کی
کوششوں کا نتیجہ نہ ہوتی۔ اور نہ ان کا استحقاق ہوتا۔ یہ ایک قسم کا احسان تھا اور

احسان ناگوار ہوتا ہے۔ جب وہ سنتے۔ اطاعت کرتے تو جو کچھ انھیں ملتا وہ اس کی جزا ہوتی یعنی اجر و مزدوری ہی ہی، احسان نہیں ہوتا۔ لیکن یہ نہیں کہا جاتا۔ کہ اس قسم کے کلام پس کے جواب سے اپنی زبان اور تمہارے کانوں کو تکلیف دوں، تم صرف اسی پر ہی غور سے غور کرو کہ تمہیں رائے کے نتائج کیونکر معلوم ہو جائیں۔ تمہیں یہ معلوم ہے۔ کہ جب بچے مرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انھیں بہشت میں بالغ اور مطیع لوگوں کی نسبت گھٹیا درجہ عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ بچے اللہ تعالیٰ سے یہ کہیں کہ ہمارے خدا! ہماری بہتری میں بخل سے کام نہ لو۔ ہماری بہتری اسی میں ہے کہ ہمیں بھی بالغوں اور مطیعوں جیسے درجے عطا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ انھیں معتزلہ کے خیال کے بموجب یہ جواب دیگا کہ میں تمہیں ان کے درجوں پر کیسے پہنچا سکتا ہوں۔ جبکہ وہ بالغ ہوئے انھوں نے تکلیفیں اور فرمانبرداری کی، مگر تم بچپن ہی میں فوت ہو گئے۔ وہ کہیں گے تو نے ہی ہمیں مار ڈالا اور تو نے ہی ہمیں دنیا میں رہنے اور آخرت کے اعلیٰ درجے حاصل کرنے سے محروم رکھا ہماری بہتری تو اسی میں ہے۔ کہ ہمیں انھیں جیسے درجے عطا فرمائیے۔ اگر تو ہمیں زندہ رکھتا تو ہم خود کیسے مرتے۔ تب اللہ تعالیٰ معتزلہ کے خیال کے مطابق یہ جواب دیگا کہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تم بالغ ہوتے تو ناشکر گزار ہو کر دوزخ کے مستحق بنتے اور ہمیشہ کے لئے اسی میں رہتے اور مجھے معلوم تھا کہ تمہاری بہتری اسی میں تھی۔ کہ تم بچپن میں فوت ہو جاتے تب بالغ کافر دوزخ میں سے پکار اٹھیں گے۔ اگر تمہیں یہ معلوم تھا کہ ہم بالغ ہو کر ناشکر گزار ہو جائیں گے۔ تو پھر تو نے ہمیں بچپن ہی میں کیوں نہ مار ڈالا۔ ہم تو لڑکوں کو عطا کیے ہوئے درجوں کے سوا نیچے درجے پر بھی راضی ہیں۔ اس وقت معتزلہ لاجواب ہو جائینگے اور کفار کی اللہ تعالیٰ پر حجت ہو جائے گی۔ و اللہ تعالیٰ متعالی علواً کبیراً۔ اصل بہتری کا فعل ایک بھید ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے قدرت میں رکھا ہے۔ لیکن معتزلہ اس اصل سے نہیں دیکھتے کیونکہ وہ علم کلام کے سرمایہ سے یہ بھید معلوم نہیں کر سکتا جس کو اس کے معلوم کرنے کا ڈھنگ ہے وہ نجومی ہے۔ اس میں رائیں مضطرب ہو جاتی ہیں۔
پس یہ ہے میری مثال رائے باطل کی۔

اب رہی قیاس کی مثال وہ کسی چیز میں ایک خاص حکم کا اثبات ہے جو اس کے غیر میں پایا جاتا ہے۔ جیسے معتزلہ کا یہ قول کہ اللہ تعالیٰ مجسم ہے۔ جب ان سے پوچھا

قرار دیتا ہے کہ اگر ہر ایک شخص جس امر میں باپ کا حکم رکھتا ہو اور بیٹے میں وہ بھی نہ پایا جائے
تو جائز ہے۔ اس سے یہ امر و نتیجہ بالیقین نہیں ہو سکتا لیکن یاد رکھو۔ ایسا قیاس قیاس
باطل ہے۔ اور یا قسمت منتشرہ کا سہارا لینا۔ سو اس کی مثال یہ ہے کہ وہ پیچھے کرتی سے
قائلوں کے بہ ملت کی اپنی طرح بطلان بیان کی ہے۔ وہ سب اجسام تھے۔ کیونکہ وہ فاعل
تھے یا اس واسطے کہ وہ موجود تھے یا اس واسطے کہ وہ تھے وہ تھے۔ پھر خود ہی تمام
اجسام کو باطل کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ نہیں اس سے لازم آتا ہے کہ وہ جسم تھے کیونکہ وہ
فاعل تھے۔ اور یہی قسمت منتشرہ ہے۔ جس سے شیطان اپنے قیاسوں کا وزن کرتا ہے۔
سو اس کی بطلان کو بھی بیان کر چکا ہوں۔

رفیق۔ میرا گمان ہے کہ جب وہ تمام اقسام میں سے ان کی مراد حل ہے۔ باطل ہو گئی
حالانکہ میں دیکھتا ہوں کہ اکثر متکلمین اپنے عقائد میں اس پر مدار رکھتے ہیں۔ و رویت باری تعالیٰ
کے بارے میں کہتے ہیں۔ کہ وہ مرئی رو دکھائی دینے کے قابل ہے۔ کیونکہ وہ صاحب سفیدی ہے
اس واسطے کہ سفیدی بھی اسی سیاہی دیکھی جاتی ہے۔ اور اس کا دیکھا جانا باطل ہے۔ کیونکہ وہ
جوہر ہے۔ اس واسطے عرض دکھائی دیتا ہے۔ اور کہ جوہر ہونا یہ باطل ہے کہ وہ عرض ہے۔
کیونکہ جوہر دکھائی دیتا ہے۔ جب ساری قسمیں باطل ہو گئیں تو باقی صرف یہ رہ گیا کہ وجود دکھائی
دیتا ہے۔ اب میری یہ خواہش ہے کہ آپ اس ترازو کی خرابی مجھے بالتشریح و بالتوضیح
سمجھائیں۔ تاکہ اس میں مجھے کسی قسم کا شک و شبہ نہ رہے۔

مصنف۔ اس بارے میں میں ایک سچی مثال بیان کروں گا۔ جو قیاس باطل سے
بطور نتیجہ کبھی برآمد نہیں ہو سکتی۔ اور میں اس پر سے پردہ ہٹا دوں گا۔ وہ یہ کہ ہمارا یہ قول
کہ عالم حادث ہے بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن قائل کا یہ قول کہ وہ اس واسطے حادث
ہے کہ مصور ہے۔ محض اس قیاس پر مبنی ہے کہ گھر اور تمام عمارتیں مصور ہیں۔ لیکن اس کا
یہ قول باطل ہے۔ حدوث عالم کے علم کے لئے مفید نہیں پڑتا۔ جب میزان حق سے
اس کی جانچ یوں کی جاتی ہے۔ ہر مصور حادث ہے۔ اور عالم مصور ہے۔ اس واسطے وہ
حادث ہے۔ اس میں دوسرا اصل تو مسلم ہے۔ لیکن پہلا کہ ہر مصور حادث ہے۔ جس کو
فریق ثانی نہیں مانتا۔ ایسے موقع پر وہ استقراء کی اوٹ لیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ
جس سے بطور نتیجہ یہ بات معلوم کی ہے۔ کیونکہ ہر مصور کو حادث پایا ہے۔ مثلاً گھر

پیمانہ تلبیس وغیرہ وغیرہ اس کی خرابی تو تم کو معلوم ہو گئے۔ جو مذہب فاسد اور پہلو بدلتا ہے۔ اور کہتا ہے
کہ عالم حادث ہے۔ کیونکہ جب ہم اس کے اوصاف کی چھان بین کرتے ہیں تو اسے
ایک جسم پاتے ہیں۔ جو منقسم، قائم، موجود اور معقول ہے۔ اور یہ چار صفات ہیں۔ اس
نے اپنی صفت کو یوں کہہ کر کہ جسم منقسم موجود ہے باطل کر دیا۔ پس ثابت ہوا کہ وہ
معقول ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور وہ چوتھی ہے۔ پس اسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ
کئی وجوہات کے سبب باطل ہے۔ ان چاروں میں سے پہلی کو بیان کرتا ہوں۔ اور وہ یہ
ہے کہ اگر تین کا بطلان ثابت ہو جائے۔ تو وہ صفت ثابت نہیں ہوتی جس کی تم کو طلب
ہے۔ شاید حکم معلل بہ علت قاصرہ، غیر جامع ہو اور متعدی نہ ہو۔ مثلاً عالم اگر عالم کا حدوث
ہونا ثابت بھی ہو جائے۔ تو شاید حکم معلل حقیقت میں اس سے قاصر ہو جو اس کے
حادث ہونے کو ظاہر کرتا ہو۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی وصف خاص جو تمام کو جامع ہو
رہ گیا ہو۔ اور وہ دوسرے تک نہ پہنچتا ہو۔ اس واسطے کہ وہ اسی صورت میں صحیح ہو سکتا
ہے۔ جبکہ اس طرح کوشش کی جائے کہ یہ خیال ہی نہ کیا جائے کہ کوئی قسم رہ گئی ہوگی
اور جب نفی اور اثبات کے مابین حاضر نہ ہو۔ اور یہ خیال کیا جا سکے کہ شاید اس کے سوا بھی
کوئی قسم باقی رہ گئی ہے تو حکم ٹھیک اور کلی نہیں ہو سکتا۔ حصر بھی نہایت کڑی
آسان کام نہیں۔ غالب اوقات متکلمین اور فقیہ اس کا پورا اہتمام نہ کر سکنے کے باعث یہ
کہتے ہیں کہ اگر اور کوئی قسم ہے تو اسے ظاہر کرو۔ اور بسا اوقات فریق ثانی یہی کہتا ہے کہ
مجھے اس کے ظاہر کرنے کا التزام نہ دو۔ اس طرح جھگڑا بڑھ جاتا ہے۔ اور بسا اوقات تقسیم
کنندہ استدلال کے وقت یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی اور قسم ہوتی تو ضرور ہمیں معلوم ہوتی۔ یہ قسمیں
معلوم ہوئی ہیں۔ پس ہماری اس سے ناواقفیت اس قسم کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ
مجلس میں ہاتھی کا نہ دیکھنا اس کی عدم موجودگی پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن اس جگہ
کو یہ معلوم ہی نہیں۔ مگر اس وقت ہم نے ہاتھی کو نہیں دیکھا۔ لیکن اس سے پہلے
یا بعد تو کئی مرتبہ اور کئی شخصوں نے دیکھا ہے۔ اور کئی دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ ہم حیوان
حاضر دیکھے اور اس کے ادراک سے عاجز رہے۔ لیکن وقت بعد خود ہی آگاہ ہو جاتے
ہیں۔ اسی طرح ممکن ہے کہ کوئی اور قسم باقی رہ گئی ہو جس کا علم ہمیں اس وقت نہ ہوا ہو۔ اور
بسا اوقات عمر بھر تک بھی اس کا علم نہیں ہوتا۔ تیسرے اگر ہم حصر کو تسلیم بھی کر لیں۔

کچھ فائدہ نہ دیکھا۔ مریض کا دل مائل ہو جاتا ہے کہ میں بھی عرق گلاب استعمال کروں لیکن
وہ یہ نہیں سمجھتا کہ پہلے یہ تو ثابت کر لو کہ عرق گلاب ہر قسم کے درد سر کو مفید ہے۔ خواہ وہ
سردی سے ہو یا گرمی سے یا معدہ کے بخار سے کیونکہ درد سر کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اور
یہ بھی ثابت کرو کہ میرا درد سر تمہارے درد سر کی طرح ہے اور میرا مزاج تمہارے مزاج کی طرح
ہے۔ اور میری عمر، صناعت اور احوال تجھ جیسے ہیں۔ اور یہ تمام باتیں ضرور مختلف ہوں
ہیں۔ اس تحقیق سب کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کا علاج بھی مختلف ہوتا ہے۔ اس قسم کی
تحقیق سے کام لینا فقط ماہر کا خاص ہے اور متکلمین کا۔ کیونکہ ان کو اول تو اس قسم کا مرض
ہی نہیں ہوتا اور اگر بر خلاف قیاس کے متکلمین کو ہوتا بھی ہے تو یقین کو رد کرنے کی خاطر
ملحد و لادینی کی طرف آتے ہی نہیں بلکہ نبوت کی طرف آنا صرف ان لوگوں کا خاصہ ہے
جنہیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہرہ وافر عطا ہوا ہے۔ اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں
نے نور الٰہی سے قرآن شریف کی روشنی کی طرف آ کر اس سے میزان بالقسط اور قسطاس مستقیم
حاصل کی ہیں۔ اور ایسا کرنے سے وہ منصف مزاج ہو گئے ہیں۔

رفیق۔ اب آپ کے کلام سے مجھے حق کی راہ اور اس کے مواقع خوب واضح ہو گئے ہیں
کیا آپ اب اس بات کی اجازت دیتے ہیں۔ کہ میں آپ کی پیروی اس واسطے کروں
تا کہ آپ مجھے وہ سکھائیں جو آپ کو (علم لدنی) سکھایا گیا ہے۔

مصنف۔ ہیہات تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور ایسی بات پر کیسے صبر کرو گے
جو تمہارے احاطہ واقفیت سے باہر ہے۔

رفیق۔ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ اور میں آپ کے کسی حکم کے خلاف نہ کروں گا۔

مصنف۔ کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ میں اس وعظ و نصیحت کو بھول گیا ہوں جو میں نے
تمہارے رفیقوں اور تمہاری جماعت کی تھی۔ اور جس پر تم ہمیشہ سے کاربند ہو۔ جس
شخص میں تقلید کی مرض چلتا ہو وہ میری تعلیم کے لائق نہیں۔ اس لئے نہ تم میری ہم نشینی
کے لائق ہو اور نہ میں تمہاری ہمسری کے۔ مجھ سے دور ہو جاؤ۔ بس اب سے تم میں اور مجھ میں فصل
ہے۔ کیونکہ میں تمہیں معاملہ میں اپنا ہم نفس کرتا اور تمہاری تعلیم کا خیال دل میں لا کر ان کی
تعلیم کا۔ آئندہ تم سے ملنے دیکھنا نہ دیں تمہیں دیکھوں گا۔ اس اصلاح فاسد اور مخفی
رہا کرنے سے میرے وقت کو زیاں و ضائع نہ کرتا۔ میں نے تمہیں نصیحت کی ہے لیکن